تحقیق مزید

بسلسلۂ

خلافت معاویہؓ و یزیدؒ

مؤلفہ

محمود احمد عباسی

شائع کردہ

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳، رو نمبر ۷، سب بلاک A، بلاک نمبر ۱۔ ناظم آباد

نزد مسجد قدوسیہ، کراچی ۷۴۶۰۰

فون نمبر : ۶۲۱۴۴۹

قیمت : ایک سو پچاس روپے

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

بابائے اُردو

کی

یاد میں

جنھیں موضوع کتاب اور تاریخی تحقیق (ریسرچ) سے خاص دلچسپی تھی۔ ایک تحریر کا عکس شامل کرتا ہوں جس میں مرحوم نے اپنی دلچسپی کا اظہار لطیف پیرایہ میں کیا ہے۔

محمود احمد عبّاسی

کل پاکستان انجمن ترقی اردو

اردو روڈ، کراچی - ۱

نمبر ......

مورخہ ...... نومبر ۸-۹۰۸ء

اجی کیا کسی صاحب۔ آپ کہاں ہیں۔ اب کے آپ بہت دن غائب رہے کیا معاملہ ہے۔ کیا "امیر المومنین" کی خدمت میں جب کہ آپ مصروف ہیں کہ ہم کو بھول گئے۔ الحمدللہ! یہ انہماک اور یہ والہانہ عقیدت۔ غرض آپ نے دنیا اور آخرت میں اپنی جگہ بنالی۔ وہاں جنت ملے گی اور یہاں حیات جاوداں۔ خیر اگر مصروفیت کا یہ عالم ہے تو کم سے کم ایک کارڈ ہی لکھ کر اپنی خیریت سے اطلاع دے دیا کیجیے۔ آپ نے پچھلی سردیوں میں مجھے ایک ٹوپی عنایت کی تھی۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے سر پر بس چیل ایک روز جھپٹا مار کر میرے سر سے لے گئی۔ اب سردی کی شروعات ہے۔ ابھی سے چھینکیں آنے لگی ہیں۔ ہر چند کہ ہر بلا الحمدللہ ہے آپ کا نام زبان پر آتا ہے۔ میرا اصرار ہے کہ ویسی ہی ایک ٹوپی پھر بنوا دیجیے۔ آپ کا یہ احسان میرے سر پر رہے گا۔

مخلص

عبدالحق

مکتوب حضرت بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق رح

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

عرض مؤلف

(طبع دوم)

اس کتاب "تحقیق مزید بسلسلۂ خلافت معاویہؓ و یزید" کا پہلا اڈیشن جون سنہ ۱۹۶۱ء میں بتعداد دو ہزار طبع ہوا تھا جو عرصہ ہوا ختم ہو چکا تھا، مانگ برابر جاری تھی مگر دوسرے اڈیشن کی طباعت محض اس لئے ملتوی ہوتی رہی کہ بعض اہل علم کے مشورے کے مطابق یہ تجویز کیا گیا تھا کہ اس کتاب کے مواد کو بھی اختصار کے ساتھ اصل کتاب "خلافت معاویہؓ و یزید" ہی میں شامل کر دیا جائے تاکہ ایک ہی موضوع پر دو کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت باقی نہ رہے، چونکہ اصل کتاب کو دوبارہ حکومت مغربی پاکستان کے حکم ۶ فروری سنہ ۱۹۶۴ء کی رو سے بحق سرکار ضبط کر لیا گیا تھا اور اس کے خلاف اپیل ہائیکورٹ میں دائر تھا جس کی سماعت بالآخر اسپیشل بنچ ہائیکورٹ کے سامنے ۵ اور ۶ اپریل سنہ ۱۹۶۵ء دو دن ہو کر فیصلہ محفوظ رکھا رکھا گیا اور تقریباً چھ ماہ بعد ۲۲ نومبر سنہ ۱۹۶۵ء صادر کیا گیا جس میں حکم ضبطی منسوخ ہو کر اپیل منظور کیا گیا چنانچہ اسی وقت سے باضافہ مضامین جدید اڈیشن کی تیاری کی جا رہی تھی کہ حکومت نے اس درمیان ہائیکورٹ کے اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کر دیا ہے ان حالات میں اب صرف کتاب تحقیق مزید ہی کو جس پر کوئی قانونی پابندی عائد نہیں شائقین کے طلب و تقاضے کے پیش نظر بصورت موجودہ دوبارہ طبع کرایا جاتا ہے۔

اس کتاب کا موضوع بھی اصل کتاب کی طرح بعض تاریخی حقیقتوں کا اظہار اور تشریح ہے فرقہ وارانہ مباحث سے اس کا تعلق نہیں جیسا کہ مولانا عبدالماجد دریابادی نے لکھا تھا "کتاب مجادلہ کیا معنی مناظرہ کی بھی نہیں اور اس کا موضوع عقائد کی بحث نہیں

بلکہ تاریخی حقیقتوں کا انکشاف کیا ہے"

تحقیق مزید کے تبصرے میں مولانا موصوف لکھتے ہیں (صدق جدید لکھنؤ ۸ نومبر) "غالباً سنہ ۵۹ء تھا کہ محمود احمد صاحب عباسی کی ایک بڑی معرکۃ الآرا بلکہ تہلکہ خیز کتاب خلافت معاویہؓ و یزید" کے نام سے شائع ہوئی تھی، اس وقت کے بعض معروف و متعارف مزعومات و عقائد سے ہٹ کر بالکل نئے دعوے کئے گئے تھے اس لئے کتاب پر بڑا ہنگامہ برپا ہوا اور تند و تلخ تردید کا زبردست سلسلہ برسوں تک چلا گیا پیش نظر کتاب اسی نقش اول کا نقش ثانی ہے اور اگر کچھ کسر اس میں رہ گئی تھی تو وہ اس میں پوری کر دی گئی ہے۔ کتاب ان لوگوں کے لئے پڑھنے کے قابل پوری ہے جو اس موضوع پر محض تاریخی حیثیت سے نظر کرنا چاہتے ہیں انھیں یقیناً اس میں بہت سے بیانات چونکا دینے والے بھی ملیں گے اور بعض بڑے انقلاب آفریں۔ مصنف کا مطالعہ تاریخ اسلام پر بے شبہ بہت گہرا بھی ہے اور بڑا وسیع بھی البتہ اس سوال کا کہ جو نتیجے وہ کھینچ نکالتے چلے گئے ہیں کہاں تک صحیح و صائب ہیں۔ اس کا فیصلہ وہی اہل علم کر سکتے ہیں جو ہر قسم کے تعصب سے پاک ہوں اور جن کا مطالعہ مصنف سے وسیع تر و عمیق تر ہو کتاب قابل مدح و داد ہو یا مستحق رد و قدح انقلاب آفریں ہر حال و صورت میں ہے"

اس کتاب کے فرمے جلد بندی کے لئے جلد ساز کی دوکان میں تھے کہ طوفانی بارش سے سیلاب کا پانی دوکان میں بھر گیا اور یہ فرمے ضائع ہو گئے۔ جو دوبارہ کتابت کے بعد طبع ہوئے اس لئے اشاعت میں تاخیر ہوئی۔

۳۰ جولائی سنہ ۱۹۶۷ء — محمود احمد عباسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

عرض مولف

داستانِ عہدِ گل را بشنو از مرغِ چمن ۔۔۔ زانکہ ما آشفتہ تر گفتند ایں افسانہ را

علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں مورخین و مفسرین اور ناقلین حکایات و روایات کی غلطیوں اور لغزشوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

وکثیراً ما وقع للمؤرخین والمفسرین وائمۃ النقل من المغالط فی الحکایات والوقائع لاعتمادھم فیھا علی مجرد النقل غثاً او سمیناً ولم یعرضوھا علی اصولھا ولا قاسوھا باشباھھا ولا سبروھا بمعیار الحکمۃ والوقوف علی طبائع الکائنات وتحکیم النظر والبصیرۃ فی الاخبار فضلوا عن الحق وتاھوا ببیداء الوھم والغلط

اکثر مورخین و مفسرین اور ناقلین حکایات و واقعات کی روایتوں کے نقل کرنے میں غلطیوں کا شکار ہو گئے کیونکہ انہوں نے محض نقل ہی کرنے پر اعتماد کیا اور اس بات کا لحاظ نہ کیا کہ یہ حکایتیں اور روایتیں رد کرنے کے لائق ہیں یا قبول کرنے کے، نہ انہوں نے ان کو اصول پر جانچا نہ ان کے مشابہات پر قیاس کیا اور نہ حکمت کے معیار اور طبائع کائنات کے وقوف پر انکو پرکھا اور نہ بصیرت سے ان پر غور کیا (غرضیکہ اس طرح) وہ حقیقت سے بہک گئے۔ اور غلطیوں کے جنگل میں بھٹکتے پھرے۔

مورخین کا اس طرح بہکنے اور روایتوں کے جنگل میں بھٹکتے پھرنے کی بیّن اور عبرت آموز مثال حضرت عثمان غنی ذی النورینؓ کے مخالفانہ پروپگنڈے اور اس کے نتیجے میں آپکی انتہائی مظلومانہ شہادت کے حالات کی ہے نیز امیر معاویہؓ و امیر یزیدؒ کے ایام خلافت (سنہ ۴۱ھ-۶۴ھ) کے مشہور واقعات کی مکذوبہ روایتوں و حکایتوں کی اور بھی واضح مثال ہے جو قدیم مورخین نے عہد عثمانی و اموی کے سیکڑوں برس بعد بغیر جانچے پرکھے اپنی کتابوں میں نقل کر دی ہیں۔ قدیم مورخین کی مولفہ کتب تاریخ جو سب کے مصنفین کا ماخذ ہیں تعداد میں آٹھ ہیں ان میں سے پہلی دو کتابیں نسبتاً مختصر بھی ہیں اور اس قسم کی حکایتیں اور روایتیں بھی ان میں نہیں ہیں جن کا اشارہ ابن خلدون کی مندرجہ بالا عبارت میں ہے یعنی کتاب المحبر مولفہ ابوجعفر محمد بن حبیب متوفی ۲۴۵ھ و کتاب المعارف

مسلم بن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ باقی چھ کتابیں جو عام طور سے مستند سمجھی جاتی ہیں [illegible]
الاشراف مولفہ احمد بن یحیٰی البلاذری متوفی ۲۷۹ھ (۲) اخبار الطوال ابوحنیفہ الدینوری متوفی ۲۸۲ھ (۳) [illegible]
ابن واضح یعقوبی متوفی ۲۹۲ھ (۴) تاریخ الامم والملوک ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ (۵) (۶) مروج الذہب،
تنبیہ الاشراف مسعودی متوفی ۳۴۶ھ ۔ یہ سب مورخین جیسا کہ انکے سنین وفات سے ظاہر ہے امیر المومنین حضرت
عثمانؓ اور حضرت امیر معاویہؓ و امیر یزیدؒ کے زمانوں سے سیکڑوں برس بعد کے ہیں۔ کوئی سوا دو سو برس بعد کا ہے۔
کوئی ڈھائی سو برس بعد کا اور کوئی تین سو برس بعد کا۔ اسی کے ساتھ اس حقیقت ثابتہ کو بھی پیش نظر رکھئے کہ پہلی دو
صدی ہجری کے دوران تاریخ کی کوئی کتاب حجاز وشام ومصر میں نہیں لکھی گئی تھی جسے یہ قدیم مورخین اپنا ماخذ قرار
دے سکتے۔ ان مورخین کا ماخذ تو محض قبائلی روایتیں وحکایتیں ہیں جو عراق کے ان عربی قبیلوں میں وضع
ہوئیں جو حضرت علیؓ کی فوج میں شامل ہو کر جنگ جمل وصفین میں طالبانِ خونِ عثمانؓ سے برسرپیکار رہے
تھے اور قاتلانِ عثمانؓ کی ایک جماعت بھی انہی میں سے تھی۔ پھر یہ قبائلی روایتیں وحکایتیں بھی اموی عہد کے
خاتمے اور عباسی خلافت قائم ہونے کے تقریباً نصف صدی کے درمیان کوفہ کے رواۃ یان اخبار نے مرتب
کیں حضرت عثمان ذی النورینؓ کے واقعات کی روایتیں طبری نے بیشتر السری بن اسمٰعیل الکوفی سے لی ہیں جسکے
متعلق محدث یحیٰی القطان کا قول ہے کہ ایک ہی مجلس میں اسکا جھوٹ مجھ پر کھل گیا تھا۔ محدث نسائی نے
اسے متروک بتایا ہے اور کہا ہے کہ وہ تو لاشے محض تھا (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۷) امیر معاویہؓ و امیر یزیدؒ
کے عہد کے حالات و واقعات کی روایتیں بیشتر ان تین راویوں نے مرتب کیں (۱) محمد بن السائب الکلبی
الکوفی متوفی ۱۴۶ھ (۲) ابومخنف لوط بن یحیٰی ازدی متوفی ۱۵۷ھ ہشام بن محمد الکلبی مذکور متوفی
۲۰۴ھ۔ اول الذکر کا دادا البشیر بن عمرو الکلبی مع اپنے تین بیٹوں السائب وعبید وعبدالرحمٰن کے
جمل وصفین کی لڑائیوں میں حضرت علیؓ کی فوج میں شامل تھا اور محمد الکلبی کا باپ السائب اموی خلیفہ
عبدالملکؒ کے خلاف حضرت حسین بن علیؓ کے داماد مصعب بن زبیرؓ کے ساتھ لڑائی میں مارا گیا تھا اور
خود یہ ابوی محمد الکلبی بھی اموی خلیفہ کے خلاف ابن اشعث کی بغاوت میں شریک ہو کر الجماجم کے
معرکہ میں موجود تھا (المعارف ص ۲۳۳) ہشام کلبی اس کا بیٹا تھا۔ ابومخنف کا دادا سعید بھی جنگ صفین
میں اپنے قبیلہ کے سردار کی حیثیت سے حضرت علیؓ کی عراقی فوج میں شامل رہا تھا۔ ان تینوں راویانِ
اخبار کا تعارف کتاب خلافت معاویہؓ و یزیدؒ میں مجمل طور سے ہو چکا ہے (ص ۲۲) نیز اس کتاب میں ذکر
ضمناً آیا ہے کہ امام ذہبی و دیگر ائمہ رجال نے ان تینوں راویوں کو کذاب بتایا ہے اور لکھا ہے کہ یہ غالی
رافضی وشیعی محترق تھے۔ مورخ یعقوبی ومسعودی تو انہی غالیوں کے ہم عقیدہ اور ہم مسلک تھے۔
بلاذری خلافت عباسیہ کے مرکزی دفتر میں ابتداءً فارسی کے مترجم رہے پھر خلفاء عباسی کے ندیم اور

ان کے بیٹوں کے اتالیق رہے انہوں نے اور علامہ ابن جریر طبری نے عوانہ بن الحکم متوفی ۱۴۷ھ سیف
بن عمر متوفی ۱۸۰ھ وعلی بن محمد المدائنی متوفی ۲۲۵ھ اور ایک معتدل شیعہ راوی عمار الدہنی کی روایتیں
بھی لی ہیں۔ غرضیکہ یہ ہے وہ تاریخی مواد جس سے ہمارے ان قدیم مورخین نے عثمانی و اموی خلافتوں
کے مشہور واقعات کی روایتیں اخذ کیں اور طبری نے قال ابومخنف وقال ہشام کلبی کی تکرار
کے ساتھ امیر یزیدؒ کے عہد خلافت کے بارے میں روایتوں اور حکایتوں کا انبار در انبار اپنے صفحات پر
لگا دیا کہ صدیوں پر صدیاں گذر جانے کے بعد آج بھی یہ انبار روایات پوشیدہ و مستور حقائق کی دریافت
کے لئے تحقیق (ریسرچ) کا زبان حال سے اسی طرح جویا و منتظر ہے جس طرح ماہرین آثار قدیمہ
(ARCHAEOLDGIST) خس و خاشاک اور تودہ ہائے ریگ و سنگ و خشت میں دبے
ہوتے ہزاروں سال کی مستور و مدفون حقیقتوں کا کھوج لگا لیتے ہیں[1]۔

کوفہ و عراق کی یہ قبائلی روایتیں وحکایتیں نمایاں طور سے حضرت علیؓ اور ان کے بیٹوں کے حق میں انکی
پارٹی کی موافقت میں اور ان کی مدح و ثنا میں ہیں اور قلم در کف دشمن کے مصداق بنی امیہ کی منقصت ومخالفت
اور انکی توہین و تضحیک میں ہیں۔ ابومخنف کے رسائل مقتل حسینؓ وغیرہ جیسا کتاب خلافت معاویہؓ و یزیدؒ
میں ثابت کیا جا چکا ہے افسانوی حد تک مبالغہ آمیز یکطرفہ اور تاریخی ترتیب کے اعتبار سے مبہم ہیں۔
طلب قصاص خون عثمانؓ کے بارے میں حضرت علیؓ سے جس کسی کا بھی کوئی اختلاف ہوا اور نوبت بجنگ پہنچی
کوئی دقیقہ ان راویوں نے اسکے مطعون کرنے میں اٹھا نہ رکھا۔ تفصیلی گفتگو کا تو یہاں موقع نہیں ایک

---

[1] ایک صدی سے زیادہ مدت ہوئی جنرل سر الکزنڈر کننگھم نے محنت شاقہ برداشت کر کے برصغیر ہند میں آثار قدیمہ کا سروے
کیا تھا ان کی مرتبہ رپورٹیں قیمتی معلومات کا خزانہ ہیں۔ ایک دلچسپ واقعہ مذکور ہے کہ صوبہ بہار کے ویران کھنڈروں
کا سروے کرتے وقت ایک مقام پہ جسے توہم پرست ہندو متبرک جانتے تھے انہیں مشکل کا سامنا کرنا پڑا مگر عرصہ کے
بعد جب محکمے نے کھدائی کر کے قدیم ہندو یونیورسٹی کے آثار برآمد کر لئے انہی ہندوؤں کی اولاد جنہوں دھرم بھرشٹ
ہونے کا واویلا مچایا تھا ان آثار پر اب فخر کرتی ہے۔ یہی کچھ کیفیت افسانوی و نیم افسانوی حکایتوں اور روایتوں کی
تحقیق کی ہے۔ قدرتی سی بات ہے کہ ریسرچ سے جب مستور حقیقت منکشف ہو کر ضیاپاش ہو جاتی ہے شپرہ چشم توہم پرست واویلا
مچا دیتے ہیں۔ محمد نوری نشاند سگ بانگ می زند خلافت عباسیہ کے قائم ہونے کے نصف صدی کے اندر کاغذ کی ایجاد ہو جانے سے
عراقی پارٹی کے بعض منچلے لوگوں کو موقع ملا بیسیوں رسائل اور کتابچے قبائلی حکایتوں کے لکھ ڈالے زمانے کے ہاتھوں یہ رسائل تو فنا
ہو کر میں غرق ہو گئے۔ ابن جریر طبری وغیرہ نے اس مجموعہ کے بعض اجزا کو جو کچھ کذب و افترا ہے اور کچھ کذب حق نما اپنے صفحات پر نوک
قلم درست کر کے درج کر دیا مصنفین نے اسناد ترک کر کے راویوں کے مضامین کو لے لیا اور اس طرح ملت کی گمراہی کا سامان مہیا کر دیا۔

دو مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ پہلے اس شرمناک اور زہریلے پروپگنڈے کی کیفیت سنئے جو ام المومنین
حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حق پرستانہ اقدام قصاص خون عثمانؓ کی بنا پر ان کے خلاف کیا گیا۔

کتب مغازی وسیر کی تصریحات سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہؓ
کو ۶ھ میں ایک سریہ پر متعین کر کے بنو فزارہ کے سرکش قبیلہ کی تادیب کے لئے بھیجا تھا اس لڑائی میں
ایک عورت ام قرفہ مع اپنی بیٹی ام زمل کے گرفتار ہوئی۔ مسلمانوں کے ساتھ اس نے انتہائی
دشمنی کی تھی پاداش جرائم میں قتل کردی گئی اس کی بیٹی ام زمل جنگی قیدیوں کی تقسیم میں ام المومنین حضرت
عائشہ صدیقہؓ کے حصہ میں کنیز کے طور سے دیدی گئی۔ موصوفہؓ نے کچھ عرصہ کے بعد اس پر احسان کر کے
آزاد کر دیا تھا چنانچہ وہ اپنے قبیلہ میں واپس چلی گئی مگر ماں کے خون کو فراموش نہ کر سکی تھی مدعیان نبوت
طلیحہ وغیرہ ومرتدین کے استیصال کے لئے جب حضرت ابوبکر الصدیقؓ نے حضرت خالدؓ سیف اللہ کو متعین کیا
انہوں نے طلیحہ وغیرہ کو شکست دینے کے بعد مقام بزاخہ کے قرب وجوار میں مرتدین کی شورشوں کا خاتمہ
کیا یہ ام زمل اپنی ماں ام قرفہ مقتولہ کے اونٹ پر سوار ہو کر بنو طے وسلیم وہوازن وغطفان قبیلوں
کے باغیوں کے ساتھ میدان میں آئی مسلمانوں مجاہدین نے اسکے اونٹ کو گھیرے میں لیکر کونچیں کاٹ
دیں اور اس عورت کو بھی قتل کر دیا۔ کہتے ہیں کہ الحوئب کے کتے اسی پر بھونکے تھے اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے اسی عورت کو ام المومنین عائشہؓ اور بعض دیگر ازواج مطہرات کے پاس بیٹھے دیکھکر فرمایا
تھا کہ تم میں وہ کونسی ہو گی جس پر الحوئب کے کتے بھونکیں گے۔ اصل واقعہ تو یہ تھا کذابین نے ام المومنین
کی ذات پاک پر اسے چسپاں کرنے کی شرمناک حرکت کی اور ابن جریر طبری نے خاص عنوان قائم کر کے
اس مکذوبہ روایت کو اپنے صفحات پر درج کر دیا ان سے پھر متاخرین نے نقل کیا۔ اردو مصنفین حضرات
دار المصنفین کی کتابوں میں اس مکذوبہ روایت کو طرح طرح سے بیان کیا جاتا ہے۔ اسی کذاب سبائی
ابو مخنف کی روایت سے ابن ابی الحدید نے اپنی شرح (...) میں ام المومنین کی روانگی بصرہ
کے بارے میں حضرت علیؓ سے یہ قول منسوب کیا ہے کہ انہوں نے کہا تھا انها التی تنبحها کلاب
الحوئب یعنی یہی ہے جس پر الحوئب کے کتے بھونکیں گے۔ پھر انہی کا یہ قول بھی لکھا ہے کہ عائشہ
کے ساتھ ہم نے تو کوئی برائی نہیں کی سوائے اس کے کہ ان کو اپنے گھرانے میں ہم نے داخل کر لیا
تھا۔ (انا ادخلناها فی حیزنا) اس کے علاوہ مصنف نہج البلاغۃ نے تو یہ پورا خطبہ ہی
حضرت علیؓ سے منسوب کیا ہے عنوان ہے۔ جنگ جمل سے فراغت کرنے کے بعد عورتوں کی مذمت کے
بارے میں دیا تھا اس میں یہ الفاظ حضرت علیؓ کے منہ سے کہلواتے ہیں۔

۔ عورتیں مردوں کے مقابلہ میں کم ایمان والی، کم حصہ والی اور کم عقلیں رکھنے والی ہوتی

..... دیکھو بری عورتوں کے تو قریب جانے سے بھی پرہیز کرو اور جو اچھی عورتیں
ہوں ان سے بھی چوکنا اور خوف زدہ رہو (کہ نہ جانے کس وقت تم پر یہ اپنا وار چلا دیں)
نیک کاموں میں بھی ان کے مشوروں پر عمل نہ کرو تاکہ انہیں برے کاموں میں تمہیں
رائے ومشورہ دینے کی طمع اور ہمت نہ ہو (خطبہ ۸۳)

ابن ابی الحدید نے اس خطبہ کی شرح کرتے ہوئے یہ مہمل بات کہی ہے کہ عورتوں کے
ناقص الایمان ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ ایام حیض میں وہ نماز نہیں پڑھ سکتیں نیز فرمایا ہے
کہ عائشہؓ و زبیرؓ و طلحہؓ نے اقدام بغاوت سے توبہ کر لی تھی۔ توبہ نہ کرتے تو بغاوت پر اصرار کرنے
کی وجہ سے داخل نار ہوتے۔ لولا التوبة لحکم بهم بالنار لاصرارهم علی البغی گویا
قصاص کو جسے شریعت نے مقدم رکھا ہے بغاوت سے تعبیر کیا ہے اور ام المومنینؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ
کے اقدام قصاص عثمانؓ کی روشن ترین مثال کی عظمت پر پردہ ڈالنے کی غرض سے اور کذاب راویوں کی
ہمنوائی کرتے ہوئے مصنف نہج البلاغہ نے بھی حضرت علیؓ کے منہ سے یہ الفاظ کہلوائے ہیں۔

فخرجوا یجرون حرمة رسول الله
کما تجر الامة عند شرائها
متوجهین بها الی البصرة فحبسا
نساءهما فی بیوتهما وابرزا
حبیس رسول الله لهما ولغیرهما
(خطبہ ۱۷۵)

(طلحہؓ و زبیرؓ) اس طرح نکلے کہ زوجہ رسول اللہؐ
کو یوں کھینچ رہے تھے جس طرح کنیز فروخت
کے لئے کھینچی جاتی ہے یہ لوگ بصرے کی طرف
لے جا رہے تھے ان دونوں (طلحہؓ و زبیرؓ) نے
اپنی عورتوں کو گھروں میں محفوظ کیا اور رسول اللہ
کی حرمت کو اپنے اور غیروں کے فائدہ کیلئے باہر نکال لا۔

حضرت علیؓ سے ایسے الفاظ ام المومنینؓ کی شان میں منسوب کرنا جو ابن جریر طبری ہی کی
روایت کے مطابق "اے اماں جان" کہہ کر انہیں مخاطب کرتے تھے شرمناک کذب بیانی ہے۔
جنگ جمل کے خاتمہ پر جب وہ ام المومنینؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ ای امہ، "یا امہ"
کہکر گفتگو کی تھی (طبری ج ۵ ص ۲۱۹) اور فرمایا تھا کہ یہ دنیا اور آخرت دونوں میں رسول اللہ
کی زوجہ محترمہ ہیں۔ ام المومنینؓ مدینہ جانے لگیں احترام کے ساتھ سفر کے انتظامات کئے خود
بھی دور تک مشایعت کی اور اپنے دونوں صاحبزادوں کو ایک منزل تک ساتھ کیا۔ ان واقعات
کی موجودگی میں کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ حضرت علیؓ نے کوئی کلمہ نازیبا ان کی شان میں
کہہ کر اساءت ادب کا ارتکاب کیا ہو۔ طبری نے متعدد جگہ حضرت عائشہؓ کا اسم گرامی لکھنے
یا "ام المومنین" کہنے کے بجائے حضرت علیؓ کے منہ سے۔ هذه المرأة۔ (ج ۵ ص ۱۷۱)

یعنی "یہ عورت" کہلوایا ہے۔ غالی راویوں اور مصنف نہج البلاغہ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ام المومنینؓ کو حضرت علیؓ سے خصومت تھی اس سلسلہ میں جو سب و شتم کیا گیا ہے اور ناگفتہ بہ الفاظ حضرت علیؓ کی زبان سے ادا کرائے گئے ہیں انہیں نقل نہ کرنا ہی مناسب ہے ام المومنینؓ موصوفہ کے اقدام قصاص خون عثمانؓ کے جو حالات اس کتاب میں پیش کئے گئے ان کے مطالعے سے کذابین و وضاعین کی پست فطرت کا قدرے اندازہ ہو سکے گا۔ مقاتل الطالبین کے غالی مؤلف نے تو یہ کذب بیانی بھی کی ہے کہ حضرت علیؓ کے مقتول ہو جانے کی اطلاع ملتے ہی حضرت عائشہؓ نے سجدہ شکر ادا کیا تھا (ص۴۳) حالانکہ واقعہ اسکے قطعاً برعکس ہے۔ علامہ شہاب الدین احمد ابن عبد ربہ نے عقد الفرید میں تفصیلاً بیان کیا ہے کہ اہلِ مدینہ میں سے کچھ لوگ شہادت علیؓ کو سنکر جب ام المومنینؓ کی خدمت میں گئے انہیں ابن عم رسول اللہؐ کے واقعہ پر غمگین پایا فَنَظَرَ حُزْنَهَا عَلَى ابن عم رسول اللہ (ج ۳ ص۱۳۵) حضرت عائشہؓ روضہ مبارک پر تشریف لے گئیں اور بچشم پرنم نوحہ و تعزیت کے کلمات ادا کئے جسے لوگوں نے اپنے کانوں سنا اور بیان کیا۔ غالیوں کی بدگوئیوں کے مقابلہ میں جس کی ایک دو مثالیں نمونے کے طور سے پیش کی گئی ہیں ان دونوں بزرگ ہستیوں کے کردار اور طرز عمل کی یہ روایتیں جن سے ان کے اعلیٰ اخلاق پر روشنی پڑتی ہے کہ باوجود اختلاف رائے اور سیاسی مخالفتوں کے ایک دوسرے کی قدر کرتے زیادہ مستند و معتبر ہیں۔

یہ مطاعن اور مکذوبہ روایتیں جنکا تذکرہ ہوا خون عثمانؓ کا قصاص لینے والوں کی بدگوئی میں ہیں اب خود ان مظلوم و شہید داماد رسول اللہؐ و خلیفہ راشدؓ کے بارے میں اس خطبے کے چند الفاظ سنئے جو حضرت علیؓ سے منسوب ہے اور خطبہ شقشقیہ کہلاتا ہے۔ حضرات شیخینؓ کی اساءت ادب کے الفاظ کے بعد حضرت عثمان ذی النورینؓ کے بارے میں یہ الفاظ کہلواتے ہیں۔

"پھر قوم کا تیسرا آدمی (عثمانؓ) متکبرانہ انداز میں پیٹ پھلا کے چارہ اور لید (کی جھیجھالیند) میں کھڑا ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اسکے باپ کی اولاد (بنی امیہ) کھڑی ہو گئی اور خدا کا مال خوب چبا چبا کر کھانے لگے جیسے اونٹ فصل ربیع کی گھانس کھاتا ہے یہاں تک کہ اس کی بٹی ہوئی رسی کے) بل بھی نکل گئے۔ انہیں ان کے کرتوتوں نے مار ا اور ان کی بدہضمی نے انہیں منہ کے بل گرا دیا۔"[۱]

اس قسم کے بیہودہ کلمات جو تہذیب و اسلامی اخلاق کے منافی اور واقعات کے بھی سراسر خلاف ہیں حضرت علیؓ جیسے پاکیزہ اخلاق صحابی کے منہ سے کسی دوسرے صحابی خصوصاً حضرت عثمانؓ کے لئے جو ہر اعتبار سے ان سے بمراتب بلند و برتر تھے ہرگز ادا نہیں ہو سکتے۔ یہ تو غالی مصنفین ہی کے وضع کردہ ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ حضرت عثمانؓ بڑے تاجر تھے مال و دولت کی بہتات سے عثمان غنی" کہلاتے تھے۔ طبعاً بڑے مخیر" تھے" اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں اپنا مال و زر بیدریغ خرچ کرتے۔ مالی جہاد میں جو ہاتھ سے جہاد کرنے میں افضل ہے سوائے حضرت صدیق اکبرؓ کے سب پر سبقت رکھتے تھے مہاجرین کو مدینے آکر آب شیریں کی بڑی دقت کا سامنا تھا حضرت عثمانؓ نے یہودیوں سے میٹھے پانی کے کنوئیں خرید کر مسلمانوں پر وقف کر دیئے۔ قحط سالی میں سیکڑوں من غلہ مفت تقسیم کیا۔ غزوہ تبوک کے موقع پر مجاہدین کے لشکر کے لئے جو "جیش عسرت" کہلایا نو سو اونٹ ایک ہزار گھوڑے مع ساز و سامان کے مہیا کئے اور ایک ہزار اشرفیاں اخراجات کے لئے پیش کیں۔ خلیفہ منتخب ہو کر اپنے کل مال و متاع کے تین مساوی حصے کئے ایک حصہ صلہ رحمی میں قرابتداروں میں بانٹ دیا۔ دوسرے حصے سے یتیموں، بیواؤں اور محتاجوں کی پرورش کا انتظام کیا اور صرف تیسرا حصہ اپنے اہل و عیال کے لئے رکھ چھوڑا، بہت سادہ زندگی بسر کرتے بیت المال سے ایک حبہ بھی ذاتی یا خاندانی ضرورتوں پر خرچ نہ کیا۔

فتنہ کے دوران حفاظت ذاتی کے لئے فوجی دستہ رکھنے اور اس کے مصارف کا بار بیت المال پر ڈالنے کے روادار نہ ہوئے حضرت علیؓ نے ان کی نیکی، نیک کرداری صلہ رحمی ان کی مروت و نرم مزاجی کا واضح الفاظ میں اعتراف کیا ہے (البدایہ والنہایہ)

---

[۱] نہج البلاغہ کے خطبے کے اس فقرے کا ترجمہ کتاب سلسبیل فصاحت (ترجمہ نہج البلاغہ) سے نقل کیا گیا ہے جو بقول مترجم ظفر مہدی جائسی بحکم محمد امیر احمد خاں آف محمود آباد ان کے قایم کردہ دارالتصنیف امیر سے شائع ہوا تھا مترجم نے ترجمے کے ساتھ جو تشریحی حاشئے تفصیل سے لکھے ہیں کوئی سنجیدہ شخص دل پر جبر کر کے بھی بتمام و کمال مطالعہ نہیں کر سکتا صدر اسلام کی واجب التعظیم ہستیوں اور عظمائے ملت کی حد درجہ بدگوئی کی گئی ہے۔

حضرت عثمانؓ یا بنی امیہ کے دوسرے صاحب اختیار بزرگوں پر بیت المال کا روپیہ لٹانے کے الزامات محض بے بنیاد ہیں صفین وغیرہ کی خانہ جنگیوں میں حسبِ قول شاہ ولی اللہؒ طلب خلافت کی غرض سے تیس نیت اسلام انثی نوّے ہزار سپاہ بھرتی کر کے بیت المال کی کثیر رقم ان پر صرف کرنے کی ابتدا۔ تو خود حضرت علیؓ کی جانب سے ہوئی تھی۔ یہ کرایہ کے سپاہی MERCENARY بعد میں ایسے بے وفا اور نا فرمان ثابت ہوئے کہ حضرت موصوف کو بار بار ان کا شکوہ کرنا پڑا جس کا ذکر اس کتاب میں بھی اپنے محل پر آیا ہے حتیٰ کہ مصنف نہج البلاغہ نے ایک خطبہ میں اَدَلَیسَ عَجَباً اَنَّ مُعاوِیَۃ یدعو الجفاۃ الطَّغام فیتبعُونہ علی غیرِ معونۃٍ وَلَا عَطاءٍ (الی آخرہ) شکوہ کے یہ الفاظ لکھے ہیں۔

"کیا یہ امر قابل تعجب نہیں کہ معاویہؓ تو اعانت اور عطا کے بغیر جفاکاروں کو دعوت دیتا ہے اور وہ اس کی پیروی کرتے ہیں اور میں تم کو حالانکہ تم بقیہ اسلام اور بقیہ مردم ہو اعانت اور عطا کے ساتھ دعوت دیتا ہوں تو تم میرے پاس سے متفرق ہو جاتے ہو اور میرے سامنے اختلاف کرتے ہو۔"

چنانچہ ایک اور تقریر میں یہ بھی فرمایا تھا کہ معاویہؓ کے اطاعت کیش اور فرمانبردار دس سپاہیوں سے میں اپنے سو نافرمان آدمیوں کا تبادلہ کرنے کو تیار ہوں۔ ان کے صاحبزادہ محمد الحنفیہؒ ہی کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ ثالثی کے بعد سے میرے والد نے اہلِ شام سے لڑنے کے لئے چار مرتبہ جھنڈا گاڑا مگر لشکریوں کی نافرمانی کی بدولت ہر مرتبہ اکھاڑ دینا پڑا (لامن) یہ حالت کیوں پیش آئی اس اسکا سمجھ لینا ضروری ہے۔ اپنے اپنے متبعین اور فوجیوں کی نظروں میں ان دونوں قائدین۔ علیؓ و معاویہؓ۔ کے پوزیشن کا فرق باعتبار حالات و واقعات یہ تھا کہ حضرت معاویہؓ تو ملک شام میں شروع ہی سے حکمانہ اقتدار رکھتے تھے۔ تقریباً سترہ اٹھارہ برس سے نہ صرف گورنر رہے تھے بلکہ ان کے اور ان کے بھائی حضرت یزیدؓ کے ہاتھوں اس ملک کا بڑا حصہ فتح ہوا تھا۔ عہد صدیقی و فاروقی میں دیگر مجاہدین کے ساتھ انہوں نے اور ان کے اہل خاندان نے جہادوں میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ قیادت اور سرداری کی عدیم النظیر صفات حسنہ کی وجہ سے بیحد ہر دلعزیز تھے۔ شامی افواج ان کے ایک اشارے پر معونت و عطاء کے بغیر سر دادہ ہو جانے کو موجود تھیں حضرت علیؓ کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ عراقی لیڈروں کو غرّہ اس بات کا تھا کہ جس انقلاب کی بنا پر حضرت علیؓ مسند خلافت پر فائز ہوئے اس میں ہمارا ہاتھ تھا اور ہماری ہی مدد سے بیعت خلافت ہوئی اور ہم ہی ان کی حربی قوت کی ریڑھ کی ہڈی کے مثل ہیں اور ہماری ہی حمایت کی بنا پر مدینہ چھوڑ

کر کوفہ کو مستقر بنایا ہے ہمارا کہنا انہیں بہر حال کرنا ہوگا چنانچہ صفین کے موقع پر ان عراقیوں کی ایک جماعت نے ثالثی کی تجویز منوانے کے لئے یہ دھمکی بھی دی کہ ہماری بات نہ مانی گئی تو تمہارا بھی وہی حشر کریں گے جو ابن عفانؓ کا کیا تھا۔ او نفعل کما فعلنا یا بن عفان (طبری ج ۶ ص ۲۷) مالک الاشتر جو کارگذار اور بہادر تھا اس تجویز کا سخت مخالف تھا وہ خوب جانتا تھا کہ شہادت عثمانؓ کے بارے میں تحقیق و تفتیش رنگ لائے بغیر نہ رہے گی۔ حالات نے اُسے مجبور کر دیا مگر بطور ثالث اس نے اپنا نام پیش کرایا لوگوں نے نامنظور کیا۔ طبری نے ابو مخنف ہی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ صفین کے معرکہ میں جاتے ہوئے عراقی دوستوں اور محبوں کی طرح گئے تھے وہاں سے لوٹے تو دشمنی و عناد کے جذبات لیکر لوٹے (ج ۶ ص ۲۵) ابو مخنف کی دوسری روایت میں ہے کہ صفین سے واپس ہوتے ہوتے حضرت علیؓ کا گذر جن جن قبائل پر ہوتا آہ و بکا کی آوازیں سنتے ایک ہی قبیلہ کے ایکسو اسّی ۱۸۰ جوان مارے گئے تھے (ص ۳۵ ایضاً) اس کثرت سے جانیں ضایع جانے کے باوجود گوہر مقصود ہاتھ نہ آنے سے عراقیوں کے دلوں میں مایوسی اور غم و غصہ کے جذبات کا موجزن ہونا قدرتی تھا۔ ان کی مختلف جماعتوں کی ایک دوسرے پر الزام تراشیوں سے خصوصاً ثالثی کی تجویز کے بعد سے پھوٹ پڑ گئی۔ بلاذری نے ایک روایت میں بیان کیا ہے کہ عمارہ بن عقبہ نے حضرت معاویہؓ کو عراقیوں کی حالت کی اطلاع ان الفاظ میں دی تھی۔

"علیؓ کے قرآن خواں اور زہد کیش ساتھیوں نے ان سے بغاوت کی علیؓ ان سے لڑے اور انہیں نہروان کی جنگ میں قتل کر ڈالا اس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے لشکر والے اور بہت سے اہل کوفہ جن کے عزیز نہروان میں مارے گئے تھے ان سے بگڑ بیٹھے ہیں ان کے دلوں میں ایک دوسرے سے سخت عداوت پیدا ہو گئی ہے اور ان کا اتحاد و یک جہتی پارہ پارہ ہو گئی ہے"

بلاذری کی ایک اور روایت میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اس صورتحال سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ عراقی لیڈروں خصوصاً حضرت اشعث بن قیسؓ سے خط و کتابت کی انہیں عزت و منزلت کے سبز باغ دکھلاتے یہ لوگ حضرت علیؓ سے ٹوٹ کر حضرت معاویہؓ کی جانب مائل ہو گئے اسی بنا پر معاویہؓ کہا کرتے تھے کہ صفین کے بعد علیؓ سے میری لڑائی میں نہ لشکر کی ضرورت پڑی نہ سامانِ جنگ کی۔ لیکن ثالثی کی کارروائی کا وقت نظر سے غیر جانبدارانہ مطالعہ کرنے پر اس حقیقت کا انکشاف ہو جاتا ہے کہ خونِ عثمانؓ کا قصاص نہ لے سکنے کی وجہ سے حضرت علیؓ کا پوزیشن خراب ہو گیا تھا۔ علامہ ابن جریر طبری نے ثالثی کی کارروائی کے بارے میں یوں تو ابو مخنف کی پانچ روایتیں اپنی کتاب کے ڈھائی صفحوں پر درج کی ہیں جن میں ۵۷ سطریں ہیں مگر نفس معاملہ کو جو سات

سطروں میں مہمل طور پر بیان کر دیا ہے کہ معاویہؓ کے ثالث عمرو بن العاصؓ نے فریق ثانی کے ثالث ابو موسیٰ اشعریؓ کو دھوکہ دیکر ان ہی کے مُنہ سے حضرت علیؓ کی معزولی کا اعلان کرادیا مگر اپنے فریق کو قایم رکھا۔ اس پر دونوں ثالثوں میں گلخپ ہو پڑی ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگے اور اس طرح اس اہم اجتماع کا خاتمہ اصل معاملہ کا تصفیہ کئے بغیر ہو گیا جو قصاص خون عثمانؓ سے متعلق تھا نہ انتخاب خلیفہ سے۔

یہ لغو روایت کہ ابو موسیٰ اشعریؓ نے ثالثی کا فیصلہ صادر کرتے ہوئے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیا تھا عمرو بن العاصؓ نے علیؓ کا معزول کیا جانا تو قبول کر لیا مگر معاویہؓ کو بحال و برقرار رکھا کھلا ہوا دھوکہ و فریب اور شرمناک مغالطہ ہے۔ معاویہؓ نہ خلیفہ تھے اور نہ خلافت کے مدعی ان کا بحال و برقرار کیا جانا محض لغو اور مہمل ہے ثالثی کا انتخاب خلیفہ سے کوئی دور کا تعلق بھی ہوتا تو حضرت علیؓ قبول و منظور ہی کیوں کرتے۔ معاویہؓ تو محض طالب قصاص تھے چنانچہ خود حضرت علیؓ نے اپنے گشتی مراسلہ میں صاف اقرار کیا ہے کہ خون عثمانؓ کے معاملہ میں اہل شام سے ہمارا مقابلہ ہوا اور ہم اس خون سے بری تھے۔ بذات خود تو وہ بری تھے بار بار قسمیں بھی کھاتے تھے مگر ان کے معتمد خاص مالک الاشتر اور اس کے ساتھی بلوائی جو ان کی فوج میں شامل تھے وہ تو بری نہ تھے قاتلین سے قصاص نہ لے سکتے بلکہ الٹا اپنی پناہ میں رکھنے اور عہدے دینے کے الزامات کی تحقیقات اور تصفیہ ہی کی غرض سے تو یہ ثالثی مقرر ہوئی تھی۔ فریقین کو ثبوت و شہادت اور صفائی پیش کرنے کے لئے چھ ماہ کی مہلت دی گئی تھی مگر عراقیوں کی حیلہ جوئی سے مقررہ وقت اور متعینہ مقام پر اجتماع نہ ہو سکا تھا بعد میں اذرح مقام پر ہوا اور حسب قرارداد سابق فریقین کے چار چار سو طرفدار حاضر آئے۔ حضرت معاویہؓ کے ساتھ عظمائے ملت سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن عمرؓ مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہم موقع پر موجود تھے مگر حضرت علیؓ بذاتِ خود موقع پر نہ گئے تحریرات کے ذریعہ ثالث سے سوال و جواب کرتے رہے جس میں کافی وقت لگ گیا۔ عراقیوں کے سامنے تو معاملہ بس اتنا تھا کہ ان کا فریق کسی نہ کسی طرح جیت جائے اور مستقر خلافت کوفہ ہی باقی رہے ثالث کے پاس کوئی تحریر ان کی آتی عراقی دوڑے ہوئے آتے ابن عباسؓ سے پوچھتے تم نے کیا لکھا تھا کیا جواب آیا۔ شامیوں کے سامنے تصفیہ طلب مسئلہ صرف یہ تھا کہ مدینہ میں جو انقلاب ہوا جس کے نتیجہ میں خلیفہ وقت مظلومیت سے شہید کئے گئے اس سے علیؓ کا کوئی تعلق تھا یا نہیں قاتلین سے انہوں نے قصاص کیوں نہ لیا کیوں بلوائی لیڈروں کو اپنا مقرب و معتمد بنایا، کیوں انہیں عہدے دیئے، اور کیوں مانع قصاص ہیں۔ شامیوں کا قاصد ثالث پاس آتا جواب لیکر خاموشی سے چلا جاتا، دونوں کیمپوں کی حالت ہی سے دونوں پارٹیوں کے غلط اور صحیح موقف کا اندازہ ہوتا تھا۔ بالآخر شہادت ثبوت و صفائی گذر جانے کے بعد حضرت علیؓ کے ثالث نے جو ان کے بھتیجے داماد بھی تھے واقعات کا غیر جانبدارانہ جائزہ لیکر انہیں ہی خطاوار ٹھہرایا اور مفاد ملت کے پیش نظر آٹھ نو سو حاضرین کے سامنے جن میں اکثر عظمائے ملت و صحابہ موجود تھے منصب خلافت سے معزول کر دیا جس سے دوسرے ثالث نے بھی اتفاق کیا۔ غالی راویوں نے جو مبتذل باتیں دونوں جلیل القدر صحابیوں سے منسوب کی ہیں کتب وافرا ابھی ہیں اور بغض صحابہ کی مظہر بھی۔ ابو موسیٰ اشعریؓ بڑے پایہ کے عالم و فقیہ تھے آنحضرتؐ نے حضرت معاذؓ کے ساتھ انہیں یمن بھیجا تھا۔ حضرت عمرؓ ان کے فہم و قوت فیصلہ کے معترف تھے جمہور امت نے ان کے عادلانہ فیصلہ کو سراہا۔ قاضی بلال اشعری ان کے پوتے تھے ذوالرمہ شاعر نے انہیں مخاطب کر کے یہ شعر کہے تھے کہ تمہارے دادا نے اذرح کے ایام ثالثی میں خانہ جنگی کی تباہ کاریوں کا سدباب کر کے دین و ملت کو بچا لیا تھا ؎

ابوك تلافى الدين والناس بعدما تشاءوا وبيت الدين منقطع الكسر
فشد اصار الدين ايام اذرح ورد حروبا قد لقحن الى عقر

حضرت علیؓ کو اس فیصلہ کے بعد سے اپنے دوبارہ منتخب ہونے کی کوئی توقع نہ ہو سکتی تھی فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا جس سے ان کے پوزیشن اور وقار کو صدمہ پہنچا، طالبان قصاص کے حق میں یہ فیصلہ البتہ کامیاب جنگ سے بھی زیادہ مفید ہوا۔ رائے عامہ کا وزن روز بروز علیؓ کی مخالفت اور معاویہؓ کی موافقت میں زیادہ ہوتا گیا۔ طاقت استعمال کرنے کے باوجود جس کے نتیجے میں ہولناک خونریزیاں ہوئیں علوی سیاست و قیادت اس درجہ ناکام رہی کہ مدتوں بعد تک اپنوں غیروں میں اسکے ذکر و اذکار ہوتے۔ روایت ہے کہ ایک دن حضرت حسینؓ اپنے والد کی کچھ بڑائی اپنے تایا جعفر طیارؓ کے مقابلے میں کرنے لگے عبداللہ بن جعفرؓ نے کہا میرے والد تو جنت کی سیر کرتے ہیں تمہارے والد تو خانہ جنگیوں کے خون میں نہا گئے تھے۔ سریق الدماء فی الفتنۃ (بلاذری) مخبر صادق علیہ السلام نے خبر دی تھی کہ شہادت عثمانؓ سے خلافت خاصہ منقطع ہو جائے گی ابن ابی الحدید کی روایت ہے کہ ایک مجلس مشاورت میں جو حضرت عثمانؓ نے آخر ایام میں منعقد کی تھی علیؓ و معاویہؓ میں سخت کلامی کی نوبت آئی وہ غصہ میں اٹھ کر جانے لگے روکنے سے نہ رکے تو حضرت عثمانؓ نے کہا تھا۔ واللہ لا تصل الیک ولا الی احد من ولدك (قسم بخدا یہ خلافت نہ تمہیں

ملے نہ تمہاری اولاد میں سے کسی ایک کو، اسامہؓ موجود تھے یہ سنکر انہیں بڑا تعجب ہوا حضرت سعدؓ سے ذکر کیا انہوں نے کہا عثمانؓ نے سچ کہا میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ خلافت نہ علیؓ کو ملے گی نہ ان کی اولاد کو لا ینالها علی ولا ولده (شرح ابن ابی الحدید) آپ کی پیش گوئی کس کس طرح پوری ہوئی وہ طلب خلافت کے مسلسل خروجوں سے ثابت ہے جو اس کتاب میں اس غرض و مقصد سے پیش کئے گئے ہیں کہ معاویہؓ و یزیدؒ اور دیگر خلفاء کے مفروضہ ظلم و جور کی حقیقت منکشف ہو جائے اور ساتھ ہی یہ بھی واضح ہو جائے کہ خاندانی و موروثی خلافت کے سلسلہ میں مدعیانِ خلافت کے مناقب اور خلفاء وقت کے مثالب کی وضعی حدیثوں اور روایتوں کے پروپگنڈے سے سیاسی اقتدار کے حصول کی جدوجہد کو مذہبی رنگ و یکر کس کس روپ میں پیش کیا گیا اور فرقوں اور پارٹیوں کی کس کس نوعیت پر بنیاد ڈالی گئی اور یکجہتی و غیر طبقاتی ملت کس کس طرح فرقوں اور طبقوں میں متفرق ہو گئی۔ سیاسی اقتدار کے حصول میں ظلم و جور و خون ریزی ہاشمی افراد نے زیادہ کی۔ عبداللہ بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ نے اکابر بنی امیہ کو نہرابی فطرس پر جس قساوت اور ظلم و جور سے قتل کرایا وہ تاریخ کا سیاہ باب ہے۔ بنی امیہ نے تو حالت غضب میں بھی حلم سے کام لیا ہے

وما نقموا من بنی امیة الا   انهم یحلمون ان غضبوا

لوگ بنی امیہ سے اس لئے ناراض ہیں کہ   حالت غیظ و غضب میں بھی حلم سے کام لیتے ہیں

شہادت عثمانؓ، جنگ جمل و صفین و نہروان و کربلا کے حالات افسانوی اور نیم افسانوی طرز پر جن راویوں نے واقعے کے سیکڑوں برس بعد بیان کئے ہیں ان کا مجملاً ذکر ہو چکا ہے یہ بیانات زیادہ تر یکطرفہ اور مبہم ہیں مثلاً حادثہ کربلا کے بارے میں طبری نے مختلف روایتیں لکھی ہیں کبھی کہا ہے کہ کربلا میں نہیں نینوی میں یہ حادثہ پیش آیا اور محرم میں نہیں ماہ صفر میں ہوا۔ صاحب ناسخ التواریخ لکھتے ہیں کہ سنہ ۶۱ھ میں نہیں سنہ ۶۰ھ میں ہوا لہٰذا معاویہؓ کی وفات ایک سال پہلے سنہ ۵۹ھ میں قرار دینی جاتی پھر کہتے ہیں کہ عاشورہ کا دن یا تو شنبہ آتا ہے یا دوشنبہ لیکن ہندی زیجات سے چونکہ یکم محرم سنہ ۶۰ھ کو چہار شنبہ آتا ہے اور دسویں کو جمعہ لہٰذا بجائے سنہ ۶۱ھ کے سنہ ۶۰ھ کو قرار دینا مناسب ہے (صفحہ ۱۵ جلد ششم از کتاب دوم ملخصاً) جب وقوعہ کے سنہ اور مہینے اور تاریخ و دن بھی ٹھیک نہ بتائے جا سکیں تو دیگر تفصیلات کا پھر کیا اعتبار۔

وقوعہ کی تاریخ اور مقام کی اختلاف بیانی کے علاوہ خود ان تمام واقعات کے بارے میں جو قدیم و جدید مورخین نے اپنی کتابوں میں درج کئے ہیں زمانہ حال کے ایک شیعہ مولف اپنی کتاب "مجاہد اعظم" میں عربی و فارسی کی لونے کتابوں کی چھان بین کے بعد یہ لکھنے پر مجبور ہوئے کہ:۔

"عام کتابوں سے قطع نظر کرکے فریقین کی وہ مستند کتابیں جو" اسلامی تاریخ کی جان سمجھی جاتی ہیں اسقدر مختلف البیان ہیں کہ دیکھنے والے ششدر رہ جاتے ہیں۔۔۔ اگر دو مستند سے مستند کتابوں کو بھی سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو تمام واقعات کی تحریریں اول سے آخر تک متفق اللفظ نہیں (صفحہ ۱۳۷)

پھر خود ہی سوال کرتے ہیں کہ "آخر اسلامی واقعات کے اس نرے اور مہتم بالشان حادثہ کی نوعیت اسقدر ڈانواں ڈول اور سلسلہ روایات کے لا انتہا مختلف البیان ہونے کی کیا وجہ ہے"۔ چنانچہ خود ہی یہ وجہ بتاتے ہیں کہ کسی کا "کوئی چشم دید واقعہ بیان نہیں ہوا اسکے علاوہ صدہا باتیں طبعزاد تراشی گئیں۔ واقعات کی تدوین عرصہ دراز کے بعد ہوئی (صفحہ ۱۳۷) سب سے پہلا شخص جس نے اس حادثہ کو افسانوی رنگ میں بیان کیا ابو مخنف لوط بن یحیٰی ازدی متوفی سنہ ۱۷۵ھ تھا جس کی ولادت بھی اس زمانے کے کئی سال بعد ہوئی تھی اسے ائمہ رجال نے متفقہ طور سے غیر ثقہ بلکہ کذاب کہا ہے ابو مخنف کے بارے میں مولف "مجاہد اعظم" فرماتے ہیں کہ "وہ کربلا میں خود موجود نہ تھے اس لئے یہ سب واقعات انھوں نے بھی سماعی لکھے ہیں لہٰذا "مقتل ابو مخنف پر بھی پورا وثوق نہیں پھر لطف یہ کہ مقتل ابو مخنف کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں اور ان سے صاف پایا جاتا ہے کہ خود ابو مخنف ان واقعات کے جامع نہیں بلکہ کسی اور ہی شخص نے ان کے بیان کردہ سماعی واقعات کو قلمبند کر دیا ہے (صفحہ ۱۳۷)

چنانچہ ان "سماعی واقعات" کے متعلق جو ذاکروں اور واعظوں کی زبان سے بیان ہوتے ہیں اور شہادت ناموں میں بھی بیان ہوئے ہیں۔ مولف "مجاہد اعظم" فرماتے ہیں کہ اگر واقعات مثلاً تین شب و روز پانی کا بند رہنا، فوج مخالف کا لاکھوں کی تعداد میں ہونا، زینب کے صاحبزادوں کا نو دس برس کا ہونا، فاطمہ کبریٰ کا عقد قاسم کے ساتھ

ہونا ... شمر کا سینۂ مطہر پر بیٹھ کر سر جدا کرنا، نبی زادیوں کی چادریں چھین لینا سکینہ کی عمر تین سال کی ہونا (وغیرہ ہیں واقعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے)

کہ یہ نہایت مشہور اور زبان زد خاص و عام ہیں حالانکہ ان میں سے بعض سرے سے غلط بعض مشکوک بعض ضعیف بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں (صفحہ ۱۶۸)

حضرت علی بن حسین (زین العابدینؒ) کی زبانی جو چوبیس برس کے کڑیل جوان دو بچوں کے باپ تھے یا حضرت مثنیٰ کی زبان سے جو حضرت حسینؓ کے داماد مع اپنی زوجہ کے حسینی قافلے میں موجود تھے اور مع اپنے متعدد عزیزوں کے صحیح سلامت واپس آئے اور کربلا کے عرصہ دراز بعد تک حیات رہے کوئی واقعہ بیان نہ ہونا واضح دلیل اس امر کی ہے کہ اس حادثہ کی وہ نوعیت نہ تھی جو سیاسی اغراض سے عرصہ دراز بعد سبائیوں نے ملت میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کی غرض سے کتابچوں میں لکھی اور بعد کے مورخین نے ان ہی سے اخذ کر کے کتابوں میں نقل یا حسب عقل کے طور سے روایتیں درج کر ڈالیں۔

مزید بحث "توضیحات" کے زیر عنوان ملاحظہ ہو جس کے ساتھ "بہلنہ بسیار" [illegible] اعتراضات پر تنقیدات بھی شامل ہیں۔

محمود احمد عباسی
کراچی

صحابہ رسول اللہ صلعم اور یزیدؒ کی بیعت ولیعہدی خلافت

کتب تاریخ میں صراحتاً بیان ہوا ہے کہ یزیدؒ بن امیر المومنین معاویہؓ کی ولایت عہد کی تحریک سب سے پہلے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ ثقفی متوفی ۵۱ھ نے پیش کی تھی جو جلیل القدر صحابی تھے نیز بڑے فرزانہ مدبر، سیاست دان اور عہد فاروقی کے نامور فاتح اور گورنر تھے۔ یہ تحریک اس زمانہ میں پیش کی تھی جب قسطنطنیہ کے زبردست معرکۂ جہاد میں اسلامی لشکر کے کمانڈر کی حیثیت سے یزیدؒ کی انتظامی قابلیت، حربی صلاحیت، شجاعت و بسالت کے اعتراف میں ملت نے اس نوجوان غازی کو فتی العرب (عرب کے سورما) کے خطاب سے نوازا تھا اور بعد معاودت جہاد امیر الحج کی حیثیت سے حج بھی کیا تھا، یعنی ۵۰ھ میں۔ میر یزیدؒ کے اس لشکر میں، جیسا کتاب خلافت میں تفصیلاً بیان ہوا ہے، صحابہ کرام کی ممتاز جماعت بھی موجود تھی جس میں حضرت ابوایوب انصاریؓ میزبان رسول اللہ صلعم حضرت عبداللہ بن عمر فاروقؓ حضرت عبداللہ بن العباسؓ و دیگر صحابہ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ اور حضرت حسینؓ بن علیؓ بھی شامل تھے۔ حضرت حسینؓ کی شرکت جہاد قسطنطنیہ کو شیعہ مؤرخ مسٹر جسٹس امیر علی نے بھی تسلیم کیا ہے (ہسٹری آف سیرسینز مطبوعہ لندن ۱۹۵۱ء صفحہ ۸۰) یہی وہ پہلا اسلامی لشکر تھا جس نے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر جہاد کیا تھا اور جس کے ہر غازی کو لسان نبوی سے بشارت مغفرت دی گئی تھی:۔

وذلک الجیش اول جیش غزا القسطنطنیۃ وفی صحیح البخاری عن ابن عمرؓ عن النبی انہ قال اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر (القسطنطنیۃ) مغفور لہم۔ منہاج السنۃ ابن تیمیہ۔ ج ۲ صفحہ ۲۴۱	اور یہی لشکر وہ پہلا لشکر تھا جس نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔ صحیح بخاری میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا کہ میری امت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر جہاد کرے گا اس کے لئے مغفرت ہے۔

اس جہاد کی واپسی پر امیر یزیدؒ نے حج کیا اور امیر الحج کی حیثیت سے لوگوں کو حج کرایا، اس کے بعد دو سال متواتر ۵۱ھ و ۵۲ھ میں بھی امیر حج رہے۔ روضۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتے اور مدینہ کے دو خاندانوں میں یکے بعد دیگرے رشتہ مناکحت قائم کیا یعنی حضرت حسینؓ کی

بھتیجی سیدہ ام محمد بنت حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ ہاشمی سے اور دوسری مرتبہ حضرت فاروق اعظمؓ کی پروتی سیدہ ام مسکین سے۔

اس نوجوان مجاہد و غازی کی علمی و اخلاقی صلاحیتوں سے صحابہ و تابعین کی ممتاز جماعت بخوبی واقف تھی، ان کے پیش نظر خانہ جنگیوں کے اندوہناک حالات بھی تھے جو حضرت عثمان ذی النورینؓ کی مظلومانہ شہادت اور سبائی گروہ کے فتنہ و فساد سے ملت کے اختلال و انتشار کی صورت میں رونما ہوئے تھے۔ امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے تدبر و فراست، حلم و کرم، عدل و انصاف اور انتظامی قابلیت کی بدولت حالات بہت کچھ سدھر گئے تھے، قریش و دیگر قبائل عرب کی بڑی اکثریت اموی قیادت کی معترف تھی، صحابہ و تابعین نے اس تحریک کا خیر مقدم کیا، ملت اسلامیہ کے فلاح و بہبود اور مصالح کے اعتبار سے اس تحریک کی تائید کی اور عالم اسلام کے ہر خطہ کے لوگوں نے بیعت کی ــــ

فبایع له الناس فی سائر الاقالیم	تمام علاقہ جات میں لوگوں نے یزیدؒ (ولیعہدی)
(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۷۹)	کی بیعت کی۔

چند سال بعد رجب ۶۰ھ میں امیر المومنین حضرت معاویہؓ کو سفر آخرت پیش آیا۔ ممالک اسلامیہ کے ہر ہر علاقہ و صوبہ میں ولیعہد خلافت کی بیعت موکد کی گئی۔ سوائے حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ اور حسین بن علیؓ کے جنہوں نے بعد میں دعویٰ خلافت کیا اور سب نے بیعت کی۔ اس زمانہ میں حجاز و شام و عراق و مصر و یمن و بلاد مغرب (افریقہ) و بلاد مشرق (ایران و ترکستان) میں جا بجا صحابۂ رسول صلعم کی وہ بزرگ ہستیاں ضوفشاں تھیں، جنہوں نے سالہا سال تک شمع نبوت سے براہ راست اخذ نور کیا تھا، ان میں سے بہت سوں نے نبی کریمؐ کی معیت میں غزوات میں اور آپ کے بعد جہادوں میں شریک ہو کر باطل قوتوں کا کامیابی سے مقابلہ کرنے کی سعادت حاصل کی تھی وہ کسی حالت میں نہ باطل سے دبنے والے تھے اور نہ کسی جابر کی جبروت کو خاطر میں لا سکتے تھے۔ صحابہ کی اس کثیر تعداد میں سے کسی ایک صحابی نے بھی نہ متفق علیہ خلیفۂ وقت کے خلاف خروج و بغاوت کو کسی طرح جائز و مناسب سمجھا اور نہ حضرت حسینؓ کے خروج میں ان کا ساتھ دیا، بلکہ ان صحابہ و تابعین نے جو حضرت حسینؓ سے وقتاً فوقتاً ملے۔ انہیں طرح طرح سمجھایا، منع کیا اور خروج سے باز رکھنے کی کوششیں کیں۔

وقد کان فی ذٰلک العصر کثیرٌ من الصحابة	اس زمانہ میں صحابہ کی کثیر تعداد حجاز و شام
بالحجاز والشام والبصرة والکوفه ومصر	و بصرہ و کوفہ و مصر میں موجود تھی ان میں سے

وکلهم لم یخرج علی یزید لا وحده	کوئی بھی یزید کے خلاف نہ کھڑا ہوا نہ خود اور نہ
لا مع الحسین ولم یقاتلوا مع یزید	حسینؓ کے ساتھ اور نہ انہوں نے یزید کے
الخ بل اعتزلوا هذه الفتنة۔	ساتھ ہو کر قتال کیا۔ بلکہ اس فتنہ سے الگ
(اتمام الوفا فی سیرۃ الخلفاء ص ۱۲۱)	تھلگ رہے۔

ذیل میں ازواج مطہرات رسول اللہؐ، اصحاب عشرۂ مبشرہ، اصحاب بدر، اصحاب بیعت الرضوان اور دیگر صحابہ کرام کی فہرست مع مختصر حالات و سنین وفات حروف تہجی کے اعتبار سے درج ہے جو امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کے زمانہ نیز زمانہ خلافت میں اور بہت سے ان کے عہد خلافت کے بعد تک بقید حیات تھے۔ ان میں سے کسی ایک صحابی کی کوئی مخالفت یا خروج کی موافقت کسی طرح ثابت نہیں۔

ازواج مطہرات امہات المومنین

۱۔ ام المومنین حضرت حفصہؓ متوفی ۵۴ھ[1] یعنی بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ

۲۔	"	"	جویریہؓ	"	۵۶ھ	" "
۳۔	"	"	عائشہ صدیقہؓ	"	۵۸ھ	" "
۴	"	"	ام سلمہؓ	"	۵۹ھ	" "
۵۔	"	"	میمونہؓ	"	۶۱ھ	" "

---

[1] ام المومنین حضرت حفصہؓ کا سال وفات عام طور سے ۴۵ھ مشہور ہے، لیکن یہ کسی طرح صحیح نہیں، بخاری کی ایک روایت کے مضمون سے جہاں انہوں نے اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ہدایت کی تھی کہ جلدی سے جائیں ایسا نہ ہو کہ نہ جانے سے افتراق کی کوئی شکل پیدا ہو جائے اور یہ بات کہنے کے لئے وہ غسل خانہ میں سے اتنی عجلت سے برآمد ہوتیں کہ بال بھی خشک نہ کر پائی تھیں۔ یہ مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ کو مدینہ ہی کی کسی مجلس میں بیعت کے لئے بلایا جا رہا تھا نہ سیکڑوں کوس دور دومۃ الجندل کے جلسہ کی شرکت کی غرض سے جیسا کہ عام طور سے کہا گیا ہے۔ حضرت موصوفہ کے سنہ وفات میں سخت اختلاف ہے۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ ۴۱ھ میں وفات پائی، دوسری یہ کہ ۴۵ھ میں فوت ہوئیں اور تیسری یہ کہ ۲۷ھ میں بزمانہ خلافت حضرت عثمانؓ انتقال ہوا۔ آخر الذکر روایت میں کہا گیا ہے کہ جس سال افریقہ فتح ہوا اسی سال حضرت حفصہؓ کی وفات ہوئی مگر یہ شدید غلطی ہے حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں بلاد افریقہ میں جہادی سرگرمیاں شروع ہوئیں اور ۵۰ھ میں حضرت معاویہؓ نے عقبہ بن نافع الفہری کو فتح افریقہ کے لئے متعین کیا۔ انہوں نے بلاد افریقہ کو فتح کیا قیروان کا شہر بسایا اس سے دو سال بعد حضرت مروانؓ بن الحکم دوبارہ نائب مدینہ مقرر ہوئے اور یہ ثابت ہے کہ انہوں نے حضرت حفصہؓ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی اس اعتبار سے وفات بجائے ۴۵ھ کے ۵۴ھ زیادہ قرین قیاس ہے واللہ اعلم۔ شاید چار اور پانچ کے ہندسوں کے تقدم و تاخر سے یہ غلطی ہوئی ہو۔

اصحاب عشرہ مبشرہ

عشرہ مبشرہ میں سے یہ دو جلیل القدر صحابی امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کے زمانہ میں حیات تھے۔

۱۔ سعد بن ابی وقاصؓ۔ آپ اموی خاتون بنت طلیق بن سفیان بن امیہ بن عبد شمس کے فرزند، سیدہ آمنہ کے ابن عم، رشتہ میں رسول اللہؐ کے ماموں ہیں۔ بدری ہیں۔ جنگ اُحد میں ایک موقع پر جب آپ کفار پر تیر باری کر رہے تھے۔ آنحضرت صلعم نے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

ارم فداك ابي وامي وقال هذا خالي فليرني كل رجل خاله۔ (یعنی اے سعد، تیر پھینکے جاؤ۔ میرے ماں باپ تم پر قربان، نیز فرمایا۔ یہ میرے ماموں ہیں، اب لائے کوئی اپنا ایسا ماموں۔

(المعارف ص۱۰۶ ابن قتیبہ)

سب غزوات نبوی میں شریک رہے اور کارہائے نمایاں انجام دئے۔ فاتح ایران ہیں، اور ان چھ اصحاب میں سے ہیں، جنہیں حضرت فاروق اعظمؓ نے خلافت کے لئے نامزد کیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جو فتنے اٹھے اُن سے قطعاً علیحدہ رہے۔ حضرت علیؓ سے بیعت خلافت نہیں کی۔ جب حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے بیعت کرلی اور فتنہ دب گیا۔ حضرت سعدؓ بھی ان کی بیعت میں داخل ہو گئے۔ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کی تحریک سے اختلاف نہیں کیا۔ اس کے پانچ سال بعد ۵۵ھ اور بروایت دیگر ۵۹ھ میں اسی سال سے زائد عمر میں فوت ہوتے۔ حضرت مروانؓ نے جو عامل مدینہ تھے نماز جنازہ پڑھائی۔ امیر عمر بن سعدؓ جو بزمانہ خروج حضرت حسینؓ صوبہ عراق کے امیر عسکر تھے ان ہی کے فرزند تھے۔

۲۔ سعید بن زیدؓ۔ آپ منجملہ اُن چند صحابہ کے ہیں جنہوں نے بعثت رسول اللہ صلعم کے بعد ہی اسلام قبول کیا تھا۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے ابن عم بھی ہیں اور بہنوئی و برادر نسبتی بھی۔ حضرت عمرؓ کی بہن سیدہ فاطمہؓ جو اپنے نامور بھائی سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئیں اور ایک روایت کے مطابق ان ہی کے گھر میں حضرت عمرؓ کو قرآن پاک کی آیات پڑھ کر دین حق سے رغبت پیدا ہوئی تھی۔ حضرت سعیدؓ کی زوجہ تھیں اور اُن کی بہن سیدہ عاتکہ حضرت عمرؓ کے حبالۂ عقد میں تھیں ان کا پہلا نکاح حضرت عبد اللہ بن سیدنا ابو بکر صدیقؓ سے ہوا تھا ان کے غزوہ طائف میں شہید ہو جانے کے بعد حضرت عمرؓ کی زوجیت میں آئیں۔ حضرت سعیدؓ بدر سوا دیگر تمام غزوات میں شریک رہے امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کی تحریک کے کچھ عرصہ بعد ۵۱ھ میں مدینہ کے قریب مقام العقیق میں منزل آخرت طے کی، مدینہ میں مدفون ہوئے، ان کی ایک بیٹی حسن بن الحسن بن علیؓ بن ابی طالب کے حبالۂ عقد میں تھیں۔ (جمہرۃ الانساب ابن حزم)

اصحاب بدر

۱۔ ابو ایوب خالد بن زید انصاریؓ۔ صحابی جلیل و میزبان رسول اللہؐ بعد ہجرت مدینہ تشریف آوری کے موقعہ پر رسول اللہؐ نے کچھ دن ان ہی کے گھر قیام فرمایا تھا۔ بیعت عقبہ میں موجود اور تمام غزوات میں شریک رہے۔ ۴۹ھ میں جب ان کی عمر اسی سال سے زائد تھی قسطنطنیہ کے جہاد میں شریک ہوئے۔ مجاہدین کے زمرہ میں سادات صحابہ کی ایک جماعت جس میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عباسؓ نیز عبد اللہ بن زبیرؓ اور حسین بن علیؓ بھی شامل تھے سپہ سالار لشکر امیر یزیدؒ کے ساتھ اس جہاد میں حجاز سے طویل سفر اختیار کر کے شریک ہوئی تھی، سیدنا ابو ایوب انصاریؓ بھی اس جماعت میں شامل تھے، عین موقع جہاد پر بعارضہ پیچش ان کو سفر آخرت پیش آگیا۔ آپ نے سپہ سالار لشکر امیر یزیدؒ کو وصیت کی کہ رسول اللہ صلعم کی جو دو حدیثیں مجھ کو یاد آئیں انہیں امت کو پہنچا دیں۔ نیز یہ وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو دشمن کی سرزمین پر جتنی دور لیجا سکو میرا جنازہ لیجا کر دفن کرنا۔ چنانچہ امیر یزیدؒ نے آپ کے حسب وصیت اس مقام پر جہاں آپ کا مزار اور عالیشان مسجد واقع ہے دفن کیا۔

تاریخ زوال روما الکبریٰ کے مشہور مؤلف ایڈورڈ گبن نے بیان کیا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کے ان محترم صحابی کے نماز جنازہ و تدفین کو رومی عیسائیوں نے دوران جنگ میں حیرت و استعجاب سے دیکھا تھا۔ سنہ وفات واقدی نے ۵۲ھ لکھا ہے اور محدث ابو زرعہ دمشقی نے ۵۵ھ بتایا ہے۔ ابن کثیر نے ۵۲ھ کے ذیل میں ان کی وفات لکھی ہے لیکن صحیح ۵۰ھ ہے، اس بنا پر نیز اس اعتبار سے کہ امیر یزیدؒ کو وہ عزیز رکھتے تھے ان کی قیادت میں دم واپسیں تک شریک جہاد رہے۔ ان کا تذکرہ اس فہرست میں درج کیا گیا ہے۔

۲۔ ابو اسید مالکؓ بن ربیعہ انصاری الساعدیؓ بدر اور دیگر تمام غزوات میں شریک رہے۔ فتح مکہ میں اپنی قوم کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے۔ اٹھتر برس کی عمر میں بزمانہ خلافت امیر یزیدؒ سنہ ۶۰ھ میں فوت ہوئے۔ الاستیعاب و دیگر کتب سیر و رجال میں ہے کہ:۔

وهو آخر من مات من اهل بدر (یعنی اہل بدر میں سے ان کا انتقال سب کے بعد ہوا۔

۳۔ ابو بردہ ہانی بن نیار البلوی الحارثیؓ۔ بیعت عقبہ میں موجود تھے، بدر اور دوسرے تمام غزوات میں بھی شریک رہے، فتح مکہ کے دن قبیلہ بنی حارثہ کا جھنڈا ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔

سنہ ۵۳ھ میں وفات پائی۔ یعنی بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ۔ (ص۷۰ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

۴۔ ابو عبد اللہ انصاری السلمیؓ۔ نام جابر بن عتیک تھا۔ غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ فتح مکہ کے دن اپنے قبیلہ انصار کا جھنڈا ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔ بعض نے سنہ وفات سنہ ۶۱ھ لکھا ہے، یعنی امیر یزیدؒ کے عہد خلافت میں اور دوسروں نے اس سے بعد یعنی ۷۱ھ۔

(البدایہ ص۲۱۳ ج ۸)

۵۔ ابولبابہ انصاریؓ۔ نام بشیر تھا۔ بیعت عقبہ میں موجود تھے، انہیں یہ امتیاز حاصل تھا کہ رسول اللہ صلعم نے نقیب بناکر مدینہ بھیجا تھا۔ غزوۂ بدر میں یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ آنحضرت صلعم کے ساتھ اونٹ پر سوار تھے، راستہ میں آپ نے ان کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر کرکے واپس کیا اور مال غنیمت میں مجاہدین کا جس طرح حصہ لگایا گیا ان کا بھی لگایا گیا۔ فتح مکہ کے دن ان کے ہاتھ میں بھی جھنڈا تھا۔ سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے سنہ ۵۰ھ کے بعد تک حیات رہے۔ عاش الی بعد الخمسین (الاصابہ) یعنی امیر یزیدؒ کے زمانۂ ولیعہدی میں انتقال ہوا۔

۶۔ ابو ثملہ بن معاذ بن زرارہ انصاریؓ۔ بدر میں اپنے والد کے ساتھ موجود تھے، اس کے بعد کے غزوات میں بھی شریک رہے۔ امیر المومنین عبد الملک بن مروانؒ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ یعنی زمانہ ولیعہدی و خلافت امیر یزیدؒ میں حیات رہ کر اس کے چند سال بعد فوت ہوئے۔

۷۔ ارقمؓ بن الارقم بن عبد مناف بن اسد مخزومیؓ۔ سابقون الاوّلون میں سے تھے اسلام لانے والوں میں ساتویں۔ ابتداءً ان کے ہی گھر رسول اللہؐ اجتماع فرمایا کرتے تھے۔ بدر اور دیگر غزوات میں شریک رہے۔ سنہ وفات ۵۵ھ ہے۔ بزمانۂ ولیعہدی امیر یزیدؒ۔

۸۔ جابر بن عبد اللہ بن عمرو انصاری [illegible] ۔ صحابی بن صحابی۔ ان کے والد نے غزوۂ بدر میں جام شہادت نوش کیا۔ اس وقت ان کی عمر سولہ سترہ برس کی تھی۔ اپنے والد کے ساتھ موقع جنگ پر موجود تھے، اور تیر اٹھا کر دیتے جاتے تھے۔ نوعمری کی وجہ سے بعض اہل سیر نے اصحاب بدر میں ان کا شمار کرنے میں تامل کیا ہے۔ بیعت عقبہ میں بھی اپنے والد کے ساتھ موجود تھے۔ مکثرین میں سے ہیں۔ یعنی حدیث کی روایت کثرت سے کی ہے۔ فتح مکہ میں اپنے قبیلہ کا جھنڈا اٹھائے ہوتے تھے۔ تمام غزوات نبویؐ میں شرکت کا موقع حاصل رہا۔ امیر یزیدؒ کے زمانۂ خلافت سے چار سال بعد (ص۲۲ ج ۹ البدایہ) اور طبری و تاریخ بخاری کے مطابق اس کے بھی بعد فوت ہوئے۔ کان آخر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موتا بالمدینہ جابرؓ

یعنی مدینہ منورہ میں صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے جن کا سب سے آخر میں انتقال ہوا، وہ حضرت جابرؓ تھے۔ (ص۱۳۳ المعارف ابن قتیبہ)

۹۔ حارثہ بن النعمان بن نفیع انصاریؓ۔ بدر اور دیگر مشاہد میں موجود اور غزوۂ حنین میں ثابت قدم رہے۔ سنہ ۵۲ھ میں وفات پائی۔ یعنی اوّل زمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ میں۔ فضلائے صحابہ میں اُن کا شمار ہے۔

۱۰۔ ربیعہ بن کعب بن مالک ابو فراس اسلمیؓ۔ اصحاب صفہ میں سے تھے۔ سفر و حضر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے، کبھی جدا نہیں ہوتے تھے۔ لا یفارق النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی السفر ولا فی الحضر۔ سنہ ۶۳ھ میں بعہد خلافت امیر یزیدؒ انتقال ہوا۔

۱۱۔ زید بن سہل ابو طلحہ انصاریؓ۔ بیعت عقبہ میں موجود، غزوۂ بدر میں شریک تھے اور دیگر غزوات میں جانبازی کے کارہائے نمایاں انجام دئے۔ بڑے تیر انداز تھے۔ جنگ حنین میں جب قبیلہ ہوازن کے تیر انداز جو تیر اندازی میں مشہور تھے، تیر بازی کر رہے تھے حضرت ابو طلحہؓ نے بیس کافروں کو اپنے تیروں کا نشانہ بناکر ہلاک کیا تھا۔ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ملک شام جاکر مقیم ہوئے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے آخر زمانۂ خلافت میں مدینہ واپس آئے، جب حضرت موصوف نے اپنے آخر وقت چھ صحابہ کو خلافت کے لئے نامزد کیا۔ حضرت ابو طلحہؓ کو یہ ہدایت فرمائی تھی کہ انصار کے پچاس آدمیوں کو لے کر ان لوگوں پر متعیّن رہیں۔ شوریٰ میں اگر اختلاف پیدا ہو، چار آدمی ایک طرف ہوں اور دو مخالفت کریں تو ان دو کی گردن ماردیں اور اگر پلہ برابر ہو تو اس فریق کو قتل کردیں جس میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ شامل نہ ہوں اور اگر تین دن گزر جائیں اور یہ لوگ آپس کے شوریٰ سے کوئی فیصلہ نہ کرسکیں اور فتنہ کی صورت پیدا ہو تو ان سب کے سر اڑادیں۔ مگر امت کی بہتری اور خوش قسمتی تھی کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے ایثار و تدبّر سے اختلاف کی صورت نہ پیدا ہوئی۔ حضرت عثمان ذی النورینؓ کا انتخاب بغیر کسی مخالفت کے ہوگیا۔ حضرت ابو طلحہؓ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد چالیس سال تک حیات رہے۔ عاش بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعین سنة" (الاصابہ) گویا سنہ ۵۲ھ میں بزمانۂ ولیعہدی امیر یزیدؒ فوت ہوئے۔ المدائنی نے سال وفات سنہ ۵۱ھ لکھا ہے

(الاستیعاب)

۱۲۔ سائب بن خلاد ابو سہلہ انصاری خزرجیؓ۔ غزوۂ بدر اور بعد کے تمام دیگر غزوات

میں شریک رہے۔ حضرت امیر معاویہؓ کے عہد مبارک میں یمن کے والی بھی رہے سنہ ۱۷ھ میں لیعہد امیر المومنین عبد الملکؒ رحلت کی، یعنی امیر المومنین یزیدؒ کی خلافت کے سات سال بعد۔

۱۳۔ شداد بن اوس بن ثابت انصاریؓ۔ حضرت حسان بن ثابت انصاری شاعرؓ اسلام کے بھتیجے، غزوۂ بدر اور دیگر غزوات میں شریک رہے۔ آخر زمانہ میں فلسطین میں سکونت اختیار کی تھی۔ ابو نعیم کا قول ہے کہ سنہ ۶۰ھ میں فوت ہوئے۔ اور دوسری روایت کے مطابق امیر یزیدؒ کے آخر عہد خلافت سنہ ۶۴ھ میں انتقال ہوا۔ بڑے بہادر اوصاف حمیدہ سے متصف تھے۔ "وکان من رجال العرب جراءۃ ونجدۃ" یعنی عرب کے شجیع و بہادروں میں ممتاز تھے۔ امام بخاری کے قول سے بدری تھے۔ دوسروں نے کہا ہے کہ یہ صحیح نہیں۔

۱۴۔ عتبان بن مالک بن عمرو انصاری الخزرجیؓ۔ جمہور کے نزدیک بدری ہیں۔ ابن اسحٰق نے ان کا ذکر اہل بدر میں نہیں کیا۔ صحیحین میں ان کی مرویات ہیں۔ حضرت امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ وفات پائی۔ سنہ وفات سنہ ۵۱ھ ہے۔

۱۵۔ عمرو بن امیہ الضمریؓ۔ بدر اور دوسرے تمام غزوات میں شرکت کی۔ بعض نے کہا ہے کہ پہلا غزوہ جس میں وہ شریک ہوئے۔ بیر معونہ تھا۔ نبی کریم نے ان کو سلطان نجاشیؓ کے پاس اس غرض سے سفیر بنا کر بھیجا تھا کہ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ بنت ابو سفیانؓ کے تزویج کا اہتمام کرا کے ان کو اور دوسرے مسلمانوں کو جو ہجرت کر گئے تھے مدینہ لے آئیں۔ حضرت عمرو الضمری کا شمار اہل حجاز میں تھا۔ آنحضرت صلعم نے ان کو اس وقت جبکہ مکہ میں قحط پڑ گیا تھا، اہل مکہ کے لئے ہدیہ کے ساتھ ابو سفیان بن حرب کے پاس بھیجا تھا۔ "بعث رسول اللہ صلعم عمرو بن امیہ ایضاً الی ابی سفیان بن حرب بھدیہ الی مکۃ وھو معدود فی الحجاز" (ص ۴۲۳ ج الاستیعاب) ان کی وفات کے بارے میں ایک روایت ہے کہ سنہ ۵۵ھ میں رحلت کی اور دوسری روایت کے مطابق امیر یزیدؒ کے اول عہد خلافت یعنی سنہ ۶۰ھ میں۔

۱۶۔ عمرو بن عوفؓ۔ قدیم الاسلام تھے۔ غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ قرآن شریف کی آیت "تولوا واعینھم تفیض من الدمع" یعنی وہ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان پر گریہ طاری تھا کہا گیا ہے کہ ان ہی کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے آخر عہد خلافت و بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ وفات پائی۔

۱۷۔ کعب بن عمرو ابو الیسیر انصاری السلمیؓ۔ بیعت عقبہ میں حاضر تھے اور بدر اور دیگر غزوات میں بھی۔ بہت پستہ قد تھے۔ توند نکلی ہوئی تھی۔ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عباسؓ کو جو بڑے دراز قد تھے، بدر میں انہوں نے ہی گرفتار کیا تھا۔ مزاج میں ظرافت زیادہ تھی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ تجارتی سفر بھی کیا تھا۔ سنہ ۵۵ھ میں بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ انتقال ہوا۔

۱۸۔ نعمان بن عمرو بن رفاعہؓ۔ بدر اور دیگر غزوات نبویؐ میں شریک رہے سنہ ۵۴ھ میں بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ فوت ہوئے۔

اصحاب بیعت الرضوان

مندرجہ بالا بدری صحابہ کے علاوہ یہ صحابہ کرام بھی ہیں جنہوں نے سنہ ۶ھ میں درخت کے نیچے رسول اللہ صلعم سے اس وقت بیعت کی تھی جب سیدنا عثمان ذی النورینؓ کے مکہ میں شہید ہو جانے کی خبر مشہور ہوئی تھی، جنہیں آنحضرت صلعم نے کفار قریش سے گفتگو کرنے کے لئے وہاں بھیجا تھا۔ یہ حضرات اصحاب الشجرہ بھی کہلاتے ہیں، ان ہی کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی تھی، اور ان کو بشارت کامیابی دی گئی تھی اور ان ہی پر سکینۃ نازل کیا گیا تھا۔ لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحا قریبا۔ ان میں سے سوائے ایک دو کے سب امیر یزیدؒ کے عہد خلافت میں اور اس کے بعد تک حیات تھے۔ اور سب نے امیر موصوف سے خلافت کی بیعت کی، بعض نے حضرت حسینؓ کو خلیفہ وقت کے خلاف خروج کرنے سے روکا، منع کیا اور ان کے اقدام خروج کو امت میں تفرقہ ڈالنے سے تعبیر کیا۔

۱۔ ابو ثعلبہ بن جرہمؓ۔ بیعت الرضوان میں موجود اور غزوہ حنین میں شریک رہے، رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد ملک شام میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہیں سنہ ۷۵ھ میں رحلت کی۔ ان کے بھائی عمرو بن جرہم بھی صحابی تھے۔

۲۔ ابو زمعہ البلویؓ۔ بیعت الرضوان میں موجود تھے۔ حضرت معاویہ بن خدیج کے ساتھ افریقہ کے جہادوں میں شریک رہے۔ امیر یزیدؒ کے عہد خلافت میں قیروان (مراقش) میں فوت ہوئے۔

۳۔ ابو الضبیس الجہنیؓ۔ واقدی کے قول کے مطابق بیعت الرضوان میں موجود تھے۔

آخر عہد خلافت حضرت معاویہؓ میں بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ فوت ہوئے۔

۴۔ **ثابت** بن ضحاک انصاری خزرجیؓ۔ بخاری و ترمذی کی روایت کے مطابق غزوۂ بدر میں شریک اور بیعت الرضوان میں موجود تھے۔ یہ حدیث ان سے مروی ہے۔ **من قذف مومنا بکفر فھو کفیلہ۔** یعنی جو شخص کسی مومن پر کفر کا اتہام لگائے وہ خود ہی ایسا ہے۔ امیر یزیدؒ کی خلافت کے آخری ایام میں ۶۴ھ میں فوت ہوئے۔

۵۔ **سلمہ** بن عمرو بن الاکوع بن سنان انصاریؓ۔ بڑے جانباز و شہسوار و تیر انداز تھے۔ ایک موقع پر ان کی انگلی زخمی ہوگئی تھی۔ اسے مخاطب کرکے یہ شعر کہا تھا ؎

هل انت الا اصبع دمیت ؛ وفی سبیل اللہ ما لقیت

یعنی تو محض ایک انگلی ہی تو ہے جو لہو لہان ہوئی۔ اللہ کی راہ میں ہی تو تجھے یہ حادثہ گزرا۔ کسی غزوہ میں نبی کریمؐ کی انگشت مبارک بھی زخمی ہوئی تھی تو آپ نے حضرت سلمہؓ کا یہی شعر پڑھا تھا (بخاری ج ۱ جزو ۱۱) فضلائے صحابہ میں سے تھے۔ کچھ عرصہ تک مدینہ منورہ کے مفتی بھی رہے۔ امیر یزیدؒ کی خلافت کے تقریباً دس سال بعد ۷۴ھ میں رحلت کی۔

۶۔ **عائذ** بن ثعلبہ بن وبرہ البلویؓ۔ بیعت الرضوان میں موجود تھے۔ فتح مصر میں شریک رہے۔ ۵۳ھ میں بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ جہاد روم میں شہادت پائی۔

۷۔ **عبد اللہ** بن ابی حدرد اسلمیؓ۔ صحابی بن صحابی۔ بیعت الرضوان میں موجود اور دیگر مشاہد میں شریک رہے۔ آنحضرتؐ نے دو مرتبہ سریہ پر متعین کیا تھا۔ بعمر ۸۱ سال ۷۱ھ میں فوت ہوئے۔ بعض نے ان کے فرزند القعقاع کو بھی صحابہ میں شمار کیا ہے۔

۸۔ **عبد اللہ** بن عمر فاروقؓ قرشی العدوی۔ صحابی بن صحابی۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے قابل فرزند اور اپنے زمانہ کے امام الفقہاء غزوہ بدر کے وقت پندرہ سولہ سال کی عمر تھی۔ اس لئے آنحضرتؐ نے شرکت جنگ کی اجازت نہیں دی تھی۔ بعد کے اکثر غزوات میں شریک رہے۔ بیعت الرضوان میں موجود تھے اور سب سے اول انہوں نے ہی بیعت کی تھی، جن صحابہ نے بیعت الرضوان کی تھی، ان کی تعداد ۱۵۰۰/۱۴۰۰ تھی۔ وکان اول من بایع عبد اللہ بن عمرؓ (المعارف ابن قتیبہ ص ۸) بڑے عابد و زاہد، عالم و متقی بزرگ تھے۔ شہادت عثمانؓ کے بعد جو فتنے اٹھے ان سے قطعاً الگ تھلگ رہے۔ حضرت علیؓ کی بیعت خلافت میں چونکہ قاتلین عثمانؓ پیش پیش تھے۔ انہوں نے بیعت نہیں کی۔ جب مسلمانوں کے دو متحارب جماعتوں میں صلح ہوگئی اور حضرت حسنؓ کے بیعت حضرت معاویہؓ میں داخل ہوجانے کے بعد فتنہ جاتا رہا۔ حضرت عبد اللہؓ نے بھی جمہور مسلمین کا ساتھ دیا۔ حضرت امیر معاویہؓ سے بیعت کی پھر جب امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کی تحریک ہوئی آپ نے تفرقہ کے بجائے اتحاد ملی کو ترجیح دی۔ امیر یزیدؒ کی خلافت کی نہ صرف بیعت کی بلکہ اس پر مستقیم رہے اور اپنے اہل خاندان کو بھی مستقیم رکھا۔ حضرت حسینؓ اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو خلیفہ وقت کے خلاف خروج کرنے سے منع کیا، اور جماعت مسلمین میں تفرقہ اندازی سے باز رہنے پر نصیحتیں کیں۔ اور فرمایا، اتقیا اللہ ولا تفرقا جماعۃ المسلمین (ص ۱۹۱ ج طبری) سنین عمر کے اعتبار سے حضرت ابن عمرؓ حضرت حسینؓ سے اٹھارہ انیس برس بڑے تھے۔ حضرت حسینؓ کے ساتھ کھیل کود کی فرمائش کی جو کہانی عوام میں مشہور ہے وہ محض لغو ہے۔ اہل مدینہ کے اقدام بغاوت کے سخت خلاف تھے۔ ابن زبیرؓ سے بیعت نہیں کی۔ امیر المومنین عبد الملک بن مروانؒ سے بیعت کی، اور ان ہی کے عہد مبارک یعنی ۷۴ھ میں رحلت کی۔ آپ کے بعض احوال اس کتاب میں دوسری جگہ درج ہیں۔

۹۔ **عبد اللہ** بن مغفل المزنی۔ فضلائے صحابہ میں سے تھے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے اہل بصرہ کی دینی تعلیم کے لئے بصرہ بھیجا، وہیں سکونت اختیار کی۔ بیعت الرضوان میں موجود تھے۔ امیر یزیدؒ کے عہد خلافت ۶۱ھ میں منزل آخرت طے کی۔

۱۰۔ **عبد اللہ** بن یزید حصین انصاریؓ۔ صحابی بن صحابی۔ کان قد شھد بیعت الرضوان وما بعدھا۔ (الاصابہ) یعنی بیعت الرضوان اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک رہے۔ کوفہ میں سکونت تھی۔ ابتدا حضرت علیؓ کے طرفداروں میں تھے۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کی بیعت میں داخل ہوگئے۔ امیر یزیدؒ کی خلافت کے زمانہ میں حیات تھے۔ اس کے پانچ چھ سال بعد فوت ہوئے۔ ان کے اخلاف میں مشہور محدث ابو موسی اسحق ہوئے۔

۱۱۔ **علقمہ** بن خالد ابو عبد اللہؓ۔ بیعت الرضوان میں موجود اور دیگر مشاہد میں شریک رہے۔ سکونت کوفہ میں تھی اور وہاں جو صحابہ مقیم تھے۔ ان میں سے سب سے آخر میں بعمر زائد سو سال ۸۶ھ میں فوت ہوئے۔ (الاستیعاب)

۱۲۔ **عمرو** بن الاخطب انصاریؓ۔ نبی کریمؐ کے اکیس غزوات میں سے تیرہ میں شریک رہے۔ قیام بصرہ میں تھا۔ آنحضرت صلعم کی دعا کی برکت تھی کہ سو برس کی عمر میں بھی چہرہ

کی تابانی بحال تھی۔ امیر یزیدؒ کی خلافت کے زمانہ میں موجود تھے۔ اس کے چند سال بعد رحلت کی۔

۱۳۔ فضالہ بن عبید الضاریؓ۔ غزوہ احد اور بعد کے دیگر غزوات میں شریک تھے رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کے پاس دمشق چلے گئے۔ وہاں کے عہدہ قضا کی خدمات انجام دیں پھر جب امیر معاویہؓ نے ۴۹ھ میں رومیوں کے خلاف جہاد کیا۔ تو حضرت فضالہؓ ایک فوج کے سردار کی حیثیت سے اس میں شامل ہوئے۔ اناطولیہ کے علاقہ پر تسلط کرکے بزنطینی حکومت کے ایشیائی صدر مقام کلسیدان (CALCIDON) کو فتح کیا۔ بڑے عبادت گزار بزرگ تھے۔ ایک روایت کے مطابق آخر عہد خلافت حضرت امیر معاویہؓ میں اور دوسری روایت کے مطابق امیر یزیدؒ کے عہد خلافت کے چند سال بعد سنہ ۶۹ھ میں منزل عقبیٰ طے کی۔

۱۴۔ مغیرہ بن شعبہ بن عامر بن مسعود بن معتب الثقفیؓ۔ آنحضرتؐ کی پھوپی ام عمرو بنت المقوم بن عبد المطلب کے پوتے اور آنحضرت صلعم کے ماموں حضرت سعد بن ابی وقاص کے داماد تھے۔ ایک زوجہ ان کی حضرت ابو سفیانؓ کی دختر آمنہ بھی تھیں ان کے بنو اعمام میں امیر الحجاج بن یوسف بن الحکم اور ان کے بھتیجے محمد بن القاسم بن محمد بن الحکم فاتح سندھ تھے سیدنا مغیرہؓ صحابی جلیل تھے۔ غزوہ خندق کے موقع پر اسلام لائے۔ بیعت الرضوان میں موجود تھے۔ عجمی دربار میں یہی سفیر ہو کر گئے تھے۔ اور رستم سے بھرے دربار میں اسلام کی برتری پر گفتگو کی تھی۔ یمامہ و یرموک و شام کے علاوہ ابتدائی فتوحات عجم قادسیہ و نہاوند میں شرکت کی اور کارہائے نمایاں انجام دئے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے بصرہ کی حکومت پر فائز کیا۔ انہوں نے اہواز ہمدان و ابرقیان و دست میسان وغیرہ مقامات فتح کئے۔ دیوان بصرہ اول اول انہوں نے ہی مرتب کیا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے زیاد بن ابو سفیانؓ کو سب سے اول ان کا کاتب (سکریٹری) مقرر کیا تھا۔ بعد میں کوفہ کے عامل بھی رہے کہا جاتا ہے کہ کان المغیرۃ مطلاقاً یعنی مغیرہ بڑے طلاق دینے والوں میں سے تھے۔ اسّی نکاح کئے تھے۔ عقلائے عرب میں امتیازی شان رکھتے تھے۔ خدمات ملیہ بہت سی انجام دیں۔ امیر یزیدؒ کی عمدہ صلاحیتوں کے اعتبار سے ان کی ولیعہدی کا مسئلہ سب سے پہلے انہوں نے ہی پیش کیا تھا۔ سال رحلت کے بارے میں اختلاف ہے ۴۹ھ اور ۵۰ھ بھی سال

وفات بتایا گیا ہے۔ عوانہ نے ہشام بن عبید کی سند سے ۵۱ھ لکھا ہے۔ (طبری ص ۱۳۲ ج ۶)

دیگر صحابہ کرامؓ

۱۔ ابو اروی الدوسی حجازیؓ۔ صحابی و راوی حدیث ہیں۔ حضرات شیخین السیدینؓ کے بارے میں آنحضرت صلعم کا یہ ارشاد ان ہی سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا الحمد للہ الذی ایدنی بہما (اللہ کا شکر ہے جس نے ان دونوں یعنی ابو بکرؓ و عمرؓ کے ذریعہ میری امداد کرائی) ذوالحلیفہ میں سکونت تھی۔ امیر معاویہؓ کے آخر عہد خلافت یعنی بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ فوت ہوئے۔

۲۔ ابو امامہ الباہلیؓ۔ نام نامی صدی بن عجلان تھا، راوی حدیث ہیں۔ قرآن پاک کی آیت فان اللہ ھو مولٰہ وجبرائیل وصالح المومنین کی تفسیر میں صالح المومنین سے مراد ابو بکرؓ و عمرؓ بیان فرمایا کرتے تھے، ملک شام میں سکونت تھی وہیں خلافت امیر یزیدؒ کے چند سال بعد بعمر ۹۱ سال انتقال ہوا۔ وھو آخر من مات بالشام من اصحاب رسول اللہ (اصابہ) یعنی اصحاب رسول اللہ صلعم میں ملک شام میں جن کا انتقال ہوا۔ یہ سب سے آخری تھے۔

۳۔ ابو برزۃ الاسلمیؓ۔ فضلہ بن عبد اللہ۔ نام تھا۔ کنیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ خراسان کے جہادوں میں شرکت کی۔ کچھ عرصہ مرو میں بھی قیام رہا۔ پھر بصرہ آکر مقیم ہوئے وہیں حضرت معاویہؓ کی وفات سے کچھ قبل ۶۰ھ میں اور بقول دیگر امیر یزیدؒ کے عہد خلافت کے آخری سال ۶۴ھ میں فوت ہوئے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ بحالت غزا خراسان میں شہید ہوئے۔

۴۔ ابو بشیر الضاریؓ۔ متعدد سفروں میں آنحضرت صلعم کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل کیا۔ امیر یزیدؒ کے آخر عہد خلافت میں بعد واقعہ حرہ فوت ہوئے۔ (الاستیعاب)

۵۔ ابو بکرہ الثقفیؓ۔ غزوہ طائف کے ایام میں اسلام لائے۔ آنحضرت صلعم نے جب طائف کا محاصرہ کیا تو یہ اعلان کرا دیا تھا کہ جو عبد (غلام) ہمارے پاس چلا آئیگا، وہ آزاد سمجھا جائے گا۔ چنانچہ ابو بکرہ جو عرب کے مشہور طبیب الحرث بن کلدہ بن عمرو بن علاج کے غلام مسروح کی اولاد کہے جاتے تھے، اور اس طبیب کی طرف منسوب ہو کر وہ ابو بکرہ بن الحرث بن کلدہ، مشہور تھے، رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ بگوش

اسلام ہوئے، اور اس کے بعد سے ہمیشہ اپنے کو "مولائے رسول اللہ" کہا کرتے تھے۔ ان کی والدہ کا نام سمیّہ تھا جو امام ابو محمد عبد اللہ بن مسلم القتیبہ (المعارف ص۱۲۵) کے مطابق ایک عجمی خاتون اہالیان زندرود سے تھی، جسے شہنشاہ کسریٰ نے یمن کے بادشاہ ابی الخیر کو ہبہ کر دیا تھا۔ یہ بادشاہ جب ایران سے یمن جاتا ہوا طائف سے گزرا، یہاں بیمار پڑ گیا۔ الحرث بن کلدہ کے علاج معالجہ سے صحتیاب ہوا، اپنی کنیز سمیّہ کو اس نے اس طبیب کو دے دیا طبیب خود عقیم (لاولد) تھا۔ اس کے غلام مسروح سے دو بیٹے نافع اور نفیع یعنی ابوبکرہ پیدا ہوئے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسروح کے بعد سمیّہ عہد جاہلیت میں سردار قریش ابوسفیانؓ بن حرب کے نکاح مقت میں آئی "نکاح مقت" متعہ کی دوسری شکل تھی اس خاتون کے بطن سے زیاد بن ابوسفیانؓ پیدا ہوئے۔ ابوبکرہ نے بعد میں بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ چالیس بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں پوتوں نواسوں کی تعداد اُن کی زندگی میں سَتّو سے زاید تھی۔ سب بیٹے لائق ہوئے، ان میں سے عبید اللہ بن ابی بکرہ حجاج بن یوسف کے زمانہ میں سجستان کے والی رہے، دوسرے بیٹے عبد اللہ بن ابی بکرہ پہلے شخص تھے جو قرآن شریف کی قراءۃ لحن کے ساتھ کرتے ان کے اخلاف میں عبد اللہ بن عمر بن عبد اللہ المذکور امیر المومنین ہارون الرشید عباسیؒ کے قاری تھے، جو اپنے اس جوہر کی وجہ سے معروف و مشہور تھے۔ ویعرف لقاری امیر المومنین (المعارف ص۲۳۲) ابوبکرہؓ کا انتقال امیر یزیدؒ کی تحریک ولیعہدی کے بعد ۵۲ھ میں ہوا۔

۶۔ **ابوجہم بن حذیفہ القرشیؓ**۔ نام عبید اللہ، کنیت ابوجہم تھی، آنحضرت صلعم نے اُن کو حنین کے مالِ غنیمت پر اور اس کے بعد دیگر صدقات پر مقرر کیا تھا۔ علم انساب کے ماہر تھے، اور ان چند صحابہ میں سے تھے جنہوں نے خلیفہ شہید مظلوم حضرت عثمانؓ کے لاشہ کو دفن کیا تھا۔ ان کے ساتھ حکیم بن حزامؓ جبیر بن معطمؓ۔ نیار بن مکرمؓ۔ عبد اللہ بن زبیرؓ وغیرہ بھی دفن میں شریک تھے آخر عہد خلافت امیر معاویہؓ میں اور دوسرے قول کے مطابق فتنۂ ابن الزبیرؓ کے ایام میں فوت ہوئے۔

۷۔ **ابوخیثمہ انصاریؓ**۔ جنگ احد میں راہبری کی خدمات انجام دیں۔ اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک رہے۔ آخر عہد خلافت امیر معاویہؓ و بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ وفات پائی۔

۸۔ **ابوحدرد اسلمیؓ**۔ نام سلامہ بن عمیر بن ابی سلمہ تھا۔ اِن کو اُن کے فرزند عبد اللہ کی بیٹی ام الدرداء الکبریٰ کو جو بڑی فاضلہ و عابدہ تھیں شرف صحابیت حاصل تھا۔ حضرت ابوحدردؓ نے طویل عمر پا کر آخر خلافت امیر معاویہؓ میں رحلت کی۔

۹۔ **ابوسعید انصاریؓ**۔ شرف صحابیت سے مشرف۔ خود بھی بڑے بہادر تھے، اور ان کی زوجہ حضرت اسماء بنت یزید بن السکن بھی جو صحابیہ تھیں، ایسی نڈر اور بہادر خاتون تھیں کہ جنگ یرموک کے ایک موقع پر نو رومی کفار کو انہوں نے اپنے ڈنڈے سے ہلاک کیا تھا۔ حضرت ابوسعیدؓ امیر المومنین عبد الملکؒ کے عہد خلافت تک حیات رہے۔

۱۰۔ **ابوسعید بن المعلیٰؓ**۔ آنحضرت صلعم کا یہ ارشاد ان سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ انسانوں میں سے کسی کی صحبت اور مدد کا میں ممنون نہیں سوائے ابوبکرؓ کے۔ امیر یزیدؒ کے آخر عہد خلافت ۶۴ھ میں فوت ہوئے۔

۱۱۔ **ابوسعید المقبریؓ**۔ نام کیسان تھا۔ اور بنی لیث کے موالی میں سے تھے۔ بعض اہل سیر نے ان کا شمار تابعین میں کیا ہے۔ دوسروں نے صحابی بتایا ہے۔ خلیفہ الولید اموی کے زمانہ تک حیات رہے۔

۱۲۔ **ابوسنان العبدیؓ**۔ اپنی قوم کے وفد کے ساتھ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کے چہرہ پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔ بڑے شریف اور وجیہہ تھے ۹۱ھ میں فوت ہوئے۔

۱۳۔ **ابوشیمہ الخدریؓ**۔ راوی حدیث ہیں۔ قسطنطنیہ کے جہاد میں امیر یزیدؒ کے لشکر میں شامل تھے۔ وہیں منزل عقبیٰ طے کی۔ وفات سے پہلے لوگوں کو جو ان کے پاس جمع ہو گئے تھے۔ رسول صلعم کا یہ ارشاد سنایا۔ آپ نے فرمایا من شہد ان لا الٰہ الا اللہ مخلصا بہا قلبہ دخل الجنۃ یعنی جس کسی نے خلوص قلب سے اس کی شہادت دی کہ اللہ کے سوائے کوئی اور معبود نہیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔

۱۴۔ **ابوعامر الاشعریؓ**۔ قبائل یمن سے جو صحابہ ملک شام میں جا کر مقیم ہوئے یہ بھی ان میں سے تھے، امیر المومنین عبد الملکؒ کے عہد میں فوت ہوئے۔

۱۵۔ **ابوالعالیہ الریاحیؒ**۔ ابونعیم نے ان کو صحابی بتایا ہے۔ اور دوسروں نے کبار تابعی۔ یہ بھی کہا ہے کہ تابعین میں سب سے بڑے عالمِ قرآن تھے۔ ۹۰ھ میں وفات پائی۔

۱۶۔ **ابو عنبہ الخولانیؓ**۔ رسول اللہ صلعم کے ساتھ قبلتین کی نمازیں پڑھنے کی سعادت پائی۔ ملک شام میں سکونت تھی۔ طویل عمر پاکر ۸۰ھ میں فوت ہوئے۔

۱۷۔ **ابو العیال بن ابی عتبہ الہذلیؓ**۔ جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا۔ خلافت فاروقی کے جہادوں میں حصہ لیا۔ مصر میں سکونت تھی۔ رومیوں کے خلاف امیر یزیدؒ کے ساتھ قسطنطنیہ کے جہاد میں بھی شریک ہوئے۔ شاعر تھے، اور جہاد قسطنطنیہ کے بارے میں ایک قصیدہ لکھ کر امیر المومنین معاویہؓ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ (الاصابہ)

۱۸۔ **ابو عیاشؓ الزرقیؓ**۔ نام زید بن الصامت ہے۔ غزوہ احد اور دوسرے غزوات میں شرکت کی صلوٰۃ الخوف کے بارے میں حدیث ان سے مروی ہے ۵۱ھ میں بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ وفات پائی۔

۱۹۔ **ابو الغادیہ الجہنیؓ**۔ آنحضرت صلعم کے ساتھ صلح حدیبیہ میں موجود تھے اور آپ کے خطبہ حجۃ الوداع کے بعض فقرات ان سے مروی ہیں۔ خصوصاً آپ کا یہ ارشاد کہ لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض (یعنی خبردار! میرے بعد تم کافر نہ ہوجانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو) حضرت عثمانؓ کے خاص طرفداروں میں تھے عمر طویل پائی۔ حجاج بن یوسف کے زمانہ میں فوت ہوئے۔

۲۰۔ **ابو فراس الاسلمیؓ**۔ نام ربیعہ بن کعب ہے۔ اصحاب صفہ میں سے تھے۔ امیر یزیدؒ کے آخر عہد خلافت ۶۳ھ میں انتقال ہوا۔ بعض نے اہل بدر میں انکا شمار کیا ہے اسلئے دو جگہ نام درج ہوا

۲۱۔ **ابو قتادہ بن ربعی الانصاریؓ**۔ بڑے شہسوار تھے، فارس رسول اللہ خطاب تھا۔ بدر کے سوائے دیگر تمام غزوات میں شریک رہے، حدیثوں کو کثرت سے روایت کرنے سے لوگوں کو منع کرتے اور فرماتے کہ آنحضرت صلعم نے جھوٹی حدیث بیان کرنے والوں کو جہنم کی وعید سنائی ہے۔ سنہ وفات میں اختلاف ہے، بعض نے ۳۸ھ بیان کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ۵۰ھ اور ۶۰ھ کے درمیان کسی سال فوت ہوئے۔ چنانچہ بعض جگہ یہ تصریح بھی ملتی ہے کہ ۵۴ھ میں بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ مدینہ میں وفات پائی۔ (الاستیعاب)

۲۲۔ **ابو قیس الجہنیؓ**۔ فتح مکہ میں آنحضرت صلعم کے ہمرکاب تھے۔ آخر عہد خلافت امیر معاویہؓ یعنی بزمانہ ولیعہدی [illegible] یزید فوت ہوئے۔

۲۳۔ **ابو کاہل الاحمسیؓ**۔ را[illegible] حدیث ہیں۔ کوفہ میں سکونت تھی۔ طویل عمر پاکر حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانہ میں وفات پائی۔

۲۴۔ **ابو لیلیٰ النابغہ الجعدیؓ**۔ شرف صحابیت سے مشرف تھے، ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم کو اپنا کچھ کلام سنایا۔ آپ نے سنکر فرمایا احسنت یا لیلیٰ۔ حضرت عبد اللہ بن الزبیرؓ کے ایام میں فوت ہوئے۔

۲۵۔ **ابو محذورہ القرشی الجمحی**۔ غزوہ حنین میں اسلام لائے۔ نبی صلعم نے مؤذن کی خدمت سپرد کی۔ بعد وفات رسول اللہ صلعم مکہ میں مقیم ہوتے۔ ان ہی کی نسل میں مسجد حرم کے مؤذن کا عہدہ متوارث رہا۔ ۵۹ھ میں وفات ہوئی۔

۲۶۔ **ابو ہریرہ الدوسیؓ**۔ نام ونسب عمیر بن عامر یا عبد اللہ بن عامر ہے۔ کنیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ رسول اللہ کی خدمت میں اکثر و بیشتر حاضر رہتے۔ حضرت عثمانؓ کا جب بلوائیوں نے محاصرہ کر رکھا تھا حضرت ابو ہریرہؓ مکان کی حفاظت کے لئے دروازہ پر مسلح موجود رہے۔ حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی۔ بہت سی حدیثیں ان سے مروی ہیں۔ ۵۹ھ میں بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ رحلت کی۔ ولید بن عتبہ بن ابو سفیانؓ عامل مدینہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ امیر المومنین معاویہؓ نے ان کے پس ماندگان کے لئے دس ہزار درہم عطیہ ارسال کیا۔

۲۷۔ **ادہم بن محرز الباہلی ابو مالکؓ**۔ جاہلیت و اسلام دونوں کا زمانہ پایا۔ صغیر صحابہ میں ان کا شمار کیا گیا ہے۔ امیر المومنین عبد الملکؒ کے زمانہ تک حیات رہے۔

۲۸۔ **ارطاۃ بن زفر المزنیؓ**۔ ان کی والدہ کا نام سمیہ تھا، اس لئے ارطاۃ بن سمیہ سے زیادہ مشہور تھے، انہوں نے بھی جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے۔ شاعر بھی تھے۔ امیر المومنین عبد الملکؒ کے عہد خلافت تک حیات رہے۔

۲۹۔ **اسامہ بن زید بن حارثہ الکلبیؓ**۔ حب رسول اللہ یعنی رسول اللہ کے محبوب کہلاتے تھے۔ آپ کے محبوب اور متبنیٰ حضرت زیدؓ کے اور آپ کی دایہ حضرت برکہ ام ایمنؓ کے لخت جگر تھے۔ بچپن سے نبی صلعم کے آغوش محبت و دامن تربیت میں رہے۔ فتح مکہ کے دن آپ کی سواری پر آپ کے پاس بیٹھے تھے۔ اور اسی حالت میں مکہ معظمہ اور خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تھے۔ اپنی وفات سے چند دن پہلے کہ اسامہؓ کی عمر اس وقت بیس سال کے قریب تھی۔ آنحضرت صلعم نے انہیں اس فوج کا سردار مقرر کیا تھا، جو ان کے والد ماجد حضرت زیدؓ اور دیگر شہدائے جنگ موتہ کا جن میں حضرت علیؓ کے بڑے بھائی جعفر طیارؓ بن ابی

طالب بھی شامل تھے، رومیوں سے بدلہ لینے کے لئے متعین ہوئی تھی۔ ابھی فوج کی روانگی نہ ہونے پائی تھی کہ رسول اللہ صلعم کی علالت نے شدت اختیار کی۔ آپ کی وفات اور تدفین کے بعد خلیفہ رسول اللہ حضرت صدیق اکبرؓ نے اس لشکر کی روانگی کا حکم دیا۔ اور اسامہؓ نے یہ مہم کامیابی سے انجام دی اور اس کامیابی کا خاص اثر اہل ردہ پر بھی پڑا۔ چالیس روز کے بعد اسامہ کا لشکر جب واپس مدینہ آگیا، حضرت صدیق اکبرؓ نے اسامہؓ کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا اور بنفس نفیس مرتدین کے خلاف ذوالقصہ ہوتے ہوئے پرگنہ ربذہ کے مقام ابرق تک گئے، جہاں دشمن سے مقابلہ ہو کر فتح حاصل ہوئی۔ حضرت علیؓ بھی اس مہم میں خلیفہ رسول اللہ کے ساتھ تھے۔ حضرت عمر فاروق اعظمؓ کو بھی اسامہؓ سے بہت محبت تھی اور ان کی بڑی قدر کرتے۔ سلام کرتے تو یا ایہا الامیر فرماتے۔ یوں تو فتح خیبر کے بعد سے ہی ان کو وظیفہ ملتا تھا، مگر حضرت فاروق اعظمؓ نے ۲۰ھ میں جب سالانہ وظائف مقرر کئے تو اسامہ کا چار ہزار درہم سالانہ وظیفہ اہل بدر کے برابر بوجہ اس محبت کے مقرر کیا جو آنحضرت صلعم کو ان سے تھی۔ قانون شریعت کے روبرو چھوٹے بڑے یا رشتہ و نسب کا مطلق کوئی امتیاز نہیں، اس کی ایک روشن مثال حضرت اسامہؓ کے ایک واقعہ سے ملتی ہے۔ بخاری و دیگر کتب احادیث میں عروہ بن الزبیرؓ سے مروی ہے کہ کسی ایک موقع پر ایک عورت نے جس کا نام فاطمہ تھا سرقہ کا ارتکاب کیا۔ اس کی قوم کے لوگوں نے حضرت اسامہؓ کی خوشامد کی کہ رسول صلعم سے سفارش کریں کہ سزا میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ اسامہؓ نے اس بارہ میں جب عرض کیا آپ کا چہرہ ناگواری سے متغیر ہو گیا اور فرمایا کیا تم حدود اللہ میں مجھ کو روکنا چاہتے ہو پھر نماز عشاء کے بعد آپ نے خطبہ دیا جس میں فرمایا:۔

اما بعد فانما هلك الناس قبلكم انهم كانوا اذا سرق فيهم الشريف تركوا و اذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحد۔ والذی نفس محمد بیدہ لو ان فاطمہ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا۔

لوگو یاد رکھو تم سے پہلے کے لوگ یوں ہلاک ہوئے کہ جب ان میں کوئی شریف چوری کرتا اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی ضعیف چوری کرتا اسے سزا دیتے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

اسامہؓ کو حضرت عثمان غنیؓ نے ۳۴ھ میں بصرہ بھیجا تھا کہ وہاں کے حالات کی تحقیق کر کے رپورٹ دیں، انہوں نے وہاں کے انتظام میں کوئی خرابی نہیں پائی۔ خلیفہ شہید مظلوم کی شہادت کے بعد چونکہ قاتلین حضرت علیؓ کی بیعت خلافت میں پیش پیش تھے۔ حضرت اسامہؓ نے بیعت کرنے سے صاف انکار کر دیا اور اپنے خیال کا اظہار بھی کر دیا جس پر سبائی لیڈر مالک الاشتر نے ان پر حملہ بھی کیا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے بچا لیا۔ اس کے بعد وہ وادی القریٰ میں مقیم ہو گئے۔ پھر کچھ دن بعد حضرت معاویہؓ کے پاس دمشق چلے گئے۔ تمام فتنوں سے الگ رہے۔ ان کی سیاسی زندگی بے داغ رہی۔ آخر میں ملک شام سے واپس مدینہ منورہ آگئے تھے۔ مقام جرف میں ۵۴ھ یا ۵۹ھ میں بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ فوت ہوئے۔ ان کی ایک زوجہ آنحضرت صلعم کی چچیری بہن سیدہ دُرّہ بنت ابی لہب بن عبد المطلب تھیں (ص۴۵ کتاب المحبر) جو الحارث بن عامر اور حضرت دحیہؓ کلبی کے بعد ان کے عقد میں آئیں۔ حضرت اسامہ کے تین بیٹے محمد و حسن و زید تھے۔ جن کی نسل میں متعدد محدثین ہوئے۔

۳۰۔ اسماء بن حارثہ بن سعید اسلمیؓ۔ اصحاب صفہ میں سے تھے۔ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے اور خدمت کرتے، آپ کی وفات کے بعد بصرہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں امیر زیاد بن ابی سفیانؓ کے عہد حکومت میں اور ابن سعد کے قول کے مطابق اس کے بعد فوت ہوئے۔

۳۱۔ اسماء بن خارجہ بن حصین الفزاری ابو حسان الکوفیؒ۔ اپنے والد اور چچا کے ساتھ ان کو بھی شرف صحبت حاصل تھا۔ ابن حبان نے سنہ وفات ۶۵ھ تحریر کیا ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ امیر المومنین عبد الملکؒ کے ایام خلافت میں ان کے پاس گئے خلیفہ نے ان کا اکرام کیا ان ہی کے عہد میں وفات پائی۔

۳۲۔ اسلم مولیٰ عمرؓ۔ نبی صلعم کے دو سفروں میں ساتھ رہے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے ان کو آزاد کر دیا۔ ایک سو چودہ برس کی طویل عمر میں بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ انتقال ہوا۔ امیر مدینہ حضرت مروانؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

۳۳۔ الاسود بن ہلال المحاربی ابو سلام الکوفیؒ۔ جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا۔ صحیحین میں ان کی مرویات ہیں۔ امیر حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانہ میں اور دوسری روایت کے مطابق ۸۴ھ میں فوت ہوئے۔

۳۴۔ الاسود بن یزید بن قیس النخعی ابو عمروؒ۔ ادرک النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مسلماً۔ ان کی یہ خصوصیت تھی کہ متواتر روزے رکھا کرتے تھے۔ ۷۵ھ میں انتقال ہوا۔

۳۵۔ اسید بن اخیحہ بن امیہ القرشی الجمحی۔ فتح مکہ میں اسلام لائے اور شرف صحبت سے مشرف ہوئے۔ ان کے بیٹے ابو ریحان تھے جو امیر معاویہؓ کے اصحاب خاص میں سے تھے۔ وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے علیحدہ ہو کر شام چلے گئے تھے اور امیر یزیدؒ کی فوج کے ساتھ مکہ معظمہ واپس آئے تھے۔ حضرت اسیدؓ کی وفات آخر عہد امیر معاویہ میں ہوئی۔

۳۶۔ اُسید بن ظہیر بن رافع انصاری الحارثیؓ صحابی بن صحابی۔ جنگ احد میں کمسنی کی بنا پر شریک نہ کئے گئے، دیگر غزوات میں شریک رہے۔ صحاح میں ان کی مرویات ہیں۔ امیر المومنین عبد الملکؒ کے عہد میں فوت ہوئے۔

۳۷۔ اسیر بن عمرو الکندیؓ۔ بعض نے ان کا نام "یسیر" یائے تحتانیہ سے لکھا ہے۔ ان کی ولادت ہجرت کے سال ہوئی تھی اور انتقال امیر یزیدؒ کے عہد خلافت میں ہوا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانہ تک حیات رہے۔

۳۸۔ انس بن مالک الکعبیؓ ابو امیہ۔ سکونت بصرہ میں تھی۔ عبید اللہ بن زیاد کے عہد میں موجود تھے۔ ان سے ابن زیاد نے ایک حدیث کی روایت بھی کی ہے۔

۳۹۔ انس بن مالک انصاری خزرجیؓ۔ ان کی والدہ معظمہ ام سلیمؓ جو عبد المطلب کی والدہ کے قبیلہ بنی النجار سے ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلعم کی رشتہ کی خالہ ہوتی تھیں وہ عقبہ ثانیہ سے پہلے مشرف باسلام ہوئی تھیں۔ حضرت انسؓ کی عمر کوئی دس برس کی تھی جب آنحضرت صلعم ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے۔ حضرت ابو طلحہؓ ان کے سوتیلے باپ ان کو ساتھ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ انسؓ کو اپنی غلامی میں لے لیجئے۔ آپ نے یہ درخواست منظور کی اس طرح ان کو دس برس تک آپ کی قربت اور شفقت میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ حدیبیہ اور اس کے بعد کے غزوات میں موجود تھے، ایک قول کے مطابق بیعت الرضوان میں بھی شریک تھے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے فقہ کی تعلیم دینے کی غرض سے ایک جماعت کے ساتھ ان کو بصرہ بھیج دیا تھا وہیں سکونت اختیار کرلی۔ اور عجم کی فتوحات میں بھی حصہ لیا۔ رسول اللہ صلعم نے تکثیر مال و اولاد کی

دعا دی تھی۔ اس دعا کی برکت تھی کہ انصار میں ان کے برابر اور کوئی متمول نہ تھا۔ اسی بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں۔ وقت وفات بیٹے پوتوں پوتیوں کی تعداد ایک سو تھی۔ خانہ جنگیوں اور فتنوں سے الگ رہے اور جماعت سے وابستہ۔ خلیفہ الولید بن عبد الملکؒ کے عہد میں منزل عقبیٰ طے کی۔

۴۰۔ اوسؓ بن حذیفہ الثقفیؓ۔ راوی حدیث ہیں۔ ملک شام میں سکونت تھی بسنہ ۵۹ھ میں بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ فوت ہوئے۔

۴۱۔ اوسؓ بن ضمعج حضرمیؒ۔ بعض نے صحابہ میں شمار کیا ہے اور بعض نے تابعین میں سنہ ۷۴ھ میں وفات ہوئی۔

۴۲۔ اہبان بن صیفی غفاریؓ۔ کنیت ابو مسلم، ابو ذر غفاری کے بھانجے، بصرہ میں ساکن تھے۔ ان کی بیٹی عدیسہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ ہمارے گھر آئے اور دروازہ پر کھڑے ہو کر میرے والد کو پوچھا کہ یہاں ابو مسلم ہیں، میں نے کہا کہ ہیں، پھر انہوں نے میرے والد سے ملاقات کی اور کہا کہ ابو مسلم! تم کو کیا چیز مانع ہے کہ تم اس کام میں (یعنی صفین کی خانہ جنگی میں) کچھ حصہ نہیں لیتے اور ہمارا ہاتھ نہیں بٹاتے۔ میرے والد نے جواب دیا کہ ایک وصیت میرے خلیل کی ہے۔ وہ مجھے اس بات سے مانع ہے۔ آنحضرت صلعم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ جب فتنہ کا زمانہ ہو تو تم لکڑی کی تلوار بنا لینا، چنانچہ میں نے لکڑی کی تلوار بنالی ہے۔ وہ لٹکی ہوئی ہے۔ انہوں نے نہ حضرت علیؓ کا ساتھ دیا اور نہ حضرت معاویہؓ کا۔ فتنوں سے الگ رہے۔ آخر عہد خلافت معاویہؓ میں بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ وفات پائی۔

۴۳۔ البراء بن عازب بن الحارث انصاریؓ۔ خود بھی صحابی ہیں اور ان کے والد بھی صحابی تھے۔ بدر کے سوائے دیگر اکثر غزوات میں شرکت کی۔ عجم کی فتوحات میں بھی حصہ لیا۔ سکونت کوفہ میں تھی۔ وہیں امیر یزیدؒ کی خلافت کے چند سال بعد انتقال ہوا۔ بعض نے سنہ وفات ۷۲ھ بتایا ہے۔

۴۴۔ بریدہ بن الحصیب الاسلمیؓ۔ قبیلہ اسلم کے سردار تھے۔ جنگ احد کے بعد سترہ غزوات میں شریک رہے۔ خلافت عثمانی میں خراسان میں جہاد کیا۔ مرو میں سکونت اختیار کی جہاں ان کے دو بیٹوں عبد اللہ اور سلیمان کی نسل باقی رہی۔ یہ دونوں بھائی ایک ہی وقت

۴۲

میں توام پیدا ہوئے تھے۔ اور عجیب بات ان کے بارے میں یہ ہے کہ بڑھاپے میں جب دارِ فانی سے رخصت ہوئے تو دونوں کا انتقال بھی ایک ہی وقت میں ہوا۔ حضرت بریدہؓ نے امیر یزیدؒ کے عہد خلافت میں انتقال کیا۔ مات بریدۃؓ فی خلافۃ یزید بن معاویہ

(المعارف ابن قتیبہ)

۴۵۔ بُسر بن ارطاۃ القرشی العامریؓ۔ ابو عبد الرحمٰن۔ صحابۂ صغار میں سے تھے۔ جنادہ بن امیہؒ کی ایک حدیث باسناد قوی ان سے مروی ہے کہ بحری سفر کے ایام میں ایک چور لایا گیا، انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلعم کو میں نے یہ فرماتے سنا ہے کہ لا تقطع الایدی فی السفر یعنی بحالت سفر (چور کے) ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔ حضرت بُسر امیر المومنین معاویہؓ کے بڑے کارگذار جنرل اور امیر البحر تھے، خلافت عثمانی کے ایام میں جب امیر معاویہؓ نے رومیوں کے خلاف پہلا بحری حملہ کیا تھا، اس وقت بھی یہی امیر البحر تھے۔ اس بحری معرکہ میں قیصر روم قسطنطین دوم (CONSTANS II) کے بیڑہ جہازات کو جس کی وہ خود کمان کر رہا تھا، ایسی زبردست شکست ہوئی تھی کہ یہ رومی بیڑہ بالکل تباہ ہو گیا تھا، بیس ہزار کے قریب رومی سپاہ ہلاک ہوئے تھے۔ خلافت امیر یزیدؒ میں اس کے بعد دوسرے بڑے بڑے معرکوں میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ امیر المومنین عبد الملکؒ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

۴۶۔ بِشر بن عاصم بن سفیان الثقفیؓ۔ بڑے محتاط صحابی تھے۔ حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے قبیلہ ہوازن پر عامل مقرر کرنا چاہا قبول نہ کیا اور آنحضرت صلعم کی ایک حدیث سنائی کہ ظالم عامل کو دوزخ کی آگ سے سابقہ پڑے گا۔ عمر بہت لمبی ہوئی سنہ ایک سو ہجری کے قریب وفات پائی۔

۴۷۔ بشیر بن عامر بن مالک العامری، ابو عمرؓ۔ شرف صحابیت حاصل تھا۔ ان کی ایک بیٹی حضرت مروانؓ کے عقد میں تھیں جن کے بطن سے بشر بن مروانؒ پیدا ہوئے، جن کا نام نانا کے نام پہ بشر رکھا گیا تھا وہ کچھ عرصہ حاکم کوفہ بھی رہے تھے۔ حضرت بشیر کی وفات امیر معاویہؓ کے آخر عہد خلافت میں ہوئی۔

۴۸۔ بشر بن عامر بن مالک بن جعفرؓ۔ ان کے والد بھی صحابی تھے اور ان کو بھی یہ شرف حاصل تھا۔ حضرت لبید بن ربیعہ صحابی اور شاعر کے ابن عم تھے۔ ان کے بیٹے عبد اللہ نے خلافت آل مروانؒ کی خدمات انجام دیں، آخر عہد امیر معاویہؓ بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ حلف کی

۴۹۔ بشیر بن عمروؓ۔ ہجرت کے سال ولادت ہوئی۔ رسول اللہ صلعم کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ [illegible]ھ میں وفات پائی۔

۵۰۔ بشیر بن عبید بن اوس انصاریؓ۔ باپ بیٹے دونوں صحابی تھے، ان کے والد نے یوم یمامہ میں درجہ شہادت حاصل کیا اور یہ یوم حرّہ میں قتل ہوئے۔

۵۱۔ بلال بن الحرثؓ، ابو عبد الرحمٰن۔ رسول اللہ صلعم نے قبیلہ مزینہ کے معادن ان کو عطا فرمائے تھے۔ امیر یزیدؒ کے اول عہد خلافت ۶۰ھ میں فوت ہوئے۔

۵۲۔ ثعلبہ بن الحکم اللیثیؓ۔ قال البخاری لہ صحبۃ۔ عہد نبوت میں جوان تھے [illegible]ھ اور [illegible]ھ کے درمیان فوت ہوئے۔

۵۳۔ ثوبان بن محمدؓ۔ عربی الاصل تھے، جنگی قیدیوں میں گرفتار ہو کر آئے۔ آنحضرت صلعم نے آزاد کر دیا۔ یہ برابر سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہتے تھے۔ ان کی یہ خصوصیت تھی کہ کبھی کسی شخص سے کسی شے کے طالب نہ ہوئے۔ رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد ملک شام میں حمص کے مقام پر سکونت اختیار کی اور وہیں ۵۴ھ میں بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ منزل عقبیٰ طے کی۔

۵۴۔ جابر بن سمرہ بن جنادہ العامریؓ۔ باپ بیٹے دونوں صحابی تھے۔ جابرؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے بھانجے صنادید قریش سے تھے۔ نبی صلعم کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے۔ دو ہزار سے زیادہ نمازیں آپ کی اقتدا میں ادا کیں آخر میں کوفہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں بشر بن مروانؒ کے ایام حکومت میں ۷۴ھ میں فوت ہوئے۔

۵۵۔ جابر بن عبد اللہ انصاریؓ۔ صحابی بن صحابی۔ بیعت عقبہ میں اپنے والد کے ساتھ موجود تھے۔ ۷۲ھ میں اور ایک قول کے مطابق ۷۸ھ میں بعمر چورانوے سال وفات پائی۔

۵۶۔ جابر عبد اللہ قبطیؓ۔ ام المومنین ماریہ قبطیہؓ کے ساتھ سلطان نجاشی کی جانب سے آنحضرت صلعم کی خدمت میں آئے اور پھر یہیں رہ پڑے ۶۳ھ میں بزمانہ خلافت امیر یزیدؒ انتقال ہوا۔

۵۷۔ جبیر بن مطعم بن عدی القرشیؓ۔ ان کے والد مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف بڑے کریم النفس تھے اور وہ یہی تھے جنہوں نے رسول اللہ صلعم کو اس وقت اپنے

جوار میں لیا تھا۔ جب آپ طائف کے سفر سے واپس آتے ہیں اور آپ کے بد بخت مخالف چچا ابولہب نے جو سردار قبیلہ تھا اپنے جوار سے الگ کر دیا تھا۔ حضرت جبیرؓ اکابر قریش سے تھے، صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے۔ علم انساب کے عالم تھے اور اس علم میں سیدنا ابوبکر الصدیقؓ سے استفادہ کیا تھا۔ صحیح بخاری کی یہ حدیث ان سے مروی ہے کہ ایک خاتون آنحضرت صلعم کی خدمت میں کسی کام کی غرض سے حاضر ہوئی۔ آپ نے ہدایت فرمائی کہ کچھ عرصہ بعد پھر آئے۔ اس نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوئی اور آپ کو نہ پایا یعنی آپ کی وفات ہو گئی تو کیا کروں آپ نے ارشاد فرمایا ان لم تجدنی فاتی ابابکر یعنی اگر مجھ کو نہ پائے تو ابوبکرؓ کے پاس آنا۔ حضرت جبیرؓ ان چند صحابہ میں سے تھے جنہوں نے خلیفہ شہید مظلوم سیدنا عثمانؓ کے دفن میں شرکت کی تھی۔ ۵۹ھ میں اور دوسرے قول کے مطابق امیر یزیدؒ کے عہد خلافت کے بعد وفات ہوئی۔

۵۸۔ جبیر بن نفیر بن مالک الحضرمیؒ ابو عبدالرحمٰن۔ راوی حدیث ہیں، علمائے شام میں ان کا شمار ہے۔ ۸۰ھ میں وفات ہوئی۔

۵۹۔ جرہد بن خویلد مدنیؓ۔ اصحاب صفہ میں سے تھے۔ حدیث کے راوی ہیں۔ بزمانہ خلافت امیر یزید ۶۳ھ میں فوت ہوئے۔

۶۰۔ جریر بن عبداللہ البجلیؓ۔ نزول سورۃ المائدہ کے بعد ۱۰ھ میں اسلام سے مشرف ہوئے۔ اپنی قوم کے اکابر میں سے تھے۔ جس وقت حاضر خدمت ہوئے آنحضرت صلعم نے کرم نوازی سے اپنی چادر ان کے لئے بچھا دی اور فرمایا، اذا جاءکم کریم قوم فاکرموہ۔ آنحضرت صلعم نے ان کو ذی الکلاع و ذی عمرو کے پاس یمن بھیجا تھا۔ ذی عمرو نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ خلافت عثمانی میں ہمدان کے عامل رہے، نہایت حسین و جمیل تھے۔ ان کی خوبصورتی کی وجہ سے سیدنا فاروق اعظمؓ ان کو یوسف ھٰذہ الامۃ فرمایا کرتے تھے۔ یہ حدیث ان سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا، جس وقت تک خلافت اجماع کے ذریعہ ہو گی اور تلوار نہ چلے گی مسلمان بخیر رہیں گے۔ ایام فتنہ میں حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے مابین قاصد کی خدمت انجام دی حضرت علیؓ کا پیغام جب حضرت معاویہؓ کے پاس لے کر گئے تھے اور وہاں سے واپسی پر قاتلین عثمانؓ سے قصاص لینے کے بارے میں ان کا مطالبہ پیش کیا تھا سبائی لیڈر الاشتر نے ان کی سخت ترین مخالفت کی۔ مصالحانہ کوششوں کی ناکامیابی سے متاثر ہو کر خانہ نشین ہو گئے ۵۴ھ

میں فوت ہوئے۔ ان کی بیٹی حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ کی ایک زوجہ تھیں۔

۶۱۔ جعفر بن ابی سفیان بن الحارث بن عبدالمطلب ہاشمیؓ۔ نسبی رشتہ میں آنحضرت صلعم کے بھتیجے تھے، ان کے والد ابو سفیانؓ ہاشمی فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے تھے۔ اور یہ بھی اسی وقت دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، جنگ حنین میں ثابت قدم رہے، ۵۱ھ میں بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ فوت ہوئے۔

۶۲۔ جنادہ بن ابی امیہ الازدیؓ۔ راوی حدیث ہیں، بعض نے ان کا شمار تابعین میں کیا ہے، فتح مصر میں شریک تھے۔ آخر میں ملک شام میں سکونت اختیار کی اور وہیں امیر یزیدؒ کی خلافت کے تین سال بعد ۶۷ھ میں وفات پائی۔

۶۳۔ جنادہ بن امیہ بن مالک الدوسیؓ۔ یہ اپنے ہمنام کے علاوہ ہیں، اور حضرت عبادہ بن الصامتؓ کے احباب خاص میں سے تھے۔ جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا۔ امیر یزیدؒ کی عہد خلافت کے کچھ عرصہ بعد اور بقول دیگر ۸۰ھ میں فوت ہوئے۔

۶۴۔ جندب بن عبداللہ بن سفیان البجلیؓ۔ راوی حدیث ہیں، ان سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے قبروں کی تعظیم کرنے کی سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے۔ اول کوفہ میں رہتے تھے، پھر بصرہ چلے گئے۔ فتنہ ابن الزبیرؓ کے ایام میں حیات تھے لوگوں کے سامنے تقریر کرتے اور فرماتے کہ رسول اللہ صلعم نے مسلمانوں کا ایک لشکر مشرکوں کی طرف بھیجا تھا۔ جب وہ مقابل ہوئے مشرکوں میں سے ایک شخص تھا جس نے کئی مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا۔ حضرت اسامہؓ نے موقع پا کر اس پر تلوار اٹھائی، اس نے اپنے بچاؤ کے خاطر کلمہ طیبہ پڑھا مگر اسامہؓ نے اس کو قتل کر دیا۔ اس واقعہ کا حال جب آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا آپؐ نے اسامہؓ سے دریافت کیا، انہوں نے عرض کیا کہ مقتول نے تلوار کا وار دیکھ کر کلمہ پڑھ دیا تھا، اس جواب پر آنحضرت صلعم نے فرمایا، کل قیامت کے دن وہ شخص ہو کر آئے گا تو لا الٰہ الا اللہ کا تم پھر کیا جواب دو گے، لوگوں کے دل چیر کر نہیں دیکھے جاتے۔ یہ حضرت جندبؓ نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ اب فتنہ کھڑا ہو گیا ہے، تم اپنے گھروں میں گھس جاؤ، لوگوں نے پوچھا اگر وہاں بھی آجائے، انہوں نے کہا اپنی کوٹھریوں میں چھپ جاؤ اور وہاں بھی آجائے تو بندۂ مقتول ہو بندۂ قاتل نہ ہو کیونکہ یہی نصیحت رسول اللہؐ نے امت کو فرمائی ہے۔ ایک قول کے مطابق خلافت امیر یزیدؒ کے چند سال بعد ۶۹ ہجری میں انتقال ہوا۔

۶۵۔ حارث بن اوس بن المعلی انصاری، ابو سعدؓ۔ طبری نے اپنے ذیل میں بزمرہ صحابہ

ان کے ذکر میں سال وفات سنہ ۹۴ھ لکھا ہے۔

۶۶۔ حارث بن سوید التیمیؓ، ابو عائشہ۔ جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا اور نبی صلعم کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت بھی پائی، سنہ ۷۰ھ میں فوت ہوئے۔

۶۷۔ حارث بن عمرو بن غزیہ مزنیؓ۔ متعہ کی حرمت میں حدیث کی روایت اُن سے ہے سنہ ۷۰ھ سنہ وفات ہے۔

۶۸۔ حارث بن عوف بن اسیدؓ، ابو واقد لیثی۔ قدیم الاسلام تھے، بعض نے کہا ہے کہ اصحاب بدر سے ہیں، فتح مکہ کے دن بنی لیث کا جھنڈا ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔ امیر یزیدؒ کے عہد خلافت کے دو سال بعد سنہ ۶۶ھ میں فوت ہوئے۔

۶۹۔ حارث بن نفیع بن معلی انصاریؓ۔ ابو سعید۔ جماعت سے وابستہ اور فتنوں سے الگ رہے، وہ جوان کے ہمنام بدر میں شہید ہوئے دوسرے ہیں۔ ان کا انتقال امیر یزیدؒ کی خلافت کے آخر میں سنہ ۶۴ھ میں ہوا۔

۷۰۔ حارثہ بن بدر بن حصین التیمیؓ۔ ادرک النبی صلی اللہ علیہ وسلم (الاصابہ) اسلامی فتوحات میں حصّہ لیا۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظمؓ نیز حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ اور امیر یزیدؒ کی صحبتوں میں ان کے ذکر اذکار رہے۔ آخر عہد خلافت امیر یزیدؒ سنہ ۶۴ھ میں وفات پائی ـــ

۷۱۔ حسان بن ثابت انصاریؓ۔ صحابی جلیل و شاعر اسلام، کفار قریش کے ہجویہ کلام کا جواب سیف زبان سے دیتے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ کا قول ان کے بارے میں ہے وقد جاھد مع رسول اللہ بنفسہ ولسانہ۔ یعنی اپنی ذات اور اپنی زبان سے رسول اللہ کے ساتھ جہاد میں سرگرم رہے۔ ان کا مطبوعہ دیوان موجود ہے۔ مدح اور مرثیے میں بھی کلام کا ایک حصہ ہے۔ خلیفہ شہید و مظلوم سیدنا عثمانؓ کی حفاظت کے لئے مسلح ہو کر بلوائیوں کے مقابلے میں ڈٹے رہے۔ سیدنا عثمان کے قتل کا الزام حضرت علیؓ پر لگاتے تھے۔ ان کا دردناک مرثیہ کہا ہے جس کا ایک شعر:

ضحوا باشمط عنوان السجود به ؛ یقطع اللیل تسبیحاً وقرآنا

یعنی لوگوں نے اس کھچڑی بالوں والے کی قربانی کر دی جس کی پیشانی میں سجدہ کا نشان تھا اور تمام رات تسبیح و قرآن خوانی میں گذارتا تھا۔

امام اوّل و خلیفہ رسول اللہ، حضرت ابوبکر الصدیقؓ کی مدح میں چند شعر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھ کر سناتے تھے، اس پر آپ نے فرمایا تھا حسّان! تم نے خوب کہا وہ ایسے ہی ہیں جیسا تم نے کہا، ایک شعر یہ تھا۔

وکان حب رسول اللہ قد علموا ؛ خیر البریۃ لم یعدل بہ رجلا

یہ جان لو کہ وہ (ابوبکرؓ) رسولؐ کے محبوب ہیں اور کوئی شخص بھی لوگوں میں سے ان کے مرتبہ کا نہیں۔

ان کی اور ان کے باپ دادا کی عمریں طویل ہوئیں۔ امیر یزیدؒ کے ایام ولیعہدی سنہ ۵۴ھ میں فوت ہوئے۔

۷۲۔ حصین بن الحرؓ۔ سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں نواحی حیرہ کے عامل رہے حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے میسان کا عامل مقرر کیا۔ امیر حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانہ تک حیات رہے ـــ

۷۳۔ حصین بن نمیر السکونی الکندیؓ۔ حضرت معاویہ بن خدیج الکندی کے بنو اعمام میں تھے، سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانۂ خلافت میں الاردن کے عامل رہے۔ کتاب تجارب الامم اور التنبیہ والاشراف میں ان کو کاتبان رسول اور خاص کر المداینات والمعاملات کے کاتبین میں شمار کیا گیا ہے (ص ۲۸۲ التنبیہ) مدینہ کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے امیر المومنین یزیدؒ نے جو لشکر بھیجا تھا، اس کے افسر یہ صحابی بھی تھے، امیر مسلم بن عقبہ کے فوت ہو جانے پر لشکر کی کمان ان کے ہاتھ میں تھی، مکہ معظمہ کا حصار ان کی سرکردگی میں کیا گیا تھا۔ جب امیر یزیدؒ کی وفات کی خبر آنے پر اٹھا لیا گیا تھا۔ حضرت ابن الزبیرؓ سے انہوں نے کہا تھا کہ میرے ساتھ ملک شام کو کہ مستقر خلافت ہے چلیئے ہم سب اب آپ کی بیعت خلافت کرنے کو آمادہ ہیں، مگر ابن زبیرؓ نے یہ پیش کش قبول نہ کی۔ حضرت حصینؓ امیر المومنین عبد الملکؒ کے عہد خلافت میں فوت ہوئے، ان کے فرزند یزید بن حصینؓ اور پوتے معاویہ بن یزید بن حصینؓ بھی اپنے اپنے زمانہ میں حمص کے گورنر رہے۔

۷۴۔ الحکم بن عمرو بن مجدع غفاریؓ۔ امیر المومنین معاویہؓ کے عہد خلافت اور امیر زیاد بن ابو سفیانؓ کے زمانہ ایالت میں کچھ عرصہ خراسان کے عامل رہے۔ سنہ ۵۱ھ میں بمقام مرو فوت ہوئے۔

۷۵۔ الحکیم بن حزام بن خویلد اسدیؓ۔ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بھتیجے قریش کے متمول شخص تھے، انہوں نے ہی حضرت زید بن حارثہؓ کو جو ایک حادثہ میں پکڑ لئے گئے تھے خرید کر اپنی پھوپھی کی خدمت میں پیش کیا تھا اور انہوں نے آنحضرتؐ کو ہبہ کر دیا۔ آپ نے ان کو آزاد کر کے اپنا متبنی کر لیا۔ حضرت الحکیمؓ کو رسول اللہ سے بڑی محبت تھی۔ اسلام لانے سے پہلے سے آپ

کی خدمت میں سرگرم تھے۔ قریش نے جب بنی ہاشم کا مقاطعہ (بائیکاٹ) کر رکھا تھا یہی تھے جو خورد و نوش اور دیگر ضروریات کی چیزیں آپ کی خدمت میں پہنچاتے رہتے تھے۔ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے اور ایک سو بیس برس کی طویل عمر پاکر ٥٤ھ میں رہگرائے عالم جاودانی ہوئے۔ صرف یہی ایک قریشی تھے جو جوف کعبہ میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کی والدہ بتوں کی پوجا کرنے خانہ کعبہ میں جو اس وقت بت خانہ بنا ہوا تھا گئی ہوئی تھیں کہ یکایک دردزہ ہو کر وہیں وضع حمل ہو گیا۔ (البدایہ والنہایہ ص٦٩ ج٨)

وحکیم بن حزام ولد فی الکعبۃ وذلک ان امہ دخلت الکعبۃ وھی حامل بہ فضربھا المخاض فیھا فولدتہ ھناک۔

(کتاب المحبر ص١٧١)

اور حکیم بن حزام کعبہ میں پیدا ہوئے اور یہ اس لئے کہ ان کی والدہ کعبہ میں گئیں وہ حاملہ تھیں، وہیں ان کے دردزہ ہو پڑا اور وہیں یہ پیدا ہوئے۔

حضرت الحکیمؓ کے ایک بیٹے ہشامؓ بھی صحابی تھے، جو ام المومنین حضرت عائشہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے ساتھ جنگ جمل میں شریک ہو کر مقتول ہوئے تھے۔ دوسرے بیٹے عثمان تھے جن کی زوجہ رملہ بنت الزبیر بن العوام تھیں، جو ان کے بعد امیر المومنین یزید بن معاویہؓ کے صاحبزادہ خالد بن یزیدؒ کے عقد میں آئیں۔ ان رملہ کے بیٹے عبد اللہ بن عثمان بن الحکیم اسدی تھے جن کی زوجیت میں حضرت حسین بن علیؓ کے صاحبزادی سکینہ بنت الحسینؓ تھیں، ان کے بطن سے عبد اللہ بن عثمان بن الحکیم اسدی مذکور کے ایک بیٹے عثمان بن عبد اللہ ہوئے، ان کا لقب بروایت ابن حزمؒ مزیق تھا اور ابن قتیبہ نے "قرین" لکھا ہے۔ حضرت حسین بن علیؓ کے ان اسدی نواسہ سے سلسلہ نسب باقی رہا۔ (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص١١٢)

٧٦۔ **حمزہ بن عمرو الاسلمیؓ**۔ بڑے عبادت گزار و صائم الدھر تھے۔ فتوحات شام میں شرکت کی۔ امیر یزیدؒ کے اول عہد خلافت ٦١ھ میں رحلت کی۔

٧٧۔ **حویطب بن عبد العزی العامریؓ**۔ صحابی جلیل، غزوہ حنین میں موجود اور خلیفہ مظلوم و شہید سیدنا عثمانؓ کی تدفین میں شریک تھے۔ ایک سو بیس برس کی طویل عمر پاکر ٥٤ھ میں بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ وفات پائی۔ ان کی اولاد میں عبد الکریم بن محمد بن عبد الرحمن بن حویطبؓ بڑے پایہ کے محدث ہوئے۔

٧٨۔ **حیدہ بن معاویہ القشیریؓ**۔ ان کے بیٹے کا نام بھی معاویہ تھا اور باپ بیٹے دونوں کو شرف صحابیت حاصل تھا۔ لہ ولابنہ معاویۃ بن حیدۃ صحبۃ (الاصابہ) عمر طویل ہوئی۔ بشر بن مروانؒ کے زمانہ ولایت عراق میں انتقال ہوا۔

٧٩۔ **خویلد بن عمرو کعبی الخزاعیؓ**۔ ابو شریح۔ فتح مکہ میں رسول اللہ صلعم کی ہمرکابی کا شرف حاصل تھا، اپنی قوم کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے۔ قیام برابر مدینہ منورہ میں رہا۔ امیر یزیدؒ کی خلافت کے چار سال بعد ٦٨ھ میں فوت ہوئے۔

٨٠۔ **خرشہ بن الحر الفزاریؓ**۔ یہ اور ان کی بہن دونوں یتیم اور سیدنا عمر فاروق اعظمؓ کی کفالت و پرورش میں رہے۔ ان دونوں کو صحابیت کا شرف حاصل تھا۔ ابن حبانؒ نے تابعین میں شمار کیا ہے۔ بشر بن مروانؒ کے زمانہ حکومت عراق میں فوت ہوئے۔

٨١۔ **خنابہ بن کعب العبسیؓ**۔ جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا۔ امیر یزیدؒ کی ولی عہدی کے زمانہ میں امیر المومنین معاویہؓ کے پاس دمشق آئے اور فی البدیہہ چند شعر کہے۔ ایک سو چالیس برس کی طویل عمر ہوئی۔ امیر المومنین یزیدؒ کے عہد خلافت میں وفات ہوئی۔

٨٢۔ **دحیہ بن خلیفہ الکلبیؓ**۔ جلیل القدر صحابی ہیں۔ مشہور روایت ہے کہ ان ہی کی شکل میں متشکل ہو کر جبرئیل فرشتہ آنحضرت علیہ وسلم سے ہمکلام ہوا۔ بدر کے علاوہ دیگر تمام غزوات میں شریک رہے۔ آنحضرتؐ کا فرمان موسومہ قیصر روم لے کر سفیر کی حیثیت سے رومی گورنر بصریٰ کے پاس گئے تھے۔ آنحضرتؐ کی چچیری بہن صفیہ بنت ابو لہب ان کی زوجیت میں تھیں ان کے بعد اسامہ بن زیدؓ کے عقد میں آئیں۔ خود رسول اللہؐ نے حضرت دحیہؓ کی بہن شراف سے عقد کیا تھا۔ نیز ان کی بھانجی خولہ بنت الہذیل سے بھی، مگر یہ دونوں خلوت صحیحہ سے پہلے ہی فوت ہو گئیں۔ حضرت دحیہؓ نے دمشق میں سکونت اختیار کی تھی۔ امیر یزیدؒ ان کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے۔ وہ رشتہ میں امیر موصوف کے ماموں بھی ہوتے تھے۔ حضرت دحیہؓ کی نسل میں بعض اشخاص اندلس میں سکونت پذیر ہوئے۔ ابو الخطاب عمر محدث اندلسی جو ذو النسبین کہلاتے تھے، نسباً حضرت دحیہ الکلبی کے اخلاف میں تھے اور مادری نسب ان کا حسینی تھا۔ حضرت دحیہؓ کی وفات امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کے ایام میں ٥٠ھ میں دمشق میں ہوئی۔

٨٣۔ **نافع بن خدیج، ابو عبد اللہ حارثیؓ**۔ غزوہ احد میں اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک رہے۔ امیر المومنین معاویہؓ کے عہد مبارک میں جب زمینداری کی شرعی حیثیت زیر بحث آئی آپ ہی کی مرویہ حدیث معیار قرار پائی اور سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ نے اپنے موقف سے رجوع کیا۔ طویل عمر میں امیر المومنین

عبدالملکؒ کے عہد خلافت میں وفات ہوئی۔ سنہ وفات [illegible] ہے۔

۸۴۔ الربیع بن زیاد الحارثیؓ۔ اکثر کے نزدیک صحابی ہیں۔ بعض نے تابعی بتایا ہے۔ خراسان میں کچھ عرصہ عامل رہے۔ ۵۳ھ میں بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ فوت ہوئے۔

۸۵۔ رویفع بن ثابت انصاریؓ۔ غزوہ حنین میں شریک تھے۔ رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد مصر میں سکونت اختیار کر لی تھی، امیر المومنین معاویہؓ نے ان کو طرابلس کا حاکم مقرر کر کے بھیجا تھا۔ بلاد مغرب کے متعدد مقامات فتح کئے، بڑے محتاط و پاکباز تھے، محض ایک تہدیدی حدیث کی بنا پر صاحب خراج کی خدمت قبول نہ کی۔ ۵۶ھ میں امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کے زمانہ میں رحلت کی۔

۸۶۔ زرارہ بن جزء بن عمرو الکلابیؓ۔ راوی حدیث ہیں۔ ان کے فرزند عبدالعزیز جو بڑے بہادر مجاہد تھے۔ امیر یزیدؒ کی قیادت میں جہاد قسطنطنیہ میں شریک ہو کر شہید ہوئے تھے حضرت زرارہؓ کا انتقال ۴۷ھ میں ہوا۔

۸۷۔ زمل بن عمرو العذریؓ۔ رسول اللہؐ نے ان کے لئے فرمان لکھوایا اور ان کی قوم کا جھنڈا ان کو عطا فرمایا۔ یہ اسی جھنڈے کو لے کر حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے مقابلہ میں موجود تھے اور تحکیم (ثالثی) کے لئے جو اقرار نامہ طرفین سے لکھا گیا تھا اس پر ان کی گواہی ثبت ہوئی۔ امیر المومنین یزیدؒ کے عہد خلافت میں بھی خلافت اپنی صحابی رسول اللہ کی سپردگی میں رہتی تھی۔ خلافت یزیدؒ کے بعد مرج راھط کے معرکہ میں جو اواخر ۶۴ھ میں پیش آیا مقتول ہوئے۔

۸۸۔ زہیر بن قیس البلویؓ۔ فتح مصر میں شریک تھے، پھر وہیں سکونت اختیار کی۔ آخر میں مغرب کے مقام برقہ میں رومیوں کے خلاف جہاد میں شہید ہوئے۔ ان کی شہادت کا واقعہ ۷۶ھ کا ہے۔

۸۹۔ زید بن ارقم انصاری خزرجیؓ۔ غزوۂ احد میں کمسن تھے، بعد کے دیگر غزوات میں جن کی تعداد ۱۷ شمار کی گئی ہے شریک رہے۔ حضرت علیؓ کے طرفداروں میں تھے۔ جنگ صفین میں بھی ان ہی کے کیمپ میں موجود تھے۔ ان کی مروی احادیث کی تعداد سو کے قریب ہے۔ آخر عمر میں بوجہ کبر سنی نسیان غالب تھا، امیر عبید اللہ بن زیاد نے ایک مرتبہ ان سے کہا تھا کہ آپ ایسی حدیثیں روایت کرتے ہیں جن کی نصوص قرآن سے مطابقت نہیں ہوتی۔ کوفہ میں ساکن رہے۔ امیر یزیدؒ کی خلافت کے چار سال بعد ۶۸ھ میں فوت ہوئے۔

۹۰۔ زید بن خالد الجہنیؓ۔ صلح حدیبیہ میں موجود تھے اس کے بعد متعدد غزوات میں شرکت

کی۔ فتح مکہ میں اپنی قوم کا جھنڈا لئے ہوئے تھے۔ صحاح میں ان کی مرویات ہیں۔ ان کا انتقال بھی امیر یزیدؒ کی خلافت کے چار سال بعد ۶۸ھ میں ہوا، اور بقول دیگر ۷۰ھ یا ۷۸ھ میں۔

۹۱۔ سائب بن ابی وداعہ الحارث القرشی السہمیؓ۔ زبیر بن بکار کے قول کے مطابق حضرت سائبؓ مکہ میں آنحضرتؐ کے ساتھ تجارتی کاروبار میں شریک تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کے بھائی مطلب بن ابی وداعہ آپ کے شریک تجارت تھے۔ حدیث کے راوی بھی ہیں۔ ۵۰ھ میں بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ وفات پائی۔

۹۲۔ سائب بن خباب مدنی ابو عبدالرحمٰنؓ۔ رسول اللہؐ سے وضو کے بارے میں حدیث سماعت کی اور روایت کی۔ ۷۰ھ میں فوت ہوئے۔

۹۳۔ سائب بن یزید الکندیؓ۔ خود بھی صحابی ہیں اور ان کے والد ماجد بھی صحابی تھے بچپن میں آنحضرتؐ کی خدمت میں لائے گئے، آپ نے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔ فرط عقیدت سے انہوں نے آپ کے وضو کے پانی کو چلو میں لے کر پی لیا اور مہر نبوت دیکھنے کی سعادت حاصل کی۔ حجۃ الوداع میں موجود تھے۔ ۸۰ھ یا ۸۶ھ میں اور بعض کے نزدیک ۹۱ھ میں وفات پائی۔

۹۴۔ سعد بن ایاس ابو عمرو الشیبانیؓ۔ ان سے حدیث کی روایت ہے۔ ایک سو بیس برس کی عمر پا کر ۹۵ھ میں انتقال ہوا۔

۹۵۔ سعد بن زید انصاریؓ۔ عہد رسالت میں ولادت ہوئی۔ ابن سعد نے طبقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔ الاستیعاب میں بزمرۂ صحابہ ان کا تذکرہ ہے۔ امیر المومنین عبدالملکؒ کے عہد میں فوت ہوئے۔

۹۶۔ سعد بن مالک بن سنان انصاری الخدریؓ ابو سعید۔ احد کے بعد کے غزوات میں شریک رہے۔ کثیر الروایات ہیں، فضلاء و علمائے انصار میں سے تھے۔ حضرت حسینؓ کو خروج کا اقدام کرنے سے بہت منع کرتے رہے۔ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد اور بیعت خلافت کے مویدین خاص میں سے تھے ۷۴ھ میں انتقال ہوا۔

۹۷۔ سعید بن العاص بن سعید ابی احیحہ بن العاص اُمویؓ صغار صحابہ میں سے تھے۔ قرآن شریف کی تلاوت کا لہجہ نبیؐ کے لہجہ سے مشابہ تھا۔ نہایت فیاض و دریا دل و کریم النفس بجائے قریش سے تھے، انتظامی امور میں قائدانہ حیثیت رکھتے تھے۔ خلافت عثمانیؓ میں کوفہ کے عامل رہے اور اسی خلافت عثمانی کے ایام یعنی ۳۰ھ میں طبرستان و جرجان وغیرہ دور دست ممالک میں بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ

جہاد کئے۔ ان کی فوج میں قریش کے مختلف خاندانوں کے ممتاز اشخاص شامل تھے۔ ہاشمی گھرانے سے حسنؓ وحسینؓ وعبداللہ بن عباسؓ، بنی عدی سے عبداللہ بن عمرؓ، بنی سہم سے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور بنی اسد سے عبداللہ بن زبیرؓ اس اموی سپہ سالار وقائد عسکر کے تحت قیادت شریک غزا ہوئے تھے۔ طبری میں ہے:

غزا سعید بن العاص من الکوفة سنة ۳۰ یرید خراسان ومعه حذیفة بن الیمان وناس من اصحاب رسول الله صلعم ومعه الحسن والحسین وعبد الله بن عباس وعبد الله بن عمر وعبد الله بن عمرو بن العاص وعبد الله بن زبیر۔
(ص۲۹ ج۵ طبری)

سعید بن العاص ۳۰ھ میں کوفہ سے خراسان پر جہاد کرنے چلے۔ ان کے ساتھ حذیفہ بن الیمانؓ اور رسول اللہ صلعم کے دیگر صحابی بھی تھے اور حسنؓ وحسینؓ وعبداللہ بن عباسؓ وعبداللہ بن عمرو بن العاصؓ وعبداللہ بن زبیرؓ بھی ان کے ساتھ تھے

حضرت حذیفہؓ صحابی جلیل تھے۔ صاحب سر رسول اللہ سے معروف تھے۔ ۲۲ھ میں ہمدان والرے والدینور وغیرہ انہی کے ہاتھ پر فتح ہوئے تھے۔ اس مرتبہ کے صحابہ کبار کا حضرت سعید اموی قائد سپہ سالار کے ساتھ شریک جہاد ہونا، ہاشمی اور دوسرے قریشی حضرات کا بھی غازیوں کے زمرہ میں بسرکردگی اموی سپہ سالار شامل ہونا اموی قیادت کی کامیابی اور متفق علیہا ہونے کی بین دلیل ہے۔ بعض روایتوں میں کہا گیا ہے کہ جب حضرت سعید اموی ایک مرتبہ عراق سے مدینہ آئے اور کچھ تحائف ساتھ لائے، اکابر صحابہ کی خدمت میں پیش کئے منجملہ ان صحابہ کے حضرت علیؓ کی خدمت میں بھی کچھ تحائف لے کر گئے، انہوں نے تحفے قبول فرمائے مگر بقول مؤلف نہج البلاغہ وابن سعد اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ مدنی امیہ نے تراث محمد علیہ السلام میں مجھ پر تو فوق حاصل کر لیا ہے، اگر میری زندگی رہی تو میں ان کو اس طرح جھنجھوڑ دوں گا جیسے قصاب بکری کی خاک آلودہ اوجھڑی کو جھنجھوڑتا ہے۔ (طبقات ابن سعد ج۵ سطر ۱۱ و نہج البلاغہ) حضرت سعید کی وفات ۵۹ھ میں یعنی خلافت امیر یزید سے چند ماہ پہلے واقع ہوئی۔ امیر المومنین معاویہؓ کے زمانہ میں کچھ عرصہ مدینہ کے عامل بھی رہے تھے۔ ان کی ایک پوتی سیدہ خلیدہ بنت مروان بن عتبہ بن سعید کی شادی حسن بن الحسن بن علیؓ بن ابی طالب سے ہوئی تھی جن سے اولاد بھی ہوئی (جمہرة الانساب ابن حزم ص۷۵)

۹۸۔ سعید بن نمران الہمدانیؓ صحابی ہیں حضرت علیؓ کے زمانہ میں کاتب (سیکرٹری) رہے

تھے۔ یرموک کے غزوہ میں شریک تھے۔ جرجان میں سکونت اختیار کی اور وہیں ۳۰ھ میں فوت ہوگئے۔

۹۹۔ سعید بن وہب الجیوانیؓ۔ اصابہ میں ہے کہ نبیؐ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور آپ کی حیات میں اکابر صحابہ حضرت معاذ بن جبلؓ سے یمن میں فیض صحبت اٹھایا۔ بخاری اور ابن سعد نے ان کو کبار تابعین میں شمار کیا ہے۔ ۹۵ھ یا ۹۶ھ میں وفات ہوئی۔

۱۰۰۔ سعید بن یربوع مخزومی۔ نام ان کا الصرم تھا۔ رسول اللہ صلعم نے تبدیل کر کے سعید رکھا۔ فتح مکہ سے قبل اسلام لائے۔ غزوہ حنین میں شریک تھے۔ ۵۴ھ میں بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ انتقال ہوا۔

۱۰۱۔ سفیان بن عوف الاسلمی الغامدیؓ صحب النبی وکان له باس ونجدة والسماحة (الاصابہ) بڑے بہادر وشجاع وسخی صحابی تھے۔ امیر المومنین معاویہؓ کے نہایت کارگزار جرنل رہے۔ ۵۳ھ میں بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ فوت ہوئے۔

۱۰۲۔ سفینہ مولیٰ رسول اللہؐ۔ ابتداءً ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے غلام تھے، انہوں نے اس شرط پر آزاد کر دیا تھا کہ رسول اللہ کی خدمت کیا کریں۔ بعض احادیث بھی ان سے مروی ہیں ۵۹ھ میں انتقال ہوا

۱۰۳۔ سلمہ بن ابی سلمہ مخزومیؓ۔ ان کے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالاسدؓ آنحضرت کے رضاعی بھائی بھی تھے اور آپ کی پھوپھی برہ بنت عبدالمطلب کے فرزند ہونے سے آپ کے پھوپھیرے بھائی بھی۔ ابتدائے بعثت رسول اللہ میں ہی اسلام سے مشرف ہو گئے تھے یعنی اسلام لانے والوں میں ان کا نمبر گیارھواں تھا۔ حبشہ کو ہجرت بھی کی تھی وہاں سے واپسی پر جنگ اُحد میں شریک ہوئے۔ اس جنگ میں ایسا زخم لگا کہ اس کے صدمہ سے کچھ دن بعد ہی فوت ہو گئے۔ ان کی بیوہ ام سلمہؓ سے آنحضرتؐ نے نکاح کر لیا اور اس طرح سلمہ بن ابی سلمہؓ کو اپنی والدہ معظمہ کے ساتھ رسول اللہؐ کے آغوش شفقت میں پرورش پانے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب حسنؓ وحسینؓ کی ولادت بھی نہیں ہوئی تھی۔ سن بلوغ کو پہنچنے پر حضرت سلمہؓ کا نکاح آنحضرت صلعم نے اپنی چچیری بہن سیدہ امامہ بنت سید الشہداء حضرت حمزہؓ سے کر دیا تھا۔ حضرت سلمہؓ بھی امیر یزیدؒ کی ولیعہدی اور بیعت خلافت کے مؤیدین میں سے تھے اور ان ہی کی خلافت کے ایام میں کچھ عرصہ دمشق میں مقیم رہے۔ پھر مدینہ منورہ چلے آئے جہاں امیر المومنین عبدالملکؒ کے عہد خلافت میں انتقال ہوا۔

۱۰۴۔ سمرہ بن جنادہ عمر بن جندبؓ۔ رسول اللہ صلعم کے ماموں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے بہنوئی تھے ان کے ساتھ مدائن کے معرکہ میں موجود تھے۔ شرف صحابیت بھی حاصل تھا۔ بارہ خلیفوں کی مشہور حدیث کے راوی ہیں۔ امیر المومنین عبدالملکؒ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ حضرت جابر بن سمرہؓ ان کے فرزند

بھی صحابی تھے۔

۱۰۵۔ سمرہ بن جندب بن ہلال الفزاریؓ۔ غزوہ اُحد میں نوعمر تھے اور بحالت نوعمری رسول اللہؐ سے بیعت کی تھی۔ امیر زیاد بن ابوسفیانؓ کے عہد میں بصرہ کے حاکم تھے۔ ان کی وفات کے بعد بھی سال ڈیڑھ سال نائب رہے امیر یزیدؒ کے اول عہد خلافت میں فوت ہوئے اور بقول دیگر ۵۸ھ میں۔

۱۰۶۔ سنان بن سلمہ بن المحبق الہذلیؓ۔ صغار صحابہ میں شمار ہے۔ ان کے والد ماجد بھی صحابی تھے۔ جہاد ہند میں شرکت کی۔ امیر حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانہ ایالت میں وفات ہوئی۔

۱۰۷۔ سندر بن ابو الاسودؓ۔ ان کو اور ان کے فرزند عبداللہ دونوں کو صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ حضرت سندرؓ نے رسول اللہؐ کے ساتھ حج بھی کیا تھا۔ امیر المومنین عبدالملکؒ کے عہد خلافت تک حیات رہے۔

۱۰۸۔ سنین بن واقد الظفریؓ۔ حجۃ الوداع میں موجود تھے، نبی صلعم کے اس حج میں ساتھ رہنے کی سعادت حاصل کی۔ امیر یزیدؒ کے عہد خلافت کے پہلے یا دوسرے سال وفات ہوئی۔

۱۰۹۔ سہل بن ابی حثمہ انصاری اوسیؓ۔ راوی حدیث ہیں ۵۹ھ میں اور دوسرے قول کے مطابق فتنہ ابن الزبیرؓ کے ایام میں انتقال ہوا۔

۱۱۰۔ سہل بن حنیف انصاریؓ، ابوامامہ۔ عہد نبوی میں ولادت ہوئی۔ سن تمیز میں رسول اللہؐ کی زیارت سے مشرف رہے۔ راوی حدیث بھی ہیں۔ ۱۰۰ھ میں انتقال ہوا۔ ان کے ہمنام وہ دوسرے صحابی تھے جو ۳۸ھ میں فوت ہوئے۔

۱۱۱۔ سہل بن سعد بن مالک الساعدیؓ۔ رسول اللہ کی رحلت کے وقت پندرہ سال کی عمر تھی۔ مدینہ منورہ کے صحابہ میں ان ہی کا انتقال سب سے بعد یعنی ۹۱ھ میں ہوا۔ وھو آخر من مات فی المدینۃ من الصحابۃ۔ (ص۱۴۲ المعارف)

۱۱۲۔ شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ الحجبیؓ۔ غزوہ حنین میں شریک تھے۔ خانہ کعبہ کی حجابۃ کا عہدہ ان کے خاندان میں متوارث رہا۔ ابن سعد کے قول کے مطابق امیر المومنین یزیدؒ کے عہد خلافت تک حیات رہے۔ عاش الی خلافۃ یزید بن معاویہ یعنی ۶۰ھ میں فوت ہوئے۔

۱۱۳۔ صعصعہ بن ناجیہ الدارمیؓ۔ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں نیک کردار رہے۔ جاہلیت میں تین سو ساٹھ ایسی بچیوں کو جن کے سخت دل ماں باپ زندہ گاڑ دیتے تھے نکال نکال کر بچا لیا، بعض نے یہ تعداد اس سے بھی زیادہ بتائی ہے۔ ان کے اسلام لانے پر نبی صلعم نے ارشاد فرمایا تھا لک اجر ذلک اذ من اللہ علیک بالاسلام۔ ۷۰ھ میں انتقال ہوا۔

۱۱۴۔ صفوان بن المعطل السلمیؓ۔ بڑے رتبہ کے فاضل صحابی ہیں۔ غزوہ خندق اور دیگر مشاہد میں موجود تھے۔ سادات المسلمین میں ان کا شمار ہے۔ امیر المومنین یزیدؒ کے شروع عہد خلافت میں وفات پائی۔ ابن اسحٰق نے جو ۱۹ھ لکھا ہے وہ غلط ہے کیونکہ حضرت معاویہؓ کی خلافت کے زمانہ میں رومیوں کے خلاف جہادوں میں شریک رہے تھے۔

۱۱۵۔ ضحاک بن قیس الفہریؓ۔ رسول اللہ صلعم کی رحلت کے زمانہ میں آٹھ برس کے اور بقول دیگر بارہ برس کی عمر کے تھے۔ صغار صحابہ میں شمار ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اولاً کوفہ کی ایالت پر مامور کیا پھر دمشق کی۔ امیر المومنین موصوف کے خواص میں سے تھے۔ امیر یزیدؒ نے بھی اپنے ایام خلافت میں دمشق کے عامل کی حیثیت سے برقرار رکھا۔ ولی معاویۃ الضحاک دمشق فاقرہ یزید حتی مات (الاصابہ) امیر یزیدؒ اور ان کے صاحبزادے امیر معاویہ ثانیؒ کے معتمد علیہ تھے مرج راہط کی جنگ میں مقتول ہوئے یعنی ۶۴ھ میں۔

۱۱۶۔ طارق بن شہاب البجلی الاحمسیؓ، ابو عبداللہ۔ رسول اللہ صلعم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ خلافت صدیقی و فاروقی کے زمانوں میں بہت سے جہادوں میں حصہ لیا۔ ۸۳ھ سال وفات ہے۔

۱۱۷۔ عامر بن مسعود بن امیہ الجمحیؓ۔ اوروں نے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے، ابن معین نے زمرہ صحابہ میں۔ کتاب خلافت میں بیان ہو چکا ہے کہ امیر المومنین معاویہؓ کے انتقال کی خبر جب مکہ پہنچی حضرت عامرؓ نے اس کی اطلاع حضرت ابن عباسؓ کو جا کر دی۔ یہ خبر سنکر وہ کچھ دیر خاموش رہے پھر دعائے مغفرت مانگ کر لوگوں سے جو اس وقت موجود تھے فرمایا تھا کہ اب معاویہؓ جیسی صفات کا بھی کوئی شخص آنے والا نہیں ان کا فرزند یزید اپنے خاندان کا بہتر اور نیک شخص ہے، تم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہنا، بیعت کرنا اور اطاعت کرنا پھر خود بھی بطیب خاطر بیعت کی۔ (انساب الاشراف بلاذری) حضرت عامرؓ کا انتقال اس سے چند سال بعد ہوا۔

۱۱۸۔ عامر بن واثلہ لیثی، ابو الطفیلؓ۔ رسول اللہ صلعم کی وفات کے وقت تقریباً نو برس کی عمر کے تھے۔ بعد میں کوفہ میں جا بسے تھے اور وہاں کے مقیم صحابہ میں ان کی وفات سب کے بعد ہوئی۔ وھو آخر من مات من الصحابۃ مطلقاً یعنی تقریباً ۱۱۰ھ میں۔ ان ہی کی بنو اعمام میں حضرت کلیب بن قیسؓ تھے، جنہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کے قاتل کے ہاتھ سے خنجر چھین کر اسی وقت قتل کر دیا تھا۔ بعض مورخین کا یہ بیان صحیح نہیں کہ قاتل نے ان کو بھی شہید کر دیا تھا۔ حضرت عامرؓ حضرت علیؓ کے طرفداروں میں تھے حضرت

عبداللہ بن عباسؓ کی مدح میں ان کے اشعار بھی ہیں (اغانی ج ۱۳)

۱۱۹۔ عائذ بن عمرو مزنیؓ، ابو ہبیرہ۔ کہتے ہیں کہ یہ بھی بیعت الرضوان کے شرکاء میں سے تھے۔ بعد میں بصرہ جاکر سکن گزین ہو گئے، اور وہاں امیر عبیداللہ بن زیاد کے ایام گورنری میں وفات پائی۔ **توفی فی امرۃ عبید اللہ بن زیاد ایام یزید بن معاویۃ** (الاستیعاب)

۱۲۰۔ عبداللہ بن ابی حدرد اسلمیؓ۔ باپ بیٹے دونوں صحابی تھے۔ حدیبیہ و خیبر کے غزوات میں شریک تھے۔ ۶ھ میں رسول اللہؐ نے ایک سریہ پر ان کو متعین کیا تھا۔ ۷۱ھ میں فوت ہوئے ان کے فرزند القعقاع کو بھی صحابہ صغار میں شامل کیا گیا ہے مگر یہ صحیح نہیں۔

۱۲۱۔ عبداللہ بن انیس الجہنیؓ، ابو یحیٰی المدنی۔ صحابی جلیل تھے اور بیعت عقبہ میں موجود غزوۂ بدر کی شرکت میں اختلاف ہے۔ دیگر غزوات میں شریک رہے۔ رسول اللہؐ نے ایک سریہ پر مامور فرمایا تھا اور ایک عصا بھی مرحمت فرمایا تھا۔ لیلۃ القدر کے رمضان کی تیسویں شب ہونے کے بارے میں ایک حدیث کی ان سے روایت ہے۔ ملک شام میں ۵۴ھ میں فوت ہوئے۔

۱۲۲۔ عبداللہ بن بسر المازنیؓ۔ خود بھی صحابی ہیں اور صحابی کے فرزند بھی ہیں۔ حمص (شام) میں سکونت تھی، وہیں سو برس کی عمر میں نماز کے لئے وضو کرتے کرتے وفات پا گئے۔ سال وفات ۹۶ھ ہے۔ **وھو آخر من مات بالشام من الصحابۃ** (الاصابہ)

۱۲۳۔ عبداللہ بن ثعلبہ العذریؓ۔ قبیلہ بنی عذرہ سے تھے۔ رسول اللہؐ کی وفات کے زمانہ میں چودہ پندرہ سال کی عمر تھی۔ فتح مکہ کے دن آنحضرتؐ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔ ۸۹ھ میں منزل عقبیٰ طے کی۔

۱۲۴۔ عبداللہ بن جزء بن انس بن عباس السلمیؓ۔ ان کے دادا عباسؓ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آں حضورؐ کے والد ماجد عبداللہ بن عبد المطلب کے شریک تجارت تھے۔ ان کے چچا انس بن عباسؓ اور چچیرے بھائی رزین بن انسؓ سب صحابی تھے۔ حضرت عبداللہؓ راوی حدیث بھی ہیں۔ آخر عہد امیر المومنین معاویہؓ یعنی بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ ان کی وفات ہوئی۔

۱۲۵۔ عبداللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب ہاشمیؓ۔ حضرت علیؓ کے یہ حقیقی بھتیجے اور داماد تھے۔ اپنے والد ماجد کے ایام ہجرت میں ملک حبشہ میں پیدا ہوئے۔ غزوہ خیبر کے بعد اپنے والدین کے ساتھ حبشہ سے مدینہ آئے۔ ان کے والد غزوہ موتہ میں شہید ہو گئے تو عبداللہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آغوش محبت و سایہ عاطفت میں پرورش پانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ رسول اللہؐ کی وفات کے

زمانہ میں سولہ برس کی عمر تھی۔ حضرت صدیق اکبرؓ بھی ان پر شفقت فرماتے، ان کے حسن سلوک کے بارے میں حضرت عبداللہ کہا کرتے تھے۔ **کان خیر خلیفۃ رسول اللہ فارحمہ بنا واحناہ الینا**۔ ان کے ساتھ امیر المومنین معاویہؓ و امیر یزیدؒ کے حسن سلوک کے حالات و واقعات کتاب خلافت میں بیان ہو چکے ہیں۔ یہ ان حضرات کے خاص طرفداروں میں سے تھے، ان کی ایک صاحبزادی سیدہ ام محمد امیر یزیدؒ کی زوجہ تھیں۔ حضرت حسینؓ کے عزیزوں نے اقدام خروج سے باز رہنے کی جو کوششیں کی تھیں حضرت عبداللہؓ ان میں پیش پیش تھے جب وہ کسی طرح نہ مانے اور ابن جعفرؓ کی زوجہ سیدہ زینب بنت علیؓ نے اپنے بھائیؓ کے ساتھ اس سفر میں جانے کا عزم کر لیا۔ میاں بی بی میں علیحدگی ہو گئی، اس کے کچھ عرصہ بعد انہوں نے اپنی سالی سیدہ ام کلثوم بنت علیؓ سے جو اس زمانہ میں بیوہ تھیں عقد کر لیا (جمھرۃ الانساب ابن حزم) ان کی سخاوت و فیاضی کی بہت سی حکایتیں ہیں۔ امیر یزیدؒ کی ولیعہدی اور خلافت کے خاص موئیدین میں سے تھے۔ ایک موقع پر فداک ابی وامی (میرے ماں باپ تم پر قربان) کہکر امیر یزیدؒ کو مخاطب کیا تھا۔ ۸۰ھ میں وفات پائی۔

۱۲۶۔ عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدیؓ۔ ملک مصر میں جو صحابہ سکن گزین تھے ان میں سے ان کی وفات سب کے بعد ہوئی **وھو آخر من مات من الصحابۃ بمصر** (الاصابہ) انہی کی چچیری بہن سیدہ محیہ تھیں، جن کی شادی رسول اللہؐ نے حضرت فضل بن عباسؓ بن عبد المطلب سے کی تھی، ان کے بطن سے ان کے ایک بیٹی ام کلثوم ہوئیں جو بعد میں حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کے حبالہ عقد میں آئیں۔ عبداللہ موصوف کا انتقال ۸۶ھ میں ہوا۔

۱۲۷۔ عبداللہ بن الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبد المطلب ہاشمیؓ۔ عہد رسالت میں جب ولادت ہوئی ان کی خالہ ام المومنین ام حبیبہؓ نو مولود کو آنحضرتؐ کی خدمت میں لائیں، آپ نے لعاب مبارک اس بچہ کے تالو سے لگایا اور دعا دی۔ آپ کی حیات مقدسہ میں سن تمیز کو پہنچ گئے تھے اور آپ کے ہم شبیہ ہونے کا امتیاز بھی حاصل تھا۔ ماں ان کی امویہ خاتون حضرت ابو سفیانؓ کی دختر ہند تھیں۔ امیر یزیدؒ کی وفات کے چند سال بعد فوت ہوئے۔

۱۲۸۔ عبداللہ بن خازم اسلمیؓ۔ ابو صالح، بڑے شجیع و بہادر شہسوار تھے، **کان من اشجع الناس واشدھم نفسا وبطشا** (کتاب المحبر) کچھ عرصہ خراسان کے حاکم بھی رہے تھے۔ ابو عبداللہ الحاکم نے ان کا ذکر ان صحابہ میں کیا ہے جو خراسان میں جا بسے تھے وہیں ۷۲ھ میں بمقام نیشاپور فوت ہوئے۔

۱۲۹۔ عبداللہ بن حوالہ الازدیؓ۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے ملک شام میں جا بسنے کی ان کو بشارت دی تھی وہیں سنہ ۵۸ھ میں منزل عقبیٰ طے کی۔

۱۳۰۔ عبداللہ بن خالد بن اسید الاموی۔ حدیث کے راوی ہیں۔ امیر زیاد کے زمانہ میں فارس کے عامل رہے پھر بصرہ کے۔ امیر زیاد کی وفات پہ امیر معاویہؓ نے ان کا تقرر بحال رکھا۔ امیر یزیدؒ کے عہد خلافت میں وفات ہوئی۔

۱۳۱۔ عبداللہ بن زمعہ القرشی الاسدیؓ۔ ام المومنین ام سلمہؓ کے بھانجے تھے، راوی حدیث ہیں۔ امیر یزیدؒ سے ان کے تعلقات دوستی کے تھے۔ کان صدیقاً لیزید بن معاویہ (الاصابہ) اپنے بیٹے کا نام انہوں نے اپنے دوست کے نام پر یزید رکھا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے یہ بیٹے یوم حرّہ میں قتل ہوئے اور خود حضرت زمعہؓ کی وفات اس سے سال ڈیڑھ سال پہلے ہوئی۔ حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کرنے والوں سے لڑکر ان کے قتل ہونے کی روایت صحیح نہیں۔

۱۳۲۔ عبداللہ بن زید بن عاصم انصاریؓ۔ غزوہ بدر میں شریک ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے۔ اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ مسیلمہ کذاب کے قتل کرنے میں وحشی بن حرب کے ساتھ رہے، امیر یزیدؒ کے عہد خلافت میں یعنی ۶۳ھ میں وفات پائی یوم حرّہ میں مقتول ہونے کی روایت ضعیف ہے۔

۱۳۳۔ عبداللہ بن سائب المخزومیؓ القاری۔ کہتے ہیں کہ ان کے باپ رسول اللہ صلعم کے شریک تجارت رہے تھے۔ یہ کلام اللہ کے بڑے اچھے قاری تھے اور اہل مکہ نے فن قراءت انہی سے سیکھا تھا۔ ۷۰ھ میں وفات ہوئی۔

۱۳۴۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح القرشیؓ۔ سیدنا عثمانؓ کے دودھ شریک بھائی تھے۔ فتح مکہ کے دن حضرت عثمانؓ کے عرض کرنے پر رسول اللہؐ نے ان سے بھی بیعت لی تھی اور قصور معاف کر دیا تھا۔ فتح افریقہ میں ان کے بڑے بڑے کارنامے ہیں، وہاں کے جہادوں میں زبردست کامیابیاں اور بے شمار غنائم حاصل کئے، کچھ عرصہ مصر کے والی بھی رہے۔ حضرت امیر معاویہؓ کے انتقال سے کچھ ہی پہلے یعنی آخر ۵۹ھ میں وفات ہوئی ۳۶ھ یا ۳۷ھ بھی سال وفات بعض روایتوں میں آیا ہے مگر وہ صحیح نہیں۔ ان کی نسل میں ابراہیم بن عمرو متوفی ۲۹۱ھ مصر کے مشہور محدث تھے۔

۱۳۵۔ عبداللہ بن سعدۃ الفزاریؓ۔ بعض نے ان کو تابعین کبار میں شامل کیا ہے اور بعض نے صحابہ صغار میں۔ دمشق میں سکونت تھی، وہیں امیر یزیدؒ کی خلافت کے ایک سال بعد ۶۵ھ میں انتقال ہوا

۱۳۶۔ عبداللہ بن سعد انصاریؓ۔ یرموک و قادسیہ کے غازیوں میں سے ہیں بشرف صحابیت سے مشرف تھے بسنہ ۱۵ھ میں فوت ہوئے۔

۱۳۷۔ عبداللہ بن السعدی القرشی العامری، ابو محمدؓ۔ ان کے والد کا نام قدو قدان تھا۔ اور کنیت سعدی۔ باپ بیٹے دونوں صحابی تھے۔ حدیث کے راوی ہیں اور ان کی روایت سے بلا طلب مال کے بارے میں جو حدیث ہے وہ سلسلۃ الذہب کہلاتی ہے کیونکہ اس کے پہلے راوی سیدنا عمر فاروقؓ ہیں، ان سے ان عبداللہ بن السعدیؓ نے اور ان سے حویطب بن عبدالعزیؓ نے اور ان سے السائب بن یزیدؓ نے روایت کی اور یہ سب راوی صحابی ہیں۔ حضرت عبداللہ کو رسول اللہؐ نے بعض صدقات کا عامل بھی مقرر کیا تھا۔ امیر یزیدؒ کے زمانہ ولیعہدی یعنی ۵۷ھ میں فوت ہوئے۔

۱۳۸۔ عبداللہ بن سندر الجذامیؓ۔ صحابی بن صحابی و راوی حدیث۔ امیر المومنین عبدالملک اموی کے عہد میں انتقال ہوا۔

۱۳۹۔ عبداللہ بن شداد بن الہاد اللیثیؓ۔ ان کی والدہ سلمیٰ بنت عمیس ام المومنین میمونہؓ و ام الفضل زوجہ حضرت عباس بن عبدالمطلب کی بہن تھیں۔ یہ عہد رسالت میں نو عمر تھے صغار صحابہ میں شمار ہے۔ ۸۱ھ کے ایک حادثہ میں جان دی۔

۱۴۰۔ عبداللہ بن عامر بن کریز امویؓ۔ ان کے والد عامر بن کریز رسول اللہؐ کی پھوپھی البیضا ام حکیم بنت عبدالمطلب کے فرزند دلبند تھے اور آں حضورؐ کی یہ پھوپھی آپ کے والد ماجد عبداللہ بن عبدالمطلب کی حقیقی بہن تھیں اور توام پیدا ہوئی تھیں۔ عبداللہ بن عامر انہی کے پوتے تھے۔ عہد رسالت میں پیدا ہوئے اور آنحضرت صلعم کے حضور میں جب اس نومولود کو لایا گیا، آپ نے لعاب دہن تالو سے لگایا، عبداللہ آپ کے لعاب دہن کو چوستے رہے آپ نے فرمایا۔ انّہٗ لمسقی۔ یعنی یہ بچہ سیراب کرنے والا ہوگا۔ خلافت عثمانی میں بصرے کے عامل رہے۔ فارس کے متعدد علاقے فتح کئے یزدگرد آخری ایرانی شہنشاہ کا قلع قمع کیا۔ خراسان، سجستان اور کابل انہی کی قیادت میں فتح ہوئے۔ مفتوحہ علاقہ جات کی سرسبزی اور شادابی کی تدبیریں کیں۔ نہریں کھدوائیں، رفاہ عام کے کاموں میں بے دریغ روپیہ صرف کرتے۔ عرفات میں کئی حوض بنوائے۔ بصرے میں اپنے صرفہ سے ایک بازار بنوایا۔ اس کی آمدنی رفاہ عامہ کے کاموں کے لئے وقف کی۔ مقام نخلہ میں ان کا لگایا ہوا باغ تھا جس کی بنا پر یہ مقام بستان ابن عامر سے موسوم ہوا۔ ان کی خوبیاں زبان زد عوام تھیں۔

کان کثیر المناقب وافتتح خراسان ‏ ‏ ‏ ‏ ان کے مناقب بہت ہیں خراسان کو انہوں نے

وقتل یزدجرد فی ولایته واحرم من نیسابور شکراً للّٰه۔ (ص ۱۴۳ کتاب نسب قریش)

(فتح کیا اور ان کے عہد حکومت میں یزدگرد قتل ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے ادائے شکر میں نیساپور سے احرام باندھ کر حج کے لئے گئے)

امیر المومنین سیدنا عثمانؓ کے قصاص خون کے لئے ام المومنین حضرت عائشہ صلوٰۃ اللہ علیہا ان ہی کی رائے سے مکہ سے بصرہ جہاں یہ عامل رہے تھے تشریف لے گئی تھیں۔ حضرت عبداللہ امیر یزیدؒ کے عہد خلافت سے تقریباً ایک سال قبل فوت ہوئے، ان کی ایک زوجہ حضرت امیر معاویہؓ کی دختر ہند تھیں اور ان کی دوسری زوجہ امۃ اللہ بنت الوارث کے بطن سے ان کی دختر کلثوم تھیں جو امیر یزیدؒ کی زوجیت میں تھیں۔ حضرت عبداللہ کے فرزند عبدالرحمٰن کی زوجیت میں حضرت علیؓ بن ابوطالب کی دختر خدیجہ تھیں۔

۱۴۱۔ **عبداللہ** بن العباس بن عبدالمطلب ہاشمیؓ۔ ابن عم رسول اللہ۔ تبحر علمی کی بنا پر حبرالامت وترجمان القرآن کہلاتے تھے۔ امیر یزیدؒ کی صلاحیتوں اور علمی فضیلت کے معترف تھے، ان کی ولیعہدی اور خلافت کی بطیب خاطر بیعت کی اور دوسروں کو بھی ہدایت کی۔ حضرت حسینؓ مدینہ سے مکہ آکر اپنے ان چچا کے پاس مقیم ہوئے تھے، اور امیر یزیدؒ نے بھی مراسلہ بھیجکر انہی سے خواہش کی تھی کہ حضرت حسینؓ کو سمجھائیں کہ وہ عراقی مفسدین کے ورغلانے میں نہ آئیں۔ حضرت ابن عباس کے اقوال امیر یزیدؒ کی صلاحیت ونیکوکاری کے بارے میں دوسری جلد میں ملاحظہ ہوں۔ امیر یزیدؒ کی خلافت کے چند سال بعد رحلت کی۔

۱۴۲۔ **عبداللہ** بن عصام الاشعریؓ۔ بعض نے ان کی ولدیت عضاۃ لکھی ہے، صحابی وراوی حدیث ہیں جنگ صفین میں حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ تھے۔ امیر المومنین یزیدؒ کے سفیر کی حیثیت سے طلب بیعت کے لئے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس گئے تھے۔ کان رسول یزید بن معاویۃ الی عبداللہ بن الزبیر فی طلب البیعۃ (الاصابہ) واقعہ حرہ کے چند سال بعد فوت ہوئے۔

۱۴۳۔ **عبداللہ** بن علقمہ ابی اوفی۔ صحابی بن صحابی۔ صلح حدیبیہ سے قبل اسلام لائے سات غزوات میں شریک رہے۔ آخر میں کوفہ جا بسے اور وہاں کے مقیم صحابہ میں سے ان کا انتقال آخر میں ہوا۔ وھو آخر الصحابۃ موتاً بالکوفہ (الاستیعاب وجمہرۃ الانساب) یعنی ۸۷ھ میں۔

۱۴۴۔ **عبداللہ** بن عمرو بن العاص القرشی السہمیؓ۔ صحابی جلیل کے فرزند اور خود بھی فاضل صحابی، فقہاء وعباد امت میں سے تھے، سریانی زبان سے بھی واقف تھے۔ احادیث نبوی کا مجموعہ سب سے

پہلے انہوں نے ہی مرتب کیا تھا، مگر بعد میں رسول اللہ صلعم کے ارشاد کی تعمیل کہ سوائے قرآن اللہ کچھ قلم بند نہ کیا جائے ضائع کر دیا تھا۔ امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کی تائید کی۔ آخر میں حجاز سے ملک شام جاکر مقیم ہوئے۔ حضرت عبیداللہ بن العباسؓ بن عبدالمطلب کی دختر سیدہ عمرۃ ان کی زوجہ تھیں اور اس ہاشمیہ خاتون کے بطن سے اولاد ہوئی جس سے نسل چلی۔ امیر یزیدؒ کی خلافت کے چند سال بعد ۶۵ھ یا ۶۹ھ میں عالم جاودانی کو رحلت کی۔

۱۴۵۔ **عبداللہ** بن غنم الاشعریؓ۔ فضلائے صحابہ میں سے تھے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کے ساتھ یمن میں رہے تھے اور "صاحب معاذ" کہلاتے تھے۔ اہل شام میں دین کی تعلیم کی اشاعت کے لئے حضرت فاروق اعظمؓ نے انہیں وہاں بھیجا تھا۔ آخر دم تک وہیں رہے۔ ۷۸ھ میں منزل عقبیٰ طے کی۔

۱۴۶۔ **عبداللہ** بن قیس ابو موسیٰ الاشعریؓ۔ جلیل القدر صحابی ہیں۔ یہ بھی کچھ عرصہ حضرت معاذؓ کے ساتھ یمن میں رہے تھے۔ پھر امیر المومنین عمر الفاروقؓ نے بصرہ کے عہدہ قضا پر مامور کیا، بعد میں صوبہ کی حکومت سپرد ہوئی۔ ایام حکومت میں اہواز والرے واصبہان وغیرہ علاقے فتح کئے۔ حضرت عمرؓ کے متعدد فرامین ومراسلات ان کے موسومہ کتب سیر وتاریخ میں محفوظ ہیں جن کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کی نظر میں ان کی اصابت رائے وتدین کا کیا مرتبہ تھا۔ خلافت عثمانی کے ابتداء میں بصرہ ہی میں تھے پھر کوفہ کے گورنر ہوئے۔ خلیفہ مظلوم شہید کی شہادت تک وہیں رہے۔ مالک الاشتر جیسے سبائیوں کی ریشہ دوانیوں سے حضرت علیؓ کے ابتدائی ایام خلافت میں عہدہ سے برطرف کئے گئے۔ فتنوں سے الگ تھلگ ہو کر گوشہ نشین ہو گئے۔ خانہ جنگی سے بچے رہنے کے لئے لوگوں کو نصیحتیں کیا کرتے تھے۔ صفین کی خانہ جنگی ختم کرنے کو جب ثالثی کی تجویز پیش ہوئی حضرت علیؓ کے عراقی گروہ کے بعض سرکردہ اشخاص نے ان کے ثالث مقرر کئے جانے پر اصرار کیا۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی جانب سے ثالث مقرر ہوئے۔ آپ نے صورت حال کا صحیح جائزہ لے کر اور یہ دیکھ کر کہ قاتلین حضرت علیؓ کے لشکر کے ساتھ ہیں اور خون ناحق کا قصاص جو شرعاً واجب تھا نہیں لیا گیا اور نہ قصاص لئے جانے کا کوئی امکان ہے، کیونکہ بعض مفسدین وقاتلین سیاست وقتی میں دخیل ہیں اور امت فتنہ وانتشار میں مبتلا ہے، حضرت علیؓ کے منصب خلافت سے معزول کئے جانے کا فیصلہ سنا دیا اور فریق ثانی کے ثالث کے اتفاق رائے سے یہ قرار دیا کہ خلیفہ معزول کے بجائے ارباب حل وعقد کے استصواب سے خلافت کے لئے کسی موزوں شخص کا انتخاب کیا جائے اور جب تک نیا خلیفہ منتخب نہ ہو لے فریقین اپنے اپنے علاقہ جات پر قابض رہیں لیکن لڑائی ملتوی رہے۔ چونکہ حضرت معاویہؓ نے نہ اس وقت تک

خلافت کا دعویٰ کیا تھا اور یہ وہ خلیفہ تھے، ان کے معزول یا برقرار رکھنے کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا۔
سبائیوں کو یہ فیصلہ سخت ناپسند و ناگوار ہوا، انہوں نے دونوں محترم ثالثوں کے بارے میں غلط اور
بے سروپا باتیں مشہور کیں، جن کو علامہ ابن جریر طبری نے اپنے مسلک کے اعتبار سے اپنی کتاب میں
درج کردیا اور طبری سے بعد میں آنے والے مورخین نے نقل کرکے ان کی تشہیر کی۔ حضرت ابو موسیٰؓ رشتہ کے
اعتبار سے حضرت علیؓ کے بھتیجے داماد تھے۔ حضرت فضل بن العباسؓ کی دختر سیدہ ام کلثوم ان کے حبالۂ عقد
میں تھیں، جن کے بطن سے ان کے فرزند موسیٰ ہوئے وہ قرآن کے بڑے اچھے قاری تھے، وہ عہدہ قضا پر
بھی مامور ہوئے، ان کے بیٹے ابو بردہ بھی قاضی رہے اور پوتے بلال بن ابی بردہ بھی بصرہ کے قاضی رہے
یعنی خلافت فاروقی کے زمانہ سے لے کر تین پشت تک عہدہ قضا ان کی نسل میں رہا۔ حضرت ابو موسیٰ نے
۵۰ھ میں وفات پائی۔ (المعارف ابن قتیبہ)

۱۴۷۔ عبد اللہ بن کعب الانصاریؓ۔ ابو فضالہ۔ عہد رسالت میں پیدا ہوئے، ان کے والد
کی کنیت ابو بشیر تھی ان کی ولادت پر ابو عبد اللہ ہوئی۔ عبد اللہ ۹۷ھ یا ۹۸ھ میں فوت ہوئے۔

۱۴۸۔ عبد اللہ بن مالک الازدی۔ قدیم الاسلام اور بڑے متقی و صائم الدہر تھے، ۵۴ تا ۵۸
ہجری کے درمیان کسی وقت انتقال ہوا۔

۱۴۹۔ عبد اللہ بن مغفل الانصاریؓ۔ غزوہ احد میں اپنے والد کے ساتھ موجود تھے۔ بڑے
سفر کرنے والوں میں ان کا شمار ہے۔ شاعر تھے اور دولت امویہ کے شعراء کے زمرہ میں ان کے ذکر اذکار
ہیں۔ ۸۰ھ میں وفات پائی۔

۱۵۰۔ عبد اللہ بن نوفل بن الحارث بن عبد المطلب ہاشمیؓ۔ رسول اللہ صلعم کے ابن عم اور
ہم شبیہ تھے۔ امیر المومنین مروان بن الحکمؓ کے زمانہ میں مدینہ طیبہ کے قاضی رہے اور یہی پہلے شخص
ہیں جو خلافت راشدہ کے بعد وہاں اس منصب پر فائز رہے۔ امیر المومنین عبد الملکؒ کے عہد خلافت
میں فوت ہوئے۔ ان کے ایک بھائی سعید تھے جو فقیہہ تھے دوسرے مغیرہ تھے، جنہوں نے رسول اللہ
کی بڑی نواسی سیدہ امامہ بنت زینب بنت رسول اللہ صلعم سے حضرت علیؓ کے فوت ہوجانے کے
بعد نکاح کیا تھا، ان سے ان کے اولاد بھی ہوئی۔

۱۵۱۔ عبد اللہ بن یزید الاوسی۔ ایک روایت میں ان کو بیعت الرضوان کا شریک بھی بتایا
گیا ہے۔ متعدد غزوات میں موجود رہے۔ امیر یزیدؒ کی خلافت کے چار سال بعد ۶۴ھ میں فوت ہوئے۔

۱۵۲۔ عبد الرحمٰن بن ابی سبرۃ الجعفیؓ۔ باپ بیٹے دونوں صحابی تھے۔ نام عزیز تھا۔ رسول اللہ

صلعم نے بدل کر عبد الرحمٰن رکھا اور فرمایا کہ عبد اللہ اور عبد الرحمٰن نام اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہیں
عادی جعفی (یمن) آنحضورؐ نے ان کے خاندان کو عطا فرمائی تھی، اس نسبت سے جعفی کہلاتے۔ امیر
حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانہ ایالت عراق میں اصبہان کے والی رہے۔ مشہور فقیہہ خیثمہ ان ہی
کی اولاد میں تھے۔

۱۵۳۔ عبد الرحمٰن بن حاطب بن ابی بلتعہ اللخمیؓ۔ ابو یحییٰ۔ عہد رسالت کے مولود تھے ۶۸ھ
میں فوت ہوئے (الاستیعاب)

۱۵۴۔ عبد الرحمٰن بن زید بن الخطاب العدویؓ۔ سیدنا عمر بن الخطاب فاروق اعظمؓ کے
بھتیجے اور ایک بدری صحابی حضرت ابو لبابہ انصاریؓ کے نواسے عہد رسالت میں پیدا ہوئے۔ نو مولود
کو اس کے نانا آنحضورؐ کی خدمت میں لائے، آپ نے کان میں اذان کہی، سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور
برکت کی دعا دی، اصغار صحابہ میں شمار ہے۔ امیر یزیدؒ نے مکہ معظمہ کا ان کو عامل مقرر کیا تھا ۶۸ھ کے
قریب منزل عقبیٰ طے کی۔

۱۵۵۔ عبد الرحمٰن بن سمرہ بن حبیب بن عبد شمسؓ۔ فتح مکہ کے زمانہ میں اسلام لائے، حدیث
کے راوی ہیں۔ خلافت عثمانی میں خراسان، سجستان اور کابل کے جہادوں میں حصہ لیا پھر کچھ عرصہ سجستان
کے والی بھی رہے۔ آخر میں سکونت بصرہ میں اختیار کی اور وہیں ۵۰ھ میں بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ
وفات پائی۔

۱۵۶۔ عبد الرحمٰن بن مل، ابو عثمان النہدیؓ۔ ایک سو تیس برس کی طویل عمر پائی۔ ساٹھ
برس زمانہ جاہلیت میں اور اس سے قدرے زائد عہد اسلام میں زندگی گزاری۔ یہ محض غلط ہے کہ رسول اللہ
کی زیارت سے مشرف نہیں ہوئے۔ خلافت فاروقی میں ایران کے متعدد معرکہ ہائے جہاد یعنی جنگ قادسیہ
دجلولا، وتستر و نہاوند نیز یرموک و آذربائیجان کے معرکوں میں شریک رہے۔ ۹۵ھ اور بقول دیگر
۱۰۰ھ میں رحلت کی۔

۱۵۷۔ عبد المطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب الہاشمیؓ۔ ان کے والد حضرت
ربیعہ بن الحارث رسول اللہ صلعم کے چچیرے بھائی بھی تھے اور صحابی بھی۔ اس رشتے سے عبد المطلبؓ آپ
کے بھتیجے بھی تھے اور مادری رشتہ سے بھانجے بھی کیونکہ ان کی والدہ معظمہ سیدہ ام الحکم بنت الزبیر بن عبد المطلب
آپ کی چچیری بہن بھی تھیں اور صحابیہ بھی۔ ماں باپ دونوں ان کے نسباً ہاشمی تھے اور ہاشمی خاندان میں
حضرت علیؓ کے بعد یہ نسبی خصوصیت صرف حضرت عبد المطلب بن ربیعہؓ کو حاصل تھی حضرت علیؓ

کے والد ابو طالب نے تو اسلام قبول نہیں کیا تھا، مگر حضرت عبد المطلبؓ کے ماں باپ دونوں مسلمان تھے اور شرف صحابیت سے مشرف۔ یہ خود بھی صحابی ہیں اور راوی حدیث بھی، عہد رسالتؐ میں جوان تھے، آنحضورؐ ان پر خاص شفقت فرماتے، ان کی شادی آپ نے ان کے چچا حضرت ابو سفیان بن الحارث کی دختر سے کی تھی، عبد المطلبؓ کی والدہ سیدہ ام الحکمؓ کو آنحضرت صلعم خیبر کی پیداوار سے ایک حصہ دیتے اور ان کو عزیز رکھتے۔ اپنے دادا عبد المطلب کی وفات کے بعد آنحضورؐ اپنے حقیقی چچا اور سیدہ ام الحکمؓ کے والد زبیر بن عبد المطلب کی کفالت میں رہے تھے وہ اپنے زمانہ کی ممتاز شخصیت تھے۔ ابو طالب کے حقیقی بڑے بھائی تھے اور اپنے والد کے انتقال پر ہاشمی خاندان کے سردار تھے آنحضورؐ سے ان کو بڑی محبت تھی آپکی صغرسنی اور چھٹپن میں آپ کو ہاتھوں پر جھلاتے اور لوری گاتے جاتے کہ یہ محمد میرے بھائی کی نشانی ہے، خوب پروان چڑھے اور بڑے شرف و عزت والا ہو (الاصابہ) بیس برس سال کی عمر تک آپ اپنے انہی حقیقی تایا کے پاس رہے، حرب فجار میں یہی زبیر بن عبد المطلب بنی ہاشم کے سردار کی حیثیت سے موجود تھے، اور آنحضورؐ کی عمر شریف اس وقت تقریباً سترہ اٹھارہ برس کی تھی اپنے انہی شفیق تایا کے ساتھ تھے اور تیر اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے تھے۔ حلف الفضول کے انعقاد کے وقت تو زبیر بن عبد المطلب ہی اس کے بانی تھے۔ آنحضورؐ اس جلسہ میں اپنے ان تایا کے ساتھ موجود تھے، اس وقت عمر شریف تقریباً ۲۵ سال کی تھی (شرح نہج البلاغہ جزء ۱۵) اس کے کچھ دن بعد جب زبیر بن عبد المطلب نے وفات پائی ان کے چھوٹے بھائی ابو طالب سردار قبیلہ ہوئے اور ان کے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ سردار قبیلہ کی حیثیت سے ابو طالب نے آپ کی حمایت کی۔ زبیر بن عبد المطلب کے چار بیٹے اور چار ہی بیٹیاں تھیں۔ ان کے ایک بیٹے عبد اللہ بن زبیر بن عبد المطلب یعنی سیدہ ام الحکم کے بھائی بھی صحابی تھے، ان پر بھی آپ بہت شفقت فرماتے اور ان کو "ابن امی" میری ماں کا بیٹا کہتے (الاصابہ) کیونکہ سیدہ آمنہ کے بعد آپ کی انہی چچی نے آپ کی پرورش کی تھی۔ غرضیکہ حضرت عبد المطلب بن ربیعہؓ نے ایسے ماحول میں شعور کی آنکھیں کھولیں اور مشکوٰۃ نبوی سے براہ راست اخذ نور کیا، سیدنا فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت تک مدینہ میں رہے۔ پھر ملک شام میں جا بسے دمشق میں مسکن گزین ہوئے۔ امیر یزیدؒ کے بچپن سے جوانی تک کے سب حالات ان کے اپنی آنکھوں دیکھے تھے اور ان کی صلاحیتوں کی بنا پر ان سے ایسی محبت کرتے تھے کہ وفات سے قبل انہی کو اپنا وصی کیا۔ واوصی الی یزید بن معاویۃ دقبل وصیتہ (الاصابہ ص۲۳ ج ۳ والبدایۃ ص۲۱۴ ج ۸ والاستیعاب و جمہرۃ الانساب ابن حزم) امیر یزیدؒ کے اول عہد خلافت میں رحلت کی۔ مات فی امرۃ یزید سنۃ اثنتین و ستین (الاصابہ)

ان کے ایک بیٹے محمد بن عبد المطلبؓ تھے جن کی وہاں بڑی قدر و منزلت تھی ان محمد کے فرزند عمر کو امیر المومنین جعفر المنصورؒ عباسی نے دمشق کا والی مقرر کیا تھا اور دوسرے پوتے عبد اللہ بن سلیمان بن محمد بن عبد المطلب کو یمن کا، اور عبد اللہ بن سلیمان کے فرزند کو امیر المومنین ہارون الرشیدؒ نے مدینہ کا والی مقرر کیا تھا۔ (کتاب نسب قریش ص۸۴)

۱۵۸۔ **عبید اللہ** بن العباس بن عبد المطلب الہاشمیؓ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی اور صحابی بن صحابی۔ آپ کی وفات کے وقت سن تمیز کو پہنچ گئے تھے۔ حضرت علیؓ نے اپنے زمانے میں یمن کا والی مقرر کیا تھا۔ جود و سخا و دریا دلی کے انکے بہت سے واقعات کتب سیر میں منقول ہیں امیر یزیدؒ کے عہد خلافت تک حیات رہے۔ وبقی الی دھر یزید بن معاویۃ (الاصابہ)

۱۵۹۔ **عبید اللہ** بن عدی بن الخیار بن عدی بن نوفل القرشیؓ۔ عہد رسالت میں پیدا ہوئے اور امیر المومنین الولید بن عبد الملک اموی کے زمانہ میں وفات پائی یعنی ۹۵ھ میں۔

۱۶۰۔ **عبید** بن عمیر بن قتادہ اللیثیؓ۔ ابو عاصم المکی۔ عہد نبوی میں ولادت ہوئی۔ آپ کی زیارت سے مشرف تھے۔ ان کے والد کو شرف صحابیت حاصل تھا۔ بعض نے ان کو کبار تابعین میں شمار کیا ہے۔ ذی علم تھے اور خطیب۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی وفات سے کچھ قبل فوت ہوئے اور ایک قول کے مطابق ۷۴ھ میں۔

۱۶۱۔ **عتبہ** بن عبد السلمیؓ۔ نام ان کا عتلہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عتبہ رکھا اصحاب صفہ میں سے تھے، بعد میں ملک شام کے مقام حمص میں جا بسے تھے اور وہیں ۸۷ھ میں بعہد خلافت امیر المومنین الولید بن عبد الملک اموی فوت ہوئے کہتے ہیں کہ ملک شام کے مقیم صحابہ میں ان کا انتقال سب سے بعد میں ہوا۔ (الاستیعاب و الاصابہ)

۱۶۲۔ **عثمان** بن ابی العاص الثقفی ابو عبد اللہ الطائفیؓ۔ ثقیف کے وفد کے ساتھ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے طائف کا ان کو عامل مقرر فرمایا۔ خلافت صدیقی میں بھی اسی منصب پر مامور رہے۔ سیدنا عمر الفاروقؓ نے عمان اور بحرین کا حاکم بنایا ۱۵ھ میں بزمانہ ولیعہدی امیر یزید فوت ہوئے۔

۱۶۳۔ **عثمان** بن عبید اللہ التیمیؓ۔ یہ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کے بھائی تھے۔ اسلام لائے اور ہجرت بھی کی۔ (الاصابہ) ۵۱ھ میں وفات پائی۔

۱۶۴۔ **العداء** بن خالد بن ہوذۃ العامریؓ۔ غزوہ حنین کے بعد مع اپنے والد اور بھائی کے اسلام سے مشرف ہوئے۔ راوی حدیث ہیں۔ رسول اللہ نے بنی عامر کے تالاب اور کنویں ان کو عطا کئے۔ خلیفہ یزید

بن عبد الملک اموی کے زمانہ تک حیات رہے۔ ۱۰۰ھ ان کا سنہ وفات بتایا گیا ہے۔ (الاصابہ)

۱۶۵۔ عدی بن حاتم الطائی رضی اللہ عنہ۔ حدیث کے راوی ہیں۔ جمل اور صفین کی خانہ جنگیوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کیمپ میں تھے، مگران کا فرزند طریف خوارج کے ساتھ ہو گیا تھا اور ان کے چچا کے بیٹے۔ جزعلیف۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے بیعت خلافت کر لی حضرت عدی رضی اللہ عنہ بھی ان کی بیعت میں داخل ہو گئے۔ امیر یزید کے عہد خلافت کے تین چار سال بعد ۶۸ھ میں رحلت کی۔

۱۶۶۔ العرباض بن ساریہ السلمی رضی اللہ عنہ۔ قدیم الاسلام تھے اور اصحاب صفہ میں شامل۔ ملک شام میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ۷۵ھ میں انتقال ہوا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ فتنۂ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کے ایام میں فوت ہوئے۔

(الاصابہ)

۱۶۷۔ عطیہ بن بسر المازنی رضی اللہ عنہ۔ ملک شام کے مقام حمص میں جو صحابہ مسکن گزین تھے ان میں یہ بھی شامل تھے۔ سال وفات ۸۸ھ ہے۔

۱۶۸۔ عفان بن وہب الخولانی رضی اللہ عنہ۔ ابو الیمن۔ راوی حدیث ہیں، بلاد مغرب (افریقہ) کے جہادوں میں حصہ لیا، مصر میں سکونت تھی وہیں ۸۳ھ میں منزل حقیقی طے کی۔

۱۶۹۔ عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے وقت اسلام قبول کیا۔ غزوات نبوی میں شریک رہے بعد میں ملک شام میں سکونت اختیار کی۔ صفین کی خانہ جنگی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے کچھ عرصہ مصر کے عامل رہے۔ امیر المومنین یزید نے اپنے زمانہ خلافت میں افریقہ میں امیر عسکر مقرر کیا تھا۔ وفات ان کی امیر المومنین عبد الملک کے عہد میں ہوئی۔ ۵۸ھ میں ان کے وفات ہونے کی روایت صحیح نہیں۔ ابو زرعہ نے عبادہ بن نسی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امیر المومنین عبد الملک کے زمانہ میں ایک صحابی کو حدیث بیان کرتے سنا وہ حضرت عقبہ بن عامر الجہنی تھے۔

۱۷۰۔ عقبہ بن نافع الفہری رضی اللہ عنہ۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی عہد رسالت کے مولود ہیں، بعض نے ان کا شمار تابعین میں کیا ہے۔ خلافت راشدہ اور اس کے بعد کی خلافتوں کے زمانہ میں بڑی بڑی مہمات میں خاص کر شمال مغربی افریقہ کے معرکوں میں کامیابی اور ناموری حاصل کی بڑے بہادر اور مجاہد تھے یہی ہیں جنہوں نے رومیوں کو شکست دے کر اپنا گھوڑا بحر اطلانتک میں ڈال دیا تھا اور ہاتھ اٹھا کر بارگاہ خداوندی میں عرض کیا تھا کہ بارالٰہی! اگر سمندر میرا راستہ نہ روکتا تو جہاں تک جا سکتا تیرا نام بلند کرتا۔ قیروان (مراکش) انہی کا بسایا ہوا ہے اور یہی اس خوبصورت اور عالیشان مسجد کے بانی ہیں جس کی وجہ سے مغربی افریقہ میں قیروان حرمین شریفین اور بیت مقدس کے بعد چوتھا متبرک مقام سمجھا جاتا ہے امیر المومنین

یزید کے عہد خلافت میں مقام بسکرہ ۶۳ھ میں شہید ہوئے۔ اس مقام پر ان کا مقبرہ اور اس کے متصل مسجد موجود ہے جو افریقہ میں سب سے قدیم طرز عمارت کا نمونہ ہے۔ ان کے فرزند ابو عبیدہ کی نسل کے لوگ افریقہ و اندلس میں رہے۔ مصر کے محدث ابو بکر محمد بن الحارث متوفی ۳۴۴ھ ان ہی کی نسل سے تھے اور ان کا تعلق امیر یزید کے اخلاف سے برابر قایم رہا تھا۔

۱۷۱۔ عقیل بن ابی طالب الہاشمی رضی اللہ عنہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بڑے بھائی جو عمر میں ان سے بیس برس بڑے تھے۔ ۲ھ کے غزوہ بدر میں یہ بھی اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب کے نیز اپنے بڑے بھائی طالب بن ابی طالب اور دوسرے ہاشمی عزیزوں کے ساتھ کفار قریش کے لشکر میں شامل ہو کر گئے تھے۔ طالب کا خاتمہ تو اسی غزوہ میں ہو گیا تھا۔ عقیل رضی اللہ عنہ اور دوسرے ہاشمی گرفتار کر لئے گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا اور ان سب کا فدیہ ادا کیا۔ اسی وقت یا بروایت دیگر صلح حدیبیہ کے زمانے میں اسلام لائے۔ جنگ موتہ میں بھی ان کی شرکت بتائی جاتی ہے۔ سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے قصاص خون کے معاملہ میں اپنے بھائی کے طرز عمل کے خلاف تھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے اور صفین میں ان ہی کے ساتھ موجود رہے۔ شیعہ مورخ و نساب۔ مولف عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب۔ لکھتے ہیں کہ:۔

وفارق (عقیل) اخاہ علیا امیر المومنین فی ایام خلافتہ وھرب الی معاویة وشھد صفین معہ غیر انہ لم یقاتل۔ (ص ۱۵)	اور (عقیل) نے اپنے بھائی علی امیر المومنین سے ان کے ایام خلافت میں جدائی اختیار کر لی اور معاویہ کے پاس بھاگ گئے اور ان ہی کے ساتھ صفین میں موجود رہے سوائے اس کے کہ قتال نہیں کیا۔

مخالفین نے اسی بنا پر ان کی تنقیص میں روایتیں وضع کی ہیں (الاستیعاب) عرصہ تک دمشق میں مقیم رہے۔ مکہ معظمہ میں ان کی املاک تھی اور اپنے ان عزیزوں کی جائیداد کے جو مدینہ منورہ کو ہجرت کر گئے تھے یہی وارث ہوئے۔ وکان ورث اقرباءہ الذین ھاجروا وترکوا دورھم حتی کہ ام المومنین حضرت خدیجہ کا مکان بھی انہی کے قبضہ و تصرف میں رہا۔ ایک قول یہ ہے کہ امیر یزید کے اول عہد خلافت میں فوت ہوئے صاحب عمدة الطالب کی تحقیق کے مطابق ۶۰ھ میں وفات پائی۔ یعنی خلافت امیر یزید سے چند ماہ قبل۔ ناسخ التواریخ کا یہ قول کہ ۵۱ یا ۵۲ھ میں فوت ہوئے صحیح نہیں۔ ان کی کنیت اپنے ایک بیٹے یزید نام سے ابو یزید تھی۔

۱۷۲۔ علقمہ بن جنادہ الازدی رضی اللہ عنہ۔ شرف صحابیت حاصل تھا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیڑے جہازات کے افسر اعلیٰ تھے۔ فتح مصر میں بھی حصہ لیا۔ امیر یزید کے ایام ولی عہدی میں فوت ہوئے۔ ۵۹ھ سال رحلت ہے

۱۷۳۔ **علقمہ** بن خالد الخزاعی رضؓ۔ نام علقمہ تھا۔ عبداللہ ابن ابی اوفی سے مشہور تھے۔ حدیبیہ میں موجود تھے۔ کوفہ میں جو صحابی مقیم تھے ان کی وفات ان سب سے بعد ہوئی یعنی ۸۶ھ میں بعمر ننلو سال۔

۱۷۴۔ **علقمہ** بن وقاص اللیثی رضؓ۔ غزوہ خندق اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک رہے۔ امیرالمومنین عبدالملکؒ کے عہد خلافت میں فوت ہوئے۔

۱۷۵۔ **عکراش** بن ذویب رضؓ بنی نزال بن مرہ کے صدقات وصول کئے اور نبی کریم صلعم کی خدمت میں لاکر پیش کئے۔ جنگ جمل میں ام المومنین حضرت عائشہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے ساتھ تھے۔ امیرالمومنین عبدالملکؒ کے عہد میں انتقال ہوا۔

۱۷۶۔ **عمر** بن ابی سلمہ مخزومی رضؓ۔ رسول اللہ کے ربیب اور ام المومنین ام سلمہؓ کے فرزند، صغرسنی سے رسول اللہ صلعم کے دامن عاطفت و آغوش شفقت میں پرورش پائی۔ حضرت علیؓ کے زمانہ میں بحرین کے عامل بھی رہے۔ جماعت سے ہمیشہ وابستہ رہے اور فتنوں سے الگ تھلگ۔ امیرالمومنین عبدالملکؒ کے عہد خلافت میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

۱۷۷۔ **عمر** بن اخطب انصاری رضؓ، ابوزید۔ ہجرت رسول اللہ کے بعد ہی اسلام لائے اور تیرہ غزوات میں شرکت کی۔ آنحضرت صلعم ان پر خاص شفقت فرماتے۔ ایک مرتبہ جسد مبارک سے کرتہ اٹھا کر فرمایا کہ میرے پاس آؤ اور پیٹھ چھولو۔ ان کا ہاتھ پیٹھ پر سے خاتم نبوت تک پہنچا جسے اچھی طرح دیکھا پھر ایک مرتبہ آپؐ نے ان کے سر اور چہرہ پر ہاتھ پھیر کر دعا دی۔ ۹۵ برس کے سن میں جن لوگوں نے انہیں دیکھا تھا ان کا بیان ہے کہ سر اور داڑھی میں ایک بال بھی سپید نہ ہوا تھا۔ چہرہ کی تابانی بحال تھی۔ امیر یزیدؒ کے عہد خلافت میں رحلت کی یعنی ۶۲ھ میں۔

۱۷۸۔ **عمران** بن حصین الخزاعی رضؓ۔ کنیت ابونجیبہ تھی۔ قدیم الاسلام تھے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے غزوۂ خیبر کے زمانہ میں اسلام لائے اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شرکت کی۔ امیر زیاد بن ابوسفیان رضؓ کے زمانہ ایالت میں بصرہ کے عہدہ قضا پر مامور تھے۔ فضلائے صحابہ میں سے تھے۔ یہ حدیث ان سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم ایک قرن کی مدت اسی یا ایک سو بیس برس شمار ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے امیر یزیدؒ کا عہد خلافت قرن اول میں شامل ہے۔ بعض نے چالیس سال کی مدت شمار کی ہے۔ اس کے اعتبار سے امیر موصوف کا زمانہ قرن ثانی کا شروع آتا ہے۔ حضرت عمران رضؓ ۵۲ھ میں فوت ہوئے۔

۱۷۹۔ **عمران** بن ملحان، ابو رجاء العطاردی رضؓ۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کی بعثت کے بعد ہی اسلام قبول کیا تھا۔ اور قول دیگر یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔ عمر بہت طویل پائی۔ امیرالمومنین ہشام بن عبدالملکؒ کے شروع زمانہ خلافت میں فوت ہوئے۔ مات فی اول خلافۃ ہشام بن عبد الملک (الاستیعاب)

۱۸۰۔ **عمرو** بن ابی اراکہ الثقفی رضؓ۔ حدیث کے راوی ہیں، ایک مرتبہ امیر زیادؒ نے ایک جھوٹے گواہ کی زبان کاٹ دینے کی دھمکی دی، اس وقت حضرت عمروؓ امیر موصوف کے پاس موجود تھے، انہوں نے رسول اللہ صلعم کا ارشاد سنایا جس میں جسم کا مثلہ کرنے اور عضو کاٹنے کی ممانعت ہے آخر عہد خلافت حضرت امیر معاویہؓ میں رحلت کی۔

۱۸۱۔ **عمرو** بن حریث القرشی المخزومی رضؓ، ابوسعید۔ ہجرت سے دو سال پہلے پیدا ہوئے حدیث کی روایت بھی کی ہے۔ کچھ عرصہ امیر زیادؒ کے نائب رہے۔ کوفہ میں سکونت تھی اور وہیں ۸۵ھ میں انتقال ہوا۔

۱۸۲۔ **عمرو** بن حزم بن زید انصاری رضؓ۔ صحابی جلیل تھے۔ غزوہ خندق اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک رہے۔ رسول اللہ صلعم نے کچھ دن کے لئے ان کو نجران کا عامل بھی مقرر کیا تھا۔ اس وقت نوعمر تھے۔ مسند ابو یعلیٰ میں ہے کہ انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ سے یزید کی ولیعہدی کے بارے میں زور کی گفتگو کی تھی۔ انہ تکلم معاویۃ فی امر بیعۃ لیزید بکلام قوی۔ امیر یزیدؒ کی خلافت کے دوسرے سال یعنی ۶۲ھ میں فوت ہوئے (البدایہ)

۱۸۳۔ **عمرو** بن سفیان البکائی رحؒ۔ بعض نے ان کی ولدیت سیف بیان کی ہے اور کسی نے عبداللہ۔ جھوٹی حدیثیں وضع کرنے والوں پر لعنت کیا کرتے تھے۔ امیرالمومنین مروانؓ کے زمانہ تک حیات رہے۔

۱۸۴۔ **عمرو** بن سفیان بن عبد شمس ابو الاعور السلمی رضؓ۔ غزوہ حنین میں کفار کے شریک تھے اس کے بعد اسلام لائے۔ حضرت علیؓ کے سخت مخالف تھے۔ ۲۳ھ میں غزوہ عموریہ میں شامی فوج کے ایک دستہ کے سردار تھے۔ امیرالمومنین مروانؓ کے ساتھ مصر بھی گئے تھے (الاصابہ) ۶۵ھ میں فوت ہوئے

۱۸۵۔ **عمرو** بن عوف المزنی رضؓ۔ قدیم الاسلام صحابی تھے۔ مدینہ ہی میں برابر مقیم رہے اور آخر عہد امیر معاویہؓ میں انتقال ہوا۔

۱۸۶۔ **عمرو** بن غیلان الثقفی رضؓ۔ بعض نے صحابی بتایا ہے اور بعض نے تابعی۔ جاہلیت اور اسلام

دونوں زمانے پائے۔ بخاری کی تصریح کے اعتبار سے امارت بصرہ پر بھی کچھ دن مامور رہے۔ ان کے بیٹے عبداللہ امیر معاویہؓ کے کبار رجال میں سے تھے۔ امیر یزیدؒ کے ایام خلافت میں وفات ہوئی۔

۱۸۷۔ عمرو بن مرۃ بن عبسؓ۔ قدیم الاسلام تھے، اور متعدد مشاہد میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ رہے۔ حضرت معاویہؓ کے آخر عہد خلافت میں اور بقول دیگر امیر المومنین عبد الملکؒ کے زمانہ میں رحلت کی۔

۱۸۸۔ عمرو بن میمون الاندیؓ، ابو عبداللہ۔ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے۔ بعض نے ان کو کبار تابعین میں شمار کیا ہے۔ ملک شام میں حضرت معاذؓ کی اور کوفہ میں حضرت ابن مسعودؓ کی علمی صحبت اٹھائی۔ کہتے ہیں کہ پچاس سے زیادہ حج کئے تھے۔ ۷۵ھ میں وفات پائی۔

۱۸۹۔ عوف بن مالک اشجعی، ابو عمروؓ۔ سب سے پہلا موقع جہاد کا غزوہ خیبر میں ملا۔ فتح مکہ کے دن اپنی قوم کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ خلافت صدیقی کے زمانہ میں ملک شام چلے گئے اور حمص میں مسکن گزین ہوئے۔ ۷۳ھ میں بعہد خلافت امیر المومنین عبد الملکؒ منزل حقیقی طے کی۔

۱۹۰۔ قبیصہ بن ذوئب الخزاعیؓ۔ ہجرت کے اول سال ولادت ہوئی۔ ان کے والد صحابی تھے۔ حضرت قبیصہؓ کا علمائے امت میں شمار ہے۔ علم فقہ میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ فقہائے اربعہ کے ایک رکن یہ بھی ہیں، باقی تین رکن عروہ بن الزبیرؓ، سعید بن مسیبؒ اور عبد الملک بن مروان امیر المومنین ہیں۔ ۸۶ھ سال وفات ہے۔ بعض نے ان کو کبار تابعین میں شمار کیا ہے۔

۱۹۱۔ قثم بن عباس بن عبد المطلب الہاشمیؓ۔ رسول اللہ صلعم کے چچیرے بھائی آپ کے ہم شبیہ تھے، آپ کی تدفین کے وقت یہی تھے جو لحد سے سب کے بعد باہر آئے تھے۔ حضرت علیؓ کے ایام میں مدینہ کے عامل رہے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں متعدد جہادوں میں شریک ہوئے۔ امیر سعید بن عثمان بن عفانؓ کے ساتھ سمرقند کے جہاد میں شریک ہوئے اور اسی میں ۵۶ھ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ سمرقند میں ان کا مزار زیارت گاہ ہے۔

۱۹۲۔ قیس بن ثور السلولیؓ۔ کنیت ابو بکر تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے، فتح مصر میں شریک تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد اپنے فرزند عمرو کے ساتھ امیر یزیدؒ کے پاس آئے تھے۔

۱۹۳۔ قیس بن خرشہ القیسیؓ۔ بعض نے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے اور ابن شاہین نے زمرہ صحابہ میں۔ حاکموں پر شدت سے نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔ سکونت کوفہ میں تھی، وہیں امیر زیاد کے زمانہ میں فوت ہوئے۔

۱۹۴۔ قیس بن سعد بن عبادہ انصاریؓ۔ صحابی بن صحابی۔ حضرت علیؓ کے خاص طرفداروں میں تھے اور ان کے زمانہ میں مصر کے عامل رہے۔ حضرت حسنؓ نے جب حضرت امیر معاویہؓ سے بیعت خلافت کر لی حضرت قیسؓ نے بھی دمشق جاکر امیر موصوف سے بیعت کی۔ فلما اجتمعت الکلمۃ علی معاویۃ جاء لیبایعہ کما بایعہ اصحابہ (البدایۃ والنہایۃ ص۹۹ ج۸) امیر یزیدؒ کے اول عہد خلافت یعنی ۶۰ھ میں وفات ہوئی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ امیر معاویہؓ کے آخر زمانہ خلافت یعنی ۵۹ھ میں انتقال ہوا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ خلیفہ عبد الملکؒ کے زمانہ تک حیات رہے، مگر قول اول اصح ہے۔

۱۹۵۔ قیس بن بایعہ الخولانیؓ۔ کہتے ہیں کہ غزوہ بدر میں موجود تھے مگر کسن شھد بدرا وھو حدیث السن (الاصابہ)۔ ملک شام کی فتوحات میں حصہ لیا۔ امیر یزیدؒ کے زمانہ ولیعہدی میں وفات پائی۔

۱۹۶۔ کعب بن عُجرۃ انصاریؓ، ابو محمد۔ صحابی جلیل تھے، امیر یزیدؒ کے زمانہ ولیعہدی ۵۲ھ میں انتقال ہوا۔

۱۹۷۔ کعب بن مالک السلمیؓ۔ قدیم الاسلام تھے اور بیعت عقبہ میں موجود۔ شاعر بھی تھے۔ سیدنا عثمان ذی النورینؓ کی شہادت کے دردناک مرثئے کہے ہیں۔ حضرت علیؓ سے انہوں نے بیعت خلافت نہیں کی تھی۔ سال وفات ۵۱ یا ۵۲ھ۔

۱۹۸۔ کعب بن مرۃ السلمیؓ۔ شام میں جا بسے تھے حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھیوں میں سے تھے، بمقام اردن ۵۷ھ میں بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ وفات پائی۔

۱۹۹۔ اللجلاج العامریؓ۔ جب اسلام لائے پچاس برس کی عمر تھی۔ اکیوتیس برس کی طویل عمر پاکر فوت ہوئے، بزمانہ امیر المومنین عبد الملکؒ۔

۲۰۰۔ مالک بن اوس النصریؓ۔ حدیث کے راوی ہیں۔ ۹۲ھ میں مدینہ میں فوت ہوئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۹۴ برس کی عمر میں ۹۱ھ میں انتقال ہوا۔

۲۰۱۔ مالک بن الحویرث اللیثیؓ۔ اپنی قوم کے مندوب کی حیثیت سے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تھے۔ آخر میں بصرے میں سکونت اختیار کی ۹۴ھ میں، وہیں منزل آخرت طے کی۔

۲۰۲۔ مالک بن عبداللہ بن سنان الخثعمی۔ اس حدیث کے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جہاد فی سبیل اللہ میں جس کے پاؤں گرد آلود ہوں دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے، حضرت

امیر معاویہؓ اور امیر یزیدؒ و امیر عبد الملکؒ کی خلافتوں میں متعدد جہادوں میں شرکت کی تھی

۲۰۳۔ مالک بن ہبیرہ بن خالد الکندیؓ۔ راوی حدیث ہیں۔ فتح مصر میں شریک رہے اور رومیوں کے خلاف جہاد میں فوجی دستہ کے سردار تھے۔ امیر المومنین مروانؓ کے زمانہ خلافت میں وفات پائی۔

۲۰۴۔ مجمع بن جاریہ بن عامر انصاریؓ۔ عہد رسالت میں جن صحابہ نے قرآن جمع کر لیا تھا ان میں ایک صحابی یہ بھی تھے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے اہل کوفہ کی تعلیم قرآن کے لئے انہیں کوفہ بھیجا تھا۔ امیر معاویہؓ کے آخر عہد یعنی بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ وفات پائی۔

۲۰۵۔ محجن بن الادرع اسلمیؓ۔ قدیم الاسلام تھے۔ آخر میں بصرے میں سکونت پذیر ہوئے پھر خلافت حضرت معاویہؓ اور بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ انتقال ہوا۔ انہ مات فی آخر خلافۃ معاویۃ (الاصابہ)

۲۰۶۔ محمد بن الحطاب القرشی الجمحیؓ۔ خود بھی صحابی تھے اور ان کے والد ماجد بھی۔ ملک حبشہ میں جہاں ان کے والدین ہجرت کر گئے تھے پیدا ہوئے اور صحابہ کی اولاد میں "محمد" نام سب سے پہلے ان ہی کا رکھا گیا۔ امیر معاویہؓ کے خاص طرفداروں میں تھے اور انہی کے آخر ایام خلافت میں رہگرائے عالم جاودانی ہوئے۔

۲۰۷۔ محمود بن الربیع انصاری الاشہلیؓ۔ حدیث کے راوی ہیں۔ ان کا خاندان اہل مدینہ کی بغاوت کے خلاف رہا اور انہی کے محلہ سے گزر کر امیر مسلم بن عقبہؓ کے فوجی دستہ نے شہر پر قبضہ کر کے بغاوت کا قلع قمع کر دیا تھا۔ سال وفات ۹۷ھ ہے۔

۲۰۸۔ محمود بن لبید بن رافع انصاری الاشہلیؓ۔ علمائے صحابہ میں سے تھے۔ راوی حدیث ہیں ۹۶ھ میں وفات ہوئی۔

۲۰۹۔ مروان بن الحکم الامویؓ۔ ابن کثیر کا قول ہے کہ حضرت مروانؓ کثیر جماعت محدثین کے نزدیک صحابی تھے (البدایہ والنہایہ ص۲۵۷ ج۸) ۲ھ میں ولادت ہوئی، ان کی روایت سے احادیث صحیح بخاری (کتاب الوکالۃ) میں نیز مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ میں ہیں۔ جن بزرگوں نے ان سے روایت کی ہے ان میں حضرت سہل بن سعد صحابی ہیں اور تابعین میں علی بن الحسین (زین العابدینؒ) سعید بن المسیب، عروہ بن الزبیرؒ وغیرہم شامل ہیں۔ حضرت مروانؓ فقہاء المسلمین میں صاحب فتا تھے۔ اخرج اهل الصحاح عدة احاديث عن مروانؓ وله قول مع اهل الفتيا (ص۱۱ العواصم

من القواصم) ان کے فتاوی و اقضیہ کتاب الموطاء و بعض دیگر کتب اہل سنت والجماعت میں ہیں، جو ائمہ مسلمین کے معمول بہا رہے ہیں۔ سیدنا عمر فاروقؓ ان کو سید شباب قریش فرمایا کرتے تھے حضرت عثمان ذی النورینؓ کے کاتب (سیکرٹری) رہے۔ امام شافعیؒ نے جناب جعفر بن محمد الباقرؒ کی روایت سے اپنے دادا علی بن الحسین (زین العابدینؒ) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت حسنؓ و حسینؓ، حضرت مروانؓ کی امامت میں نمازیں پڑھا کرتے تھے (ص۲۵۸ ج۸ البدایہ والنہایہ) کیونکہ حضرت مروانؓ امیر المومنین معاویہؓ کے عہد خلافت میں متعدد مرتبہ مدینہ کے عامل رہے اور چھ سال امیر حج کی حیثیت سے صحابہ و تابعین اور دوسرے مسلمانوں نے ان کی اقتدا میں مناسک حج ادا کئے۔ ان کے خطبات سنے اور ان کی امامت میں نمازیں ادا کیں۔ طبعاً صد درجہ سیر چشم اور سخی و فیاض تھے۔ علی بن الحسین (زین العابدینؒ) سے ان کو موالات و محبت تھی۔ ایک مرتبہ کسی ضرورت کے وقت چھ ہزار دینار ان کو قرض دے رکھے تھے جو ان سے ادا نہ ہو سکے تھے۔ وقت وفات اپنے بیٹے عبد الملکؒ کو وصیت کر گئے کہ یہ رقم وصول نہ کریں۔ آخر میں منصب خلافت پر فائز ہوئے اور تقریباً چار سو برس تک بشمول خلافت اندلس سیادت و حکمرانی ان کی نسل میں باقی رہی۔ ۶۵ھ میں بعارضہ طاعون جو اس زمانہ میں وبائی صورت میں پھیلا ہوا تھا۔ فوت ہوئے۔ کذابین نے طرح طرح کے اتہامات کے علاوہ ان کی موت کا واقعہ بھی صد درجہ مسخ کر کے مشہور کیا۔ کارل بروکلمین ایک جرمن مستشرق نے اپنی تالیف "تاریخ مسلم اقوام" میں یہ صحیح ریمارک دیا ہے کہ یہ روایت محض کذب و افترا ہے کہ امیر یزیدؒ کی بیوہ نے جن سے انہوں نے نکاح کر لیا تھا ان کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا تھا۔ حضرت مروانؓ کے بارہ بیٹوں سے نسل چلی۔ ان بیٹوں میں سے عبد الملک اور معاویہ بن مروانؓ حضرت علیؓ کے داماد تھے۔ سیدہ رملہ بنت علیؓ آخر الذکر کے حبالہ عقد میں تھیں۔ (کتاب نسب قریش ص۴۵) عبد الملک بن مروانؓ کے ایک بیٹے امیر المومنین ولید بن عبد الملکؒ بن مروانؓ کی زوجہ حضرت حسنؓ کی پوتی زینب بنت حسن بن الحسن بن علیؓ بن ابی طالب تھیں (کتاب نسب قریش ص۵۲۔ جمہرۃ الانساب ابن حزم ص۸۰) امیر المومنین عبد الملکؒ کے عقد میں حضرت علیؓ کی جو دختر تھیں ان سے ان کے اولاد نرینہ بھی ہوئی۔ (ص۶۹ ج۹ البدایہ)

۲۱۰۔ مسلم بن مخلد انصاریؓ۔ صغار صحابہ میں شمار ہے، فتح مصر کے ایک جہاد میں شریک تھے۔ امیر یزیدؒ نے ان کو مغربی افریقہ پر عامل مقرر کیا تھا۔ ۶۳ھ میں بعمر ۷۳ سال وفات پائی۔

۲۱۱۔ مسلم بن عقبہ المری۔ بذیل صحابہ ان کا ذکر کیا گیا ہے (الاصابہ) باغیان مدینہ کی سرکوبی کے لئے متعین ہوئے تھے! اس وقت کبیر السن بھی تھے اور مریض بھی، مکہ کے راستہ میں فوت ہوئے۔

۲۱۲۔ مسور بن مخرمہ بن نوفل القرشی الزہری رضؓ۔ صحابی بن صحابی۔ امین الامت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کے بھانجے اور آنحضرت صلعم کے ماموں حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کے چچیرے بھائی کے فرزند تھے۔ ان کی والدہ معظمہ بھی صحابیہ وہاجرہ تھیں۔ ان کا شمار صغار صحابہ میں ہے۔ حضرت علی رضؓ نے جب حضرت فاطمہ رضؓ کی زندگی میں اپنا دوسرا نکاح کرنا چاہا اور ابوجہل کی مارے جانے کے بعد اس کی بیٹی کو جو مسلمہ تھی پیغام دیا، اس کی شکایت حضرت فاطمہ رضؓ نے آنحضرتؐ سے کی آپؐ نے صحابہ کے سامنے اس بارے میں تقریر فرمائی تھی اور کہا تھا کہ میں کبھی اس کی اجازت نہ دوں گا، علیؓ میری بیٹی کو طلاق دیدے، اس تقریر کے بعض فقرات حضرت مسورؓ سے کتب احادیث میں منقول ہیں۔ حضرت عثمان رضؓ کی مظلومانہ شہادت سے جو فتنہ اٹھا ان سے یہ الگ رہے۔ امیر یزیدؒ کے آخر ایام خلافت یعنی ۶۴ھ میں منزل عقبیٰ طے کی۔

۲۱۳۔ معاویہ بن خدیج بن جفنہ بن قتیرہ الضاریؓ۔ ابونعیم۔ سیدنا عمر الفاروقؓ کے عہد خلافت میں مصر کے جہاد میں شرکت کی پھر افریقہ کی فتوحات میں حصہ لیا اور نمایاں خدمات انجام دیں۔ حضرت علی رضؓ سے بیعت کرنے سے صاف انکار کیا۔ ولم یبایع علیاً بالکلیۃ (البدایہ) ان کے جد اعلیٰ قتیرہ کی نسل میں بحریہ بن حیوۃ بن حارث بن قتیرہ تھا جو حضرت عثمانؓ کے قاتلین میں سے تھا۔ انہی کے ہم جد حضرت الحصین بن نمیرؓ تھے جو بحکم امیر المومنین یزیدؒ حضرت ابن زبیرؓ کی بیعت لینے اور بصورت انکار گرفتار کر لینے پر متعین ہوئے تھے، آخر میں ان کا محاصرہ کیا تھا۔ حضرت معاویہ بن خدیجؓ، حضرت عمرو بن العاص رضؓ کے بعد کچھ عرصہ مصر کے والی بھی رہے تھے ان کی وفات امیر یزیدؒ کے زمانہ ولیعہدی میں ہوئی۔

۲۱۴۔ معاویہ بن الحکم السلمیؓ۔ صرف ایک حدیث کے راوی ہیں۔ مدینہ منورہ میں بنی سلیم میں رہتے تھے پھر کوفہ جا بسے اور وہیں طویل عمر پا کر ۶۰ھ یا ۶۱ھ میں وفات پائی۔

۲۱۵۔ معبد بن خالد الجہنی، ابوزرعہ رضؓ۔ قدیم الاسلام تھے۔ فتح مکہ میں اپنی قوم کے ان چار صحابہ میں سے یہ بھی تھے جو جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے۔ ۷۲ھ میں انتقال ہوا۔

۲۱۶۔ معبد بن یربوع مخذومیؓ۔ فتح مکہ میں اسلام لائے۔ غزوہ حنین میں شریک ہوئے۔ نبی کریمؐ نے پچاس اونٹ مال غنیمت میں ان کو عطا فرمائے۔ ایک سو بیس برس کی طویل عمر پائی اور امیر یزیدؒ کے اوّل عہد خلافت میں رحلت کی۔

۲۱۷۔ معقل بن سنان الاشجعیؓ ابویزید۔ فتح مکہ میں رسول اللہ صلعم کے ہمرکاب تھے خوبصورت

وخوب سیرت اور فاضل صحابی تھے۔ کہتے ہیں کہ یوم حرہ میں مقتول ہوئے۔

۲۱۸۔ معقل بن یسار المزنیؓ۔ ابو عبداللہ۔ راوی حدیث ہیں۔ حدیبیہ میں موجود تھے۔ آخر میں بصرے جا بسے تھے۔ امیر زیاد کے زمانے میں جو نہر وہاں کھودی گئی انہی کے نام سے "نہر معقل" کہلائی۔ امیر یزیدؒ کے عہد خلافت میں راہی عالم جاودانی ہوئے۔ عاش الی امرۃ یزید (الاصابہ)

۲۱۹۔ معن بن یزید السلمیؓ۔ یہ ان کے والد اور دادا سب صحابی تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اپنے باپ دادا کے ساتھ بدر میں موجود تھے۔ مگر یہ قول ضعیف ہے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ سے تقرب خاص حاصل تھا صفین میں حضرت امیر معاویہؓ کے کیمپ میں تھے۔ امیر المومنین عبدالملکؒ کے اول عہد خلافت میں وفات ہوئی۔

۲۲۰۔ مقدام بن معدی کرب الکندی ابوکریمہؓ۔ وفد کندہ کے ساتھ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ سکونت شام کے مقام حمص میں تھی اور وہیں ۸۷ھ میں منزل آخرت طے کی۔

۲۲۱۔ مولہ بن کثیف بن حمل الضابیؓ۔ بیس سال کی عمر میں رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت ابوہریرہؓ کے ہم جلیس رہے، بڑے فصیح و بلیغ تھے اور اس وصف کی بنا پر "ذواللسانین" کہلاتے تھے۔ انہی کے داد اعلیٰ کے بنو اعمام میں شمر ذی الجوشن کا گھرانا تھا۔ حضرت مولہؓ نے ایک سو بیس برس کی طویل عمر پائی اور امیر یزیدؒ کے عہد خلافت میں فوت ہوئے۔

۲۲۲۔ نعمان بن بشیر انصاریؓ، ابوعبداللہ۔ رسول اللہ صلعم کی مدینہ تشریف آوری کے بعد انصار میں سب سے اول انہی کی ولادت ہوئی تھی۔ آپ کی رحلت کے زمانہ میں دس سال کی عمر تھی۔ صحابی بن صحابی ہیں۔ انہی کے والد حضرت بشیرؓ نے سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع میں سب سے پہلے سیدنا ابوبکر الصدیق رضؓ کی بیعت کی تھی۔ رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد کوفہ میں سکن گزین ہو گئے تھے حضرت عثمان ذی النورین رضؓ کی مظلومانہ شہادت کے زمانہ میں کوفہ سے حجاز آئے ہوئے تھے، یہاں سے دمشق جا کر سب حالات سے حضرت امیر معاویہؓ کو مطلع کیا تھا۔ صفین کے معرکہ میں انہی کے ساتھ تھے۔ ان کے عہد خلافت میں یمن اور کوفہ کے والی رہے۔ امیر یزیدؒ کے زمانہ میں بھی کوفہ کے والی تھے۔ طبعاً نرم مزاج تھے۔ مسلم بن عقیلؒ کے کوفہ آنے پر جب سبائی جماعت کے پروپگنڈے سے حکومت وقت کے خلاف بغاوت پھیلنی شروع ہوئی۔ حضرت نعمانؓ نے امن قائم رکھنے کی بہتیری کوشش کی مگر فتنہ بڑھتا رہا۔ ناکام رہ کر معزول کئے گئے پھر ملک شام کے مقام حمص میں مقیم ہوئے۔ امیر یزیدؒ کی وفات کے بعد اہل حمص کو حضرت عبداللہ بن الزبیر رضؓ کی بیعت خلافت پر آمادہ کرنا چاہا اسی فتنہ کے زمانہ میں مقتول ہوئے

۲۲۳۔ نوفل بن معاویہ الدیلیؓ۔ غزوہ خندق کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ فتح مکہ اور غزوہ حنین میں شریک رہے۔ عہد رسالت میں جب سیدنا ابوبکر الصدیقؓ نے امیر حج ہو کر لوگوں کو حج کرایا۔ حضرت نوفلؓ نے ان کے ساتھ حج کیا تھا، پھر حجۃ الوداع میں بھی موجود رہے۔ طویل عمر پائی۔ امیر یزیدؒ کے عہد خلافت میں منزل عقیق میں وفات پائی مات بالمدینۃ فی خلافۃ یزید بن معاویۃ۔ (کتاب المعارف ابن قتیبہ و الاستیعاب)

۲۲۴۔ واثلہ بن الاسقع کنانی اللیثیؓ۔ اصحاب صفہ میں شمار ہے۔ آنحضورؐ کے حضور میں اکثر رہتے۔ آپ کی رحلت کے بعد دمشق کے قریب موضع بلاط میں مسکن گزین ہوئے اور وہیں سو برس سے زیادہ عمر میں فوت ہوئے۔ سال رحلت ۸۵ یا ۸۶ھ ہے۔

۲۲۵۔ الولید بن عبادہ بن الصامتؓ۔ صحابی اور صحابی جلیل کے فرزند، صلحائے وقت میں سے تھے امیر المومنین عبد الملکؒ کے عہد خلافت میں وفات ہوئی۔

۲۲۶۔ الولید بن عقبہ بن ابی معیط القرشی الاموئیؓ۔ سیدنا عثمان ذی النورینؓ کے مادر شریک بھائی اور رسول اللہ صلعم کی پھوپی ام حکیم بنت عبد المطلب کے نواسے فتح مکہ کے وقت مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آنحضرتؐ نے صدقات بنی المصطلق کے وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ وہاں کے لوگ ان سے ملنے بستی سے باہر نکل کر آتے یہ سمجھ کر لڑنے آتے ہیں فوراً واپس چلے آتے تھے۔ سیدنا ابوبکر الصدیقؓ نے صدقات قضاعہ پر مامور کیا۔ پھر شرق الاردن پر امیر عسکر کی حیثیت سے مقرر ہوئے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے صدقات بنی تغلب پر مامور کیا۔ خلافت عثمانی میں کوفہ کے عامل رہے۔ عدل و انصاف، نرم مزاجی و احسان پروری کی بنا پر بڑے اچھے والی تھے۔ وکان خیرًا لاتھاعدًا ورفقًا واحسانًا (مر۸ العواصم من القواصم) مفسدین نے ان کی نرم مزاجی سے ناجائز فائدہ اُٹھایا، شراب نوشی کا اتہام لگایا چار سال تک فرائض مفوضہ بحسن و خوبی انجام دینے کے بعد معزول کئے گئے۔ کوفہ کے قریب مقام الرقہ میں سکونت اختیار کی، خانہ جنگیوں سے قطعًا الگ رہے۔ ان کے بھائی خالد بن عقبہ بھی ان کے ساتھ رہتے تھے، وہ حضرت حسینؓ کی نماز جنازہ میں شریک تھے (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص۱۰۶) حضرت ولید نے بزمانہ خلافت یزیدؒ ۶۳ھ میں وفات پائی۔

۲۲۷۔ وہب بن عبد اللہ ابو جحیفہ العامریؓ۔ راوی حدیث ہیں۔ بشر بن مروانؒ کے زمانہ امارت میں فوت ہوئے۔ انہی کے بنو اعمام میں حضرت جابر بن سمرہؓ صحابی تھے جو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے بھانجے اور حضرت حسینؓ کے خروج کے زمانہ میں امیر زیاد کے کوتوال تھے۔ حضرت وہب کا سال وفات ۶۴ھ ہے۔

۲۲۸۔ ہلال بن حارث مزنیؓ۔ ابو عبد الرحمٰن ۵ھ میں وفد مزینہ کے ساتھ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ فتح مکہ میں شریک تھے اور اپنی قوم کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے آخر میں بصرہ جا رہے تھے وہیں امیر یزیدؒ کے اول عہد خلافت میں رحلت کی۔

۲۲۹۔ یزید بن الاسود الجرشی السکونیؓ۔ بڑے عابد و زاہد صحابی تھے ملک شام میں مسکن گزین تھے جب کبھی وہاں امساک باران سے قحط پڑتا انہی کی امامت میں نماز استسقا پڑھی جاتی اور دعائیں مانگی جاتیں۔

۲۳۰۔ یزید بن شجرہ الرہاوی۔ حدیث کے راوی ہیں۔ مجاہد تھے اور ایک جہاد میں جام شہادت نوش کیا۔ یہ واقعہ ۵۸ھ کا بتایا گیا ہے۔

۲۳۱۔ یزید بن رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب القرشیؓ۔ صحابی بن صحابی و راوی حدیث۔ دیگر اشخاص کے علاوہ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسینؓ نے بھی ان سے روایت کی ہے انہی کے بھائی کی اولاد میں امام شافعی ہوئے۔ حضرت امیر معاویہؓ کے آخر عہد خلافت یعنی بزمانہ ولیعہدی امیر یزیدؒ وفات پائی اور بقول دیگر امیر المومنین عبد الملکؒ کے زمانہ خلافت میں۔

۲۳۲۔ یسار بن بلال ابی لیلیٰؓ۔ صحابی و راوی حدیث ہیں۔ ان کے پوتے محمد بن عبد الرحمٰن بن یسار بن ابی لیلیٰ متوفی ۱۴۸ھ اُموی عہد کے آخر سے امیر المومنین ابو جعفر المنصور عباسیؒ کے عہد خلافت تک کوفہ کے عہدہ قضا پر مامور رہے تھے حضرت یسارؓ کا انتقال حضرت معاویہؓ کے آخر عہد خلافت میں ہوا۔

۲۳۳۔ یسیر الانصاریؓ۔ ان صحابی رسول اللہ صلعم نے امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کے بارے میں جس خیال کا اظہار کیا تھا ابو عوانہ نے حمید بن عبد الرحمٰن کی یہ روایت نقل کی ہے:۔

دخلت علی یسیر رجل من اصحاب النبی حین استخلف یزید بن معاویۃ فقال انھم یقولون ان یزید لیس بخیر امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وانا اقول ذلک ولکن لان یجمع اللہ امر امۃ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احب الی من ان یفترق قال النبی صلعم لا یاتیک فی الجماعۃ الا خیر (الاستیعاب ج ۲ ص ۶۱۷)

یزید بن معاویہ کے استخلاف کے زمانہ میں رسول اللہ صلعم کے صحابہ میں سے ایک صاحب کے پاس جب میں گیا (یعنی حضرت بشیرؓ کے پاس) تو انہوں نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ یزید امت محمدؐ صلعم میں سے بہترین شخص نہیں ہے اور میں بھی یہی کہتا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کو اگر کسی کام پر متفق کر دے یہ مجھے زیادہ محبوب ہے بہ نسبت اس کے کہ تفرقہ پڑے کیونکہ نبی صلعم کا ارشاد ہے کہ جماعت ہی

حاصل کلام

عہد رسالت و صدر اسلام کی جن محترم ہستیوں — ازواج مطہرات و صحابہ کرام — کے اسمائے گرامی اور مختصر حالات ابتدائی صفحات میں درج ہیں باعتبار خصوصیات و شان امتیاز حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ ازواج مطہرات (امہات المومنین)	۵
۲۔ اصحاب عشرہ مبشرہ	۲
۳۔ بدری صحابہ	۱۸
۴۔ اصحاب بیعت الرضوان	۱۴
۵۔ دیگر صحابہ	۲۳۳
	۲۷۲ [1]

ان میں سے تقریباً ایک تہائی یعنی (۸۳) تو امیر یزیدؒ کی ولیعہدی (۵۱-۶۰ھ) کے مختلف سنین میں رہ گرائے عالم جاودانی ہوئے، باقی (۱۸۹) ان کے عہد خلافت میں حیات رہے اور بعض اس کے بھی بعد تک۔ ان میں سے کسی ایک صحابی نے بھی حضرت حسینؓ کے خروج میں نہ ان کا ساتھ دیا اور نہ اس غلط اقدام کی موافقت کی۔ سب کے سب خلیفہ وقت کی بیعت پر مستقیم رہے بلکہ جنہیں موقع ملا انہوں نے حضرت حسینؓ کو منع کیا، روکا، اور نصیحتیں کیں۔

---

[1] یہ تعداد تو ان صحابہ کی ہے جن کے سنین وفات صراحتاً کتب سیر و اسماء الرجال میں مذکور ہیں ورنہ متعدد صحابہ ایسے ہیں جن کے سنین وفات کہیں درج نہیں لیکن ان کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ امیر یزیدؒ کے عہد خلافت تک اور بعض اس کے بعد تک بقید حیات تھے ان کو شامل فہرست نہیں کیا گیا اور نہ صحابیات کو ورنہ یہ تعداد تین سو سے بھی زائد ہو جاتی۔

اُمہاتُ المومنین

غیر صحابی خلفائے اسلام میں امیر یزیدؒ ہی تنہا خلیفہ ہیں جن کی یہ خوش بختی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد ازواج مطہرات ان کے ایام ولی عہدی میں حیات تھیں، اور ایک ان کے اول عہد خلافت میں۔ سنین وفات کے اعتبار سے ان کے مختصر حالات یہ ہیں:۔

۱۔ ام المومنین ام حبیبہؓ یہ امیر یزیدؒ کی پھوپی تھیں، سنہ وفات عام طور سے سنہ ۴۴ھ ہے، کتاب المحبر کے مؤلف ابو جعفر بن حبیب متوفی ۲۴۵ھ نے البتہ سنہ ۵۹ھ بیان کیا ہے مگر قول اول زیادہ مستند ہے، زمام خلافت ہاتھ میں لینے کے بعد حضرت معاویہؓ مع اہل و عیال پہلی مرتبہ سنہ ۴۴ھ میں مدینہ آئے تھے، اس وقت امیر یزیدؒ گو کہ بائیس سالہ نوجوان تھے اپنی محترم پھوپی کی زیارت سے مشرف ہونے، ان کی دعائیں لینے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ خلیفہ مظلوم شہید حضرت عثمانؓ پر بلوائیوں کی یورش کو ام المومنین موصوفہ جس درجہ فعل شنیعہ جانتی تھیں وہ ان کے جرأت مندانہ اقدام سے ظاہر ہے کہ مسلح بلوائیوں کے نرغہ کے باوجود انہوں نے امیر المومنین کے گھر پانی پہنچانے اور بنی امیہ کے یتامیٰ کے وصایا و اوقاف کے بارے میں امیر المومنین عثمانؓ سے گفتگو کی کوشش میں جسمانی اذیت بھی برداشت کی تھی، قاتلین سے قصاص لئے جانے میں اپنے بھائی کے اقدام کو اسی طرح ضروری و مستحسن جانتی تھیں جس طرح ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اس کا ذکر اپنے محل پر آگے آتا ہے۔

۲۔ ام المومنین حفصہؓ ان کے سنہ وفات کے بارے میں مختلف اقوال ہیں جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ سنہ ۵۴ھ میں وفات پانا صحیح ہے تو یہ محترم خاتون بھی امیر یزیدؒ کے زمانہ ولیعہدی میں حیات تھیں۔ صحیح بخاری کی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ہدایت کی تھی کہ اس مجلس میں فوراً شریک ہوں جس کے لئے ان کو بلایا جا رہا تھا، ایسا نہ ہو کہ عدم شرکت کی بنا پر کوئی صورت

اختلاف کی پیدا ہو اور یہ بات کہنے کے لئے وہ غسل خانہ سے اتنی عجلت سے برآمد ہوئیں کہ بال بھی سکھانے نہ پائیں تھیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے بھائی کو مدینہ ہی کی کسی مجلس میں طلب کیا گیا تھا نہ دومۃ الجندل جیسے بعید تر مقام پر جیسا بعض لوگوں نے غلط سمجھا ہے یہ معاملہ تحکیم (ثالثی) کا نہ تھا بلکہ امیر یزیدؒ کی ولی عہدی کا مسئلہ تھا حضرت ابن عمرؓ نے امیر یزیدؒ کی ولیعہدی اور خلافت کی بیعت بلا تذبذب کی تھی ان کے اس عمل سے ان کی محترم بہن کے موقف پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

۲۔ اُمّ المومنین جویریہؓ

یہ بڑی عابد و زاہد خاتون قبیلہ بنو المصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی دختر تھیں۔ بنو المصطلق قبیلہ خزاعہ سے تھا اور اس قبیلے سے بنو کلب کے تعلقات مصاہرت و حلیفی تھے جو امیر یزیدؒ کا ننھیالی قبیلہ تھا۔ امّ المومنین موصوفہ امیر یزیدؒ کے ایام ولیعہدی میں موجود تھیں ۵۶ھ میں وفات ہے

اُمّ المومنین اُمّ سلمہؓ

حضرت جویریہؓ کے انتقال سے تین سال بعد یعنی ۵۹ھ میں ام المومنین ام سلمہؓ کی وفات ہوئی، بالفاظ دیگر حادثہ کربلا سے تقریباً سوا سال پہلے، جملہ معتبر و مستند مورخین کی تصریحات سے ثابت ہے کہ ۵۹ھ کے ماہ شوال میں ان کی وفات ہوئی اور نماز جنازہ حضرت ابوہریرہؓ نے پڑھائی جو خود بھی اسی سال کے آخر میں فوت ہوئے تھے۔ (المعارف ابن قتیبہ ص۶۰ و طبری ص۲۷ ج۱۳ تنبیہ الاشراف مسعودی ص۳۰۳ و البدایہ والنہایہ ص۱۱۴ ج۸ و دیگر کتب) واقدی نے حضرت ابوہریرہؓ کے انتقال کے سلسلہ میں صراحتاً بیان کیا ہے کہ:-

وهو الذی (اعنی ابوهریرة) صلی علی عائشة فی رمضان وعلی اُمّ سلمة فی شوال سنة تسع و خمسین ثم توفی ابوهریرة بعدهما فیها۔ (ص۱۱۴ ج۸ البدایہ والنہایہ)	اور انہوں نے (یعنی ابوہریرہؓ نے) ۵۹ھ کے ماہ رمضان میں حضرت عائشہ کی نماز جنازہ پڑھائی پھر ماہ شوال میں حضرت ام سلمہؓ کے جنازے کی اس کے بعد خود ابوہریرہؓ کا ان دونوں کے بعد اسی سنہ میں انتقال ہوا۔

وضاعین نے حضرت ام سلمہؓ کا نام متعدد وضعی روایتوں اور حدیثوں میں بار بار لیا

ہے، مثلاً خروج مہدی اور کساء کی موضوعات میں اسی طرح مقتل حسین کی چند روایتیں گھڑ کر ان سے منسوب کر دی ہیں اور اس غرض سے ان کے سنہ وفات (یعنی ۵۹ھ) سے تین چار سال بعد تک ان کو زندہ قرار دے لیا ہے۔

اُمّ سلمہؓ کی روایت سے چونکہ متعدد وضعی حدیثیں اور روایتیں بیان ہوئی ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ وہ مقتل حسین کے بعد تک زندہ رہیں مگر ساتھ ہی "واللہ اعلم" کہہ کر شبہ کا اظہار بھی کرتے جاتے ہیں۔ اب دو ایک وضعی حدیثیں اور روایتیں ملاحظہ ہوں۔

حضرت ام سلمہؓ متوفی ۵۹ھ سے یہ قول منسوب کیا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ کے سر اور ریش مبارک کے بال گرد آلود تھے وجہ پوچھنے پر فرمایا "میں حسین کے مقتل سے ابھی واپس آ رہا ہوں"۔ اسی کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے یہ قول منسوب کیا ہے "میں نے ٹھیک دوپہر کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ کے ہاتھ میں شیشہ کا برتن تھا جو خون سے بھرا ہوا تھا دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا "ھذا دم حسین و اصحابہ" (یہ حسین اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے) پھر حضرت اُمّ سلمہؓ سے یہ قول بھی منسوب کیا ہے کہ میں نے جنوں کی عورتوں کو حسینؓ پر ماتم کرتے اور ان کا نوحہ پڑھتے سنا جس میں قاتلوں پر تمام اہل آسمان اور سب نبی و رسول موسیٰ و عیسیٰ لعنت بھیج رہے ہیں۔ نوحہ کے چند عربی شعر بھی حضرت موصوفہ کی زبان سے نقل کر دئے ہیں، آخری شعر ہے:۔

قد لعنتم علی لسان ابن داؤد ٭ وموسٰی وصاحب الانجیل

لطف یہ ہے کہ چند سطر بعد یہ علامہ فرماتے ہیں کہ مقتل حسین کے بارے میں شیعوں نے کثیر تعداد میں حدیثیں وضع کی ہیں جو صریحاً جھوٹ ہیں (کذب فاحش) چند مثال بھی دی ہیں، مثلاً قتل حسین کے دن آفتاب کو گہن لگا اور ایسا روپوش ہو گیا کہ تاریکی پھیل گئی تارے چمکنے لگے، آسمان سے خون برسنے لگا، جس پتھر کو اٹھاؤ نیچے سے خون نکلتا تھا وغیرہ وغیرہ ان کے متعلق تو فرماتے ہیں کہ یہ سب اکاذیب و احادیث موضوعہ ہیں، کوئی بات بھی صحیح نہیں لیکن اُمّ سلمہؓ و ابن عباسؓ کے نام کی روایتوں کو یہ کہہ کر باور کر لیا کہ ان کے اسناد قوی ہیں۔ روایت پرستی نے درایتاً غور کرنے کا موقع نہ دیا اور ۵۹ھ کی متوفی

خاتون کو ۶۳ھ تک زندہ قرار دے لیا حالانکہ کتب تاریخ کی تصریحات سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں جن کی وفات سب سے آخر میں ہوئی وہ ام المومنین میمونہ رضؓ متوفی ۶۱ھ تھیں۔ نہ ام المومنین ام سلمہؓ متوفی ۵۹ھ۔

ام المومنین میمونہ رضؓ

یہ امیر یزیدؒ کے اول عہد خلافت تک حیات تھیں ۶۱ھ میں وفات ہوئی، ابن قتیبہ نے سنہ وفات البتہ ۳۸ھ لکھا ہے اور بعض نے ۵۱ھ اور ۶۳ھ اور ۶۶ھ لیکن علامہ ابن جریر طبری نے صراحتاً بیان کیا ہے کہ:-

وتوفیت میمونة سنة ۶۱ فی خلافت یزید بن معاویة وھی آخر من مات من ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ص۲۷ ج۱۳ طبری)	اور حضرت میمونہؓ کا انتقال ۶۱ھ میں بزمانہ خلافت یزید بن معاویہؓ ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں آپ ہی کی یہی زوجہ ہیں جو سب سے آخر میں فوت ہوئیں۔

حضرت میمونہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خالہ تھیں[1]، بچپن میں وہ اکثر ان کے گھر رہتے، راتوں کو اٹھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز تہجد ادا کرتے، وضو کے لئے پانی لاکر رکھتے: ازدیاد علم و فہم قرآن کی دعائیں لیتے ان کی برکت تھی کہ ابن عباسؓ اعلم اہل زمانہ ہوئے جرامت کہلائے، وہ امیر یزیدؒ کی علمی و اخلاقی صلاحیتوں، ان کی نیکی و نیک کرداری کے معترف تھے۔ ولیعہدی و خلافت کی بطیب خاطر خود بیعت کی اور دوسروں کو بھی ترغیب دی۔ حضرت میمونہؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تقریباً

---

[1] ام المومنین میمونہؓ کی سب بہنیں اکابر قریش و اعیان بنی ہاشم کو بیاہی گئیں۔ ایک بہن حضرت خالد سیف اللہؓ کی والدہ تھیں دوسری زینب نام حضرت حمزہؓ عم رسول اللہ کی زوجہ تھیں تیسری اسماء حضرت جعفر طیارؓ کو بیاہی تھیں، ان کی شہادت کے بعد حضرت ابو بکر الصدیقؓ کے نکاح میں آئیں۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت علیؓ نے ان سے عقد کیا۔ چوتھی حضرت عباسؓ بن عبد المطلب عم رسول اللہ کے حبالہ عقد میں تھیں۔ پانچویں حضرت شداد الہاد اللیثی کی زوجہ تھیں۔

نصف صدی تک حیات رہیں ان کے گھر کے پاک ماحول کے اثرات تھے کہ ان کے غلام یسار کے چاروں بیٹے عطاء و سلیمان و مسلم و عبد الملک عالم فاضل فقہائے مدینہ میں سے تھے، یہی حالت دوسری ازواج کے لواحقین کی تھی۔ حضرت ام سلمہؓ متوفی ۵۹ھ کے غلام شیبہ بن نصاح فن قرأۃ میں اہل مدینہ کے امام تھے اور حضرت موصوفہ کی کنیز خیرۃ کے فرزند حسن بصری فضلائے تابعین میں ہوئے۔ (المعارف ابن قتیبہ ص۶۰)

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ محبوب ترین زوجہ امیر یزیدؒ کے زمانہ ولیعہدی میں کئی سال حیات رہیں۔ محبوبیت کا یہ درجہ حسن و جمال کی بدولت نہیں بلکہ فطری ذکاوت و ذہانت، غیر معمولی فراست و فرزانگی نیز دیگر اوصاف و صفات حسنہ روشن نگہی و بلند خیالی و اصابت رائے اور معاملات کی سوجھ بوجھ کے سبب حاصل تھا۔ سترہ اٹھارہ برس کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں اور تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں سے محترم شوہر کی نگاہ میں وہ بلند مقام حاصل کیا جو اور کسی کو حاصل نہ ہوا۔ وہ ایسی زوجہ تھیں جو اپنے شوہر کی عظیم شخصیت سے تبادلہ احساس و شعور کرتیں، ایسی ذہین و فطین شاگرد تھیں جو معلم اعظم و اکمل سے "کتاب و حکمت" کا درس لیتیں اور اس میں ایسی پختگی پیدا کرتیں کہ آنحضورؐ کی وفات کے بعد فقہ و سنت کے مسائل میں مرجع خلائق بن گئیں، اسی کے ساتھ وہ ایسی فرمانبردار رفیقہ حیات تھیں کہ کاشانہ نبوت کی روز افزوں دوگونا گوں ذمہ داریوں کی انجام دہی میں اپنے عالی مرتبت شوہر کی نہ صرف شریک و سہیم تھیں بلکہ چند سال بعد سے خانگی معاملات کی ذمہ داریوں کو اکثر و بیشتر خود ہی انجام دیتیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پبلک مصروفیات اس زمانہ سے آخر وقت تک اتنی کثیر و متوافر اور متنوع ہوتی گئیں کہ پرائیویٹ معاملات کی جانب توجہ ہونے کا نہ وقت تھا نہ فرصت[1]۔

---

[1] اسی زمانہ میں آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے پانچ بچے اوپر تلے پیدا ہوئے۔ اپنی گوناگون مصروفیات میں آپ کو اپنے ان نواسہ نواسیوں کو گود میں چڑھائے چڑھائے پھرنے کا جیسا وضعی روایتوں میں بیان کیا جاتا ہے موقع ہی کہاں تھا یہ سب مبالغات ہیں اور جس مقصد سے ہیں و

خانگی امور کی مصروفیات کے باوجود حضرت عائشہؓ اکتساب علم میں مستعد رہتیں طبی معلومات کے بارے میں عروہ بن الزبیرؓ کے سوال کا یہ جواب کتب احادیث وغیرہ میں منقول ہے :۔

قالت ای عروۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یستقم عند آخر عمرہ فکانت تقدم علیہ وفود العرب من کل وجہ فتنعت لہ الانعات فکنت اعالجہا فمن ثم۔

فرمایا اے عروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر عمر میں علیل تھے اور آپ کے پاس عرب کے وفد آیا کرتے تھے وہ طرح طرح کی دوائیں اور ان کے اوصاف بیان کرتے تھے۔ میں ان دواؤں کو تیار کرتی تھی بس میری معلومات اسی وجہ سے ہیں۔

علوم دینیہ میں ایسا تبحر تھا کہ اکابر صحابہ علمی مسائل اور مشکلات میں ان ہی کی جانب رجوع کرتے۔ ترمذی میں حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ جیسے فاضل صحابی کی روایت ہے کہ :۔

ما اشکل علینا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم حدیث قط فسألنا عائشۃ الا وجدنا عندھا منہ علما۔

ہم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی کوئی مشکل بات پیش نہیں آئی جس کو ہم نے عائشہ سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے متعلق معلومات نہ ملی ہوں۔

اسی طرح امام الزہری فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں۔ اکابر صحابہ ان سے مسائل پوچھا کرتے تھے (یسئلھا الاکابر من اصحاب رسول اللہ)

حضرت عروہ بن الزبیرؓ جو علم میں ان کے فیض یافتہ تھے کہتے ہیں :۔

مارأیت احداً اعلم بالقرآن ولا بفریضۃ ولا بحلال ولا بفقہ ولا بشعر ولا بطب ولا بحدیث العرب ولا بنسب من عائشۃ

قرآن و فرائض، حلال و حرام، فقہ و شاعری طب، واقعات تاریخ عرب اور انساب کا عالم میں نے عائشہ سے بڑھ کر نہیں دیکھا

انساب کی معلومات اور تاریخ عرب و شاعری میں یہ اعلیٰ درجہ انہوں نے اپنے

والد ماجد حضرت ابوبکرؓ کے فیضان تعلیم و تربیت سے جوان علوم میں مہارت رکھتے تھے حاصل کیا تھا۔ شعرائے عرب کے بے شمار اشعار نیز امثال حافظہ میں محفوظ تھے جنہیں برمحل اور بےساختہ استعمال کرتیں۔ یہ واقعہ مختلف طریقوں سے منقول ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نعلین مبارک گانٹھ رہے تھے، تپش زیادہ ہونے کے سبب پسینہ جبین مبارک سے رخساروں پر بہہ رہا تھا حضرت عائشہؓ پاس کھڑی محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ آپ نے نظر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا " عائشہ تم کچھ حیران سی نظر آتی ہو؟ عرض کیا " ابوبکر ہذلی آپ کو اس حالت میں دیکھ لیتا تو سمجھتا کہ اس کے اشعار کے مصداق آپ ہی ہیں۔ فرمایا اس نے کیا کہا ہے " حضرت عائشہ نے اس کے شعر سنائے جن میں سے ایک یہ تھا

واذا نظرت الی اسرۃ وجھہ ؎ برقت بروق العارض المتھلل

اگر تم اس کے چہرے کے خطوط کی طرف دیکھو ؎ تو ایسا نظر آئے گا جیسے چمکنے والے ابر میں بجلیاں کوندرہی ہوں۔

شعر سن کر آپ نے فرط انبساط سے حضرت عائشہؓ کو چوم لیا اور فرمایا " عائشہ تم نے مجھے خوش کر دیا خدا تمہیں خوش رکھے "

اپنے والد ماجد کے ایام علالت میں اکثر پاس بیٹھی رہتیں، تیمارداری کرتیں اور موقع و محل کے اعتبار سے شعر بھی سناتیں جن کے متعدد نمونے کتب سیر میں منقول ہیں اپنے عظیم المرتبت شوہر سے جو گہری محبت تھی اس جذبہ کا پرتو یہ دو بیتیں ہیں، سادہ سے بول ہیں جذبات محبت سے بھرپور، دنیا والوں کا بھی آفتاب ہے اور ہمارا بھی مگر ہمارا اس سے بہتر ہے لوگوں کا آفتاب تو بعد فجر طلوع ہوتا ہے اور میرا بعد عشاء سہ

لنا شمس وللآفاق شمس ؎ وشمسی خیر من شمس السماء

---

[1] ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ نے حضرت علیؓ سے منسوب ایک خطبہ کی شرح کرتے ہوئے جس میں ان الفاظ سے کہ " واما فلانۃ) مراد حضرت عائشہ سے لی گئی ہے اور ساتھ ہی ام المومنین موصوفہ پر زہرافشانی بھی کی گئی ہے۔ یہ تسلیم کیا ہے کہ وہ فقیہہ بھی تھیں اور " راویۃ للشعر" بھی —

وشمس الناس تطلع بعد فجر ؎ وشمسی یطلع بعد العشاء

ایام عرب کے حوادث ہی نہیں عرب جاہلیتہ کے رسوم ورواج، ان کے مختلف قبائل کے انساب وطرز معاشرت کی وسیع معلومات حاصل تھیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ کاشانۂ نبوت میں آنے سے قبل ہی پیارے باپ کی تعلیم وتربیت سے جن کی وہ چہیتی بیٹی تھیں، میکے ہی میں حاصل کیا تھا۔ ان حالات کی روشنی میں کیا یہ روایت قرین صحت قرار دی جا سکتی ہے کہ عائشہؓ وقت نکاح چھ برس کی اور بوقت رخصتی آٹھ نو برس کی نادان بچی تھیں، گڑیاں کھیلتی حرم نبوی میں آئی تھیں اور ستم یہ ہے کہ یہ سب باتیں خود انہی کی زبانی وضعی روایتوں میں بیان ہوئی ہیں۔

علامہ ابن کثیرؒ محقق مورخ کہلاتے ہیں، حضرت عائشہؓ کے تذکرے میں تو ہنی چلتی سی بات ان کی عمر کے بارے میں کہہ جاتے ہیں لیکن ان کی بڑی بہن حضرت اسماءؓ کے حالات بیان کرتے ہوئے حق برزبان جاری اس امر کا صراحتاً اظہار بھی کر دیتے ہیں کہ اسماءؓ کی وفات ۷۳ھ میں ہوئی، بوقت وفات وہ سو برس سے زائد عمر کی تھیں اور اپنی چھوٹی بہن سے دس برس بڑی تھیں (وھی اکبر من اختھا عائشۃ بعشر سنین۔ ص۳۴۶ ج۸ البدایہ) اب دیکھئے ۷۳ھ میں جس خاتون کی وفات سو برس سے زیادہ عمر میں ہو ا ھ میں وہ ۲۷ برس کی ہوں گی اور ان سے دس برس چھوٹی سترہ برس کی۔

علامہ موصوف ہی کی مندرجہ بالات تصریحات سے نیز اکمال فی اسماء الرجال و تجرید بخاری وغیرہ کی تشریحات سے جب یہ ثابت ہے کہ حضرت عائشہؓ رخصتی کے وقت آٹھ نو برس کی نہیں بلکہ سترہ اٹھارہ برس کی تھیں تو کیا یہ روایت پرستانہ تقلید جامد کا نتیجہ نہیں کہ حقائق سے چشم پوشی کر کے چھ اور آٹھ نو برس کی وضعی روایتوں کو بھی درج کر دیا اور اس بات کا مطلق لحاظ نہ کیا کہ آٹھ نو برس کی لڑکی کو تاریخ ایام عرب وکلام عرب وعلم انساب میں ایسی دستگاہ کب حاصل ہو سکتی جیسی حضرت عائشہؓ کو کاشانۂ نبوت میں آنے سے پہلے ہی حاصل تھی[1]۔ شادی کے بعد تو فن شعر وغیرہ کی تحصیل کا کوئی موقع نہ تھا آنحضرت

[1] محمد حسین ہیکل نے اپنی تالیف "حیاۃ محمد" میں بوقت خلوت صحیحہ ان کی عمر دس گیارہ برس کی بتائی ہے (ص۲۳۳)

صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک صحبت اور تعلیم سے ان کی صلاحیتوں میں چار چاند لگ گئے۔ اکتساب علم کی غیر معمولی استعداد اور فطری ذہانت سے آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہو گئیں۔ بخاری میں ابو عثمان النہدیؓ صحابی سے روایت ہے کہ میں نے جب آنحضور سے دریافت کیا کہ آپ کو سب لوگوں میں کون سب سے زیادہ محبوب ہے فرمایا "عائشہ"۔ پھر عرض کیا "اور مردوں میں"، ارشاد ہوا "ان کے باپ"۔ آپ کی اس محبت کو دیکھ کر آپ کی سن رسیدہ زوجہ حضرت سودہؓ نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہؓ کو دیدیا تھا، صحابہ بھی اکثر ان ہی دنوں میں ہدئے بھیجتے تھے۔ اس کے متعلق جب حضرت اُم سلمہؓ نے شکایت کی آپ نے فرمایا تھا:-

یا ام سلمۃ! لا تؤذینی فی عائشۃ فانہ واللہ ما نزل علیّ الوحی فی بیت وانا فی لحاف امرأۃ منکن غیرھا۔ (صحیح بخاری ص۵۳۲ ج۱ والبدایہ ص۹۳ ج۸)	اے ام سلمہ! عائشہ کے معاملہ میں تم مجھے اذیت مت پہنچاؤ کیونکہ بخدا ان کے سوا تم بیویوں میں کوئی بھی بیوی ایسی نہیں جس کے لحاف میں ہونے کی حالت میں میرے پاس وحی آتی ہو۔

سبحان اللہ! کیا بلند مرتبہ ہے ان حبیبہ رسولؐ کی طہارت طینت وپاکیزگی کا پھر کیوں نہ آپ کو اس درجہ محبوب ہوتیں کہ دوسروں سے بھی یہی چاہتے کہ وہ ان سے محبت کریں۔ بعض دیگر ازواج کے پیامبر کی حیثیت سے جب حضرت فاطمہؓ نے ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں کچھ گزارش پیش کی آپ نے فرمایا:-

یا بنیۃ! الا تحبین من احبّ قالت قلتُ بلی قال فاحبی ھذہ۔ (ص۹۳ ایضاً)	اے بیٹی! کیا تم اس سے محبت نہ کرو گی جس سے ہم محبت کرتے ہیں کہتی ہیں میں نے عرض کیا ضرور ارشاد ہوا پھر ان سے (عائشہ سے) محبت کرو۔

زمانہ بیوگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات طیبہ کے آخری ایام اپنی ان حبیبہ ہی کے حجرے میں بسر کئے، علالت کے دنوں میں وہی زیادہ تر تیمارداری کرتیں۔ وفات سے ذرا پہلے آپ کی خواہش کا احساس کر کے حضرت عائشہؓ نے اپنے دانتوں سے مسواک نرم کر کے پیش کی جسے آپ نے دندان مبارک پر اچھی طرح ملا اور

اس طرح ان کا اور آپ کا لعاب دہن دنیا کی آخری اور حیات ابدی کی اولین ساعت میں اللہ تعالیٰ نے یکجا کر دیا پھر اپنی انہی محبوب رفیقۂ حیات کے باری کے دن انہی کے حجرے میں انہی کے آغوش میں اور انہی کے سینے سے لگ کر روح پاک عالم قدس کو صعود کر گئی اور بعد وفات انہی کے حجرے میں مدفون ہوئے[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عائشہؓ ۴۸ برس حیات رہیں، بیوگی کی یہ طویل مدت علم دین کی خدمت میں بسر کی۔ دو ہزار سے زیادہ حدیثیں ان سے مروی ہیں خلفائے ثلاثہ کے زمانوں میں فتوے دیتیں۔ بعض معرکۃ الآرا مسائل یعنی معراج، علم غیب رویت باری تعالیٰ، عصمت انبیاء کے بارے میں جو تشریحات کی ہیں وہ ان کے تبحر علمی ذکاوت و ذہانت و بالغ نظری کا ثبوت ہیں۔ مجتہدین صحابہ میں ان کی علمی حیثیت سب سے بلند و بالا تھی۔ علم الفرائض میں یکتا حیثیت رکھتی تھیں۔ وضعی روایتوں میں "باب العلم" کی کیسی کچھ شہرت ہے مگر حضرت عائشہؓ تو بجا طور سے "شہر علم" کی ملکہ تھیں۔ سینکڑوں تابعین کرام ان کے دامن تربیت سے پروان چڑھے جن میں ان کے بھتیجے قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ اور بھانجے عروہ بن الزبیرؓ ممتاز تھے۔

نہایت فصیح البیان، شیریں زبان، بلند آواز تھیں۔ مسائل دینیہ کے علاوہ اکابر صحابہ امت محمدیہ کے سیاسی معاملات میں بھی مشورہ لیتے۔ حضرت عثمان ذی النورینؓ کو

---

[1] وفات سے چند گھنٹے پہلے آنحضورؐ کے چہرۂ انور پر ایسی رونق تھی کہ سب کو آپ کی صحتیابی کا یقین ہو گیا تھا حضرت عباسؓ و علیؓ و فاطمہؓ سب اپنے گھروں کو چلے گئے تھے، حضرت ابوبکر الصدیقؓ جو آپ کے اشتداد مرض کی حالت میں کئی دن سے گھر نہ جا سکے تھے آپ سے اجازت لے کر اپنے گھر چلے گئے تھے۔ آپ کے انتقال کے وقت سوائے حضرت عائشہؓ اور کوئی حجرے میں موجود نہ تھا مگر وضعی روایتوں میں حضرت فاطمہؓ اور ان کے بچوں کی موجودگی ہی کو نہیں دائمی جدائی کے خیال سے کچھ کلمات بھی وضع کر کے آپ سے منسوب کئے گئے ہیں ابن ابی الحدید نے تو یہاں تک لکھ مارا ہے کہ حضرت علیؓ و فاطمہؓ آنحضورؐ کو ایام علالت میں گھر لے جا رہے تھے تاکہ خود تیمارداری کریں مگر یہ سب وضعی باتیں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ واقعات شاہد ہیں کہ حضورؐ نے اپنی محبوب زوجہ ہی کے آغوش میں آخری سانس لیا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

جب سبائی انقلابی اور ان کے حامی طرح طرح ستا رہے تھے انہوں نے اپنی مشکلات ام المومنین کے سامنے پیش کیں اور مشورہ لیا۔

شہادت عثمانؓ و بیعت علیؓ

ہر سال حج کرتیں۔ ۳۵ھ میں بھی حج کو جانے لگیں بلوائیوں نے حضرت عثمانؓ کا مکان گھیر رکھا تھا لوگوں نے عرض کیا بہتر ہوتا آپ یہیں مدینہ میں رہتیں شاید یہ بلوائی آپ کا کہنا مان لیں فرمایا میں ان لوگوں سے کوئی بات کہوں اور سمجھاؤں میرا بھی شاید وہی حال ہو جو ام حبیبہؓ کا ہوا۔ یہ کہہ کر روانہ ہو گئیں۔ اثنائے راہ میں ابن عباسؓ ملے[1] جو خلیفہ مظلوم کی آخری

---

[1] ابن عباسؓ کے ہاتھ امیر المومنین نے جو آخری خط حاجیوں کے نام بھیجا تھا مورخین نے نقل کیا ہے اس کے بعض فقرات سے یہ انکشاف حال ہوتا ہے کہ انقلاب حکومت سے بلوائیوں کی اصل غرض کیا تھی امیر المومنین نے لکھا تھا:

"میں آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں اور میرے وہ ساتھی جنہیں خلافت کی طمع ہے جلد بازی سے کام لے رہے ہیں انہوں نے مجھے نماز سے روک دیا ہے میرے اور مسجد کے درمیان حائل ہو گئے ہیں..... میں جانتا ہوں کہ یہ لوگ میری جان کے پیچھے پڑے ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ میں اللہ عز و جل کے کام اور خلافت سے دستبردار ہو جاؤں تو مجھے یہ گوارا نہیں اس سے زیادہ پسندیدہ میرے لئے یہ ہے کہ مجھ پر کتے چھوڑ دئے جائیں..... مجھ کو جو چیز پیش کی جا رہی ہے وہ حقیقت میں موت ہے اور دوسرے کو خلیفہ بنا دینا...... میں خونریزی کو، امت میں نفاق کو اور برے طریقے کو ناپسند کرتا ہوں، میں اللہ اور اسلام کا واسطہ دیکر تم سے کہتا ہوں کہ صرف حق اور عدل کا دامن پکڑو"..... (طبری ص۱۴۱ ج۵)

اسی خط میں حضرت عثمانؓ نے بلوائیوں کے مطالبہ کے سلسلے میں کہ حضرت معاویہؓ وغیرہ کو ان کے عہدوں سے ہٹا دو امہات المومنین سے مشورہ کرنے کے بارے میں لکھا تھا۔ وجئت نسوة النبی صلعم حتی کلمتهن فقلت ما تامرننی (میں ازواج نبی صلعم کے پاس گیا اور سوال کیا کہ مجھے اس بارے میں کیا حکم دیتی ہیں، انہوں نے کہا کہ معاویہؓ اور ابو موسیٰ اشعری کو اپنی جگہ رہنے دو ان کو تم سے پہلے خلیفہ نے حاکم بنایا تھا پھر ان سے ان کی حکومت کے لوگ خوش ہیں اور عمرو بن العاصؓ کو حاکم بنا) یہ مشورہ درحقیقت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کا تھا اور اس سے ثابت ہے کہ اکابر صحابہ کے نزدیک ان کے مشورہ کی کس درجہ وقعت تھی حضرت عثمانؓ کا یہ خط بعض تاریخی واقعات کے انکشاف کے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

تحریر مختلف اکناف و اطراف عالم اسلامی سے آئے ہوئے حاجیوں کو سنانے اور حضرت عثمانؓ کے نائب کی حیثیت سے امیر حج کے فرائض ادا کرنے کے لئے مکہ معظمہ جا رہے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے ان سے کہا: اے ابن عباس اللہ نے تم کو بڑی شیریں زبان عطا کی ہے عثمان کو بلوائیوں کے چنگل سے نکالو[1] مگر ابن عباسؓ تو بلوائیوں سے مایوس ہو کر ان پر جہاد کرنا حج پر مقدم سمجھتے تھے اور تلوار حمائل کئے امیر المومنین کے گھر پر موجود تھے۔ حضرت عثمانؓ نے جب ان سے مکہ جانے کو کہا عرض کیا یا امیر المومنین الجهاد هولاء احب الی من الحج (طبری ص۱۳۷ ج۵) اے امیر المومنین! ان لوگوں سے جہاد کرنا مجھے حج ادا کرنے سے زیادہ مرغوب ہے۔ مگر امیر المومنین کے حکم کی تعمیل لازم جان کر مکہ روانہ ہو گئے، لوگوں کو حج کرایا، حاجیوں کو امیر المومنین کا خط سنایا، واپسی میں جلدی کی مگر دو دن پہلے ہی امیر المومنین کو ظلم و شقاوت سے شہید کر دیا گیا تھا۔[1]

---

[1] حضرت مغیرہ بن الاخنس بن شریق صحابی رسول اللہ حج سے واپس ہو کر حضرت ابن عباسؓ سے دو دن پہلے اس وقت مدینہ پہنچ گئے تھے جب بلوائی کاشانۂ خلافت پر ہجوم کئے ہوئے تھے حضرت مغیرہؓ سیدھے وہیں پہنچے اور بلوائیوں پر جہاد کر کے شہید ہوئے۔

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) سلسلہ میں بڑی اہم اور قیمتی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ قتل عثمانؓ کے منصوبہ میں حضرت معاویہؓ وغیرہ کی معزولی بھی بطور پیش بندی شامل تھی تاکہ ان کے ہاتھ سے وہ قوت چھین لی جائے جس سے وہ سبائیوں سے قصاص لے سکیں گے۔ اس موقع پر یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہئے کہ حضرت عثمانؓ نے ایسے نازک وقت میں بنی ہاشم میں سے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو جو حضرت علیؓ کے چچا زاد بھائی تھے اپنا نمائندہ اور نائب بنا کر مکہ معظمہ بھیجا تھا۔ یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ ہاشمیوں اور امویوں میں نہ خاندانی رقابت تھی اور نہ کوئی نسلی عداوت و تنازعہ۔ حضرت عثمانؓ کے اموی عامل مکہ خالد بن العاص کو بھی صحیح اندازہ تھا کہ بلوائیوں کی ایک جماعت کا مقصود انقلابی تحریک سے کیا تھا۔ ابن عباسؓ سے عامل مذکور نے کہا تھا فحج انت بالناس فانت ابن عم الرجل وهذا الامر لا يفضى الا اليه يعنى عليا وانت احق ان تحمل له ذلك (طبری ص۱۴۲ ج۵) یعنی آپ لوگوں کو حج کرائیں کیونکہ آپ ان صاحب کے چچیرے بھائی ہیں جن کو یہ خلافت پہنچنے والی ہے یعنی علیؓ کو اس لئے آپ ہی زیادہ مستحق ہیں کہ یہ کام ان کے لئے انجام دیں حضرت معاویہؓ کی برخاستگی کا مشورہ الاشتری کا تھا جس کی انہوں نے گوشمالی کی تھی۔

ابن عباسؓ جس وقت شہر میں داخل ہوئے دیکھا کہ بلوائی حضرت علیؓ سے بیعت لینے پر اصرار کر رہے ہیں، ابن عباسؓ کو آتا دیکھ کر وہ بلوائیوں سے پیچھا چھڑا کر ان کے پاس آئے اور مشورہ کرنے لگے، ابن عباسؓ نے اس حالت میں بیعت لینے سے منع کیا اور کہا جو کوئی بھی اس طرح اپنی بیعت لیگا خون عثمان کا الزام اس پر لگ جائے گا۔ (طبری ص۱۴۰ ج۵) شاید اسی وجہ سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، طلحہؓ و زبیرؓ و عبد اللہ بن عمرؓ جیسے عظمائے ملت نے انکار کر دیا تھا اور ان ہاتھوں سے جو خون عثمانؓ سے رنگین تھے خلافت قبول کرنے کے روادار نہ ہوئے تھے۔ حضرت علیؓ نے نیک نیتی سے شاید یہ سمجھا کہ وہ حالات پر قابو حاصل کر لیں گے اس لئے قدرے تذبذب کے بعد بیعت لے لی۔ فامتنع قليلا ثم اجاب ذلك (محاضرات تاریخ الخضری ص۱۱) مورخین کا بیان ہے کہ سبائی لیڈر الاشتر نے سب سے پہلے بیعت کی تھی:-

واخذ الاشتر بيده فبايعه وبايعه الناس واهل الكوفة يقولون اول من بايعه الاشتر النخعی۔	ان کا (علیؓ) کا ہاتھ الاشتر نے تھام لیا اور بیعت کر لی پھر اور لوگوں کی۔ کوفہ والوں کا قول ہے کہ الاشتر نخعی نے سب سے پہلے بیعت کی تھی۔

(البدایہ ص۲۲۶ ج۷ و طبری ص۱۵۶ ج۵)

علامہ ابن کثیرؒ و ابن جریر طبری نے کہا ہے کہ حضرت علیؓ کی یہ بیعت خلافت ۲۴ یا ۲۵ ذی الحجہ کو ہوئی تھی یعنی قتل عثمانؓ سے ایک ہفتہ اور حج سے دو ہفتے بعد۔ بعض روایتوں میں جو بیان ہوا ہے کہ قتل عثمانؓ کے دوسرے دن ۱۹ ذی الحجہ کو ابن عباسؓ کی واپسی سے چند روز پہلے ہی بیعت ہو چکی تھی صحیح نہیں[1]، حالات معمول پر ہوتے تو ایسا ہی ہوتا کیونکہ صحابہ ایک دن بھی ایسا گزارنا پسند نہ کرتے تھے کہ جماعت میں منسلک نہ ہوں مگر اس

---

[1] عبد اللہ بن سبا کا خاص چیلہ غافقی بن حرب العکی جو مصری پارٹی کا لیڈر تھا قتل عثمانؓ کے بعد پانچ دن تک امیر مدینہ رہا (طبری ص۱۵۵ ج۵) یہی حضرت عثمانؓ کی محصوری کے ابتدائی ایام میں مسجد نبویؐ میں نماز پڑھاتا تھا۔ جمعہ اور عید کی نماز البتہ حضرت علیؓ نے پڑھائی تھی۔
(طبری ص۱۴۹ ج۵)

وقت مدینہ کی فضا ابتر ہو چکی تھی۔ شہر میں بلوائیوں کا بول بالا تھا اور خود ان میں بھی تین جماعتیں تھیں، ایک کسی کو خلیفہ بنانا چاہتی دوسری کسی کو اور تیسری ان دونوں کے علاوہ اور کسی کو۔ اکابر صحابہ نے جب بلوائیوں کو منہ نہ لگایا تو چند روز کے بعد یہ تینوں جماعتیں یعنی کوفی و بصری و مصری حضرت علیؓ کی بیعت خلافت پر متفق ہو گئیں قاتلین عثمانؓ انتخاب خلیفہ میں پیش پیش نہ ہوتے حضرت علیؓ کی بیعت سے کسی کو کوئی وجہ انکار نہ ہو سکتی تھی سیاسیات ملیہ میں ان سبائی بلوائیوں کی دراندازیوں کو صحابہ برداشت نہ کر سکے، ان کو یہ اندیشہ ہوا کہ ان کے اثر سے جس کسی کی بھی بیعت ہوگی وہ ان سے کنارہ کش نہ ہو سکے گا یہ وجہ تھی کہ اکابر صحابہ کی غالب اکثریت نے جو ارباب حل و عقد تھے حضرت علیؓ کی بیعت سے تخلف کیا، اس لئے نہ بیعت مکمل ہو سکی اور نہ خلافت منظم۔ سبائی لیڈر الاشتر تو بزور شمشیر بیعت لینے پر تلا ہوا تھا۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سے یہ جبر بیعت لی گئی، خود حضرت علیؓ کو اقرار کرنا پڑا کہ اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کے لئے یہ جبر بیعت لی گئی تھی۔ (محاضرات تاریخ الخضری ص۱۲۷)

حضرت اسامہؓ حِبّ رسول اللہ نے کعب بن سور قاضی بصرہ سے جو تحقیق حال کے لئے مدینہ آئے تھے صاف کہہ دیا تھا کہ طلحہؓ و زبیرؓ نے برغبت و رضا ہرگز بیعت نہیں کی۔ آنحضرت صلعم کے ماموں اور فاتح ایران حضرت سعد بن ابی وقاصؓ پر بھی بیعت کے لئے زور ڈالا گیا انہوں نے کہا کہ جب اور لوگ بیعت کر لیں گے میں بھی کر لوں گا میری طرف سے کوئی مخالفانہ طرز عمل نہ ہو گا انہیں چھوڑ دیا گیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بھی الاشتر پکڑ لایا تھا انہوں نے بھی یہی عذر کیا تھا۔ الاشتر بولا کہ ضامن لاؤ ورنہ تلوار سے سر اڑا دوں گا حضرت علیؓ نے کہا میں ان کا ضامن ہوں، انہیں جانے دو مگر اس وقت کی فضا سے وہ اس درجہ بد دل ہوئے کہ وطن چھوڑ کر مدینہ جانے لگے تو انہیں گرفتار کرنے کا حکم صادر ہوا ان کی مادر ام کلثوم بنت علیؓ دوڑی ہوئی آئیں اور اپنے والد سے کہا کہ ابن عمرؓ آپ کی مخالفت میں نہیں جا رہے تب ان کا پیچھا چھوٹا، پھر ان کے بھائی عبیداللہ کی گرفتاری کا حکم دیا گیا انہوں نے ہرمزان ایرانی کو اپنے گرامی قدر والد کے قتل کی سازش کے سلسلہ میں قتل کر دیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے زمام خلافت ہاتھ میں لیتے ہی اس قضیہ کو طے کر دیا تھا، بارہ برس کے دفن شدہ قضیہ کو از سر نو زندہ کیا گیا اور عبیداللہ کو ہرمزان کے قصاص میں قتل کیا جانے لگا۔

وہ جان بچانے کے لئے بھاگ کر دمشق پہنچ گئے۔ اسی کے ساتھ عمال حکومت کے رد و بدل خاص کر حضرت امیر معاویہؓ کی معزولی کی کارروائی میں غیر معمولی عجلت برتی گئی۔ مورخ الخضری نے لکھا ہے کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس معاملہ میں تو ایسی جلد بازی بہ سرعت غریبہ سے کام لیا گیا اور قصاص خون عثمانؓ کو موخر کر دیا گیا[1]۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت علیؓ سے اس بارے میں گفتگو کی، معاملہ کا ہر پہلو ان کے سامنے

---

[1] یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت معاویہؓ کو صوبہ شام کی گورنری سے جہاں وہ بیس برس سے بڑی حسن کارگزاری سے خدمات انجام دے رہے تھے برطرف کرانے میں مالک الاشتر نخعی کا ہاتھ تھا کیونکہ وہ اس گوشمالی کو کبھی فراموش نہ کر سکتا تھا جو دو برس پہلے ۳۳ھ میں حضرت معاویہؓ نے اس کی اور اس کے ساتھیوں کی جو بار النخع تھے اس وقت کی تھی جب حضرت عثمانؓ کے حکم سے یہ لوگ فتنہ کھڑا کرنے کے جرم میں تادیب کے لئے کوفہ سے شام بھیج دئے گئے تھے بعد میں الاشتر تائب ہو کر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا ذاتی عثمان بالتوبة والندم والنزوع (طبری ص۸۳ ج۵) اب جب حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش میں اس نے نمایاں حصہ لیا تھا اس کو امیر معاویہؓ سے خوف تھا جن کی قوت کا اندازہ وہ شام میں رہ کر بخوبی کر چکا تھا اور اس کو یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ ابھی چند ماہ پیشتر جب دیگر عمال خلافت کی طرح وہ بھی حضرت عثمانؓ کی طلبی پر مدینہ آئے تھے اور حالات کا جائزہ لے کر خلیفہ مظلوم کی جان کی حفاظت کے لئے چند احتیاطی تدبیریں پیش کی تھیں جنہیں حضرت عثمانؓ یہ کہہ کر منظور نہ کیا تھا کہ جوار رسولؐ کے رہنے والوں پر فوجی دستہ رکھنے کا بار نہیں ڈال سکتا اور نہ کسی کلمہ گو کا بلد حرام میں خون بہانے کا روادار ہوں حضرت امیر معاویہؓ مایوس ہو کر خاموش ہو گئے تھے، لیکن جب دمشق واپس جانے کے لئے روانہ ہوئے راستہ میں حضرت علیؓ و زبیرؓ کو بیٹھے دیکھ کر ان کے سامنے اپنی کمان پر ٹیک لگا کر ایک موثر اور بلیغ تقریر کی جسے سن کر حضرت زبیرؓ نے کہا تھا کہ اس دن سے معاویہ کی وقعت میری نظروں میں بہت بڑھ گئی اس تقریر میں یہ بھی کہا تھا جسے مورخین نے نقل کیا ہے کہ دیکھو بھائی میں واپس جا رہا ہوں اور آپ لوگوں کے درمیان ان بڑے میاں (عثمانؓ) کو چھوڑے جاتا ہوں اور آپ لوگوں کو وصیت کئے جاتا ہوں کہ ان کی جان کی حفاظت کریں کہ ان کا بال بیکا نہ ہو اور ان کو دشمنوں کے ہاتھ میں نہ پڑنے دیں (البدایہ ج وطبری ج۵) الاشتر جانتا کہ اگر کسی اور نے قصاص نہ لیا تو معاویہؓ ضرور لیں گے لہذا ان کے ہاتھ سے وہ قوت ان کی معزولی کے ذریعہ نکال لی جائے جس کی بدولت وہ قصاص لینے میں کامیاب ہو سکیں یعنی شام کی امارت و گورنری سے برطرف کر دئے جائیں۔ ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ نے تو حضرت اسامہ بن زیدؓ کی سند سے لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ وغیرہ سے کہہ دیا تھا کہ اگر عثمانؓ کی غیر طبعی موت واقع ہو گئی تو

رکھا اور نتائج سے خبردار کیا مگر وہ اپنی رائے پر جمے رہے۔ وقد حذرک عاقبۃ ذلک المغیرۃ بن شعبۃ اولاً و ابن عباس ثانیاً فابی ذلک اباءً تاماً (الخضری صفحہ ۱۲۱) ان واقعات اور حالات سے اکابر صحابہ کا یہ شبہ کہ قصاص خون عثمانؓ کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا اور قوی ہو گیا۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ دو ڈھائی مہینے تک انتظار کرتے رہے کہ حضرت علیؓ اپنا وعدہ قصاص کے بارے میں پورا کریں بالآخر مایوس ہو کر مدینہ سے چلے گئے۔ خود حضرت علیؓ کے برادر بزرگ حضرت عقیلؓ بھی جو خلیفہ مظلوم کے احباب خاص میں سے تھے سبائی پارٹی اور قاتلین عثمانؓ کو اپنے بھائی کی سیاست میں دخیل دیکھ کر اور یہ سمجھ کر کہ اب قصاص کا کوئی امکان باقی نہیں رہا۔ بالآخر طلب قصاص میں حضرت معاویہؓ کے پاس دمشق چلے گئے ادھر حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ سے جنگ آزمائی کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں ان کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ نے منع کیا اور اپنے والد سے عرض کیا:۔

اے میرے اباجان! آپ اس (قصد جنگ) کو چھوڑ دیجئے کیونکہ (اس سے سوائے اس کے کوئی نتیجہ نہ ہوگا) کہ مسلمانوں میں خونریزی ہو اور آپس میں اختلاف پیدا ہو۔	یا ابتی دع ھذا فان فیہ سفک دماء المسلمین ووقوع الاختلاف بینھم۔ (البدایہ صفحہ ۲۲۹ ج ۷)

اُم المومنین کا اقدام

حضرت عثمانؓ کے مظلومانہ قتل اور اس کے بعد کے حوادث و حالات سے کہ قاتلین باوجود ہولناک جرم کے مرتکب ہونے کے کھلے بندوں مدینہ میں گھومتے پھرتے ہیں۔ حضرت علیؓ کے مشیر[۱] اور ہمدرد بنے ہوئے ہیں اور خود حضرت علیؓ کا بھی یہ حیرت انگیز رویہ ہے کہ قصاص عثمانؓ لینے سے زیادہ وہ ہرمزان ایرانی

---

[۱] ان قاتلین میں سے خصوصاً کنانہ بن بشر التجیبی مصری کو جس نے حضرت عثمانؓ کو برچھی ماری تھی اور آپ کے خون کی چھینٹیں قرآن شریف پر جس کی تلاوت کر رہے تھے پڑی تھیں حضرت علیؓ نے مصر میں محمد بن ابی بکر کے مشیر کی حیثیت سے بھیجا تھا حالانکہ اسی زمانہ میں سب کی زبان پر تھا کہ یہی قاتل ہے یہ شعر اس وقت مشہور تھا۔ الا ان خیر الخلق بعد ثلاثۃ ؛ قتیل التجیبی الذی جاء من مصر اس کے علاوہ مالک الاشتر کو جو بلوائیوں کا سرغنہ تھا اپنا مشیر خاص بنایا اور مصر کی گورنری عطا کی تھی۔

کے قتل کا قصاص لینے کے درپے ہیں جسے بارہ برس پہلے خلیفہ وقت و حاکم مجاز فیصل کر چکے تھے اور حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے عبید اللہ کو قصاص میں قتل کرنے اور بڑے بڑے کارگزار گورنروں کو معزول و برطرف کئے جانے کو اہمیت دے رہے ہیں، اس سے تمام ممالک اسلامیہ میں ایک آگ سی لگ گئی اور ہر طرف سے انتقام انتقام کا نعرہ بلند ہونے لگا۔ اب سب کی نظریں مرکز اسلام مکہ معظمہ کی طرف اٹھنے لگیں، جہاں مادر مومنین حضرت عائشہ صلوٰۃ اللہ علیہا اور دیگر ازواج مطہرات موجود تھیں۔ صحابہ اور دوسرے ذمہ دار حضرات جوق در جوق مکہ آنے لگے۔ خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان ذی النورینؓ کے اہل خاندان میں سے سوائے حضرت علیؓ کے ربیب محمد بن ابی بکرؓ کے جو قاتلین کے سرغنہ تھے کسی نے حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی تھی، ان میں سے متعدد حضرات مکہ جا پہنچے خصوصاً حضرت مروانؓ بن الحکم اور دوسرے اموی طالبان قصاص نیز حضرت طلحہؓ و زبیرؓ، مکہ کے عامل عثمانی تو موقع پر موجود ہی تھے، یمن سے حضرت یعلیٰ[۱] بن امیہؓ عامل یمن، بصرے سے حضرت عبد اللہ بن عامرؓ عامل بصرہ، کوفہ سے حضرت طلیحہ بن عدیؓ اور اسی طرح متعدد صحابہ و تابعین مکہ پہنچ گئے تھے۔

---

[۱] حضرت یعلیٰ بن امیہؓ رسول اللہ صلعم کے صحابی تھے، طائف و حنین و تبوک کے غزوات میں شریک رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے حلوان پر اور حضرت عمرؓ نے نجران پر عامل مقرر کیا تھا حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں صنعا (یمن) کے عامل تھے، یہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تحریرات میں تاریخ ڈالنے کی ابتدا کی۔ وکتب الی کتاباً مورخاً فاستحسن عمر ذلک فشرع التاریخ (الاعلام زرکلی صفحہ ۲۶۹) یعنی انہوں نے حضرت عمرؓ کو جو مکتوب ارسال کیا اس میں تاریخ درج کی تھی، حضرت عمرؓ نے اس کو پسند کیا اور تاریخ ڈالنا شروع کیا۔ بڑے مالدار اور سخی تھے، حضرت علیؓ نے بھی ان کو "اعطی الناس" کہا تھا، یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ عطا و بخشش کرنے والے۔ یمن سے چلتے وقت تمام مال و متاع ساتھ لائے اور طالبین قصاص کے لئے گھوڑوں و اسلحہ کا انتظام اپنے پاس سے کیا اور ہر سوار کو تیس تیس دینار عطا کئے۔ انہوں نے یمن کا ایک بہترین اونٹ دو سو دینار میں خرید کیا تھا جس کا نام عسکر تھا وہی اونٹ ام المومنین کی سواری کے لئے پیش کیا تھا۔

(معارف ابن قتیبہ صفحہ ۱۲۰ و العواصم صفحہ ۱۴۸)

فاجتمع فیہا خلق من سادات الصحابۃ وامہات المومنین۔ (البدایہ ص۲۳۰ ج۷)	اور وہاں (مکہ میں) بہت سے صحابہ اور امہات المومنین کا اجتماع ہوا۔

اس اجتماع میں قتل عثمانؓ اور مسئلہ قصاص زیر بحث آئے حضرت عائشہؓ کے اس سوال پر کہ قصاص کس سے طلب کرنا ہے کہا گیا:۔

انہم معرفون وانہم بطانۃ علی ورؤساء اصحابہ۔ (اخبار الطوال ص۱۵۳)	وہ لوگ تو جانے پہچانے ہیں وہ علیؓ کے رازدار اور ان کے رفقاء کے سردار ہیں۔

یہ لوگ اس وقت کچھ مدینہ میں تھے، کچھ بصرہ، کوفہ اور مصر میں، ان سے قصاص لئے جانے کے سلسلے میں صحابہ و تابعین و عمال عثمانی کی اس کانفرنس میں مختلف تجاویز پیش ہوئیں ایک یہ کہ مکہ سے مدینہ جاکر علیؓ سے قصاص کا مطالبہ کیا جائے دوسرے یہ کہ معاویہؓ سے مدد لی جائے حضرت عائشہؓ نے دونوں تجویزوں کو مسترد کر دیا کیونکہ مقصد اصلی خلافت علیؓ کی مخالفت سے نہ تھا بلکہ اصلاح بین الناس اور نظام سیاسی کی حرمت کے تحفظ اور مجرموں سے قصاص لینے سے تھا، حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں محدث المہلب کے یہ قول "اخبار البصرہ" مولفہ عمر بن شبہ سے نقل کیا ہے:۔

ان احداً لم ینقل ان عائشۃ ومن معہا نازعوا علیاً فی الخلافۃ ولا دعوا احد منہم لیولوہ الخلافۃ (ج۱۳ ص۴۶)	کسی ایک محدث و مصنف نے بھی یہ روایت نقل نہیں کی کہ (حضرت) عائشہؓ نے اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے انہوں نے خلافت کے معاملہ میں (حضرت) علیؓ سے تنازعہ کیا اور نہ انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ہم میں سے کسی کو (مثلاً طلحہؓ و زبیرؓ کو) خلافت پر قایم کیا جائے۔

ام المومنین کے اس اقدام میں حضرت علیؓ کی مخالفت کا کوئی جذبہ اگر کار فرما ہوتا تو بجائے بصرہ جانے کے مدینہ جاتیں، معاویہؓ سے مدد طلب کرتیں، شامی فوجیں شمال سے چلتیں اور طالبین قصاص کا یہ تین ہزار سواروں کا لشکر جنوب سے مالک الاشتر اور اس کے ساتھی تاب مقاومت نہ لا سکتے۔ حضرت علیؓ کی خلافت گو شرعاً قایم ہو چکی تھی، مگر جس طرح اور جس نوعیت کی ہوئی تھی اس کا ذکر گزر چکا۔ خود ایک شیعہ مورخ فرماتے ہیں کہ:۔

"جن لوگوں نے علی مرتضیٰ کا تعلق اور رسول خدا سے ان کی خصوصیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا..... انہوں نے علیؑ سے بیعت تک نہ کی تھی درانحالیکہ یزید اور عبد الملک جیسوں (؟) کی بیعت کو بخوشی گوارا کر لیا[1]۔ ان بزرگواروں میں (۱) سعد بن ابی وقاص (۲) عبداللہ بن عمر (۳) عبداللہ بن سلام (۴) صہیب بن سنان (۵) اسامہ بن زید (۶) قدامہ بن مظعون (۷) مغیرہ بن شعبہ (مہاجرین) اور:۔

(۱) حسان بن ثابت (۲) کعب بن مالک (۳) مسلمہ بن مخلد (۴) محمد بن مسلمہ

---

[1] شیعہ مورخ نے اکابر و مشاہیر اسلام کی جو فہرست درج کی ہے چند نام ترک کر دئے ہیں خصوصاً حضرت علیؓ کے سگے بڑے بھائی حضرت عقیلؓ کا شاید اس لئے کہ وہ اپنی بھائی کی سیاست سے دل برداشتہ ہو کر حضرت معاویہؓ کے پاس چلے گئے تھے، ان سترہ مشاہیر اسلام کے ساتھ ان کے خاندان و قبیلہ کے سیکڑوں قریشی و انصاری تھے اور یہی ارباب حل و عقد تھے۔ اہل مدینہ کی غالب کثریت کا بیعت سے تخلف کرنا حضرت علیؓ کی ذات سے کسی مخالفت کی بنا پر نہ تھا بلکہ جیسا عرض کیا گیا سبائی پارٹی کی دخل اندازی کی وجہ سے تھا حضرت علیؓ کا مدینہ چھوڑ کر کوفہ میں سکونت اختیار کرنا بھی اہل مدینہ سے دل برداشتہ ہونے کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اپنی سیاسی مصلحتوں کی بنا پر تھا اور جیتے جی مدینہ میں قدم نہ رکھنا بھی اہالیان مدینہ سے دل برداشتہ ہونے کی بنا پر نہ تھا، شاید ان کے ضمیر نے اجازت نہ دی کہ جیسے تین اندوہناک حالات ان کی سیاسی لغزشوں کے نتیجہ میں پیش آچکے تھے، یعنی خلیفہ وقت کے قتل کو جس کی بیعت میں وہ داخل تھے نہ روکنا۔

(۲) قتل کے بعد ان کے خون کا قصاص نہ لینا اور (۳) سب سے بڑھ کر اپنی ماں ام المومنین سے جو قاتلین سے قصاص لینے گئیں تھیں برسر پیکار ہونا اور ان سبائیوں کی سازش سے جو ان کی فوج میں شامل ہو کر گئے تھے اور ان کی اہانت کے موجب اور اذیت جسمانی پہنچ جانے کے باعث ہوئے تھے ان کو بدستور اپنا مشیر بنائے رکھنا ان حالات میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہ کے سامنے کیسے حاضر ہو سکتے تھے، خصوصاً آپ کی محبوب ترین رفیقہ حیات کے ساتھ اس طرز عمل کے بعد!

(۵) نعمان بن بشیر (۶) زید بن ثابت (۷) رافع بن خدیج (۸) فضالہ بن عبید (۹) کعب بن عجزہ (۱۰) سلمہ بن سلامہ (انصار) جیسے اکابر اور مشاہیر اسلام شامل ہیں۔ انہوں نے جناب امیر سے بیعت تک نہ کی امداد دینا تو درکنار یہاں تک کہ آپ نے دل برداشتہ ہو کر مدینہ سے ہجرت اختیار کی۔ کوفہ کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا اور پھر جیتے جی قدم نہ رکھا۔" (مجاہد اعظم ص۱۴۹)

مادرِ ملت کا مرتبہ امان کی پوزیشن ہر فرد ملت سے خواہ وہ زمام حکمرانی اپنے ہاتھ میں رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو بفرمان خداوندی کہ وازواجہ امھتھم (ان کی (رسول) کی بیبیاں تمہاری (مسلمانوں کی) مائیں ہیں) بلند و بالا ہے۔ حضرت عثمانؓ درجہ و فضیلت میں حضرت علیؓ سے بلند و برتر تھے رسول اللہ صلعم کے چہیتے اور دہرے داماد "ذی النورین" تھے جب وہ ام المومنین کے حضور میں پہنچ کر جیسا کہ ان کے آخری خط کے اقتباس میں ظاہر کیا گیا ہے عرض کرتے ہیں کہ اب مجھے آپ کیا حکم دیتی ہیں۔ اور مادر مومنین کی ہدایات پر عمل پیرا ہوتے تو کیا اپنے پیش رو خلیفہ کی مثال کے پیش نظر حضرت علیؓ کو جن کی خلافت بھی مستحکم نہیں ہوئی تھی۔ امت کی بھاری اکثریت نے بیعت نہیں کی تھی، یہ مناسب نہ تھا کہ ان مخدومہ جہان ام المومنین کے سامنے اپنی مشکلات پیش کرتے، ان کے مشورہ اور ہمدردانہ موافقت کے جویا ہوتے خصوصاً ایسی حالت میں کہ ان کے سوتیلے بھائی محمد[1] بن ابی بکرؓ جو حضرت علیؓ کے بھی سوتیلے بیٹے و ربیب تھے

---

[1] ان محمد کی والدہ اسماء بنت عمیسؓ پہلے حضرت علیؓ کے بڑے بھائی حضرت جعفرؓ کی زوجیت میں تھیں ان کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر الصدیقؓ نے ان سے نکاح کر لیا تھا اور حجۃ الوداع کی واپسی میں یہ محمد اثنائے راہ میں پیدا ہوئے تھے حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کے بعد یہ اسماء حضرت علیؓ کے عقد میں آئیں اور اس طرح یہ محمد ڈھائی برس کی عمر کے اپنی ماں کے ساتھ آئے اور حضرت علیؓ کی پرورش میں پلے بڑھے ان کو ان سے بہت محبت تھی، فرمایا کرتے تھے کہ محمد صلب سے تو ابوبکر کے ہے بیٹا میرا ہے۔ کوفی و بصری و مصری بلوائیوں نے پہلی مرتبہ جو شکایات اور مطالبات حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش کئے تھے ان میں مصر کے والی کو معزول کر کے ان محمد کو والی مصر مقرر کرنے کا مطالبہ بھی تھا جو منظور ہوا اور محمد کہ اس وقت چوبیس پچیس برس کی عمر کے تھے اپنے عہدہ کا چارج لینے مصر کو چلے۔ سبائی جعل سازوں نے امیر المومنین کی جانب سے ایک جعلی خط اس مضمون کا بنا کر ایک ہرکارے کے ہاتھ معزول والی مصر کے نام

بلوائیوں کے سرغنہ اور خلیفہ مظلوم شہید کے قاتلوں میں شامل تھے مگر حضرت علیؓ نے یہ نادر موقع اپنی افتاد طبعیت سے ضائع کر دیا۔ قصاص عثمانؓ کے لئے یہ عذر پیش کرتے رہے کہ ابھی تو بلوائیوں کو غلبہ اور قوت ہے ذرا حالت سنبھل جائے تو اس کی بھی نوبت آئے گی مگر یہ نوبت قصاص عثمانؓ کی ــــ پھر کبھی نہ آئی[1]

---

[1] حالت بدقسمتی سے یہ پیش آگئی کہ قاتلین کے سرگروہ الاشتر و کنانہ بن بشر تجیبی وغیرہ حضرت علیؓ کے گرد و پیش رہنے لگے اور ان کے مشیر و مددگار بن گئے۔ لوگوں کو شبہ کرنے کا موقع مل گیا۔ اسی سے ان کے (باقی اگلے صفحہ پر)

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) بھجوایا کہ جیسے ہی محمد تم سے چارج لینے کو پہنچیں انہیں قتل کرا دینا پھر اس خط کو راستہ ہی میں مع اونٹ اور ہرکارے کے پکڑوا دیا۔ اس کارروائی سے محمد کو بھی اشتعال دلانا تھا اور حضرت مروانؓ کو جو امیر المومنین کے سیکرٹری تھے مہر خلافت ان کے پاس رہتی تھی اس طرح مجرم ٹھیرانا اور خود امیر المومنین کو نااہل بنا کر معزول کرانے کا جواز پیدا کرنا تھا۔ اس جعل سازی کو سب سے پہلے حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ نے بھانپ لیا کیونکہ کوفی و بصری و مصری بلوائیوں کی تینوں پارٹیاں جب مخالف سمتوں کو کئی کئی منزل چلی گئیں تھیں پھر یکایک ایک ساتھ محمد کے ساتھ واپس آگئیں جس سے ثابت ہوا کہ یہ سب ملی بھگت تھی۔

غرض کہ حضرت علیؓ کے محبوب سوتیلے بیٹے کو یوں مشتعل کرنے کے بعد کہ قتل ہونے سے پہلے ہی وہ اپنے خون کا قصاص لینے پر تل گئے تھے، بلوائیوں کی اب رٹ یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ خلافت سے دست بردار ہو جائیں ورنہ ہم قتل کر دیں گے اسی کا اشارہ حضرت عثمانؓ کے آخری خط کے فقرات میں ہے جو پہلے درج ہو چکے ہیں۔ معتبر مورخین کا بیان ہے کہ یہی محمد مع اپنے چند ساتھیوں کے موقع پا کر پیچھے سے مکان میں داخل ہو گئے اور اسی محمد نے سب سے پہلے حضرت عثمانؓ کی پیشانی پر برچھی ماری۔ کنانہ بن بشر تجیبی مصری اور دوسرے خبیثوں نے تلاوت قرآن کرنے کی حالت میں انہیں ذبح کر دیا۔

(طبقات ابن سعد ص۵۱ ج۳)

اس فعل شنیعہ کے ارتکاب کے بعد سے حضرت حسنؓ ان محمد کا نام نہیں لیتے تھے یا فاسق کہہ کر کلام کرتے تھے (ص۵۸ ایضاً) یہ روایت کہ محمد نے حضرت عثمانؓ کی داڑھی پکڑی انہوں نے اس پر ان کے والد کا نام لیا جسے سن کر وہ شرما گئے اور چلے گئے محض اختراعی ہے۔

دوسری طرف اکثر صحابہ امہات المومنین، حرمین شریفین کے اکثر باشندے، کُل اہلِ شام اور امت کا سوادِ اعظم قصاص عثمانؓ کے مسئلہ پر متحد و متفق تھا اور اس امر کا شدت سے احساس عام طور سے صحابہ کو تھا کہ خلیفہ برحق کو یوں ظلماً قتل کر کے قاتلین کا اپنے اثر سے دوسرے کو اس کی جگہ

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) بڑے صاحبزادے حسنؓ ان لوگوں سے دور رہنے کا بار بار مشورہ دیتے ان کے چچیرے بھائی حضرت ابن عباسؓ نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ اس حالت میں اپنی بیعت لیں گے۔ لوگ خون عثمانؓ کا الزام لگا دیں گے کہ قیامت تک نہ مٹے گا۔ ان انت قمت بھذا الامر الآن الزمک الناس دم عثمان الی یوم القیامۃ (تاریخ الاسلام ذہبی ص۱۳۱ ج۳) اب وہ بار بار قسمیں کھاتے قاتلین پر لعنت کرتے تو اپنی برأت کا اظہار کرتے۔ جمل کے موقع پر جب حضرت طلحہؓ نے ان سے کہا تھا کہ تم نے لوگوں کو عثمانؓ کے خلاف اکسایا تھا فرمایا تھا: "اے طلحہ! تم مجھ سے خون عثمان کا مطالبہ کرتے ہو میں تو ان کے قاتلین پر لعنت بھیجتا ہوں۔ جمل کے بعد حضرت معاویہؓ سے مراسلت کا سلسلہ چھیڑا، ایک خط انہیں لکھا تھا کہ تم خون عثمانؓ سے برأت کا اظہار کرتے ہو، اگر اپنے قول کے سچے ہو تو قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دو کہ ہم ان سے قصاص لیں پھر ہم سے زیادہ تمہاری بیعت کرنے میں کوئی سبقت نہ کرے گا۔ اب یہ ان کے بس کی بات نہ رہی تھی۔ حضرت معاویہؓ کی طرف سے جب جلیل القدر صحابہ کا وفد ان کے پاس آیا جس میں یہ حضرات شامل تھے یعنی معن بن یزید بن الاخنسؓ بدری صحابی، حبیب بن مسلمہؓ القرشی جو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے فوجی دستہ لے کر مدینہ گئے تھے وادی القریٰ سے ان کے شہید ہو جانے کی خبر سن کر دمشق لوٹ گئے تھے نیز شرحبیل بن السمطؓ جو حضرت علیؓ کو قتل عثمانؓ میں شریک جانتے تھے (الاستیعاب ص۵۸۸ ج۲) وفد نے قاتلین کے حوالے کر دینے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ اس کے بعد آپ کی بیعت سے کسی کو انکار نہ ہوگا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ میری طاقت سے باہر ہے کیونکہ یہ لوگ بیس ہزار سے زیادہ ہیں (اخبار الطوال ص۱۸۲) پھر دوسرے دن مسجد میں ان لوگوں نے مجتمع ہو کر وفد کے سامنے صاف کہہ دیا تھا کہ ہم سب قاتلین ہیں۔ یہ واقعات تو اس زمانہ کے ہیں جب دونوں پارٹیوں میں سخت کشاکش تھی صفین سے لوٹتے وقت حضرت علیؓ نے جو فرمان اپنے علاقہ میں گشت کرایا تھا اس میں اس کا اظہار کر دیا تھا کہ اہل شام میں اور ہم میں خون عثمانؓ کے معاملہ میں مقابلہ ہوا اور ہم اس خون سے بری ہیں۔ زیادہ قرین صحت یہی ہے کہ وہ قتل کی سازش میں شریک نہ تھے البتہ انہوں نے اس قتل کے روکنے کی کوئی موثر کوشش نہیں کی اور یہ سخت فروگذاشت ہوئی بقول ایک مستشرق سر ولیم میور علیؓ کی شہرت پر جو اَن مٹ دھبہ ہے وہ یہی ہے کہ انہوں نے اس خلیفہ کے

بقیہ اگلے صفحہ پر

قایم کر دینا نظام خلافت کی بربادی اور خلافت نبوت کے ختم ہو جانے کے مرادف ہے۔ دور نزدیک کے سب صحابہ اس خیال کے تھے حضرت ثمامہ بن عدیؓ القرشی صحابی کو جو عہد عثمانی میں صنعاء (یمن) کے عامل تھے جب ان اندوہناک حالات کی اطلاع ملی مسجد میں خطبہ دینے کھڑے ہوئے، شدت غم سے رونے لگے اور دیر تک روتے رہے پھر کہا "آج امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خلافت نبوت کا خاتمہ ہو گیا اور اب ملوکیت اور جبری حکومت کا دور دورہ شروع ہوا (الاستیعاب ص۷۹ ج۱ وازالۃ الخفاء ص۲۵۱ ج۱) اس حالت میں صحابہ کرام و ام المومنین نے یہ دیکھ کر کہ حضرت علیؓ وقتی مصلحتوں کی بناء پر قصاص کو موخر کر رہے ہیں[1] اور اپنی بیعت کی تکمیل کو مقدم سمجھتے ہیں یہ طے کر لیا کہ نظام

[1] حضرت عثمانؓ کے بارے میں حضرت علیؓ کا یہ قول مختلف طریقوں سے منقول ہے کہ عثمانؓ نے ایسی کارستانیاں کیں جن کو لوگوں نے برا سمجھا انہیں قتل کر دیا۔ حضرت شرحبیلؓ کے اس سوال پر کہ عثمانؓ آپ کے نزدیک ظلماً قتل کئے گئے یا نہیں حضرت علیؓ کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ "نہ میں اس کا قائل ہوں کہ وہ ظلماً قتل ہوئے اور نہ اس کا قائل ہوں کہ قتل کے وقت وہ ظالم تھے (ابن خلدون ص۴۳۳ ج۲) ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ نے ایک خطبہ مشمولہ نہج البلاغۃ کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ علیؓ نے نہ ان کے قتل کا حکم دیا اور نہ اس سے منع کیا کیونکہ ان کے نزدیک وہ ان امور مباح میں سے تھا جن کے کرنے نہ کرنے کا حکم ہی نہیں دیا جا سکتا۔ فی حکم الامور المباحۃ التی لا یومر بھا ولا ینھی عنھا (شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید) لیکن دوسرے موقع پر ان کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ "نہ میں نے عثمانؓ کو قتل کرایا اور نہ ان کے قتل کو پسند کیا" ان متضاد اقوال سے جو مختلف کتب میں نقل ہوئے ہیں صحیح نتیجہ اخذ کرنا دشوار ہے۔ نہج البلاغۃ کے مولف نے جو ناشائستہ الفاظ حضرت عثمان ذی النورینؓ جیسے حلیم و کریم، فیاض و سخی خلیفۂ راشد کے بارے میں حضرت علیؓ سے منسوب کئے ہیں جنہیں ایک طبقہ بہت کچھ اچھالتا رہتا ہے وہ محض وضعی ہیں اور حضرت علیؓ کے اعلیٰ اخلاق کے قطعاً منافی سب و شتم کے فقرات کے علاوہ حضرت عثمانؓ کی شہادت اور اپنی خلافت کے بارے میں مولف مذکور نے ایک خطبہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

قتل کو روکنے میں کوئی موثر کوشش نہیں کی جن کی بیعت میں وہ داخل تھے اور اس لئے ان کا فرض تھا کہ نازک وقت میں ان کا ساتھ دیتے یہ عذر کہ وہ خود بلوائیوں سے دبے ہوئے تھے قابل پذیرائی نہیں اگر خلوص نیت سے کوشش کرتے تو ضرور اس کی تدبیر کی جا سکتی تھی۔ (ملخصاً)

خلافت کی حرمت کے تحفظ کے جذبہ صادقہ کے ساتھ قصاص لینے کا خود ہی اقدام کریں جو شرعاً واجب اور تقاضائے وقت کے اعتبار سے اہم اقدام تھا۔ حضرت علیؓ سے کچھ تعرض نہ کریں ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔

حضرت عثمانؓ رشتہ کے تعلق سے ام المومنین عائشہؓ کے داماد تھے، ان کی دو سوتیلی بیٹیوں سیدہ رقیہ وام کلثوم دختران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوہر تھے ان کو یہ حق بھی پہنچتا تھا کہ داماد کے مظلومیت کے ساتھ ناحق قتل کردیئے جانے کا قصاص لے سکیں وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا (جو کوئی مظلوم قتل کیا جائے اس کے ولی وارث کو قصاص کا ہم نے ضرور اختیار دیا ہے) پھر حضرت عائشہؓ کی ذہنی ونفسیاتی کیفیات بھی اس اقدام کے لئے مجبور کر رہی تھیں۔ ہر فرمانبردار اور محبت والی بیوی اپنے شوہر کی ایک ایک بات ایک ایک ادا کو نہاں خانۂ دل میں محفوظ رکھتی ہے۔ حضرت عائشہؓ کب اس واقعہ کو فراموش کر سکتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان محبوب صحابی اور چہیتے داماد حضرت عثمانؓ کو صلح حدیبیہ سے چند دن پہلے کفار قریش سے گفتگو کرنے مکہ بھیجا تھا، واپسی میں دیر ہوئی اور یہ غلط خبر مشہور ہوگئی کہ عثمانؓ قتل کردیئے گئے آنحضورؐ نے اپنے چودہ یا پندرہ سو صحابہ سے خون عثمانؓ کے انتقام وقصاص کے لئے بیعت لی تھی جو بیعت الرضوان اور بیعت الشجرہ کہلاتی ہے سورۂ فتح کی آیتیں اس پر نازل ہوئیں۔ ایک آیت پچھلے اوراق میں درج ہے۔ آپؐ نے اپنے ایک دست مبارک کو عثمانؓ

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) میں حضرت علیؓ کی زبان سے یہ الفاظ کہلواتے ہیں:۔

"قد طَلَعَ طَالِعٌ وَلَمَعَ لَامِعٌ (الی آخرہٖ) یعنی طلوع ہونے والا (آفتاب) طلوع ہوا (حق کی) چمکنے والی (بجلیاں) چمکیں۔ ظاہر ہونے والی (خلافت علیؓ) ظاہر ہوگئی، منحرف شدہ (دین) راست ہوگیا اور پروردگار عالم نے ایک قوم (عثمان و بنی امیہ) کو گروہ (حق پرست) کے ساتھ اور ایام (شقاوت) کو ایام (سعادت) کے ساتھ ایسی حالت میں تبدیل کر دیا کہ ان تغیرات کا اس طرح انتظار کر رہے تھے جیسے قحط سالی میں باران رحمت کا انتظار ہوتا ہے۔"

— (٭) —

کا ہاتھ قرار دیکر فرمایا تھا کہ یہ ہاتھ ہمارا ہے اور یہ عثمان کا پھر بیعت کی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یکدست مبارک خود را عوض دست حضرت عثمان بر داشتند که هذه یدی وهذه ید عثمان و این تشریف عظیم بود۔
(ازالۃ الخفا صلہ۲۲ ج ۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک دست مبارک کو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ کے بدلے اٹھایا اور فرمایا کہ یہ ہاتھ ہمارا ہے اور یہ عثمان کا۔ یہ واقعہ حضرت عثمانؓ کے بہت بڑے شرف کا موجب تھا۔

پھر اللہ تبارک تعالٰے نے قصاص عثمانؓ کی اس بیعت کو پسند فرمایا ذیل کی آیت نازل ہوئی:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا۔

جو لوگ (اے رسول) تم سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں۔ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پھر جو عہد کو توڑے تو عہد توڑنے کا نقصان اسی کو ہے اور جو اس بات کو جس کا اس نے خدا سے عہد کیا ہے پورا کرے تو وہ اس کو اجر عظیم دیگا۔

اسی علام الغیوب کو معلوم تھا کہ عثمانؓ اس موقع پر تو قتل ہونے سے بچ جائیں گے مگر ایک دوسرے موقع پر انتہائی مظلومیت سے اسی قرآن مجید کی تلاوت کرتے شہید کر دیئے جائیں گے جس میں یہ آیت سورہ فتح کی ہے اور یہ بیعت جو ان کے قصاص خون کی اب لیجا رہی ہے، درحقیقت اسی مظلومیت کی شہادت کا قصاص لینے کی ہے جس کے نتیجہ میں خلافت نبوت کا خاتمہ ہوکر اخوت واتحاد وایتلاف ملت کا شیرازہ بکھر گیا۔

حالت جب اس درجہ بگڑ چکی تھی کہ خلیفہ مظلوم شہید کی تدفین میں رکاوٹیں ڈالی گئی تھیں، نماز جنازہ کی شرکت سے گریز کیا گیا تھا مقتول امیر المومنین کی بیوہ کی چیخوں پر ان کے یتیم اولاد کی آہ وزاری پر کوئی کان بھی نہ دھرتا تھا۔ قصاص سے پہلوتہی کی جارہی تھی، قاتلین سیاست وقتی پر چھائے ہوئے تھے، نسلی وخاندانی عصبیت کا عفریت کروٹیں بدلنے لگا تھا ام المومنین اصلاح حال کے جذبات صادقہ کے ساتھ اور حمیت دینیہ کے تحت میدان میں آئیں

ان کے چشم تصور میں یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک رہا ہو گا جو قصاص عثمانؓ کی بیعت کے لئے اٹھا تھا اور آج بیس برس بعد وہ آپ کی بیعت قصاص پوری کرنے اور مجرموں کو سزا دینے کے لئے مکہ سے بائیس منزلوں کی دشوار گزار راہ طے کرتے ہوئے صحابہ و تابعین کی معیت میں بصرہ تشریف لے گئیں۔

ام المومنین اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کا یہ اقدام حالات اور واقعات کی رو سے بالکل صحیح اقدام تھا اور قاتلین و مجرمین سے انتقام لینے کی غرض سے تھا، حضرت علیؓ کی مخالفت کا کوئی شائبہ تک اس اقدام میں شامل نہ تھا کیونکہ ان کے جلو میں تین ہزار سواروں کے لشکر نے بصرہ کی جانب کوچ کیا تھا مدینہ کی جانب۔ حضرت علیؓ کا مادر مومنین کے مقابلہ میں آنا ہر اعتبار سے غلط تھا[1]

[1] حضرت علیؓ جب مدینہ سے چلنے لگے صحابہ نے سمجھایا کہ نہ جائیں مگر انہوں نے کہنا نہ مانا اور روانہ ہو گئے جب مقام ربذہ پر پہنچے ان کے بڑے صاحبزادے حسنؓ آکر ملے اور اپنے والد سے شکایت کرنے لگے کہ مدینہ سے کیوں نکلے اور کیوں ہر دفعہ میری بات نہیں مانتے، حضرت علیؓ نے پوچھا بتاؤ میں نے تمہاری کونسی بات نہیں مانی حسنؓ نے کہا جب عثمانؓ کا محاصرہ ہو رہا تھا میں نے کہا تھا کہ آپ مدینہ سے باہر چلے جائیں اور ان کے قتل کے وقت مدینہ میں موجود نہ رہیں پھر وہ قتل ہو گئے میں نے آپ سے کہا تھا کہ جب تک عرب کے وفود اور باہر شہروں کی بیعت نہ آجائے بیعت نہ لیں پھر ان لوگوں (یعنی ام المومنین عائشہؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ) کے اقدام کے وقت میں نے کہا کہ آپ گھر میں بیٹھے رہیں مگر آپ نے میری ایک بات بھی نہ مانی حضرت علیؓ نے جواب میں اپنی بیعت لینے کے بارے میں فرمایا ہ مجھے ڈر تھا کہ خلافت ضایع نہ ہو جائے۔ اہل حل و عقد مدینہ والے تھے نہ کہ سارے عرب اور تمام شہروں کے لوگ۔ رسول اللہ صلعم کا انتقال ہوا تو آپ کے بعد میں ہی خلافت کا سب سے زیادہ حق دار تھا لیکن لوگوں نے دوسروں کے ہاتھ پر بیعت کر لی میں نے ان پر کوئی جبر نہیں کیا، اب جو شخص مخالفت کرے گا میں اپنے فرمانبرداروں کے ساتھ اس سے لڑوں گا حتیٰ کہ خدا فیصلہ فرما دے۔ (ابن خلدون ص ۱۴۲ ج ۲ ملخصاً)

حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے بیٹوں اور عزیزوں کے بارے میں یہ الفاظ کہیں نہیں ملتے کہ حضرت عثمانؓ کی محصوری کے زمانہ میں آپ لوگ مدینہ سے باہر چلے جائیں حضرت علیؓ ہی کے بارے میں ان کے صاحبزادے اور چھوٹے بھائی کے منہ سے ملتے ہیں جس سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ کی حضرت عثمانؓ سے مخالفت اس قدر نمایاں تھی کہ ان کے عزیز قریب ان کا مدینہ میں رہنا اس نازک وقت میں مناسب نہ سمجھتے تھے۔ مگر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ قتل کی سازش میں شریک تھے کوئی ثبوت نہیں ہے۔

جو مفاد ملیہ کے سخت مضرت رساں ثابت ہوا، جمل و صفین وغیرہ کی خانہ جنگیوں میں تقریباً ایک لاکھ مسلمان کٹ مرے اور ان کے نتیجہ میں مفاسد کا جو باب وا ہوا آج تک بند نہ ہو سکا۔

ایک وضعی حدیث اور جھوٹی روایت

ام المومنین عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کو ان کے اقدام قصاص میں مطعون کرنے کی غرض سے بہت سی جھوٹی باتیں کہی گئی ہیں، ان میں یہ کذب بیانی سب سے زیادہ شرمناک ہے کہ بصرہ کے راستے میں جب ایک مقام الحوءب آیا وہاں کتے بھونکنے لگے ام المومنین نے فرمایا کہ مجھے واپس لوٹاؤ میں نے رسول اللہ صلعم کو اپنی ازواج سے یہ فرماتے سنا ہے کہ نہ معلوم تم میں وہ کون ہو گی جس پر الحوءب کے کتے بھونکیں گے[1]

ابن جریر طبری نے اس مکذوبہ روایت کا خاص باب قایم کیا ہے اور ابو مخنف کی اسناد ترک کر کے خود اپنی اسناد اس طرح لکھی ہیں کہ:۔

حدثنی اسماعیل[1] بن موسی الفزاری قال اخبرنا علی[2] بن عابس الازرق قال حدثنا ابو الخطاب[3] الھجری عن صفوان[4] بن قبیصہ الاحمسی قال حدثنی العرنی[5] صاحب الجمل (طبری ص ۱۷۰ ج ۵) اب اس سلسلہ اسناد اور ان راویان پنج تن کی کیفیت و حالت ملاحظہ ہو۔

(۱) پہلا راوی جس سے علامہ ابن جریر طبری یہ جھوٹی روایت کرتے ہیں اسماعیل بن موسی الفزاری ہے اس کے بارے میں امام ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں محدث ابن عدی کا یہ قول نقل کیا ہے

[1] شیعہ مصنفین نے تو ان جھوٹی باتوں پر اور بھی حاشیہ چڑھایا ہے۔ سر علی امام کے والد نواب امداد امام مولف مصباح الظلم نے "اسلام میں پہلی جھوٹی گواہی" کے عنوان سے خود حضرت عائشہ صلوٰۃ اللہ علیہا سے یہ قول منسوب کیا ہے کہ "رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ ایک زوجہ میری باغی ہو گی اور وہ حمیرا تو ہو گی" پھر لکھا ہے کہ "حضرت زبیر اور حضرت طلحہ نے پچاس اہل عرب کو طمع دیکر حلف دلوا دیا کہ وہ دریا آب حوءب نہیں ہے اس کے بعد وہ قافلہ حضرت عائشہ کا بصرہ کی طرف روانہ ہوا۔ جاننا چاہئے کہ اسلام میں یہ پہلی جھوٹی گواہی ہے" (ص ۳۹۵) ابن ابی الحدید نے ابو مخنف جیسے راوی کی روایت سے جس کو محدثین نے کذاب کہا ہے یہ لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے ام المومنین کے بصرہ جانے کو سنکر یہ کہہ دیا تھا کہ یہ وہی ہے جس پر الحوءب کے کتے بھونکیں گے "وانھا التی تنبحھا کلاب الحواب" (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید)

وہ غالی شیعہ تھا اور ایسا فاسق تھا کہ سلف پر سب وشتم کرتا تھا وہ کوفی تھا ۱۴۵ھ میں فوت ہو گیا تھا (میزان الاعتدال ص۱۱ ج۱) اور ابن جریر طبرستان کے مقام آمل میں ۲۲۴ھ میں پیدا ہوتے تھے یعنی اس غالی راوی کے مرنے سے کوئی بیس برس پہلے تو کیا یہ روایت اس نوعمری میں انہوں نے طبرستان سے کوفہ آکر اس فاسق سے اس وقت سنی تھی جب وہ دنیا سے کوچ کر رہا تھا اور بالفرض سنی بھی تھی تو اس سلسلہ کذب وافترا کے دوسرے راویوں کی حالت بھی ذرا دیکھئے :۔

(۲) دوسرا راوی جس نے الفزاری جیسے غالی وفاسق سے روایت کی ہے علی بن عابس ہے۔ محدث نسائی اسے ضعیف بتاتے ہیں۔

(۳) تیسرے راوی کا نام ابو الخطاب الہجری بتایا گیا ہے، اس کو حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب میں مجہول کہا ہے۔

(۴) پھر اس تیسرے راوی کی روایت اپنی ہی طرح کے ایک اور مجہول راوی صفوان بن قبیصہ الاحمسی سے ہے (میزان الاعتدال ص۴۶۷ ج۱)

(۵) مندرجہ بالا دونوں مجہولوں کا سلسلہ اسناد عرنیہ قبیلے کے کسی نامعلوم الاسم اونٹ والے تک پہنچتا ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کا اونٹ ام المومنین کی سواری کے لئے صحرا میں خرید اگیا تھا اور خریداری کے ساتھ یہ شرط بھی کی گئی تھی کہ رہبری کی خدمت بھی انجام دے اور راستہ کے ہر ہر مقام کا نام اور حال بھی بتاتا چلے۔

ام المومنین کے قافلہ اور اس کی روانگی کے مندرجہ ذیل حالات وواقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حکایت تمام تر وضعی ہے، نہ اونٹ والے کا کوئی وجود تھا نہ اس کی رہبری کا۔

(۱) بصرے کے عامل حضرت عبد اللہ بن عامر ہی کی تجویز کے مطابق بصرہ جانا اور بصری بلوائیوں کو سزا دینا طے ہوا تھا۔ عامل موصوف نہ صرف راستہ کی منزلوں سے پوری طرح واقف تھے بلکہ اس راستہ میں انہوں نے اپنے زمانہ میں حاجیوں کی سہولت کے لئے حوض و کنوئیں تعمیر کرائے تھے۔ مقام بستان ابن عامر جو آج تک موجود ہے ان سے منسوب ہے ان کی اور ان کے لوگوں کی موجودگی میں اونٹ والے کی رہبری ورہنمائی محض لغو ہے۔

(۲) ام المومنینؓ کی سواری کے لئے کوئی اونٹ نہ صحرا میں خرید اگیا تھا اور نہ مکہ میں ان کی سواری کے لئے حضرت یعلی بن امیہؓ نے اپنا اونٹ پیش کیا تھا جو یمن سے ساتھ لائے تھے

وہ اس علاقہ کا بہترین اونٹ تھا جس کا نام عسکر تھا۔ اسی پر سوار ہو کر بصرہ تشریف لے گئی تھیں (معارف ابن قتیبہ ص۱۲۰) مورخین نے تصریحاً بیان کیا ہے کہ عہد عثمانی کے یہ عامل جب یمن سے مکہ کو چلے ہیں اپنا تمام مال ومتاع ساتھ لے گئے تھے ان کے ساتھ اونٹوں کی بھی کثیر تعداد تھی انہوں نے مجاہدین کے لئے سامان واسلحہ کا بھی اپنے پاس سے انتظام کیا تھا۔

(۳) مکہ سے بصرے تک کاروانی راستہ میں اکیس منزلیں پڑتی ہیں۔ قدیم مولف ابو الفرج قدامہ بن جعفر متوفی ۲۹۰ھ کی تالیف (کتاب الخراج وصنعۃ الکتابۃ) میں ممالک اسلامیہ کے تمام اہم ومرکزی مقامات کے راستوں اور منزلوں کے نام درج ہیں، مکہ سے بصرہ کی درمیانی منزلوں میں الحوءب کسی منزل کا نام نہیں ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ مقام قافلے کے اترنے کی کوئی منزل نہ تھی۔ اثنائے راہ کا کوئی چھوٹا سا مقام ہوگا۔

(۴) بالفرض الحوءب اس زمانہ میں قافلہ کی منزل بھی رہی ہو تو کتوں کے بھونکنے کی خصوصیت اسی منزل کی کیوں تھی۔ دوسری بیس منزلوں کے کتے کیا نہ بھونکے ہوں گے۔ اجنبیوں کو دیکھ کر کتے کہاں نہیں بھونکتے کیا حضرت علیؓ کے قافلہ پر نہ بھونکے ہوں گے پھر حضرت عائشہؓ کے قافلہ ہی کی یہ خصوصیت کیوں اور کس بنا پر؟

(۵) قبیلہ الفزارہ کی ایک عورت ام زمل سلمیٰ کی ایک حکایت بیان کی جاتی ہے جسے یاقوت حموی نے بھی کتاب معجم البلدان (ص۳۵۲ ج۲) میں الحوءب کے تحت لکھا ہے کہ یہ عورت ایام قرده میں گرفتار ہو کر آئی اور لونڈی کی حیثیت سے حضرت عائشہؓ کو دیدی گئی انہوں نے اسے آزاد کر کے اپنے پاس رکھ لیا، پھر یہ اپنی قوم والوں کے پاس واپس چلی گئی اور مرتد ہو گئی جب حضرت سیف اللہ خالد بن ولیدؓ نے مرتدین کے لیڈر طلیحہ کے خلاف معرکہ آرائی کی تھی بنو غطفان وہوازن واسد وطے قبیلوں کی کثیر جماعت اس عورت کے ساتھ ہو گئی تھی، یہ ایک اونٹ پر سوار تھی، مسلمانوں نے اس کو بھی گھیرے میں لے کر اس کے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں یہ مع اپنے ساتھیوں کے ہلاک ہو گئی تھی۔

اس حکایت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ الحوءب کے کتے بھونکنے کے بارے میں آنحضرت صلعم کا اشارہ اسی عورت کی جانب تھا۔ فکانوا یرون انھا التی عناھا النبی صلعم

(ص۳۵۳ ایضاً)

یہ ہے وہ مکذوبہ روایت جسے علامہ ابن جریر طبری نے اپنے دل کی بیماری تقیہ کے آلہ سے

چھپا کر خاص عنوان کے تحت حضرت علیؓ کے مقابلہ میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کو خطا کار ثابت کرنے کے لئے درج کر دیا پھر کیا تھا بعد کے ہر مورخ و مصنف نے درایت کی آنکھ پر پٹی باندھ کے نقل در نقل شروع کر دی۔ حالانکہ ان مجہول اور فاسق راویوں کی حالت دجہو لیت کتب اسماء الرجال سے بآسانی معلوم کی جاسکتی تھی اور ہرزہ گویوں کی شرمناک بدگوئی سے حرم رسول اللہ آپؐ کی محبوب زوجہ مطہرہ اور اہل بیت حقیقی کو بچایا جاسکتا تھا جنکی طہارت طینت وپاکیزگی پر خود کلام اللہ گواہ ہے اور جن کے لحاف میں ہونے کی حالت میں آنحضورؐ پر وحی آتی تھی۔ اس الحوّب کی وضعی روایت کے علاوہ بھی منافقین نے ام المومنینؓ کے اس مخلصانہ اقدام کی عظمت گھٹانے کے لئے اور بھی حربے استعمال کئے ہیں، کہا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی ازواج مطہرات سے فرما دیا تھا کہ بس اب یہ تمہارا آخری حج ہے۔ اس کے بعد سے تم اپنے گھروں میں ہی بیٹھی رہنا، انما ھذہ الحجۃ ثم الزمن ظھور الحصر (مسند احمد حنبل) نیز وقرن فی بیوتکن کی بھی یہی تاویل کرتے ہیں کہ کسی ضرورت سے مکان سے باہر نہ نکلیں، لیکن آپ کی سب ازواج آخر ایام زندگی تک ادائے حج کے لئے مدینہ سے مکہ تشریف لیجاتیں اور ہر سال حج کرتی تھیں، ان کے اس عمل سے ہی وضعی حدیثوں اور تاویلات باطلہ کی تردید ہوجاتی ہے۔ اس سال یعنی ۳۵ھ میں جیسا کہ کتب تاریخ میں بالتصریح مذکور ہے، یہ سب ازواج مطہرات حج کے لئے مکہ تشریف لے گئیں تھیں اور حضرت عثمانؓ کے شہید ہوجانے کے بعد وہیں ٹھیر رہی تھیں۔ ام المومنین عائشہؓ کا یہ اقدام قصاص خون عثمانؓ ایک روشن مثال اور عظیم کارنامہ ہے۔ تاریخ عالم کی بعض بلند پایہ خواتین کے اقدامات کی طرح کہ جب قوم وملت پر کوئی نازک وقت آپڑا۔ ذاتی مصلحتوں کی بناء پر اصول سے انحراف کیا جانے لگا، اتحاد و یک جہتی کے بجائے سیاسی پارٹیاں بن گئیں۔

مظلوم مقتولوں کی بیوہ اور یتیم اولاد کی فریاد رسی نہ کی گئی حق وانصاف کی خاطر یہ خواتین میدان عمل میں آنے پر مجبور ہوئیں۔ حضرت عائشہؓ کا یہ مخلصانہ اقدام اصلاح بین الناس کے مقصد سے تھا، جیسا خود موصوفہ نے صحابی جلیل حضرت قعقاع التمیمی سے ان کے سوال کے جواب میں اس وقت فرمایا تھا جب وہ فریقین کے مابین افہام وتفہیم کی کوشش کر رہے تھے۔ سبائیوں کی سازش سے اس میں بالآخر کھنڈت پڑ گئی مگر موصوفہ کا ضمیر ہمیشہ مطمئن رہا، منافقین نے اظہار تاسف کے جو کلمات ان سے منسوب کئے ہیں، وضعی حدیثوں وروایتوں کی طرح محض بے اصل ہیں۔

— (×) —
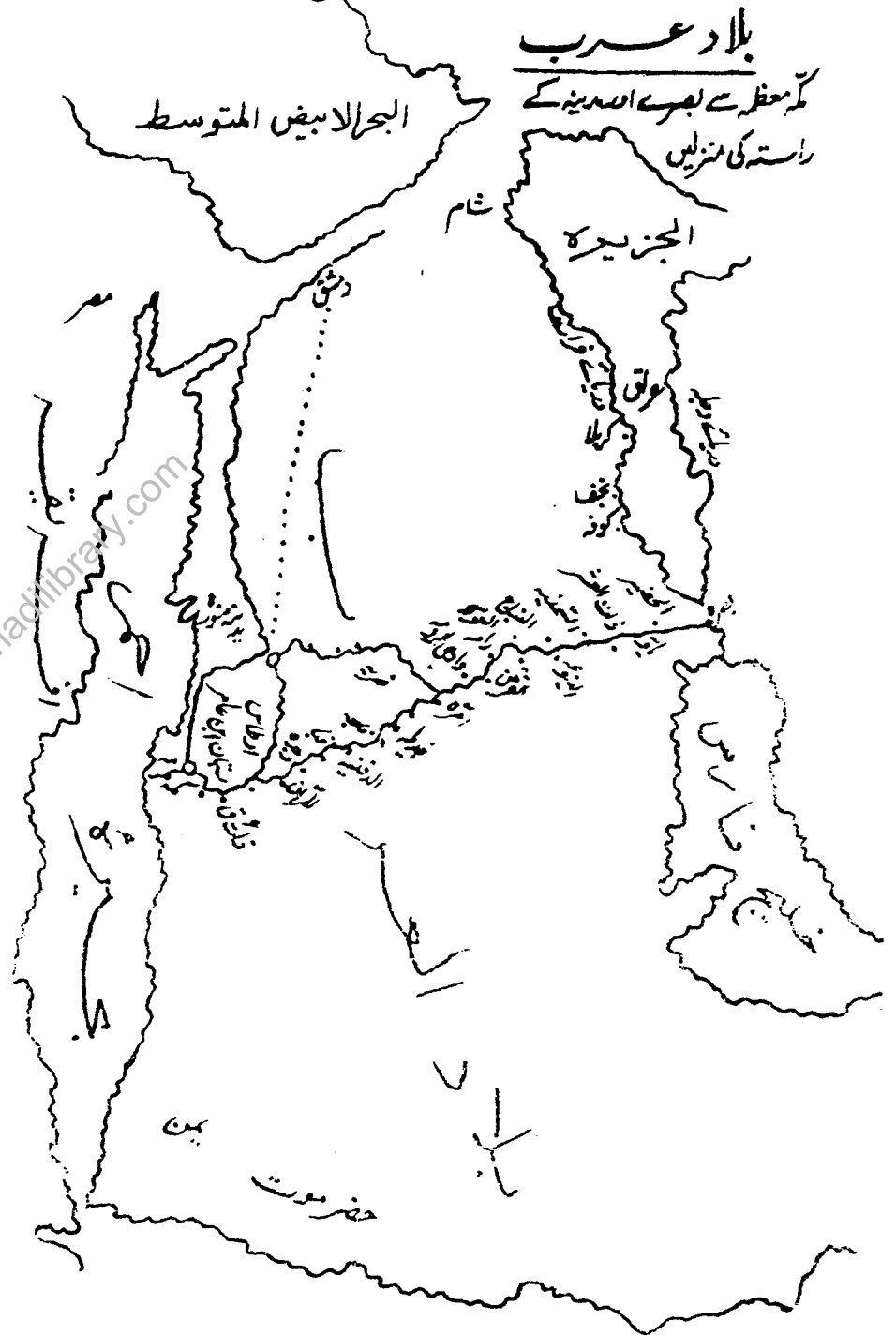
خطاء اجتہادی کس کی؟

خطاء اجتہادی کی انوکھی اصطلاح استنباط و استخراج مسائل میں تو کسی نہ کسی طرح کھپ جاتی ہے، ہمارے متقدمین نے اسے سیاسی جھگڑوں پر بھی منطبق کرنے کی کوشش کی ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے طالبان قصاص عثمانؓ ام المومنین عائشہؓ و حضرت طلحہؓ و زبیرؓ و حضرت معاویہؓ کو "مجتہد مخطی معذور" کہہ کر ان کی معذوری، کی جو وجہ بتائی ہے اور اس کا نام "شبہ" رکھا ہے وہ یہ ہے:۔

(۱) چونکہ اہل حل و عقد نے حضرت علیؓ کی بیعت خلافت نہیں کی تھی اس لئے وہ منتظم و قایم نہ ہو سکی اور نہ بلاد اسلامیہ میں ان کا حکم نافذ ہوا۔

(۲) باوجود قادر ہونے کے قصاص خون عثمانؓ نہ لیا بلکہ مانع آئے۔ اب لطف یہ ہے کہ ان ہی باتوں کو جو حقائق ہیں شاہ صاحب ہی نے اپنی کتاب میں خود بیان کیا ہے اور بار بار دہرایا ہے، مثلاً حصہ دوم میں بسلسلہ ختم مآثر حضرت ذی النورینؓ یہ نکتہ بیان کرتے ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی حدیثوں میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ "خلافت خاصہ بعد حضرت عثمانؓ منتظم نخواہد شد" فرماتے ہیں کہ یہ بات اسی طرح ظہور میں آئی جس طرح آپ نے پیش گوئی کی تھی کیونکہ حضرت مرتضیٰؓ باوجود وفور اوصاف متمکن خلافت پر نہ ہوئے نہ ان کا حکم نافذ ہوا: "متمکن نشد در خلافت در اقطار ارض حکم او نافذ نگشت" (صفحہ ۲۲۹ ج ۲) اب رہا قصاص نہ لینے کا معاملہ اس کے بارے میں طالبان قصاص کی ہمنوائی کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ "و حضرت مرتضیٰ نیز بخطائے اجتہادی حکم فرمود" (صفحہ ۲۷۹ ایضاً) ایسی حالت میں کیا یہ امر باعث استعجاب نہیں کہ شاہ صاحب ایک طرف تو طالبان قصاص کے موقف کی واضح الفاظ میں تائید بھی کرتے ہیں دوسری طرف انہیں "مجتہد مخطی معذور" بھی کہتے جاتے ہیں، شاید ان کے اس طرز عمل کا سبب یہ ہو کہ فضائل و مناقب کی وضعی روایتوں اور حدیثوں میں حضرت علیؓ کا پلہ سب سے بھاری ہے کثرت احادیث فضائل کی وجہ ہی وہ یہ بتلاتے ہیں کہ ایام علیؓ میں چونکہ اختلاف وقوع میں آیا ان کے ہمعصروں کے دل ان کی طرف سے پھر گئے "دخواطر اہل عصر از وے برگشت" (صفحہ ۲۶۰ ج ۲) بقیہ صحابہ نے اس فتنہ کے دفعیہ کی کوشش کی اور ہر تیر کو جو ان کے ترکش میں تھا چھوڑ دیا اس بناء پر ان کے فضائل کی حدیثوں کا دائرہ وسیع تر ہو گیا "ازیں جہت دائرہ روایت احادیث فضائل او کشادہ تر شد" (صفحہ ۲۶۰ ایضاً) مگر یہاں شاہ صاحب ہی کو تسامح ہوا وہ یہ غور نہ فرما سکے کہ یہ ترکش تو فی الحقیقت سبائی

راویوں کا تیار کردہ ہے صحابہ کے نام تو اپنی وضعی روایتوں کو معتبر بنانے کے لئے استعمال کئے ہیں اور اسی ترکش سے ام المومنین کی تنقیص کے تیر بھی چھوڑے گئے ہیں چنانچہ خود شاہ صاحب نے بھی ماء الحوءب کے کتے بھونکنے کی جھوٹی روایت کو قیس بن حازم[1] کی سند سے نقل کر دیا ہے اب اس موقع پر یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ شاہ صاحب نے یہ تصنیف کس زمانہ اور کن حالات میں کی تھی تاکہ ناظرین کو طرز و اسلوب کے بارے میں غلط فہمی نہ ہو۔

واقعات شاہد ہیں کہ کتاب ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ایسے پر آشوب زمانہ میں تصنیف کی گئی جب اسلامیان ہند کے سیاسی اقتدار کا شیرازہ بکھر چکا تھا، طوائف الملوکی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی، معاشرہ کی حالت زبون و سقیم تھی، بدعات و محدثات اور رسمیات کا نام مذہب رہ گیا تھا۔ شمالی ہند کے ایک خطے میں شیعہ سلطنت کی بنیاد پڑ چکی تھی اور خود مرکزی مقام دہلی میں با اقتدار و با اختیار حکام شیعہ مسلک کے پیرو تھے جن کی سرپرستی میں ان عقائد و رسوم کی خوب تشہیر و اشاعت ہو رہی تھی، چنانچہ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "دریں زمان بدعت تشیع اشکار شد و نفوس عوام بشبہات الشیان متشرب گشت (صفحہ ۱ ج ۱) ایسے پر خطر اور نازک حالات میں انہوں نے اپنی عالی ہمتی سے اثبات خلافت خلفائے راشدین میں یہ نادر کتاب دو حصوں میں تالیف کی[2] جن کا مجموعی حجم بڑی تقطیع کے چھ سو بتیس ۶۳۲ صفحات ہے ان میں سے پانچ سو اسی ۵۸۰ یعنی تقریباً

---

[1] قیس بن حازم کوفی کی ولدیت ابی حازم تھی سنہ ۹۸ھ میں فوت ہوئے سو برس سے زیادہ عمر پائی آخر میں ہوش و حواس بھی جاتے رہے تھے، بعض نے ان کو ثقہ بتایا ہے اور یحییٰ بن سعید نے منکر الحدیث اس کی مثالیں بھی دی ہیں (میزان الاعتدال صفحہ ۳۳۸ ج ۲)

[2] معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے کتاب کے چند ہی نسخے تیار کرائے تھے اور بقول مولوی محمد حسن صدیقی جنہوں نے سنہ ۱۲۸۶ھ میں کتاب کو پہلی مرتبہ طبع کرایا کتاب کا آخری حصہ نامکمل رہا اور مصنف علیہ الرحمہ نے مسودہ پر نظر ثانی بھی نہیں کی۔ اسی نوے برس بعد جب تلاش کی گئی تھی صرف تین نسخے بڑی جستجو سے دستیاب ہوئے، آج ہم اس پر خطر حالات کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے جس کا مصنف کو سامنا کرنا پڑا تھا حتیٰ کہ ان کے صاحبزادے شاہ عبد العزیزؒ نے اپنی کتاب تحفہ میں لکھا ہے کہ "ازالۃ الخفاء ایک بزرگ کی ہے جو شہر کہنہ (دہلی) میں ساکن تھے اور فقیر بارہا ان کی زیارت سے مشرف ہوا اور ان سے استفادہ کیا"! ان کے زمانہ تک بھی حالات ایسے ناساعد تھے کہ اپنے والد ماجد کے نام کا اظہار نہیں کیا توریہ سے کام لیا ہے ان کے

(باقی اگلے صفحہ پر)

چورانوے فیصد خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ ذی النورین کی روشن ترین و عظیم خدمات دینیہ و ملیہ اور ان کی کامیاب خلافتوں کے حالات و اثبات میں ہیں۔ ان تینوں خلافتوں کو وہ خلافت خاصہ و راشدہ و منہاج النبوۃ سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ ان مبارک ایام میں امت مسلمہ ایتلاف ملی و اخوت و اتحاد کی برکات سے متمتع رہی ان پانسو اسی صفحات کے بعد کتاب کے آخری صرف تینتیس ۳۳ صفحوں میں جن کا اوسط خلفائے ثلاثہ کے حالات کے مقابلہ میں محض چھ فیصد آتا ہے حضرت علیؓ کے یہ مآثر[1] بیان کئے ہیں ان کے ایام میں دین و ملت کا کوئی تعمیری کام نہ ہوا اور بفحائے آیہ مبارکہ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ یہودیت و نصرانیت و مجوسیت پر غلبہ پانے کے لئے جہاد تک نہ ہو سکا، طلب خلافت کے لئے خونریز لڑائیاں ہوتی رہیں۔ شاہ صاحب ہی فرماتے ہیں کہ یہ مقاتلات وے (علی) رضی اللہ عنہ برائے طلب خلافت بود نہ بجہت

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) زمانہ سے کچھ پیشتر سے اور زمانہ مابعد تک زمام حکومت عملاً بیشتر ایسے افراد کے ہاتھ میں تھی جو اصل و نسب اور مسلک کے اعتبار سے اسی ملک و دیار سے تعلق رکھتے تھے جہاں کچھ زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا کہ اختلاف عقائد کی بناء پر بیشمار لوگوں کو تہ تیغ بیدریغ کیا گیا تھا سنی علماء و فضلاء بھی محفوظ نہ رہے تھے۔ علامہ سعد الدین تفتازانی کے پوتے شیخ الاسلام فرید الدین احمد اور میر حسین کو بھی جن کا حاشیہ ہدایہ پر مشہور ہے نہ چھوڑا تھا پروفیسر براؤن نے قزوین کے ایک شاعر حیرتی کی نظم تاریخ ادبیات ایران میں نقل کی ہے جس میں بادشاہ کو مخالف فرقے کے قتل عام کی ترغیب دی گئی تھی ان میں سے صرف تین شعر سنئے:۔

دو نشان هست سنی را بے دست بستن در نماز ؛ هست کارے دست بستہ اے شہ عالی تبار

قاضی این ملک نسل خالد بن ولید ؛ مفتی این شہر فرزند سعید[1] نابکار

قتل عامی گر نباشد قتل خاصی میتوان ؛ خاصہ از بہر رضائے حضرت پروردگار

شاہ ولی اللہؒ نے بزرگوں کے آنکھوں دیکھے حالات سنے تھے اور خود اپنی آنکھوں سے چیرہ دستیوں کے حالات دیکھ رہے تھے طرز بیان میں بڑی احتیاط برتی ہے پھر بھی محفوظ نہ رہے ان کے دونوں ہاتھ پہونچے پر سے اکھڑوا دئے گئے۔ مرزا مظہر جان جاناںؒ کو تو مدح شیخین کرنے پر گولی ماردی گئی تھی۔ شاہ عبد العزیزؒ کو دو مرتبہ زہر دیا گیا کچھ دنوں کے لئے انہیں دہلی بھی چھوڑنا پڑی ان حالات میں ان حضرات نے فضائل علیؓ کی وضعی روایتوں کی اپنی تالیفات میں بھرمار کردی تو جائے تعجب نہیں مگر موجودہ زمانہ اس ملک میں جس کا ذکر ہوا اختلاف دعقاید کے باوجود سب امن چین سے ہیں۔

[1] حضرت سعید بن حضرت عثمان ذی النورینؓ

اسلام (ص ۲۷۷ ج ۱) ایسی صورت میں خانہ جنگیوں کے اندوہناک حالات بیان کرنے کے بجائے انہوں نے ان بتیس صفحات کو حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب کی وضعی حدیثوں اور روایات ہی سے پر کردینا تلافی مافات متصور کیا۔ مشتے نمونہ از خروارے ایک مہمل روایت سنئے جس کو جلی عنوان کے ساتھ متعدد طرق روایت سے شاہ صاحب نے اس اہتمام سے بیان کیا ہے کہ فلسکیپ سائز کا ڈیڑھ صفحہ بھر دیا ہے عنوان ہے یہ آفتاب کے غروب ہو جانے کے بعد اس کے لوٹ آنے کا معجزہ[1] کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی نماز عصر فوت ہو گئی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی۔ آفتاب غروب ہو جانے کے بعد لوٹ آیا، دھوپ سارے میں پھیل گئی حضرت علیؓ نے وضو کرکے جب نماز پڑھ لی آفتاب پھر غروب ہو گیا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ روایت میں نے مدینہ منورہ میں اپنے استاد شیخ ابراہیم بن الحسن الکردی سے

[1] شاہ صاحب نے اس روایت کا وہ جزو یا تو عمداً حذف کردیا یا انہیں یہ نہ بتایا گیا کہ جب آفتاب لوٹ آیا تو ایک فرقے کے لٹریچر بلکہ ترجمہ قرآن میں روایت کا اہم جزو یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ نے اس کو سلام کیا اور آفتاب نے سلام کے جواب میں جو کلمات کہے وہ اور بھی عجیب ہیں، یعنی آفتاب نے علیؓ سے کہا کہ تم ہی اول ہو (یعنی اسلام لانے میں اول) تم ہی آخر ہو (یعنی نبی آخر الزمان کے وصی ہو) وہم چنین یعنی کا شاخانی غالی ہے جس کی وہ مہمل رباعی شاہ است حسینؓ و پادشاہ است حسینؓ مشہور ہے جو محض کذب و افترا ہے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے کچھ عرصہ سے منسوب کی جارہی ہے ہندسہ شعر کا قطعہ کہا ہے جس میں ایسی ہی کچھ باتیں ہیں جو آفتاب کی زبانی کہلوائی گئی ہیں چند مہمل شعر اس کے سنئے:

تا صورت پیوند جہاں بود علی بود ؛ تا نقش زمین بود زمان بود علی بود

ہم اول و ہم آخر و ہم ظاہر و ہم باطن ؛ ہم عابد و ہم معبد و ہم معبود علی بود

عیسٰی بوجود آمد و فی الحال سخن گفت ؛ آن نطق فصاحت کہ بدو بود علی بود

موسٰی و عصا و ید بیضا و نبوت ؛ در مصر بہ فرعون کہ بنمود علی بود

ہارون ولایت کہ پس از موسٰی عمران ؛ واللہ کہ علی بود علی بود علی بود

جبریل کہ آمد ز بر خالق بیچون ؛ در پیش محمد شد و مقصود علی بود

ہر چند کہ نظر کردم و دیدم بحقیقت ؛ از ہر دو جہان مقصد و مقصود علی بود

۲۲۴ھ میں سماعت کی تھی، پھر اپنے شیخ سے لے کر سترہ راویوں کا نام بنام تعارف کراتے ہوئے حضرت علیؓ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ پر اس کو منتہی کیا ہے اور اس طرح "عن فاطمۃ بنت الحسین عن اسماء بنت عمیس" یعنی پہلی راویہ اسماء بنت عمیس زوجہ علیؓ ہیں انہوں نے اپنی پوتی فاطمہ بنت الحسین[1] سے یہ روایت بیان کی اور فاطمہ نے اپنے چچیرے بھائی عبداللہ بن حسن وابراہیم بن حسن سے اور ان حضرات نے دوسروں سے نفس مضمون کی غرابت سے قطع نظر شاہ صاحب اگر پہلی اور دوسری راویہ خواتین کے سنہ وفات و سنہ ولادت کو ہی پیش نظر رکھتے، بآسانی معلوم ہو جاتا کہ یہ دونوں ہم زمانہ نہیں تھیں یعنی پہلی راویہ اسماء کی وفات ۴۰ھ میں ہوگئی تھی (خلاصہ تہذیب ص۴۲۳) ان کے مرنے کے دس گیارہ برس بعد ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں دوسری راویہ خاتون فاطمہ بنت الحسین عالم وجود میں آئیں تو جس دوسری راویہ کی ولادت ہی پہلی راویہ کے مرنے سے دس گیارہ برس بعد ہوئی ہو اس کا نام سلسلہ راویان میں لینا ظاہر ہے کہ محض لغو اور مہمل ہے۔ شاہ صاحب نے اپنے شیخ سے سماعت کر کے اسے باور کر لیا ورنہ ان کے مختلف طرق اسناد میں متعدد راوی شیعہ و ناقابل اعتبار ہیں مثلاً فضیل بن مرزوق جس کو امام ذہبی میزان الاعتدال میں "کان معروفاً بالتشیع" لکھتے ہیں کہ وہ مشہور شیعہ تھا، نسائی و عثمان بن سعید نے اسے ضعیف کہا ہے (ص۲۳۵ ج۲) یا ابراہیم بن حبان جس کے بارے میں ابن عدی فرماتے ہیں کہ وہ موضوع حدیثیں بیان کیا کرتا تھا۔ اسی طرح کے اور راوی ہیں اس سے واضح ہوتا ہے کہ کن حالات میں وضعی احادیث کو شامل کتاب کیا گیا خود شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔

جب فتنہ تشیع نے سر نکالا اور بیباک لوگوں نے حد اعتدال سے باہر قدم رکھے اور اپنی بدعت کی ترویج و اشاعت کے لئے احادیث وضع کیں ہم تو ان موضوع احادیث سے تحاشی کرتے ہیں باین ہمہ ان کی نقل کردہ بیشتر حدیثیں یقیناً سبائی ٹکسال کی گھڑی ہوئی ہیں جن میں سے دو ایک کا بطور نمونہ ذکر کر دینا کافی ہے، مثلاً حضرت فاطمہؓ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ سے ان کی شادی ہوگی انہوں نے فرمایا تھا یا رسول اللہ زوجتنی من علی بن ابی طالب وھو فقیر لا مال لہ (یا رسول اللہ آپ مجھے علی بن ابی طالب سے بیاہتے ہیں وہ تو فقیر ہیں ان کے

---

[1] حضرت حسینؓ کی یہ صاحبزادی فاطمہ ام اسحٰق بنت طلحہؓ کے بطن سے تھیں جو حضرت حسنؓ کی زوجہ تھیں ۴۹ھ میں جب حسنؓ فوت ہوگئے حضرت حسینؓ نے اپنی بیوہ بھاوج سے نکاح کر لیا تھا۔

پاس کوئی مال نہیں ہے") اس پر یہ جواب آنحضورؐ سے منسوب کیا گیا ہے کہ اے فاطمہ کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ارض میں دو شخصوں کو منتخب کیا ہے ایک ان میں کا تمہارا باپ ہے اور دوسرا تمہارا شوہر (ص۲۶۲ ج۲) یا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اوحیٰ الیّ فی علیٍّ ثلث انہ سید المومنین و امام المتقین وقائد الغرّ المحجلین (یعنی اللہ تعالیٰ نے علی کے بارے میں تین باتوں کی مجھ پر وحی نازل کی کہ وہ سید المومنین ہیں امام المتقین ہیں اور قائد الغرّ المحجلین ہیں، غرضیکہ اس قسم کی موضوع احادیث کا حضرت علیؓ کے مآثر میں نقل کر دینا یا تو مصلحت وقتی کے اعتبار سے تھا جس کا اشارہ اوپر گزر چکا یا شاہ صاحب نے بلا تنقید نقل کر دیا اور صحیح باور کیا۔

بہرکیف جو شخصیت شاہ صاحب کے نزدیک اتنی بلند و بالا ہو کہ آفتاب عالمتاب بھی ایک وقت کی نماز ان کی قضا نہ ہونے دے غروب ہو جانے کے بعد لوٹ آئے تاکہ وہ نماز ادا کر لیں۔ ان کے سیاسی حریف خواہ ام المومنینؓ ہی کیوں نہ ہوں ضرور "مجتہد مخطی معذور" قرار پائیں گی اور ایسے ہی حضرت معاویہؓ حالانکہ جیسا واضح کیا جا چکا قصاص خون عثمانؓ کے معاملہ میں ام المومنینؓ اور حضرت معاویہؓ کا موقف ہر اعتبار سے صحیح تھا اور حضرت علیؓ کا صحیح نہ تھا۔ اپنی خلافت کی مصلحتوں پر مبنی تھا، خلافت معاویہؓ و یزیدؒ میں اس بات سے قطع نظر کہ فریقین میں کون صواب پر تھا اور کون خطا پر محض حقیقت حال کا اظہار کیا گیا تھا، سخن ناشناسوں نے واویلا مچا دیا کہ پوری عبارت نقل نہیں ہوئی۔ حالانکہ جیسا تفصیلاً بیان ہوا شاہ صاحب نے خود ہی بار بار اس بات کا اعادہ کیا ہے جو منقولہ عبارت میں بیان کی گئی ہے یعنی اہل حل و عقد نے چونکہ اپنے اجتہاد اور مسلمانوں کی نصیحت کی غرض سے حضرت علیؓ سے بیعت خلافت نہیں کی تھی ان کی خلافت نہ منتظم ہوئی نہ پوری طرح قائم ہوئی، نہ ان کا حکم بلاد اسلامیہ میں نافذ ہوا اور نہ انہوں نے خون عثمانؓ کا باوجود وعدہ ہونے کے قصاص لیا۔ واقعات مابعد خود شاہد ہیں کہ خطاء اجتہادی کس پر چسپاں ہوتی ہے۔

غلطیوں کے نتائج

جمل کی اندوہناک برادر کشی میں مجروحین کا تو کوئی حد شمار نہیں، مقتولین کی تعداد البتہ مورخین نے تیرہ ہزار بیان کی ہیں، پانچ ہزار حضرت علیؓ کے لشکر کی اور سات ہزار طالبان قصاص کی، یہ لڑائی تو جیسا سب ہی مورخین نے بیان کیا ہے سبائیوں کی سازش سے یکایک ہو پڑی تھی، حضرت علیؓ نے بصرہ کی جانب چلتے وقت اپنے لشکر میں یہ اعلان تو کرا دیا کہ جس کسی نے عثمانؓ کے بارے میں کچھ کیا ہو وہ

ہمارے ساتھ نہ چلے، مگر سبائی کب ماننے والے تھے۔ عبداللہ بن سبا بذات خود لشکر کے ساتھ تھا۔ اسی نے سب خون کا پلان بنایا تھا۔ حضرت علیؓ ان لوگوں کو سختی سے روک دیتے تو نہ سازش ہوتی اور نہ خونریزی۔ مقتولین کی لاشیں میدان میں بکھری پڑی تھیں اس دردناک منظر کو دیکھ کر حضرت علیؓ بہت متاثر تھے۔ اپنے صاحبزادے حسنؓ کو جو انہیں بار بار منع کرتے رہے کہ ادھر کا رخ نہ کریں سینے سے لپٹا لیا اور فرمانے لگے کاش میں آج بیس برس پہلے مرگیا ہوتا۔ طبعاً نیک دل تھے حضرت طلحہؓ کی لاش کے پاس بیٹھ گئے۔ ان کے چہرے سے گرد پونچھتے جاتے اور کہتے جاتے کہ جو بیتا مجھ پر پڑی ہے اللہ ہی سے اس کا شکوہ کرتا ہوں، پھر وہ ہی قول دہرایا کاش میں آج سے بیس برس پہلے مرجاتا (البدایہ والنہایہ ص۲۴۵ ج۷) حضرت عائشہؓ مکہ جانے لگیں ان کے سفر کے تمام انتظامات کئے چالیس عورتوں اور سپاہیوں کو ساتھ کیا، خود بھی دو میل تک مشایعت کی اور اپنے بیٹوں کو ایک دن کی مسافت پر ان کے ساتھ بھیجا، حضرت عائشہؓ نے چلتے وقت لوگوں کو نصیحت کی اور فرمایا:۔

میرے بیٹو! دیکھو اب تم میں کوئی کسی کے ساتھ سختی نہ کرے علی میں اور مجھ میں پہلے سے کوئی بات مطلق نہ تھی سوائے معمولی بات کے جو سسرال والوں سے ہو جاتی ہے، حضرت علیؓ نے ام المومنین کے اس قول کی تصدیق کی اور کہا قسم بخدا یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں دنیا اور آخرت دونوں میں بایں ہمہ وہ اگر ام المومنینؓ کے ساتھ یا ان کے بعد ہی واپس ہو جاتے کوفہ جانے کے بجائے مکہ یا مدینہ چلے جاتے۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے مقتول ہو جانے اور ام المومنین کی جو اہانت سبائیوں کے ہاتھوں ہوتی تھی اس کے نتائج کو پیش نظر رکھتے اور حضرت عثمانؓ کے مظلومانہ قتل سے غیظ و غضب کی لہریں جو امت میں ہر چہار طرف اٹھ رہی تھیں ان کے اعتبار سے ام المومنینؓ کے زبردست اثرات کو کام میں لاکر بگڑی حالت کو سنبھال لینے کی کوشش کرتے نہ جنگ صفین ہوتی نہ خوارج کی جماعت بنتی نہ ثالثی کی ضرورت پیش آتی نہ ان کی پوزیشن کو نقصان پہنچتا اور نہ وہ صورت حال پیش آتی جس کو ابن ابی الحدید نے اپنے شیخ ابوجعفر الاسکافی کے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے:۔

كان اهل البصرة كلهم يبغضونه وكثير من اهل الكوفة وكثير من اهل المدينة واما مكة كانوا يبغضونه

کل اہل بصرہؓ (حضرت علیؓ سے) متنفر تھے اور کوفہ اور مدینہ کے اکثر لوگ اور مکہ کے تو سب ہی لوگ ان سے متنفر تھے اور سب قریش ان کے

۱؎ نہج البلاغہ کے مصنف نے متعدد خطبات حضرت علیؓ سے اہل بصرہ کے مذمت کے منسوب کئے ہیں۔

قاطبة وكانت قريش كلها على خلافه وكان جمهور الخلق مع بني امية عليه وروى عبد الملك بن عمير عن عبد الرحمن بن ابي بكرة قال سمعت عليا وهو يقول مالقي احد من الناس مالقيت ثم بكا۔

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید)

خلاف تھے اور جمہور خلق ان کے مخالف بنی امیہ کے ساتھ تھی عبد الملک بن عمیر نے عبد الرحمٰن بن ابی بکرہ کا قول بیان کیا ہے کہ میں نے (حضرت) علیؓ کو یہ فرماتے سنا کہ انسانوں میں سے کسی ایک کو بھی وہ برائی پیش نہیں آئی جو مجھے آئی ہے پھر (یہ کہہ کر) رونے لگے۔

یہ افسوسناک صورت حال کیوں پیش آئی اس کے جواب میں بہت سی باتیں کہی گئی ہیں کچھ صحیح ہیں کچھ غلط مگر اصل سبب یہی تھا کہ نا قابل اعتبار سبائی لیڈروں کو منہ لگایا ان پہ اعتماد کیا جو اعتماد کے لائق نہ تھے اور اس تدبر و فراست و مستقل مزاجی اور آمرانہ سطوت سے کام نہ لیا جو ایک قائد و حکمران میں ہونا ضروری ہیں۔ ان کے لشکری بار بار عدول حکمی کرتے، جنگ پر چلنے کو کہتے وہ طرح طرح کے حیلے بہانے اور عذر کرتے، مختلف کتب میں ان کی تقریروں کے فقرات ملتے ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے لشکریوں اور ساتھیوں سے وہ آخر میں سخت نالاں تھے اور صریح الفاظ میں ان کی مذمت کرتے تھے، ان کے ایک خطبے کے یہ فقرات مولف اغانی نے بھی نقل کئے ہیں جو شیعہ مسلک کا تھا اور دوسروں نے بھی، اپنے لشکریوں کو مخاطب کرکے فرمایا تھا:۔

يا اشباه الرجال ولا رجال ويا طغام الاحلام وعقول ربات الحجال وددت اني لم اعرفكم بل وددت اني لم اركم معرفة والله جرعت ندما وملاءتم جوفي غيظا بالعصيان والخذلان حتى لقد قال قريش ابن ابي طالب رجل شجاع ولكن لا علم له بالحرب ويحيم وهل فيهم اشد مراسا لها مني والله لقد دخلت فيها وانا ابن عشرين وها انا الآن قد نيفت على الستين ولا كن لا راي لمن لا يطاع (اغانی ص۱۵۳ ج۱۵)

اے زنان بصورت مردان! اور اے کمینو زنانہ عقل والو! میری آرزو کاش میں تمہیں نہ جانتا نہ پہچانتا اور اے کاش میں نے تمہیں کبھی دیکھا بھی نہ ہوتا، مجھے انتہائی ندامت ہے اور دل میں تم سے انتہائی غصہ تم میرے نافرمان اور میرے رسوا کرنے والے ہو، تمہاری وجہ سے قریش کہنے لگے ہیں کہ ابی طالب کا بیٹا بہادر تو ہے مگر سیاست حرب سے نابلد محض ہے افسوس ان کہنے والوں پر، مجھ سے زیادہ ان میں لڑائی کا دھنی کون ہوگا، میں نے بیس برس کی عمر سے اب تک کہ ساٹھ کے لگ بھگ ہوگیا ہوں تیغ زنی کی ہے مگر کوئی کمبخت جب کہنا ہی نہ مانے تو ہو کیا

طالبان قصاص کو بظاہر ناکامی وشکست ہوئی مگر ان کی یہی شکست نتیجہ میں بالآخر فریق ثانی کی سیاسی شکست اور ناکامی کا موجب بن گئی اور طالبان قصاص بالآخر اپنے مقصد میں کامیاب رہے، تمام قاتلین عثمان رضؓ کیفر کردار کو پہنچے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

حضرت معاویہ رضؓ اور تکمیل قصاص

حضرت علی رضؓ کو ایک خط میں حضرت معاویہ رضؓ نے تحریر کیا تھا کہ یا تو قاتلین عثمان رضؓ سے خود قصاص لو یا انہیں ہمارے حوالے کرو کہ ہم قصاص لیں، ایسا ہوا تو ہم سے زیادہ کوئی تمہاری بیعت میں سبقت نہ کرے گا، ورنہ ہمارے اور تمہارے ساتھیوں کے لئے ہمارے پاس تلوار ہے، اسی کے ساتھ لکھا تھا۔

فواللہ الذی لا الہ غیرہ لنطلبن قتلۃ عثمان فی البر والبحر حتی نقتلھم۔

پس قسم بخدا جس کے سوائے کوئی اور نہیں ہم قاتلین عثمان رضؓ کو خشکی وتری ہر جگہ تلاش کریں گے حتی کہ انہیں (قصاصاً) قتل کریں۔

اپنے اس ارادے کو انہوں نے کس کس طرح پورا کیا، اس کی تفصیلات اوراق تاریخ میں جابجا ملتی ہیں۔ مالک الاشتر و محمد بن ابی بکر رضؓ وغیرہ کو حضرت علی رضؓ کے ایام میں قصاصاً قتل کرایا، پھر اپنے ایام میں دوسرے مجرمین کو جو ملک کے مختلف گوشوں میں پوشیدہ ہو گئے تھے تلاش کرا کے گرفتار کیا، قید خانہ میں رکھا بعض مجرمین قید خانہ سے فرار ہو جاتے ان کی تلاش ہوتی پکڑے جاتے اس لئے انہوں نے حمص کے قریب الجلیل پہاڑ پر ایک مضبوط قید خانہ بنوایا جس میں یہ قاتلین عثمان رضؓ اس وقت تک محبوس رہتے جب تک تحقیقات سے جرم ثابت ہو کر سزایاب نہ ہوتے یاقوت حموی نے اس قید خانہ کا تذکرہ کیا ہے اور جبل الجلیل کے تحت لکھا ہے:

کان معاویۃ یحبس فی موضع منہ من یظفر ممن یتہم بقتل عثمان بن عفان۔

(کتاب معجم البلدان ص۱۱۰ ج۲)

معاویہ رضؓ (اس پہاڑ کے) ایک مقام پر ان اشخاص کو قید رکھتے جن پر وہ قابو پا لیتے اور قتل عثمان بن عفان رضؓ میں متہم ہوتے۔

علامہ ابن حزم نے ابو شمر بن ابرہہ وعبدالرحمن بن عبداللہ ومحمد بن حذیفہ و کنانہ بن بشر تجیبی کا ذکر کیا ہے جن کو حضرت معاویہ رضؓ نے حضرت عثمان رضؓ کے معاملہ میں گرفتار کرایا تھا۔

سجنھم فھربوا من السجن فادرکوا فقتلھم معاویۃ کلھم۔

(جمہرہ ص۵۰۸)

(معاویہ رضؓ نے) ان کو قید خانہ میں ڈلوا دیا، وہ قید خانہ سے فرار ہو گئے ان کو پھر پکڑوا دیا اور ان سب کو (قتل عثمان رضؓ کے قصاص میں) معاویہ رضؓ نے قتل کرایا۔

اسی پہاڑی مقام پر جہاں قید خانہ بنوایا تھا عبدالرحمن بن عدیس البلوی نے جب اپنے جرم قتل عثمان رضؓ کا اعتراف کیا تو قتل کرایا گیا تھا۔ (کتاب معجم البلدان ایضاً)

ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ کے اقدام طلب قصاص میں جو رکاوٹ پیدا کی گئی تھی جس کی وجہ سے پیمانہ ہو سکا تھا حضرت معاویہ رضؓ نے اس ادھورے کام کی تکمیل کی وہ ان کی اس خدمت سے اور ان کی سیاسی پالیسی سے مطمئن رہیں۔ حضرت معاویہ رضؓ کے ایام خلافت میں ام المومنین موصوفہ سترہ اٹھارہ برس تک حیات رہیں تحائف کے علاوہ ایک لاکھ روپیہ سالانہ ان کی خدمت میں حضرت معاویہ رضؓ پیش کرتے رہتے جب خود حاضر خدمت ہوتے تو ام المومنین سے ضروری امور میں مشورہ کرتے اور اس پر کاربند ہوتے۔

امیر یزید کی ولیعہدی

امیر یزید کے زمانہ ولیعہدی میں ام المومنین تقریباً چھ سات برس حیات رہیں، کتاب خلافت معاویہ ویزید میں تفصیلاً ذکر ہو چکا ہے کہ مملکت اسلامیہ کے ہر ہر صوبہ میں اور صوبہ کے ہر ہر مقام پر لوگوں نے بلا جبر و اکراہ بیعت کی تھی ۵۶ھ میں جب حضرت معاویہ رضؓ حجاز آئے انہوں نے بھرے مجمع میں اہل مدینہ کو بتایا کہ تمامی دیار و امصار میں لوگوں نے یہ بیعت کر لی ہے۔ الامامۃ والسیاستہ کے غالی مولف نے بھی ان کا یہ قول نقل کیا ہے:

یا اھل المدینۃ! لقد ھممت ببیعۃ یزید وما ترکت قریۃ ولا مدرۃ الا بعثت الیھا ببیعۃ فبایع الناس جمیعاً وسلموا۔ (ص۱۹۰ ج۱)

اے اہل مدینہ! میں نے جب یزید کی بیعت (ولیعہدی) کا قصد و ارادہ پختہ کر لیا تو کسی قریہ اور جھونپڑی کو بھی نہ چھوڑا، جہاں بیعت کے لئے نہ وفد بھیجا ہو، چنانچہ سب ہی لوگوں نے بیعت کر لی ہے۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اس سے قبل ۵۱ھ میں حضرت معاویہ رضؓ نے بیعت یزید کے بارے میں ام المومنین سے مشورہ کیا تھا اور اب ۵۶ھ میں حاضر ہو کر تفصیلی رپورٹ پیش کی اور بتایا کہ تمام صوبوں کے لوگوں نے متفقہ طور سے بیعت کر لی ہے، ام المومنین نے اظہار

پسندیدگی فرماتے ہوئے مشورہ دیا کہ اب اگر کوئی یہاں اختلاف کرے تم تعجیل سے کام نہ لینا (ص ۱۹۸ ایضاً) منافقین دکذابین نے ام المومنین کی مخالفت کی جو شہرت دی ہے اور کہا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے انہیں (معاذ اللہ) کنوئیں میں گرواکر ہلاک کرادیا تھا بڑی شرمناک اور بھونڈی کذب بیانی ہے۔ ام المومنین کے پیش نظر تو یہ تمام حالات تھے کہ حضرت علیؓ کی ناکام سیاست کے نتیجے میں اہل حجاز کا سیاسیات ملی میں وہ مقام و درجہ باقی نہ رہا تھا جو پہلے تین خلفائے راشدین کے زمانہ میں تھا، اور نہ خلافت ہی کی وہ پہلی سی سادہ ہیولائی کیفیت باقی رہی تھی۔ بمقتضائے زمانہ اب وہ باضابطہ اسٹیٹ تھی جس کے مختلف النوع مسائل اور گوناگوں انتظامات کا اہل مدینہ میں سے کسی کو نہ کوئی عملی تجربہ تھا اور نہ واقفیت۔ الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مولف وغیرہ نے حضرت معاویہؓ کا وہ قول نقل کیا ہے جو کہا جاتا ہے انہوں نے حضرت حسینؓ کی اس بات کے جواب میں کہ میں یزید سے بہتر ہوں کہا تھا کہ فیزید واللہ خیر لامۃ محمد منک (لیکن واللہ یزید امت محمدؐ کے (انتظامی امور میں) تم سے بہتر ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ سالہا سال سے امیر یزیدؒ کو رومی عیسائیوں کے خلاف پانچ چھ مرتبہ جہادوں میں آزمایا جاچکا تھا بلکہ حکومت کے مختلف صیغوں کے انتظامی معاملات میں بھی۔ ام المومنین نے ان حالات میں اور اس خطرہ کے پیش نظر کہ حصول خلافت میں پھر خونریزی کی نوبت نہ آئے جس کا تلخ تجربہ امت کو ہوچکا تھا، امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کے بارے میں حضرت معاویہؓ کی کارروائی کو پسند فرمایا۔

صحابہ کرام کا سیاسی موقف

صحابہ معصوم نہ تھے۔ سیاسی معاملات میں غلطیاں اور لغزشیں بھی ان سے ہوئیں اور جھگڑے، خانہ جنگیاں بھی مگر نیت سب کی بخیر تھی۔ اگر باہم ان کے بغض تھا تو بغض للہ، حب تھا تو حب للہ سہ

رہ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ ان کی ۔ فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ ان کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی ۔ شریعت کے قبضہ میں تھی باگ ان کی

شہادت عثمانؓ سے جو فتنہ پیدا ہوا بہت سے صحابہ الگ رہے، معدودے چند جو

مبتلا ہوئے ان کو عمر بھر اس کا افسوس اور ملال رہا۔ یہ فتنہ تو سبائیہ کا پیدا کردہ تھا ذیل کے اعداد پیش نظر رکھنے سے اس اندوہناک صورت حال کا قدرے اندازہ ہوسکتا ہے۔ جس کا اس جماعت کی درانداز یوں اور ریشہ دوانیوں کی بدولت امت کو سامنا کرنا پڑا تھا۔

نمبر شمار	تاریخ	واقعہ	تعداد مقتولین
۱	۱۸ ذی الحجہ سنہ ۳۵ھ	شہادت عثمانؓ	۰
۲	۲۵ ″ ″	بیعت خلافت علیؓ	۰
۳	جمادی الآخر سنہ ۳۶ھ	جنگ جمل (بیعت علیؓ سے ۵ مہینے ۲۱ دن بعد)	۱۳۰۰۰
۴	صفر سنہ ۳۷ھ	جنگ صفین (جنگ جمل سے ۷ مہینے ۱۳ دن بعد)	۷۰۰۰۰
۵	سنہ ۳۹ھ	″ نہروان (جنگ صفین سے ۱ سال ۲ ماہ بعد)	۲۵۰۰
۶	رمضان سنہ ۴۰ھ	شہادت علیؓ	۸۵،۵۰۰

پچاسی ہزار پانسو مسلمانوں کا ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ کر یوں فنا ہوجانا اندوہناک حادثہ اور المیہ تھا، اس کشت و خون سے مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں دشمنی کی جو آگ بھڑکی اور طوائف الملوکی کی حالت پیدا ہوئی قریب تھا کہ مسلمانوں کی سیاسی قوت اور وحدت ملی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوجاتے، اللہ کا فضل و کرم تھا اور صحابہ و تابعین کے خلوص و نیک نیتی کا ثمرہ، مسلمان پھر ایک مدبر اعظم کی قیادت کے تحت جماعت میں منسلک ہوگئے۔

حضرت معاویہؓ نے زمام خلافت اپنے مبارک ہاتھوں میں سنبھالی، امت نے اطمینان کا سانس لیا اس خوشی میں اس سال کا نام عام الجماعۃ رکھا یعنی امت کے اتحاد و اتفاق و ائتلاف ملی کا سال۔

حضرت حسینؓ البتہ اپنے بڑے بھائی کی صلح جویانہ پالیسی سے متفق نہ تھے جنگ جاری رکھنا چاہتے تھے مگر بڑے بھائی نے جب مجبور کیا اور ڈانٹ کر کہا اسکت فانا اعلم بالامر منک (طبری ص ۹۲ ج ۶) تم خاموش رہو میں تم سے زیادہ اس معاملہ کو جاننا سمجھتا ہوں، بلکہ بقول ڈاکٹر طہٰ حسین مولف کتاب علی و بنوہ (ص ۲۰۳) حضرت حسنؓ نے چھوٹے بھائی کو دھمکایا اور کہا کہ میری اطاعت نہ کی تو بیڑیاں پہنادی جائیں گی انہوں نے بھی بیعت کرلی۔ کوفی مفسدین کو یہ تمام حالا

معلوم تھے، وہ برابر دو غلاتے رہے: حضرت معاویہؓ کو جس وقت اطلاع ملی کہ یہ لوگ حضرت حسینؓ کے پاس زیادہ آجا رہے ہیں اور سیاسی انقلاب بپا کرنے پر آمادہ کر رہے ہیں انہیں خط لکھا جسے دوسرے مورخین کے علاوہ بلاذری نے بھی کتاب انساب الاشراف میں نقل کیا ہے اس میں انہیں لکھا تھا۔

"تمہارے بارے میں مجھے ایسی خبریں ملی ہیں جو اگر صحیح ہیں تو کچھ بعید نہیں کیونکہ میں نہیں سمجھتا کہ تم خلافت کے لئے جد وجہد کی خواہش ترک کر چکے ہو اگر یہ خبریں غلط ہیں تو تم بڑے ہی خوش نصیب ہو...... کوئی کام ایسا نہ کرو کہ میں تم سے مودت ومحبت کے تعلقات توڑنے پر مجبور ہوں اور بد سلوکی سے پیش آؤں کیونکہ تم اگر کوئی غلط قدم اٹھاؤ گے تو میں بھی اٹھاؤں گا، اگر میرے ساتھ چال چلو گے تو میں بھی تمہارے ساتھ چال چلوں گا۔ حسین، خدا سے ڈرتے رہو، مسلمانوں میں پھوٹ نہ ڈالو: ان کو غارت جنگی کی طرف نہ دھکیلو"

کہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ نے اس خط کا درشت لہجہ میں جواب دیا مگر حضرت معاویہؓ نے طرح دی اور اپنے مشفقانہ طرز عمل میں کوئی فرق نہ آنے دیا، حضرت حسینؓ کے سالانہ وظیفے اور تحائف میں کمی نہ کی، دس لاکھ درہم (تقریباً پانچ لاکھ روپیہ) ہر سال ان کو دیتے رہے حضرت حسنؓ کا اسی زمانہ میں جب انتقال ہو گیا، کوفیوں نے حضرت حسینؓ کو خط بھیجا جسے مولف اخبار الطوال کے علاوہ دوسرے مورخین نے بھی نقل کیا ہے، اس میں انہیں طلب خلافت پر آمادہ کرتے ہوئے لکھا تھا۔

فان تحب ان تطلب هذا الامر فاقدم علينا فقد وطنا انفسنا على الموت معك۔ (اخبار الطوال ص۲۳۵)	پس آپ کو اگر اس امر (خلافت) کا حاصل کرنا محبوب ہے تو ہمارے پاس چلے آئیے ہم نے اپنی جانوں کو آپ کے جلو میں مرنے مارنے پر آمادہ و مائل کر رکھا ہے۔

حضرت حسینؓ نے اس کے جواب میں کوفیوں کو لکھ بھیجا تھا کہ جب تک یہ معاویہ زندہ ہیں تم لوگ اپنے گھروں میں خاموش بیٹھے رہو ہم نے ان کی بیعت کر لی ہے جسے توڑنے کا کوئی موقع نہیں ہاں اگر ان کی موت کا واقعہ پیش آگیا تو دیکھا جائے گا، اس وقت اپنی رائے سے تمہیں مطلع کروں گا۔ مورخین نے متعدد واقعات لکھے ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ضابطہ

حکومت کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ من مانی کارروائی کر گزرتے تھے مثلاً ناسخ التواریخ کے شیعہ مورخ نے لکھا ہے کہ عامل یمن کا بھیجا ہوا مال خراج معاویہؓ کے پاس جا رہا تھا، مدینہ سے قافلہ گزرا تو: حسین بن علی علیہ السلام فرمان داد کہ اموال واثقال را ماخوذ داشتند واین جملہ را بر اہل بیت خود ودوستان خود بخش فرمود (ناسخ التواریخ جلد ششم از کتاب دوم ص۸۲)

حضرت معاویہؓ نے عفو وکرم سے کام لیا، ان کو لکھا کہ اگر یہ مال خراج تم میرے پاس آنے دیتے تو اس میں جو حصہ تمہارا ہوتا تو وہ تمہیں ملتا آئندہ ایسا مت کرنا کیونکہ والی ہی کو حق ہے کہ وہ خراج وصول کرے اور تقسیم کرے۔ ایک اور واقعہ قدیم ترین مولف مصعب زبیری (۱۵۶-۲۳۶ھ) نے کتاب نسب قریش میں عاصم بن ابو ہاشم بن عتبہ اموی کے حال میں بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اہل مدینہ کے عطایا مختلف خاندانوں کے "دعرلیف" یعنی مکھیا کے ذریعہ تقسیم کرنے کے لئے ان کو مدینہ بھیجا۔ عاصم نے اس بات کی تحقیق کرنی چاہی کہ وظیفہ پانے والوں میں کون زندہ ہے کون مر گیا ہے اور کون موجود نہیں۔ بعض لوگوں کو جو مرے ہوئے یا غائب اشخاص کے عطایا بھی وصول کر لیا کرتے تھے یہ تحقیقات ناگوار گزری۔ حضرت حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ نے جب عاصم سے دریافت حال کیا انہوں نے بتایا کہ امیر المومنین نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ مردہ اور غائب کے علاوہ جو زندہ اور موجود ہیں ان کو دوں ان حضرات نے پوچھا خواتین کے وظائف کے بارے میں کیا ہی عمل کرو گے جواب اثبات میں پاکر عامل خلیفہ پر ان کو طیش آگیا۔ فحصبوه وغضبوا من كلمته فحصبه الناس (کتاب نسب قریش ص۱۵۴) ان پر کنکر مارے ان کے کلام پر برہم ہوئے اور لوگوں نے بھی کنکر مارے، جان بچانے کے لئے وہ عامل بنی امیہ کے گھروں میں جا چھپے۔ حضرت ابن زبیرؓ کی تجویز پر حضرت حسینؓ وعمرو بن عثمانؓ وابن زبیرؓ نے خود کھڑے ہو کر رقم وظائف لوگوں میں تقسیم کر دی۔ حضرت معاویہؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی آپ نے اپنے حلم وکرم سے درگزر کیا۔ فاعرض عنها (ص۱۵۵ ایضاً)

اسی طرح کے بعض اور واقعات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ وابن زبیرؓ جو بعد میں طالب خلافت ہوئے امیر یزید کی بیعت خلافت کی تحریک کے پہلے ہی سے حکومت کے خلاف حریفانہ روش رکھتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کے مرنے کے منتظر تھے اور اپنے طرفداروں سے کہہ رکھا تھا کہ اس وقت تک خاموش گھروں میں بیٹھے رہو کہ ما دام هذا الرجل حيا

(جب تک یہ شخص زندہ ہیں)

خاندانی وموروثی خلافت

یہ خیال کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کی قیادت کا حق آپ کے رشتہ داروں کا ہے رسول اللہ صلعم کی حیات میں ہی بنی ہاشم کے بعض افراد کے دلوں میں پیدا ہوگیا تھا۔ کتب تاریخ کے علاوہ صحیح بخاری میں ایک روایت ہے جس میں علامہ عینی نے مراسیل شعبی سے بعض الفاظ کا اضافہ بھی کیا ہے۔ یعنی حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے اپنے بھتیجے علیؓ بن ابی طالب سے آنحضرتؐ کی وفات سے کچھ پہلے کہا تھا۔

"بخدا میرا خیال ہے کہ رسول اللہ صلعم کا اس بیماری میں انتقال ہوجائے گا میں خوب پہچانتا ہوں کہ عبدالمطلب کی اولاد کے چہرے مرتے وقت کیسے ہوتے ہیں، آؤ چلو رسول اللہ صلعم کے پاس چلیں اور پوچھیں کہ آپ کے بعد حکومت کن لوگوں میں ہوگی اگر ہم میں ہوگی تو ہمیں معلوم ہوجائے گا اور اگر ہمارے سوا دوسروں میں ہوئی تو بھی معلوم ہوجائے گا اور اپنے جانشین کو ہمارے حق میں وصیت فرمادیں گے۔ حضرت علیؓ نے اس پر کہا کہ اس امر کی طمع کیا ہمارے سوا کسی دوسرے کو بھی ہوسکتی ہے۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ میرے خیال ہے کہ خدا کی قسم ایسا ضرور ہوگا، اس پر حضرت علیؓ نے کہا اس بارے میں اگر ہم نے رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا اور آپ نے انکار کردیا تو آپ کے بعد لوگ پھر ہمیں حکومت کبھی نہ دیں گے خدا کی قسم میں تو یہ بات کو رسول اللہ صلعم سے ہرگز نہیں پوچھوں گا"

یہ روایت اگر غلط نہیں ہے تو اس کے آخری فقرے سے کیا یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح نہ ہوگا کہ حضرت علیؓ نے اس اندیشہ کی وجہ سے اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنا نہ چاہا کہ آپ کے انکار پر بنی ہاشم کی حکومت کا امکان ہی ہمیشہ کے لئے ختم نہ ہوجائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر الصدیقؓ کی بیعت خلافت جن حالات میں ہوئی اس پر تفصیلی گفتگو کا یہاں موقع نہیں، حضرت علیؓ نے چھ ماہ تک ان

سے بیعت نہ کرنے کے بارے میں بہت سی باتیں کہی گئی ہیں[1] حتیٰ کہ امام بخاری نے بھی یہ روایت بیان کردی ہے کہ:۔

"حضرت فاطمہؓ نبی صلعم کے بعد چھ ماہ تک زندہ رہیں جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے شوہر علیؓ نے رات میں ہی ان کو دفن کردیا اور ان کے انتقال کی اطلاع حضرت ابوبکر کو نہ دی بلکہ خود ہی نماز جنازہ پڑھ لی۔ جب تک فاطمہؓ زندہ ہیں لوگوں کی نگاہوں میں علیؓ کا وقار رہا مگر جب ان کا انتقال ہوگیا تو حضرت علیؓ نے محسوس کیا کہ لوگوں کے چہرے اب ان سے بدل گئے تو انہوں نے ابوبکرؓ سے صلح کرلینے اور بیعت کرنے کی خواہش کی۔ الی آخرہ"

اس روایت میں آخری فقرہ حضرت علیؓ کی تقریر کا ہے جو بیعت کرتے وقت کی تھی وہ یہ ہے کہ:۔

"ہم آپ کی فضیلت کو اور جو کچھ خدا نے آپ کو عطا کیا ہے اسے پہچانتے ہیں اور کسی بھلائی پر جو آپ کو حق تعالیٰ عطا فرماتے ہم حسد نہیں کرتے لیکن آپ نے خلافت کے بارے میں ہمارے خلاف استبداد سے کام لیا ہے، ہم سمجھتے تھے کہ رسول اللہ سے ہماری قرابت کی وجہ سے اس میں ہمارا حصہ ہے"

طبری نے حضرت علیؓ کی تقریر کا جو فقرہ نقل کیا ہے اس میں "حصہ" کے بجائے "لفظ حق" کا ہے یعنی نکنا نریٰ ان لنا فی ھذا الامر حقا (ہم سمجھتے تھے کہ اس امر (خلافت) میں

---

[1] خلافت معاویہؓ ویزیدؒ (ص ۱۴۶) میں حبیب بن ثابت تابعیؒ کی مسند سے طبری کی روایت نقل کی گئی ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت خلافت بعجلت وبلا تذبذب کی تھی حضرت علیؓ جیسے ممتاز صحابی کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ احکام شریعت کے خلاف تخلف عن البیعت کا ارتکاب کرتے، یہ دوسری بات ہے کہ وہ خلافت کے خواہش مند رہے ہوں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی اس قسم کی متعدد روایتیں نقل کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ "زبیر وجمع از بنی ہاشم در خانہ حضرت فاطمہؓ جمع شدہ درباب نقض خلافت شیعت با بکار می بردند (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۹) گویا شاہ صاحب نے بنی ہاشم کے نظریہ خلافت موروثی کی کوششوں کی تصدیق فرمادی ہے، ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ شیخین نے ان کوششوں کو بحسن تدبیر برہم کردیا۔

ہمارا حق ہے، ابن جریر طبری نے خلافت کے بارے میں حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ایک مکالمہ نقل کیا ہے جس میں حضرت عمرؓ کے ان سے یہ پوچھنے پر کہ میں نے سنا ہے تم کہتے ہو کہ قریش نے خلافت سے تم لوگوں کو حسد اور ظلم کی بناء پر محروم رکھا، حضرت ابن عباسؓ سے یہ قول منسوب کیا ہے کہ بنی ہاشم اہل بیت رسول ہیں جن سے خدا نے گندگی کو دور کر دیا اور اچھی طرح پاک کر دیا، پھر کہا کہ "امیر المومنین۔ میرا آپ پر اور ہر مسلمان پر حق ہے جو اس حق کی حفاظت کرے گا وہ اپنا حصہ پائے گا اور جو اس کو ضائع کر دے گا وہ اپنا حصہ ضایع کر دے گا" (طبری ص۳۲ ج۵) بہت ممکن ہے کہ یہ اقوال غیر صحیح ہوں اور مبالغہ آمیز بیان ہوئے ہوں لیکن بعد کے واقعات سے جو انتخاب خلافت کے سلسلہ میں پیش آئے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ بنی ہاشم خصوصًا حضرت علیؓ خلافت پر اپنا حق سمجھتے تھے ان کا ایک قول نہج البلاغہ کے مصنف نے نقل کیا ہے جو بہ تغیر الفاظ بعض دیگر کتب میں بھی مرقوم ہے۔

وقد قال قائل انک علی ھذا الامر یا بن ابی طالب لحریص۔	(حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مجھ سے ایک کہنے والے نے کہا اے ابو طالب کے بیٹے تم اس امر (خلافت) کے بڑے حریص ہو۔[1]
(نہج البلاغہ)	

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ کے مولف نے حضرت عمرؓ کے وہ کلمات نقل کئے ہیں جو مجلس شوریٰ کے ارکان میں سے ہر ایک کے بارے میں فرماتے تھے حضرت علیؓ سے کہا تھا کہ تم منتخب ہوئے تو لوگوں کو سیدھے راستہ پر لے جا سکو گے، مگر خلافت کے تم حریص زیادہ ہو۔ اسی کے ساتھ یہ روایت بھی ہے کہ جب عبداللہ بن عمرؓ اپنے والد کی تدفین کی اجازت حاصل کرنے کی غرض سے ام المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے رسول اللہ صلعم و ابو بکرؓ کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت بخوشی دیکر فرمایا تھا کہ عمرؓ کو میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ امت محمدؐ کو بغیر پاسبان کے مت چھوڑ جانا کسی کو ان پر ضرور مقرر کر جانا اگر یوں ہی انہیں آزاد چھوڑ گئے ایسی حالت میں مجھے خوف ہے کوئی فتنہ انتخاب کے وقت نہ اٹھ کھڑا ہو۔ یہ پیغام سنکر حضرت عمرؓ نے بیٹے سے پوچھا کہ ام المومنین کس شخص کے مقرر کرنے کا مجھے حکم دیتی ہیں (ص۲۳ ج۱) یہ کہہ کر چند صحابہ کے نام لئے کہ اگر ان میں سے کوئی زندہ ہوتا اسے مقرر کرتا، پھر چھ صحابہ کی مجلس بناتی جن میں حضرت سعدؓ بھی تھے ــــ ام المومنین کے ارشاد سے مترشح ہوتا ہے کہ ان کو رنجشوں کا خیال کر کے جو حضرت ابو بکرؓ کے انتخاب کے وقت بعض حلقوں میں کی گئی تھیں، انہیں یہ اندیشہ پیدا ہوا تھا حضرت عمرؓ نے بھی ام المومنین کے مشورہ کو صائب (بقیہ اگلے صفحہ پر)

بیان ہوا ہے کہ یہ کہنے والے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ میں ماموں تھے اور یہی رشتہ ان کا حضرت حمزہؓ سے بھی تھا، طبری کی روایت میں یہ تشریح بھی ہے کہ حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں حضرت سعدؓ کی رائے اپنے حق میں حاصل کرنے کی غرض سے حضرت علیؓ اپنے صاحبزادے کو ساتھ لے کر گئے اور کہنے لگے:۔

"رسول اللہ صلعم کے واسطے سے میرے اس بیٹے کا جو رشتہ تم سے ہے اس کا واسطہ دے کر اور اپنے چچا حمزہؓ کی تم سے جو قرابت ہے اس کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں کہ تم عثمانؓ کے حق میں میرے خلاف عبدالرحمٰن بن عوف کے مددگار نہ ہو کیونکہ میری قرابت داری کا حق اس سے کہیں زیادہ ہے جو عثمانؓ کو حاصل ہے"۔ (طبری ص۳۶ ج۵) شاید اسی گفتگو میں حضرت سعدؓ نے کچھ فرمایا تھا جس کا جواب حضرت علیؓ نے بقول خود یہ دیا تھا:۔

بل انتم واللہ لاحرص وابعد وانا اخص واقرب وانما طلبت حقًا لی۔ (نہج البلاغہ)	بلکہ خدا کی قسم تم اس کے (خلافت کے) بہت زیادہ حریص ہو اور اس سے بہت زیادہ دور بھی اور میں اس سے خصوصیت خاص رکھتا ہوں اور اس سے بہت قریب ہوں میں نے تو اپنا حق طلب کیا ہے۔
.. . .. .	

حضرت علیؓ کا یہ قول حقیقت میں نہ ہو، غلط منسوب ہو تب بھی مجلس شوریٰ کی کارروائی کی تفصیلات سے جو طبری اور دیگر مورخین نے پیش کی ہیں ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں اپنی ناکامی کا حضرت علیؓ کو ایسا ملال تھا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہنے لگے جنہوں نے امیدواری سے دست بردار ہو کر بقیہ ارکان میں سے کسی کو منتخب کرنے کا اختیار حاصل کر لیا تھا کہ "تم نے قطعًا زمانہ سازی سے کام لیا، یہ پہلا دن نہیں ہے کہ تم نے ہمارے خلاف مظاہرہ کیا ہو۔ فصبر جمیل واللہ المستعان علیٰ ما تصفون۔ خدا کی قسم تم نے عثمانؓ کو محض اس لئے

(بقیہ صفحہ گزشتہ) سے تعبیر کیا تھا جس سے ثابت ہے کہ ان کی نظروں میں بھی موصوفہ کی وہی عظمت تھی جو حضرت عثمانؓ کے نزدیک تھی؛ جیسا ان کے آخری خط کے فقرات سے ظاہر ہے جو اوپر نقل ہوئے، ان عظماء ملت کی نظروں میں جب مادر مومنین کا یہ وقار ہو تو حضرت علیؓ کے طرز عمل کے بارے میں مورخین نے جو روایتیں نقل کی ہیں کیا موجب استعجاب نہیں؟

خلیفہ بنایا ہے کہ کل وہ تمہیں خلیفہ بنا دے" امیہ کہتے ہوئے کہ سیبلغ الکتٰب اجلہ (تحریر بہت جلد اپنی مدت کو پہنچ جائیگی (طبری ج ۵) بلا بیعت کئے چل دیتے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضؓ نے پکار کر کہا کہ ومن نکث فانما ینکث علیٰ نفسہ ومن اوفیٰ بما عاھد علیہ اللہ فسیوتیہ اجرا عظیما (جو عہد شکنی کرتا ہے وہ اپنے ہی نفس کے خلاف عہد شکنی کرتا ہے اور جو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرتا ہے تو اللہ اسے بڑا اجر دے گا) اس پر حضرت علیؓ لوگوں کو چیرتے ہوئے لوٹے اور بیعت کی مگر بیعت کرتے وقت بھی برابر یہ کہتے رہے کہ یہ فریب ہے کتنا بڑا فریب" (طبری ص ۴۱ ج ۵)

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ اور بعض ان کے ہم خیال حضرات خلافت کو خاندانی وراثت سمجھتے تھے لیکن صحابہ کی اکثریت انتخاب خلیفہ کو شورائی جانتی تھی چنانچہ پہلے تینوں خلفاء کا انتخاب اسی طریقے سے ہوا۔

ابن ابی الحدید نے ایک موقع پر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے باہمی تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ کبھی تو دونوں میں میل جول صلح صفائی ہو جاتی اور کبھی مخالفت و بیزاری رہتی

لے حضرت علیؓ نے جب حضرت عبدالرحمٰنؓ سے یہ عہد لیا تھا کہ "تم حق کو ترجیح دو گے خواہش نفس کا اتباع نہیں کرو گے۔ رشتہ داری کا لحاظ کرو گے اور محض امت کی خیر خواہی کو مدنظر رکھو گے" اس پر حضرت عبدالرحمٰنؓ نے بھی ان سے عہد لیا تھا کہ "جو شخص بعد میں تبدل و تغیر کرنا چاہے اس کے خلاف تم سب میرا ساتھ دو گے اور جسے میں منتخب کر دوں اس پر راضی رہو گے۔ مجھ پر اس کے لئے یہ عہد ہے کہ میں کسی رشتہ دار کا رشتہ داری کی وجہ سے کوئی خیال نہ کروں گا اور محض مسلمانوں کی خیر خواہی کو مدنظر رکھوں گا"

طبری کی روایت میں صراحتاً بیان ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے دن رات صحابہ سے امراء افواج سے شرفاء سے طالبین سے اور مدینہ کے ہر رہنے والے سے یا جو باہر سے آئے ہوئے تھے سب سے مشورہ کیا وہ جس سے بھی ملے اور پوچھا اس نے عثمانؓ ہی کا نام لیا، علیؓ کا کسی نے نام نہ لیا، شاید اسی قسم کے حالات کے پیش نظر حضرت عباسؓ نے اپنے بھتیجے کو مشورہ دیا تھا کہ مجلس شوریٰ کا بائیکاٹ کر دیں فقال العباس لعلی لا تدخل معھم (طبری ص ۳۴ ج ۵) نیز یہ فرمایا کہ دیکھو میں نے رسول اللہ صلعم کی بیماری میں تم سے کہا تھا کہ خلافت کے بارے میں پوچھ لو تم نے میرا مشورہ نہ مانا، پھر عمرؓ نے جب مجلس شوریٰ بنائی تھی تم سے کہا تھا کہ شامل نہ ہو تا وقتیکہ ان سے صاف کہہ دو کہ یا تو تمہیں خلیفہ بنائیں ورنہ ان سے الگ رہو۔

(طبری ایضاً)

حکومت کی پالیسی پر جو نکتہ چینی کی جاتی خواہ نیک نیتی سے تھی یا ہنسی مذاق سے[1] وہ مدینہ سے باہر پہنچتی بات کا تبنگڑ بنتا، دوسرے لوگ اثر قبول کرتے۔ منافقین تو شروع ہی سے اس تاک میں تھے کہ آپس کے اختلاف کو ہوا دیں۔ حضرت علیؓ کی مخالفت جب نمایاں ہوئی ان کے ذاتی شرف و امتیاز کے ساتھ موروثی خلافت کے بارے میں ان کے رجحان پر اور حاشیے چڑھائے گئے ابن سبا نے وصایت کا نظریہ اختراع کیا۔ حضرت عثمانؓ کے آخری عہد میں اس نظریہ نے عملی تحریک کی صورت اختیار کر لی اور اسی تحریک کے علمبرداروں کے ہاتھوں جیسا مختصراً بیان ہو چکا حضرت عثمانؓ شہید ہوئے اور انہی کے ہاتھوں حضرت علیؓ خلیفہ بنائے گئے۔

اسلامی سیاسی نظام کا تاریخی موڑ

مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی حضرت علیؓ نے بعض تجربہ کار و کارگزار عمال حکومت کو جن کی شاندار خدمات تھیں برطرف کر کے اپنے ہی خاندان کے بعض افراد کو اور دوسرے عزیزوں کو جنہیں انتظامی معاملات کا کوئی سابقہ تجربہ مطلق نہ تھا مناصب اعلیٰ پر مقرر کر دیا۔ اس بات پر ان کا معتمد خاص مالک الاشتر بگڑ گیا اور کہہ اٹھا فلما اذا قتلنا الشیخ بالامس (شرح ابن ابی الحدید) ہم نے ان بڑے میاں (حضرت عثمانؓ) کو کل کس لئے قتل کیا تھا[2]۔ یہ بات اس نے اس بنا پر کہی تھی کہ اپنے چچیرے بھائیوں کو حجاز و یمن و عراق کی حکومتیں سپرد کر دیں۔ حضرت علیؓ نے جب مالک الاشتر کی یہ بات سنی اور اس کی ناراضی کا حال معلوم ہوا ڈانٹ ڈپٹ کے بجائے الٹی اس کی دلجوئی کی اور معذرت کرنے لگے۔

لہ حضرت علیؓ خوش طبع اور ظریف تھے، حضرت عمرؓ نے اس وقت کہ موت سامنے تھی ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ ان ولی علیؓ ففیہ دعابۃ واحر بہ ان یحملھم علی طریق الحق (طبری ص ۳۵ ج ۵) یعنی اگر علی کو خلیفہ بنایا تو ان میں ہنسی مذاق کا مادہ زیادہ ہے مگر لوگوں کو حق کے راستہ پر لے چلیں گے۔

لہ حضرت عثمانؓ نے تو اپنے بارہ سالہ مدت خلافت میں اس طرح اپنے کسی عزیز کو کوئی منصب جلیل عطا نہیں کیا تھا۔ حضرت معاویہؓ ولید بن عقبہؓ، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کا تقرر تو پہلے خلفاء نے کیا تھا۔ ایک عبداللہ بن عامر کا تقرر البتہ انہوں نے کیا جو آنحضرت صلعم کی پھوپی ام البیضا کے نواسے تھے اور ان کی بڑی شاندار خدمات ہیں مشرقی ممالک کا بیشتر حصہ انہوں نے فتح کیا تھا۔

— (٭) —

وان علیا لما بلغه هذه الکلمة احضرهٔ ولاطفه واعتذر الیه (شرح ابن ابی الحدید)

جب (حضرت) علیؓ کے کان تک (الاشتر) کا یہ قول پہنچا تو اسے بلایا، اس سے ملاطفت کا برتاؤ کیا اور معذرت کی۔

اس معذرت کے بارے میں ابن ابی الحدید نے حضرت علیؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ میں نے تو صلۂ رحم کا برتاؤ کیا ہے، یعنی رشتہ داری کے تعلق سے یہ تقررات کئے ہیں، کیونکہ اپنے چچا عباسؓ کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امارت طلب کرتے ہوئے کئی بار سنا تھا اور عمرؓ و عثمانؓ کے زمانوں میں "ابناء الطلقاء" کو عہدے ملے، مگر میرے چچا کے بیٹوں میں سے کسی کو کوئی عہدہ نہ ملا ان کے دلوں میں اس کا ملال تھا، لہٰذا اس رنج و ملال کو میں نے ان کے دلوں سے

لہ حضرت علیؓ کی زبان سے یہ لفظ ان کی متعدد تقریروں، خطبوں میں اور زبان قلم سے مراسلات میں تنقیصاً ادا ہوا ہے، اصل تو یہ لفظ موجب تنقیص نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم کعبہ میں بغیر جنگ و جدال کے فاتحانہ داخلہ کے بعد اپنی قوم قریش سے جس میں بنی امیہ کے علاوہ سب ہی خاندانوں کے لوگ شامل تھے۔ فرمایا کہ تم سب آزاد ہو تم پر کوئی سرزنش نہیں، پھر حضرت ابو سفیانؓ اور حضرت معاویہؓ فتح مکہ سے قبل ہی دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اس کے علاوہ آپ کے عمال میں کوئی ہاشمی نہ تھا، اکثر و بیشتر بنی امیہ ہی کے افراد شامل تھے یعنی:۔

۱۔ عتاب بن اسید اموی عامل مکہ

۲۔ ابوسفیان بن حرب " نجران

۳۔ یزید بن ابوسفیان " تیماء

۴۔ معاویہ بن ابوسفیان " کاتب رسول اللہ و مبلغ اسلام مقام حضرموت

۵۔ خالد بن سعید " عامل صنعاء

۶۔ عمرو بن سعید " قری عربیہ (تبوک و خیبر و فدک)

۷۔ الحکم " وادی القری

۸۔ ابان " بحرین

۹۔ ولید بن عقبہ " بنی المصطلق

۱۰۔ العلاء حلیف بنی امیہ " اموال غنائم و محافظ خاتم رسول اللہ

—— (۰۰۰) ——

یوں دور کر دیا "وازیل ما کان فی انفسهم" ان کے دوسرے عزیزوں کے دلوں میں تو ایسا کوئی ملال نہ تھا مگر صلۂ رحمی کا دائرہ ان تک بھی وسیع کیا گیا۔ اپنے حقیقی بھانجے[1] اور داماد جعدہ بن ہبیرہ کو خراسان کی گورنری عطا کی اور سوتیلے بیٹے محمد بن ابی بکرؓ کو مصر کی۔ گویا اسلامی حکومت کے تقریباً تمام اہم صوبے اپنے رشتہ داروں کی حکومت میں دیدئے جن میں بیشتر نوجوان و ناتجربہ کار تھے باین تفصیل:۔

۱۔ گورنر یمن۔ عبیداللہ بن عباسؓ ۲۔ گورنر مکہ۔ معبد بن عباسؓ ۳۔ گورنر مدینہ۔ قثم بن عباسؓ ۴۔ گورنر عراق۔ عبداللہ بن عباسؓ ۵۔ گورنر خراسان۔ جعدہ بن ہبیرہ (بھانجہ و داماد) ۶۔ گورنر مصر۔ محمد بن ابی بکرؓ (سوتیلے بیٹے) (۷) افسر افواج۔ محمد ابن الحنفیہ (فرزند حقیقی) سوائے شام کے کوئی صوبہ خالی نہ تھا[2]، مگر صوبہ شام پر حضرت معاویہؓ بیس برس سے بڑی کامیابی سے گورنری

لہ یہ جعدہ حضرت علیؓ کی بہن ام ہانی کے جن کا اصل نام فاختہ تھا فرزند تھے۔ ام ہانی نے بھی فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا تھا، مگر ان کے شوہر ہبیرہ بھاگ کر نجران چلے گئے اور بحالت کفر ہلاک ہوئے "وهرب هبيرة من الاسلام الى نجران ومات بها كافراً" (کتاب نسب قریش ص۳۴۴) جعدہ حضرت علیؓ کے داماد تھے اور شاعر بھی۔ شعر گوئی کا مادہ اپنے باپ سے پایا تھا ان کا ایک شعر ہے جس میں اپنے ماموؤں علیؓ و عقیلؓ پر فخر کیا ہے۔

وَمَن ذا الذی یبای علی بخاله ؛ وخالی علیؓ ذو الندی وعقیل

سلہ حضرت علیؓ کا اپنے چچیرے بھائیوں کو گورنر مقرر کرنا اور اپنے دونوں صاحبزادوں حسنؓ و حسینؓ کو ذمہ داری کا کوئی عہدہ نہ دینا ایک دلچسپ بحث و مباحثہ کا سبب ہوا یہ مباحثہ قاضی عبدالجبار قاضی القضاۃ بغداد و شریف المرتضیٰ مصنف نہج البلاغہ کے مابین تحریر اور تالیفات کے ذریعہ ہوا تھا۔ قاضی القضاۃ نے ایک استدلال یہ پیش کیا تھا کہ خود حضرت علیؓ ان صاحبزادوں میں انتظامی امور کی اہلیت نہیں پاتے تھے شریف المرتضیٰ نے جواباً کہا تھا کہ اول تو حضرت علیؓ جنگوں میں مشغول ہو گئے تھے پھر حضرت حسنؓ کی بیعت خلافت بھی ان کی اہلیت کی دلیل ہے اور حضرت حسینؓ کی صلاحیت خلافت پر تو اجماع مسلمین ہے ان کے والد کے ان کو حاکم نہ بنانے سے ان کی صلاحیت کی قدح نہیں ہو سکتی۔ "ولم تکن ترک تولیته ابیه ایاه الولایات قادحا فی صلاحیه لها" (شرح نہج البلاغہ جزو ۴ ص۳۴۹) مناقب کی وضعی احادیث کے الفاظ میں عقیدت مندی جو چاہے کہلوائے اوراق تاریخ تعمیر ملت کی نمایاں خدمات اور کارناموں سے جو ان حضرات کے نسبی و حسبی علوئے مرتبت سے متوقع ہو سکتے تھے یکسر خالی ہیں، دو مرتبہ جہادوں کی شرکت البتہ

کے فرائض انجام دے رہے تھے، کون ان سے جا کر جارج لے سکتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے حضرت علیؓ نے اصرار بھی کیا مگر انہوں نے وہاں جانے کی حامی نہ بھری۔

الغرض خاندانی و موروثی خلافت و حکومت کے تصورات نے اسلام کے سیاسی نظام کو ملوکیت کے ڈھانچہ میں تبدیل ہو جانے کی اس طرح داغ بیل ڈلوادی اور خانہ جنگیوں نے ملک عضوض کی طرح ڈالی جس کی تشریح شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ان الفاظ میں کی ہے:۔

ومعنی لفظ عضوض دلالت میکند برحروب و مقاتلات و جهیدن یکے بر دیگرے و منازعت یکے با دیگرے در ملک (ازالۃ الخفاء ص۱۴۳ ج ا)	اور لفظ عضوض کے معنی دلالت کرتے ہیں جنگوں خونریزیوں اور ایک کے دوسرے پر یورش کرنے اور جھگڑا کرنے کے جو ملک وسلطنت کے بارے میں ہوں۔

خانہ جنگیوں میں سبقت حضرت علیؓ ہی کی جانب سے ہوئی وہ ہی پہلے ام المومنین کے خلاف لشکر لے کر گئے پھر تقریباً ایک لاکھ نفوس کا لشکر لیکر حضرت معاویہؓ کے خلاف۔ حضرت علیؓ ہی کے ایک فرد خاندان ابو جعفر المنصور نے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے تھے اپنی ایک تقریر میں جو محمد المہدی حسنی کی بغاوت فرو ہو جانے کے بعد مجمع عام میں کی تھی، خانہ جنگیوں اور ان کے نتائج کا ذکر جن الفاظ میں کیا تھا اس کو طبری نے اپنے اوراق میں محفوظ رکھا ہے۔ جس کے یہ فقرے یہاں نقل کرنا مناسب ہیں:۔

یہ جو میرے اہل خاندان علی بن ابی طالب کی اولاد ہے بخدا اس حکومت کے معاملہ میں ہمارا ان سے کوئی جھگڑا نہیں۔ ہم نے تو اس خلافت کو انہیں کے لئے چھوڑ دیا تھا اور اس میں تھوڑا یا زیادہ کچھ بھی حصہ نہیں لینا چاہا۔ علی بن ابی طالب خلیفہ ہوئے تو اس سلسلہ میں وہ خون سے لت پت ہو گئے۔ دو شخصوں نے ان کے مخالف فیصلہ کر دیا اس وجہ سے امت اسلام نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور لوگ ان کے مخالف ہو گئے پھر انہی کے شیعہ مددگار، دوست رازدار اور معتمد لوگوں نے ان پر یورش کی اور قتل کر دیا ان کے بعد حسن بن علیؓ خلیفہ ہوئے مگر بخدا وہ اس کے مرد نہ تھے جب ان کو روپیہ پیش کیا گیا انہوں نے اسے قبول کر لیا...... انہوں نے خلافت سے استعفا دیدیا اور اسے معاویہؓ کے سپرد کر دیا اور خود عورتوں سے تمتع کرنے میں مصروف ہو گئے روزانہ ایک نکاح کرتے اور صبح کو طلاق دید یتے۔ اسی طرح انہوں نے اپنی زندگی پوری کر دی۔ بستر پر

پڑے پڑے انتقال کیا[1]۔ ان کے بعد حسین بن علی اٹھے، عراقیوں اور کوفیوں نے ان کو دھوکہ دیا۔ (کوفہ کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے) اس سیاہ سرزمین کے باشندے بخدا بڑے جھگڑالو، منافق اور ہر وقت فتنہ و فساد کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں یہ نہ جنگ ہے کہ میں ان سے لڑوں اور نہ صلح ہے کہ صلح کروں اللہ مجھے ان سے دور رکھے ــــــ انہوں نے حسین کا ساتھ چھوڑ دیا اور ان کو دشمن کے حوالے کر دیا وہ مارے گئے۔" (الی آخرہ)

---

[1] بعض کتب تاریخ میں تصریح ہے کہ حسنؓ نے چالیس دن بستر پر پڑے پڑے انتقال کیا "مرض الحسن اربعین یوماً" (تاریخ الخمیس ص۳۲۶ ج ۲) دمیری نے مدت علالت دو ماہ بیان کی ہے (ص۶۶ ج ا) ذیا الطبس کا عارضہ عرصہ سے لاحق تھا۔ اس میں شہد کا شربت پینے سے اشتداد ہو گیا۔ زہر خورانی کی وضعی روایتیں زمانہ مابعد کی ہیں۔ قدیم مورخین ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ و ابو حنیفہ دینوری متوفی ۲۸۱ھ مولف اخبار الطوال نیز صاحب کتاب المحبر متوفی ۲۴۵ھ نے زہر خورانی کا اشارۃً بھی ذکر نہیں کیا۔ شیعہ مورخ یعقوبی زہر خورانی کا ذکر کرتا ہے مگر زہر دینے والے کا نام نہیں لیتا۔ اسی طرح ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کسی کا نام نہیں لیا، مسعودی متوفی ۳۴۶ھ جو غالی مگر قابل شخص تھا، یہ کہا جاتا ہے کے ساتھ حسنؓ کی زوجہ جعدہ بنت اشعث بن قیسؓ کا نام لیتا ہے کہ معاویہؓ کے اشارہ سے زہر دیا تھا مگر اپنے قول کی سند نہیں پیش کرتا۔ محقق لامن نے لکھا ہے کہ حسنؓ حرم کی زندگی بسر کرنے سے بہت نحیف ہو گئے تھے ان کی شخصیت قطعاً بے آزار تھی کسی کو کیا پڑی تھی کہ ایسے بے آزار شخص کو زہر دے یا دلوائے۔ المدائنی کی روایت ہے کہ اپنے والد ماجد کی زندگی میں حسنؓ نے نوے نکاح کئے تھے ابن سیرین نے کہا ہے کہ ایک خاتون سے نکاح کیا تو ایک سو کنیزوں کے ذریعہ روپیہ بھیجا، ہر کنیز کے ساتھ ایک ہزار درہم یعنی ایک لاکھ درہم بھیجے (تاریخ الخمیس ص۳۲۶ ج ۲) حضرت معاویہؓ سے شرائط صلح میں یہ شرط بھی تھی کہ بیت المال کوفہ میں جو کچھ ہے مجھے دیا جائے چنانچہ پانچ کروڑ نقد اور دیگر بیش قیمت سامان لے کر مدینہ آئے بیس لاکھ سالانہ وظیفہ ملتا تھا وہ سب حرم کی زندگی پر خرچ کر دیتے اور قرض کر لیتے ایک مرتبہ ادائے قرض کے لئے حضرت معاویہؓ سے دست سوال دراز کیا انہوں نے دریا دلی سے اسی ہزار دینار عطا کئے (ص۳۲۶ ایضاً) ملا باقر مجلسی نے جلاء العیون (مطبوعہ تہران ۱۳۲۲ھ) میں ص۳۰۹ پر لکھا ہے کہ۔ حضرت امام حسنؓ نے دو سو پچاس اور دوسری روایت سے تین سو عورتوں سے نکاح کئے تھے اس پر امیر المومنین علیؓ نے منبر پر فرمایا کہ حسن بہت زیادہ طلاق دیتے ہیں، لوگوں نے کہا: "یک شب حترا را تزویج کند برائے ما از شرف کافی است" (ص۳۰۹ سطر ۶) ملا صاحب نے یہ عجیب بات لکھی ہے کہ جتنی عورتوں کو طلاق دی تھی وہ سب کی سب حسنؓ کے جنازے پر ننگے پاؤں ننگے سر حاضر ہوئی تھیں۔ مشکوٰۃ و ابوداؤد میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ابغض الحلال الی اللہ الطلاق یعنی جائز چیزوں میں ناگوار ترین چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہے عرب کثیر النکاح تھے اور طلاق بھی کثرت سے دیتے تھے مگر حضرت حسنؓ کے نکاحوں کی تعداد ملا باقر مجلسی نے شاید مبالغہ سے بیان کی

ابو جعفر المنصورؒ کی تقریر کا یہ فقرہ قدرے تشریح طلب ہے کہ "دو شخصوں نے ان کے (علیؓ کے) مخالف فیصلہ کردیا اس وجہ سے امت اسلام نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور لوگ ان کے مخالف ہو گئے۔"

"دو شخصوں" سے مراد ثالثوں سے ہے، جو ان کے اور حضرت معاویہؓ کے تنازعہ کا تصفیہ کرنے کے لئے حکم مقرر ہوئے تھے، یہ تنازعہ بھی محض خونِ عثمانؓ کے قصاص کے بارے میں تھا۔ انتخابِ خلیفہ سے اس قضیہ کا کوئی تعلق و واسطہ مطلق نہ تھا چنانچہ خود حضرت علیؓ نے اپنے گشتی مراسلہ میں صراحتاً بیان کیا تھا کہ ہم میں اور اہل شام میں جو مقابلہ ہوا وہ خونِ عثمانؓ کے بارے میں تھا (خلافت معاویہؓ و یزیدؒ صہ ۱۵) ثالثی کی نوبت یوں آئی کہ فریقین کے لشکروں میں جن کی مجموعی تعداد مورخین نے دو لاکھ سے متجاوز بیان کی ہے، صحابہ و تابعین و قرآّ (حفاظ قرآن) کی جماعتیں موجود تھیں، تین مہینے سے زیادہ مدت تک دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آراء رہے، دونوں جدال و قتال سے بچنا چاہتے تھے، فریقین میں مراسلات کا سلسلہ عرصہ تک جاری رہا، صلح مصالحت کی غرض سے وفود بھی آتے جاتے رہے پھر سنگین جھڑپیں ہوئیں جن میں سخت خون ریزی بھی ہوئی مگر جانبین کے سنجیدہ لوگوں خصوصاً" حفاظ قرآن کے دلوں میں یہ خیال پختہ ہو تا گیا کہ اپنے ہی دینی بھائیوں کی گردنیں کاٹنے اور اپنی کٹوانے کے بجائے اس تنازعہ کا کوئی اور معقول حل تلاش کیا جائے خصوصاً" اس خطرے کے پیش نظر کہ اس خانہ جنگی کے نتیجہ میں دشمنانِ اسلام کو جو اسی تاک میں لگے ہوئے تھے مسلمانوں کی حربی قوت کو فنا کر دینے کا موقع مل جائے گا۔ بالآخر ثالثی کی اس تجویز پر کہ اس تنازعہ کا قرآن و سنت کی رو سے فیصلہ کرایا جائے فریقین متفق ہو گئے۔[1]

---

[1] مالک الاشتر جو حضرت عثمانؓ پر یورش کرنے والی بلوائی جماعت کا لیڈر تھا لڑائی بند کرا کے ثالثی ہونے پر شدید مخالف تھا اور یہی شخص اور اس کے ساتھی ہی تو تھے جنھوں نے خفیہ سازش سے لڑائی چھیڑ کر اس صلح مصالحت کو ناکام کر دیا تھا جو جنگ جمل سے قبل فریقین میں ہو گئی تھی کیونکہ مصالحت کی صورت میں قاتلین بغیر سزا کے نہیں بچ سکتے تھے ایسی ہی کچھ صورت یہاں بھی تھی مگر حضرت علیؓ کے لشکر کے بعض ممتاز و باا‌ثر اشخاص خصوصاً" حضرت اشعث بن قیسؓ برادر نسبتی حضرت ابو بکر الصدیقؓ کی دھمکی سے بالآخر وہ بھی مجبور ہو گیا۔ ابو مخنف وہشام کلبی جیسے کذابین کی راویتیں کہ شکست ہوتے دیکھ کر قرآن نیزوں پر بلند کرا کے ——

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

دو جلیل القدر صحابی جن کی قابلیت و دیانت و معدلت گستری پر صحابہ و تابعین و جمہور امت کو اعتماد کلی تھا ثالث مقرر ہوئے حضرت عبداللہ بن قیس ابو موسیٰ الاشعریؓ[1]، حضرت علیؓ

---

[1] ابن جریر طبری نے ابو مخنف ہی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ اپنی جانب سے اپنے چچیرے بھائی حضرت ابن عباسؓ کو ثالث مقرر کرنا چاہتے تھے لوگوں نے اعتراض کیا کہ وہ تو آپ کے بھائی آپ کی ذات کے مثل ہیں اس پر انہوں نے اپنے معتمد خاص مالک الاشتر کا نام پیش کیا، حضرت اشعثؓ وغیرہ نے کہا کہ لڑائی بھڑکانے کی یہ ساری آگ تو اسی کی بھڑکائی ہوئی ہے مجبوراً حضرت ابو موسیٰؓ کی ثالثی قبول کر لی اور بقول شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلویؒ یہ کہا کہ لو ابو موسیٰ تم فیصلہ کردو چاہے میری گردن کاٹنے ہی کے بارے میں کیوں نہ ہو (ازالۃ الخفاء ج ۲ صہ ۲۸۲) حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بڑے عالم و فقیہہ صحابی تھے ان چار صحابہ میں سے تھے جو آنحضرت صلعم کے زمانہ میں فتوے دیتے تھے (تذکرۃ الحفاظ ذہبی) وہ خانہ جنگی سے الگ تھلگ گوشہ عزلت میں تھے جب پیغامبر نے اطلاع دی کہ تنازعہ ثالثی کے سپرد ہو گیا سنکر کہا الحمد للہ رب العالمین جب یہ سنا کہ انہیں ثالث مقرر کیا گیا ہے فرمایا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ رشتہ میں حضرت علیؓ کے بہنوئی (داماد) تھے ان کے مختصر حالات اس کتاب میں بزمرہ تذکرہ صحابہ شامل ہیں۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) لڑائی بند کرائی گئی تھی، نامعتبر اور غیر مستند ہیں، فریقین کے لوگوں میں یہ جذبہ پہلے سے موجود نہ ہوتا کہ خانہ جنگی بند ہو کر تنازعہ کا دوسرا حل تلاش کیا جائے، ہزار قرآن نیزوں پر بلند کئے جاتے جنگ ملتوی نہ ہو سکتی تھی۔ غالی راویوں نے علوی پارٹی کے پوزیشن کو بڑھا چڑھا کر اور مخالف پارٹی کے پوزیشن کو گھٹا کر بیان کرنے کی غرض سے واقعات کی صورت مسخ کر کے پیش کی ہے۔ جنگ جمل میں خود حضرت علیؓ ہی نے قرآن بلند کرا کے لڑائی بند کرانے کی کوشش کی تھی۔ مسئلہ تو کچھ پیچیدہ نہ تھا بہت سادہ تھا یعنی قرآن و سنت کی رو سے قصاص لینا واجب تھا جو باوجود قادر ہونے کے نہ لیا گیا اور قاتلین اور ان کے ساتھی حضرت علیؓ کے لشکر میں موجود رہے اور وہ ہی ان کے انتخاب میں بھی پیش پیش تھے اس لئے رائے عامہ کا رجحان قوی ہوتا گیا کہ تلوار کے بجائے ثالثی سے معاملہ کا تصفیہ ہو۔ ایک مستشرق کا یہ قول اس سلسلہ میں قابل لحاظ ہے انہوں نے کہا ہے کہ:-

قرآن پر اس فیصلہ کا انحصار کیا جانا علیؓ کے (پوزیشن کے) لئے قطعاً تباہ کن تھا کیونکہ اس مقدس صحیفہ کی رو سے یہ تحقیق کرنا تھا کہ اس طرز عمل کے اعتبار سے جو قتل عثمانؓ کے سلسلہ میں ان کا رہا تھا وہ خلیفہ قائم رہنے کے لائق نہ تھے چنانچہ فی الوقت وہ معزول المعصور ہوئے اس کے برخلاف معاویہؓ کا پوزیشن فیصلہ کے نتیجے سے

کی جانب سے اور حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت معاویہؓ کی طرف سے۔ ثالثی نامہ کی جو دستاویز لکھی گئی تھی اس پر فریقین کے علاوہ ان کے معتمد رفقاء کے جن کی تعداد دس اور چالیس تھی گواہی میں دستخط ثبت ہوئے۔ ثالثوں نے فریقین سے جو عہد و اقرار لیا تھا مورخ ابو حنیفہ الدینوری نے اخبار الطوال میں اس کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:۔

واخذ عبد اللہ بن قیس وعمرو بن العاص علی علیؓ و معاویۃ عهد اللہ و میثاقہ بالرضا بما حکما بہ فی کتاب اللہ و سنۃ نبیہ ولیس لهما ان ینقضا ذلک ولا یخالفاہ الی غیرہ۔

(اخبار الطوال)

عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰ الاشعری) و عمرو بن العاص نے علی و معاویہ سے اللہ کے نام پر موثق عہد اقرار لیا ہے کہ یہ دونوں ثالثوں کے فیصلہ پر راضی ہوں گے جو کتاب اللہ اور اس کے نبی کی سنت کی بنیاد پر کیا جائے۔ علی و معاویہ کو اس کی اجازت نہ ہوگی کہ وہ ثالثوں کے فیصلہ کو توڑ دیں اور اس کے برخلاف کسی اور طرف مائل ہوں۔

اخبار الطوال کے مولف نے جو ابن جریر طبری سے پہلے کے مورخ ہیں ثالثی نامہ بغیر کسی ترک و حذف کے تمام و کمال درج کرتے ہوئے مندرجہ بالا فقرہ کو جو اس دستاویز کا اہم اور ضروری جزو ہے نقل کیا ہے کیونکہ فریقین سے ثالثوں کا یہ عہد و اقرار لیا کہ وہ ان کے فیصلہ کو قبول کریں گے اس سے انحراف نہ کریں گے لازم و لابد تھا مگر ابن جریر طبری نے یا تو اس فقرہ کو خود ہی حذف کر دیا یا ابو مخنف نے جس کی روایت سے انہوں نے ثالثی نامہ کی عبارت اپنی کتاب میں نقل کی ہے اسے ترک کر دیا تھا۔

بہر حال دونوں محترم ثالثوں نے تمام حالات و واقعات کا غیر جانبدارانہ جائزہ لے کر یہ قرار دیا کہ قرآن، سنت کی رو سے چونکہ قصاص خون عثمانؓ لینا واجب تھا جو حضرت علیؓ نہ لے سکے بلکہ مانع آئے۔ قاتلین اور ان کے ساتھی ان کے لشکر کے ساتھ ساتھ ہیں اور امت خانہ جنگی میں مبتلا ہے اس لئے وہ خلافت سے معزول ہوں، از سر نو انتخاب ہو نیز جس وقت تک دوسرا موزوں شخص منتخب نہ ہو لڑائی موقوف رہے اور فریقین اپنے اپنے مقبوضات پر قابض و حکمراں رہیں۔ عراقی پارٹی کے سیاسی مقاصد کے حق میں یہ فیصلہ تباہ کن تھا وہ اس سے سخت بیزار تھے ادھر حضرت علیؓ نے یہ فرما کر کہ ثالثوں نے انصاف سے کام نہیں لیا فیصلہ

ثالثی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور زید بن الحصین و عبداللہ بن وہب خارجی لیڈروں اور ان کے ساتھیوں کو جن سے وہ اس زمانہ میں برسرپیکار تھے خط بھیجا کہ ثالثوں نے چونکہ خواہش نفسانی سے فیصلہ صادر کیا ہے ہم اسے قبول نہیں کرتے اور اب ہم اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آئے ہیں اپنے اور تمہارے دشمن کے خلاف جنگ کرنے چلتے ہیں آؤ اور ہمارا ساتھ دو۔ خارجی لیڈروں نے قریب قریب اسی مضمون و مفہوم کا جواب دیا جو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے اس جملے سے جو پہلے بھی نقل ہو چکا ہے، مترشح ہے کہ یہ مقاتلات وے (علی) رضی اللہ عنہ برائے طلب خلافت بود نہ بجہت اسلام (ازالۃ الخفاء ص۲۷۸ ج۲) حضرت علیؓ کے مراسلہ اور خارجیوں کے جواب کو طبری (ص۷۴ ج۶) کامل المبرد وغیرہ کے علاوہ محقق لامن نے اپنی مبسوط تالیف بزبان فرانسیسی "خلیفہ معاویہ" (ص۱۳۷) میں نقل کیا ہے۔ ان لوگوں نے جواباً لکھا تھا "اس تمام معاملہ میں اللہ کے دین کا تو کوئی مسئلہ ہے نہیں، یہ تو تمہارا اپنا ذاتی معاملہ ہے اور تم نے اسی وجہ سے ثالثوں کے فیصلہ کو ماننے سے انکار کیا ہے کہ وہ تمہارے مفاد کے خلاف ہے۔"

طبری نے اس سلسلے میں یہ روایت بھی درج کی ہے جس کو دوسرے مورخین نے بھی نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ جب اذروح (مقام ثالثی) سے لوٹ کر آئے اور حضرت علیؓ کو فیصلہ کے مضمون سے آگاہ و مطلع کیا انہیں ایسا رنج و ملال ہوا کہ اس دن سے وہ ہر نماز فجر کے بعد نہ صرف معاویہؓ بلکہ عمرو بن العاصؓ و ابو الاعور السلمیؓ و حبیب بن مسلمہؓ و عبدالرحمٰن بن خالد بن ولیدؓ و ضحاک بن قیسؓ اور تمام صحابہ و رفقائے معاویہؓ پر لعنت بھیجا کرتے تھے، یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے بھی ترکی بترکی جواب دیا اور علیؓ و ابن عباسؓ و مالک الاشتر و حسنؓ و حسینؓ پر لعنت بھیجنی شروع کی۔ ابن ابی الحدید نے اپنی شرح میں اسی قسم کی روایتیں کئی جگہ درج کی ہیں علامہ ابن کثیرؒ نے تو یہ روایتیں درج کر کے اتنا لکھ بھی دیا ہے "لا یصح واللہ اعلم" مگر دوسرے مورخین نے حضرت علیؓ کے لعنت بھیجنے کا ذکر ترک کر کے حضرت معاویہؓ اور ان کے بعد تمام بنی امیہ ہی کا یہ فعل قرار دیا ہے، اس لئے ضمناً یہاں اس کا ذکر کیا گیا ورنہ یہ روایت ابو مخنف جیسے غالی کی ہے، شاید اسی سے ابن ابی الحدید نے بھی اخذ کی ہو مگر ہرگز لائق اعتبار نہیں۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کی شان سے بہت بعید ہے کہ وہ ایسا کرتے، حاشا جنا ہم پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ چند دن بعد ہی سے حضرت ابن عباسؓ و حسنؓ و حسینؓ میں اور حضرت معاویہؓ میں کیسے کچھ تعلقات محبت و مودت کے قائم ہوئے اور برابر رہے سیاسی امور میں

اختلاف ہونا اور بات ہے اور سب وشتم و دشنام دہی کا وطیرۂ مذموم دوسروں کا ہے یہ رعیہ نہ ان صحابہ کا ہو سکتا تھا اور نہ تھا۔ حضرت علیؓ معصوم نہ تھے ان سے سیاسی معاملات میں متعدد لغزشیں ہوئیں خلوص و نیک نیتی سے ہوئیں، ان کی ذات میں بہت سے اوصاف تھے، بہت سی خوبیاں تھیں مگر خود اعتمادی کا جذبہ کم تھا، اپنی رائے پر دیر تک قائم نہ رہتے ساتھیوں کی رائے سے جلد متاثر ہو جاتے ان میں اس تدبر و ثبات و استقلال و قاہرانہ سطوت و آمرانہ دبدبہ کا اگر فقدان نہیں تو نمایاں نقصان تھا جو اس زمانہ کے حکمران میں ہونا ضروری تھے، یوں تو نہج البلاغہ میں اکثر خطبات وضعی ہیں۔ تاہم بعض صحیح کلمات بھی شامل ہیں جو حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں کی مذمت میں کہے ہیں مثلاً ایک موقع پر فرمایا تھا۔

قاتلکم اللہ لقد ملأتم قلبی قیحا و شحنتم صدری غیظا (نہج البلاغہ)	اللہ تم لوگوں کو ہلاک کر دے تم نے میرے دل کو (زخم کی) پیپ سے بھر دیا اور میرے سینہ کو غصہ سے۔

دوسری جگہ غالباً ثالثی کے فیصلہ کے بعد فرمایا تھا۔

منیت بمن لا یطیع اذا امرت ولا یجیب اذا دعوت۔	میں ایسے لوگوں میں مبتلا کر دیا گیا ہوں جو نہ کہنا مانتے ہیں نہ پکار کا جواب دیتے ہیں۔

یہ افسوسناک نتیجہ ہوا ان لوگوں پر اعتماد کرنے کا جو لائق اعتماد نہ تھے، پھر ان لوگوں کی ریاکاری و مداہنت سے خود ان کے درجہ و وقار پر بھی اثر پڑا۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار نے تحکیم کے سلسلہ میں گفتگو کرتے ہوئے لکھا کہ:۔

" ان کی ذات سے ہمدردی رکھنے کے باوجود علیؓ کا پوزیشن اپنے متبعین کی نظروں میں گرتا گیا کیونکہ جو سنگین الزامات ان پر عائد کئے گئے ان سے ان لوگوں پر بھی اثر پڑا جو ان کی موافقت کا رجحان رکھتے تھے۔ (ص۳۸۶ ج ۱)

فیصلہ ثالثی کو رد کر دینے کے بعد سے وہ صورت حال رونما ہوئی جس کا ذکر ابن ابی الحدید کی روایتوں میں ہے جو اوپر نقل ہوئیں اس کی تائید مزید ابوجعفر المنصورؒ کی تقریر کے اس فقرے سے ہوتی ہے جس کی تشریح اور توضیح میں یہ الفاظ لکھے گئے۔

حضرت علیؓ زخم کاری لگنے کے بعد ایک دن ایک رات زندہ رہے اپنے بڑے صاحبزادے کو امامت نماز کا حکم دیا لوگوں نے پوچھا ہم ان سے بیعت کرلیں فرمایا نہ میں حکم دیتا ہوں نہ منع

کرتا ہوں، بیٹوں کو وصیتیں کیں واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا آیت تلاوت فرما کر کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ نماز روزہ سے زیادہ افضل لوگوں اور جماعتوں میں صلح مصالحت کرانا ہے۔ ان صلاح ذات البین افضل من عامۃ الصلاۃ والصیام (طبری ص۸۵ ج ۶) حضرت علیؓ کی پاکیزہ نفسی کا یہ بیّن ثبوت ہے کہ آخر وقت جب یہ خیال آیا کہ امت کو کس زبوں حالت میں چھوڑے جا رہے ہیں حضرت حسنؓ کو وصیت کی کہ دیکھنا معاویہؓ کی امارت سے کراہت نہ کرنا (خلافت معاویہؓ و یزید ص۱۹) بالفاظ دیگر اپنے اسی حریف کی اہلیت کا یوں اعتراف کیا جس سے وہ برسرپیکار تھے یہ ہے زبردست مثال صحابی رسول کے خلوص نیت و حق پژوہی کی! اکرم اللہ وجہہ۔

حضرت حسنؓ نے اس وصیت کی جس طرح تعمیل کی ہے سب کو معلوم ہے۔ حضرت حسینؓ نے البتہ موروثی و خاندانی حق خلافت کے نظریہ کو ترک نہ کیا اور جیسا ابتدائی سطور میں کوفیوں سے ان کی خط و کتابت کے اقتباسات سے ثابت ہے وہ اس بات کے برابر منتظر رہے کہ جیسے ہی معاویہؓ کے مرنے کی اطلاع ملے طلب خلافت کا اقدام کریں۔ مدینہ سے مکہ معظمہ چلا جانا موسم حج تک وہاں قیام کرنا ظاہر ہے اسی مقصد سے تھا کہ لوگوں کو اپنے اس اقدام کی تائید پر آمادہ کر سکیں، چنانچہ متعدد صحابہ اور خود ان کے عزیزوں کے اقوال مورخین نے نقل کئے ہیں اور خلافت معاویہؓ و یزید میں بھی درج ہیں کہ حضرت حسینؓ نے شرکت کرنے کو ان سے بار بار کہا اور اصرار کیا مگر صحابہ کرام اور ان کے صحبت یافتگان یعنی تابعین عظام میں سے ایک فرد نے بھی ساتھ دینا درکنار ان کے غلط اقدام کی زبانی تائید بھی نہ کی بلکہ الٹا ان کو روکا، منع کیا اور نصیحتیں کیں۔ یہ ہے دوسری مثال صحابہ کرام کے موقف کی کہ احکام شریعت کی متابعت میں نہ کسی شخصیت کا کوئی اثر قبول کیا اور نہ موروثی و خاندانی حق خلافت کے نظریہ کی تائید پر آمادہ ہو سکے بلکہ اسی خلیفہ کی بیعت پر مستقیم رہے جس کی بیعت پہلے ہو چکی تھی۔

ایک شیعہ مولف صحابہ کرام کے اس موقف پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

" اہل بیت رسالت اور خاندان نبوت کے ساتھ مسلمانوں کے بے اعتنائی اور کم توجہی ابتدا ہی سے شروع ہو گئی تھی اور باوجودیکہ آنحضرتؐ نے بارہا اپنے اہل بیت کی عزت و محبت کے متعلق تاکید اور ہدایت فرمائی پھر بھی کلمہ گویان امت کا ان کے ساتھ ایسا سلوک اس قابل ہے کہ اس پر جس قدر تعجب کیا جاتا ہے کم ہے۔۔۔۔۔۔ رفتہ رفتہ محبت اہل بیت کے بدلے عداوت

اہل بیت مسلمانوں کے عقیدہ میں داخل ہوگئی بلکہ اس سے آگے قدم بڑھا کر منبروں پر علانیہ سب شتم ہونے لگا۔ ...... جب حسینؓ نے عراق کی طرف کوچ فرمایا بزرگان و مشاہیر حرمین بخوبی واقف تھے کہ کوفی یقیناً بے وفائی کریں گے، اسی بنا پر ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، ابن عباس، ابو سعید اور ابو واقد وغیرہ نے روکا مگر باوجود اس علم کے ان بزرگان اسلام نے نصرت و معیت سے روگردانی کی۔ اگر عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن جعفر اور جابر انصاری بوجہ نابینائی معذور تھے تو عبداللہ بن حنظلہ عبداللہ بن مطیع، ابو سعید، ابو واقد اور دوسرے حاضرین حرمین کو کونسا امر مانع تھا کہ بدسلوکی یزید کو فرزند رسول کے ساتھ جان کر بھی خاموشی اختیار کی گویا ہلاکت فرزند رسول ان سرداران اسلام کے خیال میں ایک معمولی بات تھی۔ ان کے علاوہ بریدہ بن حصیب اسلمی، مسلمہ بن مخلد انصاری، رافع بن خدیج انصاری، ابو بردہ اسلمی، سعد بن خزیمہ صحابی۔ اسید بن زہیر اوسی، ابو سعید بن یعلی انصاری، عرباض بن ساریہ، سائب بن یزید مدنی، سنان بن مسلمہ مصری وغیرہ یہ سب صحابی زندہ موجود تھے، مگر ان حضرات کو ذریت رسول خدا کے دشمنوں کی مدافعت کا خیال بھی نہ آیا۔ دوسرے تابعین شرفائے اسلام کا تو ذکر ہی کیا ہے ...... افسوس ہے کہ اس وقت ایسے بھی مسلمان تھے جو اپنے پیغمبر کے نواسہ کا قتل اور اپنے رسول کی ذریت کی ہتک حرمت کو باعث دخول جنت اور موجب ثواب عظیم سمجھتے تھے جس کی نسبت متعدد تاریخی شہادتیں موجود ہیں .... ایسے نام نہاد مسلمانوں سے جن کو مسلمان کہنا اسلام کی توہین اور انسان کہنا انسانیت کی تحقیر ہے۔ (مجاہد اعظم صفحات ۱۴۸ و ۱۵۱)

مولف موصوف جذبۂ عقیدت مندی اور غلوئے مفرط سے ذرا الگ ہو کر حالات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے سکتے تو صحابہ کرام کے اسوۂ حسنہ پر یوں طعن کرنے کا حوصلہ نہ ہوتا، صحابہ حق کو دیکھتے تھے حسب و نسب کو نہیں ع

که اندرین ره فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اگر دین وہ ہے جو قرآن بتاتا ہے[1] اور اس کی عملی شکل وہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] مسلم کی حیثیت سے تمام مسلمان برابر ہیں، غنی ہوں یا فقیر، قوی ہوں یا ضعیف، چھوٹے ہوں یا بڑے عربی ہوں یا عجمی، مشرقی ہوں یا مغربی۔ انما المؤمنون اخوۃ فرمان خداوندی ہے۔

پیش فرمائی اور آپ کے خلفاء و صحابہ کرام کی قیادت میں امت نے اس پر عمل کیا تو حضرت حسینؓ کے اقدام کے جواز میں ایک بھی دلیل نہیں دی جا سکتی، اس کے خلاف بیسیوں ناطق دلیلیں ہیں۔

اس امت میں شخص پرستی کی کوئی گنجائش نہیں، یہاں صرف اصول کے تحت بات ہو سکتی ہے امت کے سب افراد کے شہری حقوق یکساں ہیں، کہ ومہ کا، عربی و عجمی کا، ہاشمی وغیر ہاشمی کا کوئی فرق نہ جزا میں ہے نہ سزا میں، نہ دیات میں ہے نہ حدود میں اور نہ سیاسی و معاشی و معاشرتی حقوق میں جو دیت اس چودھویں صدی کے ایک عامی خطاکار مسلمان کے دانت توڑنے کی ہے وہی دیت حضرت صدیق اکبرؓ جیسے اخص الخواص، اکرم الکرماء اور اعظم العظماء کا دانت توڑنے کی بھی تھی۔ اگر فاطمہ مخزومیہ بنت فلاں کا ہاتھ چوری کا جرم ثابت ہونے پر کاٹا جائے گا تو حسب فرمان نبوی ولو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا (اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ چوری کرے تو اس کا بھی ہاتھ یقیناً کاٹ دوں گا) اللھم صل علی محمد الرسول اللہ وخاتم النبیین امت مسلمہ کو فاروق اعظم امیر المومنین صلوات اللہ علیہ کی صریح ہدایت تھی اور یہ ہدایت بھی ان نازک لمحات میں دی تھی جب اپنے رب کے حضور میں جا رہے تھے یعنی جن چھ اصحاب کو خلافت کے لئے نامزد کیا ہے اگر وہ متفق نہ ہو سکیں پانچ ایک طرف ہوں اور ایک دوسری طرف تو اس ایک کو قتل کر دیا جائے، اگر چار ایک طرف ہوں اور دو دوسری طرف تو ان دو کو قتل کر دیا جائے گویا حضرت فاروقؓ کے نزدیک حضرت عثمانؓ و علیؓ و طلحہؓ و زبیرؓ و سعد بن ابی وقاصؓ و عبدالرحمٰن بن عوفؓ جیسے عظمائے امت میں کسی ایک دو کا قتل ہو جانا کوئی اہمیت نہ رکھتا تھا بلکہ امت کو اختلال سے انتشار سے محفوظ رکھنے کے لئے واجب تھا۔

اس کے بعد بھی امت کے سامنے نظیر موجود تھی۔ اگر متفق علیہ خلیفہ راشد کو ظلماً قتل کر کے باغیوں کی کوشش و حمایت سے کسی شخص کی خلافت کا اعلان کیا جائے اور قاتلین سے قصاص جو شرعاً واجب تھا نہ لیا جائے بلکہ طاقت کے بل پر کاوٹیں ڈالی جائیں تو اس شخص کی خلافت تسلیم نہیں کی جائے گی، اگر اپنی خلافت منوانے کے لئے وہ قتال پر آمادہ ہو اس سے قتال کیا جائے گا اگرچہ وہ ابن عم و داماد رسول اللہ علی بن ابی طالب ہی کیوں نہ ہوں۔ ان نظائر کی اور صریح احکامات شرعیہ کی موجودگی میں یہ تصور قائم کرنا کہ فلاں خروج کرنے والے کا صحابہ کرام نے اس کے نسب کا خیال کر کے ساتھ کیوں نہ دیا اور فلاں خلیفہ جس کی بیعت خلافت صحابہ و تابعین اور جمہور امت بلا جبر و اکراہ کر چکے تھے، وہ اس خروج کرنے والے کا مقابلہ کرنے یا کرانے سے فاسق و مرتد ہو گیا

کہاں کی دیانت کہاں کا انصاف ہے۔

تاریخی شخصیتیں اور جھوٹی روایتیں

اہل اسلام کی خانہ جنگیوں وحادثہ کربلا کے بعد جو گروہ بندیاں سیاسی مقاصد سے وجود میں آئیں مخالف گروہ پر الزام تراشی کی غرض سے جھوٹی روایتیں اور حدیثیں وضع ہونے لگیں صرف دو صدیوں کے اندر بہتات کا یہ عالم ہوا کہ امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے چھ لاکھ حدیثوں وروایتوں کے انبار میں سے جو سولہ برس کی مدت میں انہوں نے فراہم کیا تھا اپنے اصول کے مطابق صرف (۷۲۶۱) منتخب کیں اور امام مسلم متوفی ۲۶۱ھ نے تین لاکھ میں سے چار ہزار۔ باقی چھیانوے ہزار سے زائد کو وضعی اور غیر معتبر قرار دیکر ترک کر دیا۔ بڑا حصہ ان روایتوں اور حدیثوں کا واضعین نے مخالف گروہ اور ان کے سربرآوردہ اشخاص کی مذمت اور اپنے گروہ اور ممتاز اشخاص کی مدح ومنقبت میں تراشا جو متاخرین کے حصہ میں آیا۔ غالی مصنفین ابو مخنف لوط بن یحییٰ کوفی متوفی ۱۵۷ھ ومحمد بن سائب کوفی اس کے بیٹے ہشام کوفی متوفی ۲۰۴ھ اور دوسرے اسی قماش کے مولفین نے تقریباً سو کتابیں خانہ جنگیوں اور مقتل عثمانؓ ومقتل حسینؓ پر لکھیں۔ ابن جریر طبری کا اصل ماخذ زیادہ تر یہی وضعی روایات ہیں، اس طرح اس شر انگیز لٹریچر کی اشاعت ہوئی۔
امام بخاری ویحییٰ ابن معین وغیرہ محققین نے احادیث وروایات کے اسناد پر سخت محنت کی مگر داخلی شہادتوں کا تنقیدی جائزہ لینے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ متاخرین آنکھ بند کر کے متضاد ومتناقص روایتوں کو خاص کر بنی امیہ کی تنقیص میں نقل در نقل کرتے رہے۔
عموماً کہا جاتا ہے کہ بنی امیہ اسلام سے بے خبر بلکہ دشمن تھے۔ فتح مکہ کے بعد سیاسی قوت کے دباؤ سے مسلمان ہوئے تھے۔ واقعات سے اس غلط الزام کی کامل تردید ہو جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے تیرہ برس مکہ معظمہ میں تبلیغ دین کی تھی۔ اس عرصہ میں ہاشمی خاندان میں صرف تین اشخاص یعنی دو مرد اور ایک خاتون آبائی مذہب ترک کر کے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔[1] ہاشمی گھرانے کے ان تین اشخاص کے برخلاف بنی امیہ

[1] حضرت علیؓ کا شمول اس فہرست میں اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اول تو وہ پانچ برس کے بچے تھے پھر
(بقیہ اگلے صفحہ پر)

میں سے دس اشخاص نے ابتدائے ظہور اسلام میں دین حقہ قبول کیا تھا بایں تفصیل:۔

۱۔ افراد خاندان بنی ہاشم:۔ (۱) حضرت حمزہؓ (۲) حضرت جعفرؓ (۳) حضرت ام الفضل زوجہ عباسؓ۔

۲۔ " " " :۔ بنی امیہ (۱) حضرت عثمانؓ (حبشہ ومدینہ کو دو ہجرتیں کیں)

(۲) حضرت ابو حذیفہؓ جو افاضل صحابہ میں سے قدیم الاسلام تھے اور جنگ بدر میں اپنے باپ عتبہ بن ربیعہ سردار لشکر قریش اور اپنے بھائیوں کے خلاف نبرد آزما ہوئے تھے۔

(۳) حضرت خالد بن سعید بن العاص بن امیہ (قبول اسلام میں تیسرے یا چوتھے یا پانچویں فرد تھے حبشہ ومدینہ کو ہجرتیں کیں)

(۴) حضرت عمرو بن سعید اموی (بدری صحابی تھے)

(۵) حضرت عبداللہ الحکم بن سعید اموی (بدر میں لشکر کفار سے جہاد کر کے شہید ہوئے۔)

(۶) حضرت ابان بن سعید اموی (یوم طائف میں شہید ہوئے)

(۷) ام المومنین ام حبیبہ بنت ابوسفیانؓ قدیمہ الاسلام تھیں حبشہ کو ہجرت کی تھی)

(۸) حضرت سمرہ بن حبیب بن عبد شمس (سابقون الاولون میں سے تھے)

(۹) ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط امویہ قدیمہ الاسلام تھیں)

(۱۰) والدہ عثمانؓ اروی بنت کریز اموی (اسلام کی خاطر بڑے دکھ سہے تھے کانت تعذب فی اللہ) یہ حالت دعوت تو زمانہ ماقبل ہجرت کی تھی، ہجرت کے بعد اس خاندان کے اور افراد داخل اسلام ہوتے گئے۔ (یدخلون فی دین اللہ افواجا) اور فتح مکہ سے پہلے حضرت ابوسفیانؓ اور ان سے قبل ان کے صاحبزادگان نے اسلام قبول کیا، جنہوں نے کیسی کچھ شاندار خدمات دین وملت کی انجام دیں۔

بنی امیہ وبنی ہاشم ایک ہی خاندان بنو عبد مناف کی دو شاخیں ہیں۔ ذیل کا مختصر شجرہ ملاحظہ ہو:۔

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں ہونے کی وجہ سے کفر کی حالت پر کبھی نہ تھے جس کے ترک کرنے کا سوال پیدا ہوتا اور حضرت خدیجہؓ اور ان کی صاحبزادیوں کا۔

خاندانِ نبوت یعنی بنو عبد مناف کی دونوں شاخوں ہاشمی و اموی کے ممتاز تاریخی شخصیتوں کا مختصر حال اس کتاب کے بعض مطالب کی وضاحت کے لئے مناسب اور ضروری ہے جو ذیل میں درج ہے۔

عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب کے والد ہاشم تو ان کے بچپن میں فوت ہو گئے تھے۔ چچا عبد المطلب نے یتیم بھتیجے کی پرورش کی بالغ ہو کر قوت بازو سے سوسائٹی میں اچھی حیثیت پیدا کر لی، کئی شادیاں کیں اولاد میں گیارہ بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں بیٹوں میں الحارث سب سے بڑے تھے، ان کی نسل کے لوگ زیادہ تر ملک شام میں رہے۔ مقوم عبد الکعبہ (جو لوگ عبد المطلب کے بارہ بیٹے بتاتے ہیں وہ عبد الکعبہ کو جداگانہ سمجھتے ہیں) قثم حجل الغیداق ضرار سے نسل نہیں چلی اس لئے مندرجہ بالا شجرہ میں ان کے نام ترک کئے گئے۔ حضرت حمزہؓ کے بھی اولاد دختری تھی۔ عبد المطلب اور حضرت معاویہؓ کے دادا حرب بن امیہ آپس میں ندیم یعنی بڑے گہرے دوست تھے۔

زبیر بن عبد المطلب ۔ عبد المطلب کی وفات کے وقت ان کے نو بیٹے زندہ تھے جن میں سب سے بڑے زبیر تھے، وہی قریش کے دستور کے مطابق اپنے والد کے جانشین ہوئے اور انہی کو عبد المطلب نے اپنا وصی بھی کیا تھا۔

والزبیر وکان شاعراً شریفاً والیہ اوصی عبد المطلب۔ (طبقات ابن سعد ص۷۴ ج ۱)	اور زبیر شاعر اور باعزت شخص تھے اور انہی کو عبد المطلب نے اپنا وصی کیا تھا۔

زبیر و ابو طالب اور عبد اللہ والد ماجد آنحضرت صلعم یہ تینوں ایک ماں سے حقیقی بھائی تھے ان میں بڑے زبیر تھے جو اپنے زمانہ میں قبیلہ قریش کے معزز سرداروں میں سے تھے۔

فاما الزبیر بن عبد المطلب فکان اشراف قریش ووجوھہا۔ (شرح ابن ابی الحدید)	لیکن زبیر بن عبد المطلب تو وہ قریش کے معزز و باوقار سرداروں میں سے تھے۔

قدیم ترین مورخ ابو جعفر محمد بن حبیب متوفی ۲۴۵ھ مولف کتاب المحبر نے الحکام من قریش ثم من بنی ہاشم کے تحت عنوان قریش کے تمام خاندانوں میں سے جو لوگ اپنے وقت میں سردار اور حاکم رہے ان کی فہرست درج کی ہے، بنی ہاشم میں سے عبد المطلب

کے بعد زبیر بن عبد المطلب کے اور زبیر کے بعد ان کے چھوٹے بھائی ابو طالب کے اور بنی امیہ میں سے حرب بن امیہ اور ان کے بعد ابو سفیان بن حرب کے نام درج کئے ہیں۔
(ص ۱۳۲)

حرب الفجار کی مشہور جنگ میں جب تمام قریشی خاندانوں کے سردار شریک تھے زبیر بن عبد المطلب ہاشمی خاندان کے سردار کی حیثیت سے موجود تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کے ساتھ تھے تیر اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے تھے اس وقت سن شریف اٹھارہ بیس برس کا تھا یا اس سے زائد تھا۔ اسی طرح "اشراف قریش" کے زیر عنوان یہ بتا کر کہ حرب بن امیہ کے انتقال کے بعد بنو عبد مناف میں جب سرداری کے عہدوں کا بٹوارہ ہوا تفرقت الریاسة والشرف فی بنی عبد مناف تو ہاشمی خاندان میں یکے بعد دیگرے یہ لوگ سردار ہوئے۔ الزبیر، ابو طالب، حمزہ و العباس بنو عبد المطلب (ص ۱۲۵)

زبیر اپنے زمانہ کے بڑے تاجر اور صاحب ثروت شخص تھے ھو من فتیان قریش۔ (کتاب المحبر ص ۱۷۶) یعنی وہ قریش کے بہادر و سخی جوانمردوں میں سے تھے) اسی کے ساتھ بڑے رحیم و کریم و انصاف پرور تھے، مظلوموں کی امداد و دادرسی کے بعض واقعات کے سلسلے میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ اپنے والد کی حیات میں ایک مظلوم کو جس پر حرب بن امیہ نے سختی کی تھی اپنے گھر لے آئے اور پناہ دی، صبح کو اپنے بھائی الغیداق کے ساتھ اس پناہ گیر کو کعبہ میں لے گئے اور حرب بن امیہ سے اس کا معاملہ طے کرایا۔ معاملہ نے جب طول کھینچا سب بنو عبد المطلب زبیر کی مدد کو تیغ بکف موجود رہے۔ وانضم بنو عبد المطلب الی الزبیر وقفوا علی باب ابیھم بایدیھم سیوفھم (شرح ابن ابی الحدید) ان کی بہن صفیہؓ بنت عبد المطلب نے ان کا جو مرثیہ کہا ہے اس کے اس شعر میں ان کو نبیل الخیر اور ذی کرم کہا ہے ؎

ابکی زبیر الخیر اذ فات ان ؛ کنت علی ذی کرم باکیہ

عبد المطلب کو اپنے اس نیک صفات اور پاکیزہ خصلت فرزند پر فخر و ناز ہونا بجا تھا۔ مرتے وقت انہی کو جانشین کیا، زبیر کی رحم دلی اور انصاف پروری کا تاریخی ثبوت حلف الفضول ہے یعنی مظلوموں کی حمایت اور عدل و انصاف کرنے کا وہ معاہدہ و حلف ہے جو قریشی خاندانوں اور قبیلوں میں بنو ہاشم و بنو المطلب و بنو اسد و بنو تیم و بنو زہرہ نے انہی کی

تحریک پر آپس میں عبد اللہ بن جدعان کے گھر بیٹھ کر کیا اور کہا تھا کہ ہم مکہ میں کسی پر ظلم نہ ہونے دیں گے خواہ اپنا ہو یا غیر، آزاد ہو یا غلام اس کا حق اسے دلوائیں گے۔ فتحالفوا ان لا یظلم بمکة غریب ولا قریب ولا حر ولا عبد الا کانوا معه حتی یاخذ واله حقه ویردوا الیه مظلمه من انفسھم ومن غیرھم (شرح ابن ابی الحدید) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر اپنے چچا کے ساتھ موجود رہے اور آپ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ آج بھی ایسا کوئی معاہدہ کیا جانے لگے جو میرے چچا نے کیا تھا میں شامل ہونے کو موجود ہوں سن شریف اس وقت آنحضورؐ کا بروایات مختلفہ اٹھارہ برس سے بیس برس کا بتایا گیا ہے ابن ابی الحدید نے پچیس سال کا سن بتایا ہے اور لکھا ہے کہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یومئذ معھم وھو شاب ابن خمس وعشرین سنة بعض نے پندرہ سولہ برس کی عمر بتائی ہے۔ تاریخ میں یہ معاہدہ حلف الفضول[1] سے موسوم ہے۔

زبیر کو اپنے چھوٹے متوفی بھائی عبد اللہ کی نشانی اور ان کے اکلوتے فرزند حضرت محمدؐ سے غیر معمولی محبت تھی، گودوں میں لئے پھرتے، ہاتھوں پر جھلاتے اور ایک لوری گنگناتے جاتے :-

یقال ان الزبیر بن عبد المطلب کان یرقص النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو صغیر ویقول :-	کہتے ہیں کہ زبیر بن عبد المطلب نبی صلعم کو جب وہ چھوٹے بچے تھے جھلایا کرتے تھے اور کہتے جاتے تھے :-

---

[1] وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے پہلے تین سرداروں نے جن کے نام فضیل و فضال اور مفضل تھے اسی قسم کا معاہدہ کیا تھا دوسرے یہ شرکائے معاہدہ نے اپنے اموال کا زائد حصہ یعنی "فضول اموالہم" ضیافت میں صرف کیا تھا وجہ تسمیہ کچھ بھی ہو اس کے محرک و داعی اول زبیر بن عبد المطلب تھے واول من دعی الیه الزبیر بن عبد المطلب ای عم رسول اللہ صلعم وشقیق ابیه (سیرة الحلبیہ ص ۱۴۴ ج ۱) کہتے ہیں ولید بن عتبہ بن ابو سفیانؓ اور حسین بن علیؓ میں کسی معاملہ میں تنازعہ تھا۔ حضرت حسینؓ نے اسی حلف الفضول کی رو سے معاملہ طے کرانے کے لئے مسجد نبوی میں اعلان کرنے کو فرمایا تھا مگر اس سے پہلے ہی تصفیہ ہو گیا تھا۔

محمد بن عبد اللہ عشت بعیش انعم
فی عز فرع اسنم
(الاصابہ ص۳۰۵ ج ۲)

(یہ محمد میرے عبداللہ کی نشانی ہے)
بڑے عیش و آرام سے جیتے اور بڑی اعلیٰ عزت و توقیر پائے۔

اپنے دادا کے انتقال کے بعد سے آنحضور اپنے ان ہی چچا زبیر بن عبد المطلب کی کفالت میں رہے، انہوں نے اور ان کی زوجہ عاتکہ[1] بنت ابی وہب بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخذوم نے اپنے بچوں سے زیادہ محبت و شفقت سے آپ کی پرورش کی۔

زبیر بن عبد المطلب کی اولاد میں چار بیٹیاں تھیں صفیہ و ام الزبیر و ضباعہ اور ام الحکم اور چار ہی بیٹے تھے حجل و قرہ و الطاہر و عبد اللہ۔ یہ عبد اللہ بن زبیر بن عبد المطلب عہد رسالت میں جوان تھے، آپ کی وفات کے وقت تیس برس کی عمر تھی، آپ کی خدمت میں آتے آپ ان کو اپنے پہلو میں بٹھاتے بڑی شفقت سے فرماتے کہ یہ میرا بھائی میری ماں کا بیٹا ہے جس کے باپ نے مجھ سے بڑا نیک سلوک کیا تھا۔ انہ ابن امی وکان ابوہ بی برا (الاصابہ ایضاً)

---

[1] زبیر بن عبد المطلب کی زوجہ عاتکہ جن کو آنحضور نے "میری ماں" فرمایا تھا رسول اللہ صلعم کی حقیقی دادی فاطمہ بنت عمرو کی حقیقی بھتیجی اور حضرت علیؓ کے بہنوئی یعنی ام ہانی بنت ابو طالب کے شوہر ہبیرہ بن ابی وہب کی حقیقی بہن تھیں (کتاب نسب قریش ص۳۴۲)

[2] حضرت عبد اللہ بن زبیر بن عبد المطلب رسول اللہ کے چچیرے بھائی اور صحابی بڑے جانباز مجاہد تھے غزوہ حنین میں اپنے چچا حضرت عباسؓ کے ہم پہلو ثابت قدم رہے۔ اجنادین کے معرکہ ۱۳ھ میں دس رومی عیسائی فوجیوں کو قتل کر کے شہید ہوئے اکثر نسابین نے زبیر بن عبد المطلب کو لاعقب لہ لکھا ہے یعنی ان سے نسل باقی نہ رہی مگر ان عبد اللہ بن زبیر بن عبد المطلب سے مخدوم شرف الدین یحییٰ منیریؒ صوبہ بہار کا سلسلہ نسب متصل ہوتا ہے ان کی نسل میں سید احمد شہید بریلویؒ کے ممتاز رفقاء اور مجاہدین یعنی مولانا ولایت علی و مولانا عنایت علی و فرحت حسین کا خانوادہ ہے۔ مولانا عنایت علی کے ایک بیٹے عبد الکریم کی اولاد قبائلی سرحدی علاقہ میں رہی جہاں معرکہ جہاد ہوا تھا دوسرے شمس العلماء مولوی محمد حسن بانی محمڈن اینگلو عربک اسکول پٹنہ تھے اور مولانا عنایت علی کے پڑپوتے پروفیسر محمد مسلم بن محمد یوشع ہیں جو مصنف بھی ہیں اور شعر گوئی کا ستھرا مذاق رکھتے ہیں۔ فرحت حسین کے فرزند عبد الرحیم تھے جنہوں نے اپنے زبیری ہاشمی خاندان اور ان کے قرابتداروں کے انساب میں تصنیف کی تھی۔

زبیر بن عبد المطلب کی ایک بیٹی حضرت ضباعہؓ المقداد بن عمرو البہرانی کو بیاہی تھیں ان کے بیٹے عبد اللہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ طالبان قصاص خون عثمانؓ میں بصرہ گئے تھے اور جنگ میں شہید ہوئے، دوسری حضرت صفیہؓ تھیں جن کو آنحضرت صلعم خیبر کی پیداوار میں سے چالیس وسق دیا کرتے تھے (الاصابہ ص۳۴۸ ج ۴) اسی طرح اپنی تیسری چچیری بہن حضرت ام الزبیرؓ کو آنحضرت صلعم چالیس وسق پیداوار خیبر میں سے دیتے تھے چوتھی حضرت ام الحکمؓ اپنے ہاشمی خاندان میں اپنے ابن عم ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب کو بیاہی گئیں ان کو بھی خیبر کی پیداوار میں سے دیا جاتا تھا اور آنحضورؐ اپنی ان چچیری بہن کے گھران سے ملنے تشریف لے جایا کرتے تھے (الاصابہ ص۴۴۲ ج ۴) آنحضور صلعم کی یہ چاروں بہنیں جن کے ساتھ ایک ہی گھر میں آنحضورؐ بچپن اور آغاز شباب تک رہے تھے اسلام لائیں اور صحابیہ تھیں آپ ان سے صلہ رحمی کا سلوک کرتے رہے۔ ام الحکمؓ کے فرزند حضرت عبد المطلب بن ربیعہؓ کا تذکرہ اس کتاب میں بزم تذکرہ صحابہ ملاحظہ ہو۔ اپنے اس بھانجے کی شادی آنحضورؐ نے اپنے اہتمام سے اپنے چچیرے بھائی کی بیٹی سے کرائی تھی۔

زبیر بن عبد المطلب کے چار بیٹوں میں سے حضرت عبد اللہؓ کا مختصراً ذکر آچکا۔ دوسرے بیٹے الطاہر کے بارے میں ابن ابی الحدید نے کہا ہے کہ وہ مکہ کے بڑے ظریف و خوش طبع نوجوانوں میں سے تھے اور جوانی میں فوت ہو گئے تھے آنحضور نے اپنے اس چچیرے بھائی کے نام پر اپنے ایک صاحبزادہ کا نام طاہر رکھا تھا۔ و بہ سمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابنہ الطاہر (شرح ابن ابی الحدید) اور آنحضورؐ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ نے اپنے بیٹے زبیر بن العوامؓ کا نام اپنے بھائی زبیر بن عبد المطلب کے نام پر رکھا اور ان کی کنیت بھی ابو طاہر رکھی جو کچھ مدت تک باقی رہی۔ فکانت صفیۃ بنت عبد المطلب کنیت ابنھا الزبیر بن العوام ابا الطاھر بکنیۃ اخیھا (شرح ابن ابی الحدید) ان حالات سے ظاہر ہے کہ زبیر بن عبد المطلب اپنی نیک خصلت اور عمدہ صفات کے اعتبار سے اپنے اہل خاندان اور

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صاحبزادہ کا نام قاسم تھا جن کے نام آپ کی کنیت ابو القاسم تھی دوسرے جو حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے ان کا نام ابراہیم تھا تیسرے صاحبزادہ کا نام البتہ متقدمین نے عبد اللہ والطاہر لکھا ہے۔

قرابتداروں میں کتنے عزیز و محبوب تھے۔

زبیر بن عبد المطلب کی وفات کب ہوئی اس بارے میں مختلف اقوال ہیں، اس میں توسب کا اتفاق ہے کہ حلف الفضول کے کچھ عرصہ بعد فوت ہوئے ان کے انتقال کے وقت آنحضرت صلعم کا سن شریف آیا سولہ کا تھا یا چہارہ بیس کا یا جیسا ابن الحدید نے لکھا ہے کہ حلف الفضول کے وقت آپ پچیس برس کی عمر کے تھے اس میں البتہ اختلاف ہے، لیکن یہ بات بہرحال ثابت ہے کہ زبیر بن عبد المطلب کی وفات کے وقت آپ سن بلوغت کو پہنچ گئے تھے۔ اور کسی دوسرے چچا کی کفالت اور پرورش سے مستغنی تھے۔

ابو طالب۔ نام عبد مناف تھا، کنیت بڑے بیٹے طالب کے نام سے ابو طالب تھی۔ خاندانی رواج کے مطابق اپنے بڑے بھائی زبیر کے مرنے کے بعد سردار خاندان ہوئے، مالی حالت بہت کمزور تھی۔ سادا بو طالب وھو فقیر لا مالہ (شرح ابن ابی الحدید) یعنی ابو طالب جب سردار خاندان ہوئے فقیر تھے، مال ان کے پاس نہ تھا۔ ان کے چھوٹے بھائی عباسؓ جو مرفہ الحال اور مالدار تھے، سقایہ و رفادہ خاندانی عہدوں کو جنھیں ہر سال مال خرچ کرنا پڑتا تھا انجام دیتے تھے۔ مالی کمزوری کے ساتھ ابو طالب کو جسمانی کمزوری بھی تھی، قریش کا ذریعہ معاش تجارت تھا جس کے لئے دور دراز ملکوں کا سفر کرنا پڑتا تھا اس زمانہ میں اور عرب جیسے ملک میں جہاں راستے خطرناک تھے ڈاکوؤں کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا، سفر بصورت سقر تھا۔ تنومند اور صحیح الاعضاء اشخاص ہی طویل سفر کر سکتے تھے، وہ بھی جریدہ نہیں، تجارتی قافلوں میں، ابو طالب ثانائی کے نقص[1] کی وجہ سے طویل سفر کی زحمت کیونکہ اٹھاتے، وہ خوشبوؤں کو اپنے یہاں تیار کراتے اور قریب کے بازاروں میں فروخت کرتے کبھی گندم کی خرید و فروخت کر لیتے لیکن دور کے ملکوں میں جانا اور سال میں دو مرتبہ پھر مہینوں سفر میں گزارنے ان کے بس کے نہ تھے۔ یہ حالت ان کی اپنے والد عبد المطلب کے سامنے سے تھی، شاید یہی وجہ ہو کہ ان کا نام عبد المطلب کے زمانے

---

[1] ابن قتیبہ نے المعارف میں قریش کے مختلف خاندانوں کے صدہا اشخاص کی فہرست جداگانہ عنوانات کے تحت درج کی ہے یعنی جس میں کوئی جسمانی نقص تھا ان کے نام یکجا لکھے ہیں، العرج (لنگڑے) کے سرفہرست ابو طالب عم رسول اللہ کا نام درج کیا ہے (المعارف صفحہ ۲۵۲) جو اس امر کی صاف دلیل ہے کہ ان میں یہ جسمانی نقص زیادہ تھا۔ ابن قتیبہ نے ابو طالب کی خوشبوؤں وغیرہ کی تجارت کا بھی ذکر کیا ہے۔

کے واقعات کے یا زبیر کے حالات کے سلسلہ میں کہیں نہیں ملتا، نہ عہد جاہلیت کے وقائع حرب فجار وغیرہ کے سلسلہ میں ان حالات کے پیش نظر یہ تصور کہ عبد المطلب نے مرتے وقت جس بڑے زبیر بیٹے کو اپنا جانشین بنایا تھا جو صفات حسنہ کے اعتبار سے اہل خاندان کو عزیز تھا سوسائٹی میں جس کا بلند مقام تھا اور اپنے بھتیجے حضرت محمدؐ سے جس کو بڑی انس و محبت تھی اس کے بجائے چھوٹے بیٹے ابو طالب کو جس کی مالی حالت بہت کمزور تھی جسمانی معذوری بھی تھی اس وقت تک سوسائٹی میں جس کا کوئی بلند مقام بھی نہ تھا اس کو اپنے یتیم پوتے کی کفالت سپرد کر دی جس سے عبد المطلب کو ایسی محبت تھی کہ عشق کے درجہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ اکثر متقدمین نے اس سلسلہ میں حسب ذیل باتیں کہی ہیں:-

(۱) عبد المطلب نے پوتے کی کفالت و پرورش کے لئے زبیر اور ابو طالب اپنے دو بیٹوں کے درمیان قرعہ ڈالا جو ابو طالب کے نام نکل آیا۔ فخرجت القرعۃ لابی طالب اس لئے انہوں نے آنحضورؐ کی پرورش کی۔

(۲) زبیر اور ابو طالب دونوں نے مل کر پرورش کی۔ مات عبد المطلب کفلہ عماہ شقیقا ابیہ الزبیر وابو طالب۔

(۳) زبیر کی وفات کے بعد ابو طالب نے تنہا پرورش کی اس وقت آنحضرت صلعم کی عمر چودہ برس کی تھی مات عمہ الزبیر ولہ من العمر اربع عشرۃ سنۃ فانفرد بہ ابو طالب (سیرۃ الحلبیہ صفحہ ۱۳۶ ج ۱)

یہ تینوں باتیں صحیح نہیں۔ پہلی دو تو زبیر بن عبد المطلب کے مندرجہ بالا حالات کے پیش نظر لائق اعتناء نہیں، عبد المطلب سے اپنے دونوں بیٹوں کی حالت پوشیدہ نہ تھی، قرعہ تو ان میں ڈالا جاتا ہے جن کی حالت ہر اعتبار سے مساوی ہو، پھر دونوں کا مشارکت باہمی سے کفالت کرنا اور بھی مہمل ہے۔ رہی تیسری بات کہ زبیر کی وفات کے وقت آپ کی عمر چودہ برس کی تھی اس لئے ابو طالب نے بھائی کے مرنے کے بعد آپ کی کفالت کی۔ زبیر کی وفات حلف الفضول کے کچھ عرصہ بعد ہوئی تھی اور حلف الفضول حرب الفجار کے کچھ عرصہ بعد ہوا تھا یہ لڑائی قریش اور قیس کے قبیلہ میں ہوئی تھی، قریش کے سب خاندانوں کے سردار اپنے اہل خاندان کی فوجیں لے کر معرکہ میں شریک ہوئے تھے بنی ہاشم کے سردار اور علم بردار زبیر بن عبد المطلب تھے، آنحضرت صلعم اپنے چچا کے ساتھ تھے۔ امام سہیلی نے تصریح کی ہے کہ اس وقت آپ نزاتی

کی عمر کو پہنچ چکے تھے جو عموماً بیس برس کی ہوتی ہے. مگر آپ نے لڑائی میں حصہ نہیں لیا نیز ابو طالب کا نام اس لڑائی کے سلسلے میں یا کسی اور معرکہ کے سلسلے میں شاید ان کی جسمانی معذوری کی وجہ سے نہیں ملتا. امام سہیلی فرماتے ہیں:-

وانما لم یقاتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اعمامہ فی الفجار وقد بلغ سن القتال.

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑائی میں اپنے چچوں کی معیت میں حصہ نہیں لیا حالانکہ آپ لڑائی کی عمر کو پہنچ چکے تھے.

ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ حلف الفضول کے وقت آپ کا سن شریف پچیس برس کا تھا. بہر حال ۲۵ برس کا سن تھا یا اٹھارہ بیس برس کا، آپ اس عمر کے تھے کہ زبیر بن عبد المطلب کی وفات کے بعد کسی دوسرے چچا اور رشتہ دار کی کفالت سے مستغنی ہو چکے تھے. منشاء الٰہی بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ خالق اکبر نے سید الوجود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام عالم کی رہنمائی ہدایت، عالمگیر دین کی تبلیغ اور ایک شریعت کبریٰ کی تاسیس کے مقصد عظیم کے لئے فطرت سلیم پر خلق فرمایا، قلب مصفیٰ و مزکیٰ کو حکمت بالغہ سے ان تمام اثرات و میلانات و رجحانات باطلہ سے پاک صاف رکھنے کا اہتمام کیا جو زمانہ طفولیت و بدو شعور سے ماں باپ اور بزرگوں کے آغوش محبت و پرورش سے دل و دماغ پر غیر شعوری طور سے مرتسم ہو جاتے ہیں. ولادت باسعادت سے تین ماہ پہلے ہی والد کی وفات ہو گئی، چھ برس کے تھے کہ آغوش مادر سے جدائی ہوئی، آٹھ برس کی عمر میں مشفق دادا (عبد المطلب) کی شفقت سے محرومی ہوئی پھر جب وہ عمر آئی کہ طبع انسانی قدرتاً غور و تفکر کی جانب مائل ہوتی ہے. شفیق چچا (زبیر بن عبد المطلب) سے جدائی کرا دی گئی جنہوں نے دادا کے بعد بڑی محبت سے پرورش و کفالت کی تھی غرضیکہ منصب نبوت پر فائز ہونے سے قبل ہی ان سب عزیزوں بزرگوں سے دائمی جدائی ہو جانا اور کسی ایک کا بھی ان میں سے عہد رسالت میں موجود نہ رہنا جنہوں نے زمانہ طفولیت و ایام بلوغت میں کفالت و پرورش کی تھی اس حقیقت کا مزید اشارہ ہے کہ اسلام کی عالمگیر دعوت نہ کسی مخصوص خاندان سے وابستگی و محبت کی مکلف ہے اور نہ نبی کریمؐ کے ماسوائے کسی اور ذات سے نسبی رشتہ اور قرابت لحمی کے بجائے قربت روحانی و رشتہ دینی ہی کو ترجیح ہے، بچپن سے لیکر نبوت کے منصب جلیل و عظیم کی ذمہ داری سپرد ہونے تک کے حالات شاہد ہیں کہ آبا و اجداد کے معتقدات کے میلانات سے کس کس طرح آپ کو محفوظ رکھا گیا چنانچہ فرمایا گیا وَ وَجَدَکَ

ضَآلًّا فَھَدٰی (تم کو تلاش حق میں سرگرداں پایا راہ ہدایت کی رہنمائی) آل ابی طالب کے بارے میں آپ ہی کا ارشاد باسناد صحیحہ منقول ہے جسے امام ابن تیمیہؒ نے بھی منہاج السنہ میں استدلالاً پیش کیا کہ آل ابی طالب ہی میرے دوست و ولی نہیں ہر متقی مومن میرا دوست و ولی ہے.

عمدۃ الطالب کے شیعہ مولف و نسابہ نے صراحتاً بیان کرتے ہوئے کہ زبیر و ابو طالب و عبد اللہ والد ماجد آنحضرتؐ یہ تینوں ماں جائے بھائی تھے لکھا ہے کہ زبیر کی نسل کا ختم ہو جانا ابو طالب اور ان کی اولاد کے لئے فضیلت عظمیٰ کا موجب ہوا. فرماتے ہیں:-

وقد انقرض الزبیر وحصل لابی طالب وولدہ فضیلۃ عظیمۃ اختص بھا دون باقی بنی عبد المطلب (صـ)

اور زبیر کی تو نسل ہی ختم ہو گئی اور یہ (واقعہ) ابو طالب اور ان کی اولاد کے حق میں بمقابلہ بقیہ اولاد عبد المطلب عظیم فضیلت ہے جس سے وہ مخصوص کئے گئے.

ان شیعہ مورخ کے نزدیک ابو طالب کے حقیقی بڑے بھائی زبیر کی نسل کا ختم ہو جانا اگر آل ابی طالب کے فضیلت عظیمہ بھی سمجھی جائے تب بھی عہد رسالت میں تو یہ فضیلت عظیمہ نہیں حاصل نہیں ہوئی کیونکہ اس زمانہ میں زبیر کی اولاد موجود تھی اور اس وقت بھی جب ابو طالب کا انتقال ہو گیا اور دنیا میں ان کا وجود بھی باقی نہ رہا، زبیر کے بیٹے بیٹیاں سب موجود تھے زبیر ہی کے تو فرزند عبد اللہؓ تھے، جن کو آنحضورؐ ابن امی (میری ماں کا بیٹا) فرماتے ان سے اور ان کی بہنوں سے مشفقانہ سلوک کرتے پھر عہد رسالت کے بعد بھی زبیر کی نسل باقی رہی یہ دوسری بات ہے کہ سیاسیات ملیہ میں نمایاں حصہ نہ لینے کے باعث غیر معروف رہی اور اسی بنا پر بعض مصنفین نے ان کا ذکر ترک کر دیا. علامہ شبلیؒ کو بھی وضعی روایتوں سے دھوکہ ہوا زبیر کو ابو طالب اور والد ماجد آنحضرت کے ماں جائے بھائیوں کے زمرہ میں شامل نہ جان کر سیرۃ النبی (صـ۱۷۱ ج ۱) میں لکھ دیا کہ "آنحضرتؐ کے والد اور ابو طالب ماں جائے بھائی تھے اس لئے عبد المطلب نے آنحضرتؐ کو ابو طالب کے آغوش تربیت میں دیا"[۱] علامہ

---

[۱] علامہ شبلیؒ حرب فجار کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ "آل ہاشم کے علم بردار زبیر بن عبد المطلب تھے اور اسی صف میں جناب رسول اللہؐ بھی شریک تھے (صـ۱۸۱ ایضاً) پھر حلف الفضول کی تجویز کے بارے میں لکھتے ہیں کہ (باقی اگلے صفحے پر)

موصوف اگر المعارف ہی ملاحظہ کر لیتے جس کے مولف علامہ ابن قتیبہ کے بارے میں خود ہی دوسرے موقع پر لکھا ہے کہ "یہ نہایت نامور اور مستند مصنف ہے، محدثین بھی اس کے اعتماد کے قائل ہیں۔ (الفاروق صہ۶) تو شاید لفظ "اس لئے" سے استدلال نہ کرتے ابن قتیبہ نے آنحضرتؐ کی دادی فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم کے ذکر میں بیان کیا ہے کہ ان کے بطن سے عبدالمطلب کے تین بیٹے ہوئے الزبیر، ابو طالب اور عبداللہ صہ۵۲) ابن قتیبہ کے علاوہ تمام نسابین نے جن میں سے بعض کی تالیفات علامہ موصوف کے بعد طبع ہوئیں اسی بات کو لکھا ہے اور اسی حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ یہ تینوں سگے بھائی تھے (کتاب نسب قریش صہ۱۷ و دیگر کتب) زبیر سب سے بڑے تھے وہی اپنے والد کے جانشین ہوئے اور جیسا خود علامہ موصوف نے بھی لکھا ہے وہی اپنے خاندان کے سرگروہ تھے، باپ نے بھی انہی کو وصی کیا تھا انہوں نے ہی آنحضورؐ کی کفالت کی چنانچہ اپنے ان چچا

(بسلسلہ صفحۂ گزشتہ) "زبیر بن عبدالمطلب نے جو رسول اللہؐ کے چچا اور خاندان کے سرگروہ تھے یہ تجویز پیش کی۔" (صہ۱۲۳ ایضاً) علامہ موصوف زبیر کو ہاشمی خاندان کا سرگروہ بھی تسلیم کرتے ہیں، حرب فجار میں انہی کو آل ہاشم کا علمبردار بھی لکھتے ہیں، حرب فجار کے علاوہ حلف الفضول میں آنحضرت کے شریک ہونے کو بھی بیان کرتے ہیں لیکن زبیر کے ابوطالب و عبداللہ کے ماں جائے بھائی ہونے کی چونکہ ان کو تحقیق نہ ہوئی وضعی روایتوں کو باور کر کے لکھ دیا کہ "عبدالمطلب نے مرتے وقت اپنے بیٹے ابو طالب کو آنحضرتؐ کی تربیت سپرد کی ابوطالب نے اس فرض کو جس خوبی سے ادا کیا اس کی تفصیل آگے آتی ہے (صہ۱۲۶ ایضاً) اس طرح کی متعدد غلط باتیں لکھی ہیں مثلاً حضرت عباسؓ کو عبدالمطلب کا سب سے چھوٹا بیٹا لکھتے ہیں حالانکہ سب سے چھوٹے بیٹے حمزہؓ تھے جن کی والدہ سے عبدالمطلب نے اسی مجلس میں نکاح کیا تھا جس میں اپنے فرزند عبداللہ کا عقد آنحضرتؐ کی والدہ سے کیا تھا، عباسؓ تو اس وقت تین برس کی عمر کے تھے۔ شعب بنی ہاشم کو شعب ابی طالب کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ صریحاً غلط ہے۔ علامہ موصوف کے لائق شاگرد علامہ سلیمان ندوی مرحوم نے البتہ حاشیہ پر تصحیح ان الفاظ میں کر دی ہے کہ "یہ پہاڑ کا ایک درہ تھا جو بنی ہاشم کا موروثی تھا۔" (صہ۲۲۵)

چونکہ بنی ہاشم کی محصوری کے زمانہ میں ابوطالب خاندان کے سرگروہ تھے اس لئے بعض ناواقفوں نے شعب بنی ہاشم کے بجائے شعب ابی طالب لکھ دیا لیکن علامہ جیسے محقق کو تو صحیح لکھنا چاہئے تھا۔

کے ساتھ بیس برس یا اس سے زیادہ عمر تک رہے۔ حلف الفضول کے وقت آپ کی عمر مسعودی نے بیس برس لکھی ہے (التنبیہ والاشراف صہ۲۳۰) اور ابن ابی الحدید نے پچیس برس کی۔

غنیمت ہے کہ علامہ شبلیؒ نے عیسائی راہب بحیرا کے لغو قصہ کی پر زور تردید کر دی ہے[1] اگر اسی کے ساتھ ابو طالب کی کفالت کی دیگر موضوع روایتوں کی اسی طرح چھان بین کر لیتے حقیقت منکشف ہو جاتی، وضاعین نے نہایت آب و رنگ سے ثابت کرنا چاہا ہے کہ ابو طالب کو آنحضرتؐ سے اس قدر محبت تھی کہ اپنے ساتھ ہی سلاتے باہر جاتے تو ساتھ لیجاتے، بلا ان کے کھانا بھی نہ کھاتے۔ صاحب سیرۃ الحلبیہ لکھتے ہیں: ۔

---

[1] یہ وضعی داستان بہت مشہور ہے کہ آنحضرتؐ کی کوئی بارہ برس کی عمر تھی کہ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ ملک شام کے سفر پر گئے بصریٰ کے مقام پر قافلہ پہنچا تو عیسائی راہب بحیرا جو اپنی خانقاہ سے دیکھ رہا تھا کہ ابر قافلہ پر سایہ افگن ہے درخت اور پتھر سب سجدے میں جھک رہے ہیں وہ خانقاہ سے باہر نکلا اہل قافلہ کی دعوت کی آنحضرت میں نبوت کی علامتیں دیکھیں، ابوطالب کو مشورہ دیا کہ اس بچہ کو یہودیوں سے بچاؤ اور جلد واپس جاؤ۔ عیسائی مصنفین نے اس پر اور حاشیے چڑھائے ہیں اور لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے بحیرا راہب سے نسطوری عیسائیوں کے مذہبی عقاید اخذ کئے تھے۔ اس لغو روایت کی علامہ شبلی نے خوبی کے ساتھ تردید کی ہے، محرک اصلی تردید کا عیسائی مولفین ہی کی خرافات ہے۔

آنحضرت صلعم ابوطالب کے ساتھ تجارتی سفر میں نہ اس طرح تشریف لے گئے نہ کسی عیسائی راہب سے اس طرح ملاقات ہوئی وہ اپنے چچا زبیر بن عبدالمطلب کے ساتھ جو اپنے چھوٹے بھائی ابو طالب کی بہ نسبت بڑے پیمانہ پہ تجارت کرتے تھے یمن وغیرہ مقامات پر تشریف لے گئے تھے اور تجارتی معاملات سے واقفیت حاصل کی تھی پھر ان کی وفات کے بعد یہ شغل جاری رہا۔

آپ کی امانت و دیانت کی شہرت تھی، متعدد اشخاص آپ کے شریک تجارت رہے جن میں سے بعض کا ذکر ضمناً تذکرۂ صحابہ کے اوراق میں آیا ہے، پھر حضرت خدیجہؓ کے تجارتی کاروبار کا اہتمام فرمایا۔ ابوطالب کی تجارت تو بہت محدود پیمانہ پر تھی اور وہ بھی مکہ کے قرب و جوار میں۔ یمن کے سفر میں زبیر و ابو طالب کے ساتھ آنحضورؐ کے تشریف لے جانے کی بھی روایتیں بعض کتب سیر میں ملتی ہیں۔

— (×) —

کان ابوطالب مقلا من المال وکان عیاله اذا اکلوا جمیعا او فرادی لم یشبعوا واذا اکل معهم النبیؐ شبعوا۔ (ص ۱۲۸ ج ۱)

ابوطالب کو مال کی ایسی تنگی تھی کہ ان کے گھر والے کھانا اگر سب ساتھ کھاتے یا جدا جدا کسی کا پیٹ نہ بھرتا لیکن جب نبی صلعم کے ساتھ کھاتے تو سب سیر ہو جاتے۔

اسی طرح کی متعدد روایتیں خرق عادت اور معجزوں کی ابوطالب کی کفالت کے سلسلے میں بیان کی گئی ہیں، پھر کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ وہ یہ سب کچھ تو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے آنحضورؐ سے ان کو عشق بھی تھا مگر اعلان نبوت کے بعد نہ بھتیجے کا کبھی کلمہ پڑھا نہ ان پر ایمان لائے نہ باوجود آنحضرتؐ کے اصرار کے دین اسلام قبول کیا نیز یہ واقعہ بھی کچھ کم باعث حیرت نہیں کہ بعثت کے ابتدائی زمانہ میں جب مشرکین وکفار قریش آنحضورؐ کو طرح طرح ستاتے جسمانی اذیت پہنچاتے دشمنوں کے نرغے سے بچانے کے لئے نہ کبھی ابوطالب آئے نہ ان کے بیٹوں میں سے کوئی آیا بچانے کو پہنچے تو ابوبکر الصدیقؓ پہنچے یا چند سال بعد حضرت حمزہؓ کو ابوجہل کی بد کلامی پر طیش آیا وہ اس سے لڑ پڑے اور اسلام میں شامل ہو گئے۔ یہ ذکر تو کفالت و پرورش کی وضعی روایتوں کے سلسلے میں آ گیا ورنہ اس سے ہرگز انکار نہیں کہ ابوطالب کو آنحضرت صلعم سے محبت نہ تھی، تھی اور یقیناً تھی لیکن نہ اتنی اور نہ اس نوعیت کی جیسی روایتوں میں پرورش کے سلسلے میں مبالغہ سے بیان کی گئی ہے[1]۔

---

[1] سیرت ابن ہشام میں ابوطالب کے نام سے متعدد اشعار بلکہ قصیدہ لامیہ نقل کیا گیا ہے جس میں آنحضرت صلعم اور دین اسلام کی ایسی مدح و ثنا ہے جو ایک مسلم ہی کی زبان سے ادا ہو سکتی ہے، حالانکہ ابوطالب نے مرتے دم تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ مثلاً ایک شعر میں اللہ تعالیٰ کی نصرت سے دین حقہ کی فتح و کامیابی کا ان الفاظ میں اظہار کیا ہے ؎

فایدہ رب العباد بنصرہ ؛ واظہر دیناحقہ غیر باطل

کتاب سیرت کے اصل مصنف محمد ابن اسحٰق نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اکثر لوگ جو فن شعر کے ماہر ہیں ابوطالب کا کلام ہونے سے انکار کرتے ہیں، اسی طرح وضعی روایتیں درج کرنے سے بھی احتیاط نہیں کی۔ محمد بن اسحٰق کے دادا یسار بن خیار نسلاً ایرانی تھے ۱۲ھ کے معرکہ عین التمر کے قیدیوں کے زمرہ میں آئے اور قیس بن مخرمہ بن المطلب بن عبد مناف کے غلام ہوئے۔ انہی کے پوتے محمد بن اسحٰق کی ۸۵ھ میں ولادت مدینہ میں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ابوطالب نے اپنی بیٹی آنحضورؐ کے نکاح میں نہ دی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کفیل تایا جناب زبیر بن عبدالمطلب کی وفات ہو جانے کے کچھ عرصہ بعد کہ سن شریف بیس یا بائیس برس کا تھا۔ متاہل زندگی کا خیال ہوا سب سے پہلے آپ نے دوسرے تایا عبد مناف (ابوطالب) کو ان کی بیٹی ہند کے لئے جو بعد میں ام ہانی کہلائیں، نکاح کا پیام دیا۔ اس وقت ابوطالب کے ماموں کے بیٹے ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی کا پیام بھی تھا۔ ابوطالب نے حقیقی بھتیجے کا پیام قبول نہ کیا ماموں کے بیٹے سے نکاح کر دیا۔ متعدد کتب تاریخ و سیر میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے، تاریخ طبری و کتاب المجرد الاصابہ وغیرہ کے علاوہ طبقات ابن سعد میں بیان ہے کہ۔

خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی ابی طالب ابنتہ ام ہانی فی الجاھلیۃ وخطبہا ھبیرۃ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ نبوت سے قبل ابوطالب کو ان کی بیٹی ام ہانی سے اپنے نکاح کا پیام دیا تھا اسی

بقیہ صفحہ گزشتہ

ہوئی۔ ایرانی خد و خال کے خوبصورت جوان تھے اور جوانی کی مستی میں عشق بازی کرنے لگے، گورنر مدینہ نے کوڑے لگوائے ۱۱۵ھ میں یہ مدینہ سے نکل کر اسکندریہ چلے گئے وہاں سے کوفہ والجزیرہ و رے وغیرہ ہوتے ہوئے امیر المومنین ابوجعفر المنصور عباسیؓ کے پاس بغداد پہنچے ان کے صاحبزادے المہدی العباسیؒ کے لئے سیرت میں ضخیم کتاب لکھ کر پیش کی۔ امیر المومنین نے فرمایا اسے مختصر کرو اس میں ایسی روایتیں و حدیثیں جمع کی ہیں کہ وہ ریلیجس لیڈر کی کتاب میں وہ روایت اسی کتاب سے لی گئی جس پر برصغیر ہند کے مسلمانوں میں ہیجان پیدا ہوا تھا۔ ابن نمیر کا قول ہے کہ:۔ مجہول لوگوں سے لغو روایتیں بیان کرتے ہیں۔

انہ یحدث عن المجہولین یعنی احادیث باطلہ۔ امام مالکؒ نے ابن اسحٰق کو دجالوں میں کا دجال کہا کرتے تھے (میزان الاعتدال ص ۲۱ ج ۳) بعض نے ان کو ثقہ بھی کہا ہے اور سلیمان التیمی نے کذاب اور اسی طرح ہشام بن عروہ وغیرہ نے دروغ گو بتایا ہے (ایضاً) یحییٰ القطان نے کہا ہے کہ اشہد ان محمد بن اسحٰق کذاب (ص ۲۲) ابوبکر خطیب و ابو عمرو الشیبانی کا قول ہے کہ ابن اسحٰق اپنے زمانہ کے شعراء سے اشعار لکھواتے اور اپنی کتاب میں داخل کیا کرتے تھے (ایضاً) ابوطالب کی کفالت کی روایتوں کا ماخذ انہی کی کتاب ہے جس سے ابن جریر طبری وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

بن ابی وهب بن عمرو بن عائذ بن مخزوم فتزوجها هبیرة

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵۲ طبع بیروت)

کو ہبیرہ بن ابی وہب بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم کا پیام بھی تھا۔ ابوطالب نے ہبیرہ کو بیٹی بیاہ دی۔

ابوطالب کے انکارِ پیام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضی سے شکوہ کیا۔

فعاتبه النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(الاصابہ جلد ۳ ص ۵۰۳) اور فرمایا یا عم

تزوجت هبیرة وترکتنی

یعنی چچا تم نے ہبیرہ سے تو بیٹی بیاہ دی

اور مجھے یوں ہی چھوڑ دیا۔ ابوطالب کا جواب ان الفاظ میں نقل ہوا ہے کہ بھتیجے ان لوگوں سے تو ہماری قرابتیں پہلے سے ہوتی آئی ہیں اور الکریم یکافی الکریم (اشراف کا میل اشراف سے ہی ہوتا ہے) (تاریخ طبری والاصابہ وطبقات ابن سعد) یہ واقعہ ہی بیّن ثبوت ہے کہ عبد مناف (ابو طالب) کے آنحضورؐ کی کفالت کی روایتیں محض وضعی ہیں۔ ابو طالب کا یہ داماد ہبیرہ زمانہ اسلام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم شدید مخالف ہوا کہ ہجویہ اشعار کہا کرتا تھا اور ہر غزوہ میں آپ کے مقابل آیا فتح مکہ کے وقت جب کفار کے اور سرغنہ اپنی جانیں بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ ہبیرہ بھی اپنی بیوی ام ہانی اور چھوٹے بچوں کو بے سہارا چھوڑ کر نجران کو بھاگ گیا، اسوقت یعنی ۸ھ میں ام ہانی نے شوہر کے یوں بھاگ جانے پر اسلام قبول کرلیا اور اس طرح ہبیرہ اور ام ہانی میں دائمی جدائی ہوگئی۔

ثم فرق الاسلام بین ام هانی وبین هبیرة۔

(ام ہانی کے) اسلام قبول کرنے سے ان میں اور ہبیرہ میں علیحدگی ہوگئی

(طبقات ابن سعد والاصابہ)

کتاب نسب قریش کے قدیم مصنف نے بھی اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے: ۔

مات هبیرة کافراً هارباً بنجران وکانت عنده ام هانی ابنة ابوطالب فاسلمت الفتح وهرب هبیرة من الاسلام

ہبیرہ نجران میں بحالت فراری وکفر مرگیا، ابوطالب کی بیٹی ام ہانی اس کی زوجیت میں تھیں انہوں نے فتح (مکہ) کے وقت اسلام قبول کرلیا

الی نجران حتی مات بها کافراً [illegible] (ص ۳۴۴)

اور ہبیرہ اسلام سے فرار کرکے نجران بھاگ گیا اور وہیں بحالتِ کفر مرگیا۔

ام ہانی بنت ابوطالب نے واقعہ معراج سے دس برس بعد اسلام قبول کیا تھا اور زمانہ معراج میں وہ آنحضورؐ کے شدید دشمن کی زوجیت میں بھی تھیں اور آبائی مذہب کی پیرو، وضعی حدیثوں میں بسلسلۂ معراج انکا ذکر جو کیا گیا ہے محض لغو ہے فتح مکہ ۸ھ کے موقع پر حضرت علیؓ نے اپنی بہن کے اسلام قبول کرلینے پر آنحضورؐ سے عرض کیا کہ ام ہانی شوہر کے فرار ہو جانے سے بے سہارا رہ گئی اور اب اسلام بھی لے آئی ہے، آپ نے پہلے بھی پیام دیا تھا اب اپنے حبالۂ عقد میں لے آئیں آپ نے ازراہ ترحم انہیں ظل عاطفت میں لینے کا خیال فرمایا اور نکاح کا پیام دیا۔

فخطبها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی نفسها فقالت واللہ ان کنت لاحبك فی الجاهلیة فکیف فی الاسلام ولکنی امراءة مصبیة واکره ان یؤذوك۔

طبقات ابن سعد جلد ۲ وکتاب المحبر ص ۳۹۶ والاصابہ جلد ۳ ص ۵۰۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ہانی کو اپنے نکاح کا پیام دیا ام ہانی نے عرض کیا قسم بخدا۔ جب زمانہ جاہلیت میں آپ سے میں محبت کرتی تھی تو زمانہ اسلام میں اس کا کہنا ہی کیا ہے مگر میں بال بچوں والی عورت ہوں اور اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ آپ کی تکلیف کا موجب ہوں۔

آپ نے یہ عذر ان کا قبول کیا۔ ان واقعات سے ان من گھڑت روایتوں کی تکذیب ہو جاتی ہے جو عبد مناف ابوطالب کی کفالت کی آپ تا بہ سے بیان کی گئی ہیں، جس چچا نے آپ کے نکاح میں بیٹی تک دینا پسند نہ کی وہ آپ کی کفالت کیا کرتا

زبیر کے مرنے پر خاندانی دستور کے مطابق ابو طالب ہاشمی خاندان کے سربراہ ہوئے بعثت رسول اللہ صلعم کے زمانہ سے تیرہ چودہ برس پہلے ہوئے اور تقریباً دس سال تک عہد رسالت میں زندہ رہے۔ کفار قریش نے ان پر طرح طرح سے زور ڈالا مگر اپنے بھتیجے (رسول اللہ صلعم) کا ساتھ انہوں نے نہ چھوڑا خاندان کے سربراہ کی حیثیت سے اپنے عزیز خاص اور فرد خاندان کی کھلم کھلا حمایت کی۔ مقاطعہ (بائیکاٹ) کے ایام میں ہر طرح . . . . . .

کی تکالیف اور شدائد خود بھی برداشت کیں اور سوائے بدبخت ابولہب کے خاندان کے ہر فرد نے بھی یہ تکلیفیں اٹھائیں۔ حالانکہ اس وقت تک بیشتر ہاشمی مسلمان بھی نہ ہوئے تھے۔ ابو طالب اور ہاشمیوں کی یہ حمایت اور خدمت جو قرابت اور رشتہ کے جذبے سے اور شعار خاندانی کی متابعت میں کی گئی تھی۔ قابل تعریف اور لائق صد توصیف ہے۔

ابولہب نے البتہ یہ کلنک کا ٹیکہ اپنے چہرہ پر لگالیا اور حد درجہ مذموم حرکت کا ارتکاب کیا کہ ابو طالب کے مرنے پر چونکہ فرزندان عبد المطلب میں وہی عمر میں سب سے بڑا تھا۔ خاندان کا سرگروہ ہوا پہلے تو آنحضورؐ سے کہا محمد ان باتوں کو بھول جاؤ اور میں بھی ان سے باز آیا جو ابو طالب کی زندگی میں تمہاری مخالفت کیا کرتا تھا اب خاندان کا سرگروہ ہوں اس لئے حمایت کروں گا اور جیتے جی تمہیں کوئی گزند نہ پہنچنے دوں گا۔ لا یوصل الیک حتی اموت یہ حال دیکھ کر ابو جہل وغیرہ نے بھڑکایا اور کہا کہ تمہارے یہ بھتیجے کہتے ہیں کہ عبد المطلب تمہارے باپ دوزخ میں ہیں ذرا ان سے خود تو پوچھ لو اس کے پوچھنے پر آپ نے فرمایا وہ اپنے باپ دادا کے ساتھ ہیں۔ ابوجہل نے پھر کہا کہ صاف جواب لو آپ نے فرما دیا و من مات علی مثل ما مات علیہ عبد المطلب دخل النار۔ جو کوئی اسی عقیدے پر مرے جس پر عبد المطلب مرے داخل نار ہوگا۔ اس پر وہ بدبخت اور بھڑک گیا اور وہ قابل نفرین حرکت کی جو کسی قریشی سردار سے ممکن نہ تھی یعنی خاندانی حمایت و جوار کی شکست کا اعلان کر دیا حالانکہ اپنے خاندان و قبیلہ کے ہر فرد کی حمایت کرنا قریش تو تمغائے شرافت سمجھتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب آنحضورؐ طائف تشریف لے گئے تھے اور واپس ہو کر کچھ عرصہ بعد ہجرت فرمائی۔ ہجرت کے دوسرے سال بدر کا معرکہ پیش آیا، ابولہب خود تو نہ گیا ہاشمی خاندان میں سے بدر کے معرکہ میں حضرت علیؓ کے دو سگے بھائی طالب اور عقیلؓ ان کے چچا عباسؓ بن عبد المطلب اور دو چچیرے بھائی نوفلؓ و ابو سفیانؓ ابنائے حارث بن عبد المطلب لشکر قریش میں شریک ہو کر گئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ شرکت پر مجبور کئے گئے تھے۔ عباسؓ و عقیلؓ و نوفلؓ تو گرفتار ہوئے طالب لڑائی میں مارا گیا۔ مورخین نے حضرت معاویہؓ کے سوتیلے بھائی حنظلہ کے بدر میں مارے جانے کو خوب اچھالا ہے، مگر حضرت علیؓ کے سگے بڑے بھائی کے واقعہ کی طرح طرح پردہ پوشی کی ہے۔

مولف عمدۃ الطالب فرماتے ہیں کہ طالب کو قریش زبردستی لے گئے تھے مگر وہ وہاں سے غائب ہو گیا۔ پھر کچھ حال اس کا معلوم نہ ہو سکا۔ ففقد فلم یعرف لہ خبر (ص۱۸ ساتھ ہی

یہ بھی کہا ہے کہ اپنا گھوڑا طالب نے سمندر میں ڈال کر خود کو ڈبو دیا تھا۔ اس قسم کے عذرات کی بھلا کیا ضرورت تھی۔ حضرت علیؓ یا حضرت معاویہؓ کے لئے یہ بات موجب کسی تنقیص کا نہیں ہو سکتی کہ ان کے بھائی یا دوسرے عزیز قریش کے ساتھ بدر میں شریک ہو کر آئے اور لڑے۔ یہ لوگ اس وقت مسلمان نہ تھے اپنی قوم و قبیلہ کا انہیں ساتھ دینا پڑا اگرچہ بہ مجبوری و بکراہت دیا۔ اسلام کی انقلابی دعوت کی ابتداء میں ایک مختصر سی جماعت نے قبول کیا تھا' اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی کو ہدایت کی اور حالات و واقعات نے اس کا دل پھیرا دائرہ اسلام میں داخل ہو تا گیا مگر ہاشمی خاندان کی بعض ممتاز تاریخی شخصیتوں کو حد سے بڑھانے اور اموی خاندان کی ایسی ہی شخصیتوں کو مطعون کرنے کی غرض سے جو روایتیں وقتاً "فوقتاً" وضع ہوتی رہیں اور مورخین نے اپنے صفحات پر جگہ دی محرک اصلی ان کے وضع ہونے کا خلافت و سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے یہ اختلافات تھے جن کا ذکر کیا گیا ہے اور جن کے نتیجہ میں موروثی حق کا نظریہ ظہور میں آیا حتیٰ کہ نبوت و رسالت' وصایت و امامت کو بھی بالآخر موروثی بتایا گیا اور کہا گیا یہ مراتب عبد المطلب کو عطا ہوئے تھے انہوں نے مرتے وقت ابو طالب کے سپرد کئے' اور "ابو طالب نے نبوت و رسالت کا رتبہ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ م) آنحضرتؐ کو اور وصایت و امامت کا درجہ مولانا علیؑ کو دیا۔" (ص ۱۴ کتاب ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام) یہ فقرہ اگرچہ حد درجہ غلو بلکہ اغراق پر مبنی ہے' لیکن جو الفاظ مصنف نہج البلاغہ نے حضرت علیؓ کی زبان سے متعدد خطبات میں کہلوائے ہیں' ان میں بھی اسی نظریہ کی جھلک نمایاں ہے' جس کا اظہار مندرجہ بالا فقرے میں کیا گیا ہے' **مثلاً** "خطبہ نمبر ۱۰۵ میں یہ فقرے و الفاظ ملاحظہ ہوں۔

نحن شجرۃ النبوۃ و محط الرسالۃ و مختلف الملائکۃ و معادن العلم و ینابیع الحکم۔	ہم نبوت کے شجرہ، رسالت کے اترنے کے مقام، فرشتوں کے آمد و رفت کی جگہ، علم کی کان ہیں۔

موروثی نظریہ خلافت و وصایت کے سلسلہ میں حضرت علیؓ کا نمبر تو بعد میں آتا ہے پہلے تو ان کے والد ماجد آتے ہیں جن کے کفالت و پرورش کرنے کی داستان آب و رنگ کے ساتھ اسی مقصد سے وضع کی گئی' لیکن ان حقائق کے پیش نظر کہ انہوں نے کبھی اسلام قبول نہ کیا' بحالت کفر انتقال کیا' آنحضرت صلعم نے ان کی تدفین میں شرکت نہ کی ان کے مختصر سے ترکہ میں سے حضرت علیؓ کو حصہ نہ لینے دیا' یہ ساری داستان خود بخود باطل ہو جاتی ہے۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے سب بھائیوں کی عمروں میں دس دس سال کا فرق تھا کتب تاریخ وغیرہ میں جہاں اور بہت سی وضعی روایتیں ان کے سن و سال اور وصایت و خلافت کے بارے میں ہیں ایک روایت یہ بھی ہے کہ نبوت کے ابتدائی زمانہ میں جب سورۃ الشعراء کی یہ آیت نازل ہوئی **و انذر عشیرتک الاقربین** (یعنی اے رسول) اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو (عذاب الٰہی سے) آگاہ و متنبہ کرو) آپ نے قریش کے تمام خاندانوں کو کہ سب ہی سے آپ کی قرابت و رشتہ داری چلی آتی تھی کوہ صفا پر چڑھ کر پکارا اور بلایا' انذار کیا عذاب

الٰہی سے ڈرایا، آپ کا گمراہ چچا ابولہب اور اس کے ہم خیال برہم ہو کر چلے گئے اس سلسلے میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ پھر بنو عبدالمطلب کو آپ نے مدعو کیا، حضرت علیؓ سے دعوت کا انتظام کرنے کو فرمایا لوگ آئے دعوت میں شریک ہوئے جب سب کھانا کھا چکے آپ نے فرمایا:۔

"اے اولاد عبدالمطلب! خدا نے مجھے تمام مخلوق کے لئے مبعوث کیا ہے اور خاص طور سے تمہارے لئے (بعثنی الیکم خاصۃ) تم میں سے کون ہے جو اس کا اقرار کرے کہ خدا ایک ہے اور میں (محمدؐ) اس کا رسول ہوں اور اس کی تبلیغ میں میری مدد کرے (یعاونی القیام بہ) یہ سن کر سب خاموش رہے کسی نے کوئی جواب نہ دیا حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر کہا کہ اگرچہ مجھے آشوب چشم ہے، گو میری ٹانگیں پتلی ہیں اور گو میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں مگر آپ کا ساتھ میں دوں گا کہا گیا ہے کہ تین مرتبہ انہوں نے کھڑے ہو کر یہی کہا اس پر آپ سے یہ الفاظ منسوب کئے گئے ہیں یعنی آپ نے علیؓ سے فرمایا فانت اخی ووزیری ووصی ووراثی وخلیفتی من بعدی (یعنی تم میرے بھائی ہو، میرے وزیر ہو، میرے وصی ہو، میرے وارث ہو اور میرے بعد میرے خلیفہ ہو) یہ روایتیں سب ہی کتابوں میں ملتی ہیں جو اسی نظریہ وراثت کی ترجمان ہیں۔ ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ اور تفسیر دونوں میں اس وضعی روایت کو بہ تغیر الفاظ لکھا ہے اور ابو مریم عبدالغفار بن قاسم انصاری و منہال بن عمرو کی سندوں سے درج کیا ہے۔ اول الذکر ابو مریم کے متعلق امام ذہبی نے میزان الاعتدال (ص۱۴۲ ج۲) میں بتایا ہے کہ وہ رافضی تھا اور ناقابل اعتبار المدائنی کہتے ہیں کہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا اور "رؤس الشیعہ" میں سے تھا، ابو داؤد کہتے ہیں کہ میں اس کی شہادت دیتا ہوں کہ ابو مریم کذاب تھا اسی طرح منہال بن عمرو کو جوزجانی نے ضعفا میں شامل کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ بدمذہب تھا (ایضًا) امام ابن تیمیہ نے اس روایت کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ جھوٹی اور موضوع روایت ہے۔ مگر اس موضوع روایت کو علامہ شبلیؒ نے سیرۃ النبی (ص۲۱۱ ج۱) میں درج کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے "قریش کے لئے یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا کہ دو شخص (جن میں سے ایک سیزدہ [۱۶] سالہ نوجوان ہے) دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں) علامہ موصوف نے اس واقعہ کو ۳ھ نبوی کا بتایا ہے (ص۲۱۱) اس وقت حضرت علیؓ کو سیزدہ [۱۶] سالہ نوجوان کہا ہے بالفاظ دیگر بعثت رسول کے وقت ان کی عمر تیرہ [۱۳] سال قرار دی ہے، لیکن یہ کسی طرح بھی صحیح نہیں، اس زمانہ میں ان کی عمر پانچ برس سے زیادہ نہ تھی جیسا امور ذیل سے ثابت ہے:۔

(۱) جنگ بدر رمضان ۲ھ میں ہوئی اور یہی پہلی جنگ تھی جس میں حضرت علیؓ کو ابتداءً تیغ زنی کا موقع ملا تھا خود ہی فرماتے ہیں لقد نھضت فیھا وما بلغت العشرین (میں ہنوز پورے بیس برس کا بھی نہ تھا جو اس میں (جنگ بدر) میں لڑنے کو اٹھ کھڑا ہوا تھا) (خطبہ ۲۶ نہج البلاغہ و کامل المبرد و عقد الفرید وغیرہ) دیگر کتب میں صراحتًا بیان ہوا ہے کہ بدر میں جب حضرت علیؓ کو جھنڈا عطا ہوا تھا ان کی عمر بیس برس کی تھی، سیرۃ الحلبیۃ میں ابن عباسؓ کا قول نقل ہوا ہے کہ بدر میں علیؓ کی عمر بیس سال کی تھی نیز خطیب بغدادی لکھتے ہیں:۔

شھد علی بدرًا وھو ابن عشرین سنۃ وشھد الفتح وھو ابن ثمان و عشرین سنۃ (تاریخ خطیب بغدادی ص۱۳۸ ج۱) یعنی علیؓ جنگ بدر میں شریک ہوئے تو وہ بیس برس کے تھے اور فتح مکہ کے زمانہ میں اٹھائیس برس کے تھے۔ اس حساب سے ہجرت کے وقت اٹھارہ سال کے تھے اور بعثت نبوی کے زمانہ میں پانچ سال کے۔ یعنی ۱۸ - ۱۳ = ۵

(۲) حضرت فاطمہؓ سے ان کا نکاح مشہور روایت کے مطابق جنگ بدر کے بعد ہوا اس وقت ان کی عمر بیس سال کی تھی اور دوسری زیادہ معتبر روایت سے جنگ احد ۳ھ کے بعد ہوا تھا اس وقت وہ اکیس برس کے تھے انکحھا رسول اللہ علیًا ..... بعد وقعۃ احد ..... وسن علی یومئذ احدی وعشرین سنۃ وخمسۃ اشھر (حاشیہ صحیح بخاری ص۵۳۲ مطبوعہ اصح المطابع دہلی) یعنی رسول اللہ صلعم نے ان کا (فاطمہؓ) کا نکاح علیؓ سے بعد واقعہ احد کیا ..... اس وقت علیؓ کا سن اکیس برس پانچ ماہ کا تھا اس اعتبار سے بھی ہجرت کے وقت وہ اٹھارہ برس کے ہوئے اور بعثت رسول کے زمانہ میں پانچ سال کے۔

(۳) ابو طالب بڑی عسرت سے زندگی بسر کرتے تھے۔ نبوت کے دوسرے سال جب قحط پڑ گیا معاشی حالت ان کی اور خراب ہو گئی، بڑے دو بیٹے طالب و عقیل تو ۳۶ و ۲۶ برس کے خود کفیل تھے، چھوٹے دونوں بیٹوں جعفر و علی کی پرورش کا بار البتہ ان پر تھا جن کی عمریں علی الترتیب سولہ اور چھ برس کی تھیں، آنحضرت صلعم نے اپنے دوسرے چچا حضرت عباسؓ کو ابو طالب کی اعانت پر متوجہ کیا اور فرمایا کہ ان کے دونوں چھوٹے بیٹوں کی پرورش کا بار خود ہم اٹھا لیں چنانچہ حضرت عباسؓ نے جعفر کو اپنی پرورش میں لے لیا اور آنحضرت صلعم نے علی کو۔ اب دیکھئے کہ حضرت علیؓ کی عمر اس وقت اگر تیرہ چودہ برس کی ہو جیسا علامہ شبلیؒ نے قرار دی

ہے تو حضرت جعفرؓ کی عمر لامحالہ تیئس ۲۳ چوبیس ۲۴ برس کی قرار پائے گی، اس عمر کا جوان شخص خود کفیل ہوتا ہے قابل پرورش نہیں ہوتا، جن لوگوں نے حضرت علیؓ کی واقعی عمر کو اس مقصد سے بڑھا کر پیش کیا ہے کہ انہیں اسلام قبول کرنے میں پہلا یا دوسرا فرد قرار دے لیں، انہوں نے اس قباحت کا خیال نہیں کیا کہ جس نسبت سے ان کی عمر بڑھائی جائے گی اسی نسبت سے ان کے بڑے بھائی کی عمر میں اضافہ کرنا پڑے گا، پھر ان کی پرورش کا کوئی مسئلہ ہی باقی نہیں رہتا حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ وہ اپنے چچا کی پرورش میں رہے تھے۔ اس اعتبار سے بھی حضرت علیؓ بعثت نبوی کے وقت پانچ ہی برس کی عمر کے ہوتے ہیں اور فی الاصل تھے بھی۔

(۴) حضرت جعفرؓ نے غزوہ موتہ (جمادی الثانی ۸ھ) میں شہادت پائی، اس اس وقت چونتیس پینتیس برس کا تھا۔ ان ہی کی اولاد میں علی بن عبد اللہ بن جعفر بن ابراہیم بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن جعفرؓ موصوف کا قول مقاتل الطالبین کے شیعہ مولف نے نقل کیا کہ قتل جعفر و ھو ابن ثلاث او اربع و ثلاثین سنۃ (ص۱۱) یعنی جعفر جس وقت قتل ہوئے وہ تینتیس ۳۳ چونتیس ۳۴ برس کے تھے۔ ۸ھ میں جب چونتیس برس کے تھے تو ہجرت کے وقت چھبیس ستائیس ۲۷ برس کے ہوتے اور بعثت نبوی کے زمانہ میں چودہ ۱۴ پندرہ ۱۵ برس کے اور ان سے دس برس چھوٹے (علیؓ) وہی چار پانچ برس کے۔[1]

(۵) حضرت علیؓ رمضان ۴۰ھ میں شہید ہوئے تھے اس وقت وہ اٹھاون برس کے تھے۔ جناب جعفر بن محمدؒ (الباقر) سے کسی نے پوچھا کم کان لعلیؓ یوم قتل؟ قال ثمان و خمسین۔ (تاریخ خطیب بغدادی، ص۱۳۸ ج۱) یعنی قتل کے دن علیؓ کی کیا عمر تھی کہا کہ ۵۸ برس کی۔ اس حساب سے بھی بوقت ہجرت ۱۸ سال کے اور بزمانہ بعثت نبوی پانچ سال کے تھے۔

اور بالفرض یہ ثابت بھی ہو جائے کہ بعثت نبوی کے وقت علیؓ کی عمر پانچ برس سے زیادہ

---

[1] مقاتل الطالبین کے شیعہ مولف نے اس پر یہ ریمارک کیا ہے کہ علیؓ کی عمر نبی صلعم کی مبعوث ہونے کے زمانہ میں زیادہ سے زیادہ ۱۵ سال کی اور کم سے کم سات برس کی بیان کی گئی ہے اس لئے یہ قول کہ شہادت کے وقت جعفر تینتیس چونتیس برس کے تھے صحیح نہیں ابن عبد البر نے اکتالیس بیان کی ہے۔ ۱۵، ۱۳، ۱۱، ۹، ۸، ۷ سال کے مختلف اقوال خود اس بات کی بین دلیل ہیں کہ عمر کا تعین حقیقت پسندی سے نہیں بلکہ اس مقصد کے پیش نظر کیا گیا ہے کہ یہ فضیلت بھی ان کی ثابت ہو سکے کہ اسلام لانے میں وہی پہلے یا دوسرے شخص تھے، وہی

یعنی سات یا آٹھ یا نو یا دس برس کی تھی تو بقول علامہ ابن حزم: "دس برس والے کا اسلام و دعوت اسلام ایسا ہی ہے جیسے انسان کا اپنے چھوٹے بچے کو دین کا خوگر بنانا کہ نہ تو ان کو کچھ نفع ہے نہ اس کے انکار سے کوئی گناہ، اگر اس معاملہ کو اس قول کے مطابق اختیار کیا جائے جو کہتا ہے کہ علیؓ کی وفات اٹھاون برس کی عمر میں ہوئی تو پھر وہ نبی صلعم کی بعثت کے وقت پانچ ہی برس کے تھے .... علیؓ حد تکلیف و حد بلوغ کو نبی صلعم کے زمانہ بعثت کے چند سال بعد پہنچے جب کہ بہت سے صحابہ مرد و عورت اسلام لا چکے تھے .... علیؓ کا بت پرستی نہ کرنا ہم نے اور ہمارے ان بچوں نے جو اسلام میں پیدا ہوئے کبھی بت پرستی نہیں کی، لیکن عمار و مقداد و سلمان و ابوذر و حمزہ و جعفرؓ نے بت پرستی کی۔ کیا تمہاری رائے میں ہم لوگ اس سبب سے ان حضرات سے معاذ اللہ افضل ہیں اس کا تو کوئی مسلم بھی قائل نہیں (الملل والنحل ص۱۰۸ ج۳ اردو ترجمہ)۔

غرضیکہ مندرجہ بالا تصریحات سے بخوبی ثابت ہے کہ ہجرت سے دو ایک سال پہلے حضرت علیؓ اس سن و سال کے ہوئے یعنی پندرہ سولہ برس کے کہ تعلیمات دین سے بہرہ مند ہو سکے بعثت نبوی کے بعد سے اس دس بارہ برس کے عرصہ میں ان سے پہلے بہت سے صحابہ نے بہرہ وافر حاصل کیا تو پھر باب العلم کی وضعی حدیث اور اس قول کی کیا حقیقت باقی رہتی ہے جو مصنف نہج البلاغہ نے ان سے منسوب کیا ہے:۔

نحن الشعار والاصحاب والخزنۃ والابواب ولا تؤتی البیوت الا من ابوابھا فمن اتاھا من غیر ابوابھا سمی سارقا۔ (خطبہ ۱۵۵)	ہم (رسول اللہ) کے خصائل ہیں، ان کے اصحاب ہیں (اسرار پیغمبر) کے خزانہ ہیں (مکان علم) کے دروازے ہیں دروازوں کے بغیر مکان میں دوسری طرف سے داخل ہونا جائز نہیں جو شخص غیر دروازے سے داخل ہوگا وہ چور کہلائے گا۔

مصری فاضل احمد امین نے اپنی تالیف فجر الاسلام میں حضرت علیؓ کی شخصیت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کی تصویر کشی سخت دشوار ہے کیونکہ مبالغات و اکاذیب کا وہ انبار لگا دیا گیا ہے کہ مورخ حیرت زدہ رہ جاتا ہے:۔

دخلھا من المبالغات والاکاذیب ما وقف المورخ حائرا (ص۱۴۸) بقول پروفیسر نکلسن محقق کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک تخلیقی شخصیت اصلی شخصیت پر قایم کرنے کی

کوشش کی گئی ہے۔ ولادت کے بارے میں عجیب عجیب باتیں کہی گئی ہیں۔ ملّا باقر مجلسی نے ایک عیسائی راہب مثرم کا وضعی قصہ لکھا ہے کہ ابوطالب سے اپنی ملاقات میں اس نے کہا تمہارے صلب سے ایک بیٹا ہوگا جو "ولی خدا و پیشوائے متقیان و وصی رسول پروردگار عالمیان" ہوگا ابوطالب نے برہان دلیل کے لئے اس سے بہشت کا طعام طلب کیا، راہب نے دعا مانگی، رطب و انگور و انار بہشت کا خوان آگیا ابوطالب نے انار بہشتی کھایا۔ اس سے نطفہ مبارک رحم مادر میں قائم ہوا (جلاء العیون ص۱۵۶) اور بھی اسی طرح کی روایتیں ہیں کسی میں ہے کہ دونوں میاں بیوی نے بہشت کی کھجوریں کھائیں ان سے نطفہ قرار پایا اور نطفہ قرار پاتے ہی "زمین بحرکت آمد" اور کعبہ کے بت گر پڑے حالانکہ متعدد کتب، مقاتل الطالبین و شرح ابن ابی الحدید وغیرہ میں صراحتاً بیان ہے کہ ولادت علیؓ کے وقت ان کے والد موجود نہ تھے۔ والدہ علیؓ فاطمہ بنت اسد نے نومولود کے نانا کے نام پر اسد نام رکھ دیا ابوطالب کو پسند نہ ہوا انہوں نے علی رکھا۔ شیعہ مولف عمدۃ الطالب فرماتے ہیں:۔

ومن ھھنا سمی امیر المومنین علیؑ حیدر لان حیدرۃ من اسماء الاسد

یعنی اسی وجہ سے امیر المومنین علیؑ کو حیدر کہنے لگے کیونکہ اسد یعنی شیر کے ناموں سے ایک نام حیدرہ بھی ہے، بس اتنی سی بات پر کیا کیا حاشیے چڑھا دئے گئے، اسد سے اسد اللہ الغالب و حیدر و شیر خدا نام و لقب قرار دے لئے ملّا باقر مجلسی نے تو یہ قصہ بھی تصنیف فرما دیا ہے کہ طائف کے راستہ میں ابوطالب کو ایک شیر ملا جو انہیں دیکھ کر دم ہلانے اور سر اپنا خاک پر ملنے لگا۔ وجہ پوچھنے پر وہ قدرت الٰہی سے گویا ہو گیا اور کہنے لگا:۔

توئی پدر شیر خدا و یاری کنندۂ پیغمبر خدا و تربیت کنندۂ او پس دران روز محبت حضرت رسالت در دل ابوطالب جا کرد و ایمان آورد۔	تم ہی شیر خدا کے باپ ہو، پیغمبر خدا کی یاری کرنے والے اور تربیت کرنے والے ہو پس اسی دن سے رسول اللہ کی محبت نے ابوطالب کے دل میں جگہ کر لی اور ایمان لے آئے۔

جلاء العیون ص۱۹۴ مطبوعہ تہران ۱۳۳۴ھ

اس جعل روایت پر گفتگو کیا ہو۔ دروغ گو را حافظہ نباشد۔ بات تو کرتا ہے بعثت سے کئی سال پہلے کی اور کہتا ہے کہ قبل نبوت ہی ابوطالب ایمان لے آئے۔

خانۂ کعبہ میں تولد

اس کے متعلق بھی عجیب و غریب روایتیں ہیں، ملّا باقر مجلسی کی جلاء العیون کے علاوہ THE EARLY HISTORY OF ISLAM[1] (اسلام کی ابتدائی تاریخ) میں بھی ہیں مسٹر ہولسٹر ایم۔ اے نے اپنی تالیف "شیعیان ہند"[2] میں اس سے اقتباسات لئے ہیں نیز بعض دیگر کتب خصوصاً حملہ حیدری میں جو منظوم ہے اور جو "فخر المحققین سلطان العلماء وحید العصر والاوان مجتہد العصر والزمان جناب آقا سید محمد باقر نواب" کی تصحیح سے نوابان اودھ کے سرکاری مطبع میں ۱۲۶۷ھ میں طبع ہوئی تھی یہ انوکھی روایت آب و رنگ سے بیان کی گئی ہے کہ والدہ علیؓ کو ابوطالب نے ایام حمل میں حضرت محمدؐ کی غیر معمولی تعظیم کرتے دیکھا وجہ پوچھنے پر بتایا کہ یہ جو میرے پیٹ میں ہے مجھے ایسا بے قرار کر دیتا ہے کہ بے اختیار تعظیم کو کھڑی ہو جاتی ہوں۔ ابوطالب نے یہ سن کر دوسرے دن اپنے چھوٹے بھائی حمزہؓ کو جو پہلوانان حجاز میں ممتاز تھے بلا لیا اور آنحضرت کی تشریف آوری سے ذرا پہلے بیوی کو درمیان میں بٹھایا ایک طرف خود بیٹھے دوسری جانب حمزہؓ کو بٹھایا پھر دونوں نے والدہ علیؓ کے بازو مضبوط پکڑ لئے مگر جوں ہی آنحضرت نے قدم گھر میں رکھا والدہ علیؓ نے اپنے بازوؤں کو اس زور سے جھٹکا دیا کہ دونوں زور آزما دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اور وہ تعظیم کو اٹھ کھڑی ہوئیں۔

چو افتاد چشمش بر آن نور پاک ؛ بہ بنیاد جنبت از روئے خاک
کزان ہر دو زور تن نام جو ؛ نیامد میسر دمے ضبط او
تکان داد بازو و برپائے خاست ؛ بہ تعظیم سید بہ استاد راست

(حملہ حیدری ص۳۲۳)

اب یہ اور عجیب تربات سنئے کہ شکم مادر ہی سے جنین نے سلام کا جواب دیا:۔

بفرمود از روئے مہر و ولا ؛ سلامٌ علیک! اے برادر مرا
بر آمد از شکم این ندا ؛ علیک السلام! اے رسول خدا

(ایضاً)

---

[1] مولفہ صفدر حسین مطبوعہ انگلش پرنٹنگ پریس لکھنؤ ۱۹۳۳ء

[2] مطبوعہ لندن ۱۹۵۳ء

ملا صاحب نے اسی ضمن میں حضرت عباسؓ بن عبد المطلب سے یہ چشم دید واقعہ منسوب کیا ہے کہ "فاطمہ بنت اسد (والدہ علیؓ) مسجد در آمد (مسجد سے مراد خانہ کعبہ ہے جو اس زمانہ میں بت خانہ تھا۔ م) واورا درد زائیدن گرفتہ بود (ص۱۹۱) یعنی دردزہ شروع تھا کہ خانہ کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر آسمان کی جانب نظر اٹھائی اور کہنے لگیں:۔

اے خدا! تجھ پر اور تیرے ہر پیغمبر و رسول اور ہر کتاب پر جو تو نے نازل کی ہے میں ایمان رکھتی ہوں، یہ بچہ جو میرے پیٹ میں ہے اور مجھ سے باتیں کرتا ہے میں یقین سے جانتی ہوں کہ تیری عظمت وجلال کی نشانیوں میں سے یہ ایک نشانی ہے اس کی ولادت مجھ پر آسان کردے۔

دوسری روایت میں ہے کہ دیوار کعبہ سے جب پیٹ ملنا شروع کیا دیوار یکایک شق ہو گئی، دروازہ نمودار ہوا اور غیب سے آواز آئی اے مادر افضل اوصیا، اندر آؤ اور بچہ جنو!

کہ دیوار از حکم رب مجید ۔۔ بشد شق و آمد درے زان پدید
ندائے بگوش آمدش از سما ۔۔ کہ اے مادر افضل اوصیا
درون آو در خانہ ما بزائے ۔۔ سزد مولد آن ولد این سرائے
درون رفت بانو بحکم الٰہ ۔۔ تولد درون حرم یافت شاہ

کتاب المحبر کے قدیم ترین مولف مسلکاً تفضیلیہ تھے وہ بھی الحکیمؓ بن حزام کی والدہ کے خانہ کعبہ میں آنے اور دردزہ شروع ہو کر وہیں بچہ جننے کا ذکر کرتے ہیں والدۂ علیؓ کے واقعہ کا ذکر نہیں کرتے۔

الحکیم بن حزام ولد فی الکعبۃ وذلک ان امہ دخلت الکعبۃ وھی حامل بہ فضربھا المخاض فیھا ولدت ھناک۔ (کتاب المحبر ص۱۷۶)	حکیم بن حزام کعبہ میں پیدا ہوئے اس کا سبب یہ ہوا کہ ان کی ماں کعبہ میں داخل ہوئیں۔ بچہ پیٹ میں تھا انہیں وہیں دردزہ شروع ہو گیا پس وہیں بچہ جن دیا۔

حکیمؓ بن حزام حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے اور صحابی تھے، یہ واقعہ عہد جاہلیت کا اور ولادت علیؓ سے چالیس برس پہلے کا ہے جب خانہ کعبہ کو کفار نے بت خانہ بنا رکھا تھا عورت مرد سب ہی بتوں کی پوجا کو آتے تھے عرب کا تو ذکر ہی کیا دنیا میں کہیں بھی میٹرنٹی ہوم کا وجود نہ تھا۔

بت پوجنے والی حاملہ عورتوں کا محض بچہ جننے کو نہیں بلکہ وضع حمل کی تکالیف کے آسان ہونے کی منتیں چڑھانے کو کعبہ میں آنا قرین قیاس ہے۔

اس سلسلہ میں یہ تصریحات بھی جلاء العیون وغیرہ میں ہیں کہ والدۂ علیؓ تین دن تک خانۂ کعبہ میں رہیں اور "میوہ ہا وطعامہائے بہشت" تناول کرتی رہیں جب تھے دن دروازہ کھلا ساتھ ہی ندا آئی کہ:۔

اے فاطمہ! ہم نے اپنے اسم مقدس سے اشتقاق کر کے نومولود کا نام علی رکھا ہے اور آداب خجستہ سے بچہ کی تادیب کی ہے۔ "واموز خود را با وتفویض نمودہ ام واو را بر علوم پنہان خود مطلع کردہ ام (ص۱۹۱) دوسری روایت میں ہے کہ نومولود کو گھر لے جا رہے تھے کہ یکایک ایک لوح سبز زمین سے پیدا ہوئی جس پر اس مضمون کے چند شعر کندہ تھے کہ ہم نے اس نومولود کا نام اپنے نام پر رکھا ہے، ابوطالب نے اس لوح کو کعبہ میں لٹکا دیا جو ہشام بن عبد الملک کے زمانہ تک آویزاں رہی (ص۱۹۵) نیز بیان ہوا ہے کہ نومولود نے اپنے باپ کو اور آنحضرت کو سلام کیا، آپ نے دہان مبارک بچہ کے منہ میں دیدیا جس سے بارہ چشمے بچے کے منہ میں جاری ہو گئے "دوازدہ چشمہ از زبان معجز نشان آن حضرت در دہان امیر المومنینؑ جاری شد" (ایضاً) لکھا ہے کہ اس سبب سے اس دن کا نام ترویہ پڑ گیا۔ دوسرے دن نومولود نے آپ کو پہچان لیا اس بنا پر اس دن کا نام عرفہ ہوا، دسویں ذوالحجہ کو ابوطالب نے تین سو اونٹوں اور ہزارہا گوسفند وگاؤ کی قربانی کر کے اہل مکہ کی ضیافت کی اور خوشی منائی اس لئے اس دن کا نام نحر ہوا اور "آن روز را عید گردانید" قوت جسمانی کے مزید ثبوت کا اظہار بھی اس پیرایہ میں کیا گیا ہے کہ نومولود کو کپڑے میں لپیٹا جاتا کپڑا پھاڑ ڈالتا۔ چند مرتبہ "جامہ دیبا محکم" کو پھاڑا، پھر مضبوط چمڑا اوپر سے لپیٹا گیا "بازآن شیر خدا آنقوت ربانی ہمہ را از ہم درید (ص۱۹۲)

یہ اور اسی طرح کے مبالغات جو واقعات کے مشاہدات کے اور براہین عقلی کے سراسر خلاف ہیں جس مقصد سے کئے گئے تشریح طلب نہیں عیاں ہے اور عیاں راچہ بیان اپنے اور بھائی بہنوں کی طرح حضرت علیؓ کی ولادت بھی آبائی مکان دخانہ پدر میں ہوئی، باپ کی عدم موجودگی میں ماں نے نومولود کے نانا اسد بن ہاشم کے نام پر اسد نام رکھ دیا تھا ابوطالب نے آکر بدل دیا۔ ابن ابی الحدید نے ابن قتیبہ کے حوالے سے یہ لکھا ہے جس کا اشارہ اوپر گذر چکا

كانت أم علي سمته وأبو طالب غائب حين ولدته أسداً باسم أبيها أسد بن هاشم بن عبد مناف فلما قدم أبو طالب غيّر اسمه وسماه علياً وحيدرة اسم من أسماء الأسد
شرح ابن ابی الحدید ص۳۶۲ ج۱ نیز مقاتل الطالبین وغیرہ

علیؓ کی والدہ نے اپنے باپ اسد بن ہاشم بن عبد مناف کے نام پر ان کا نام رکھا کیونکہ ان کی ولادت کے وقت ابو طالب موجود نہ تھے جب ابو طالب آئے انہوں نے ان کا نام بدل کر علی رکھا اور حیدر اسد (شیر) کے ناموں سے ہے۔

واقعہ تو محض اسی قدر تھا، بے تکی عقیدت اور سیاسی مصلحت نے طرح طرح کے حاشئے چڑھا دیئے، اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا۔ اوپر ذکر ہو چکا کہ حضرت علیؓ بچپن میں اپنے والدین کی ناداری کی وجہ سے آنحضرت صلعم کے یہاں پرورش پاتے تھے پھر یہ خصوصیت بھی کچھ انہیں کی نہ تھی آپ کی سوتیلی اولاد یعنی حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر کے بچے نیز زیدؓ بن حارثہ جن کو آپ نے متبنیٰ کیا تھا اور زید بن محمدؐ کہلانے لگے تھے آپ کی پرورش میں تھے، بعد میں حضرت ام سلمہؓ اور حضرت جعفرؓ کی اولاد نے بھی پرورش پائی۔ مگر نہج البلاغہ کے مصنف نے خطبہ ۲۴ جس کا نام ”القاصعہ“ رکھا ہے حضرت علیؓ کی زبان سے یہ الفاظ ادا کر دئے ہیں:۔

”جب میں بچہ تھا رسول اللہ نے مجھے اپنی گود میں اٹھا لیا، اپنے سینہ سے لپٹا لیا، اپنے فرش پر مجھے اپنے پہلو میں رکھتے، اپنے جسم کو میرے جسم سے مس کرتے، اپنی خوشبو مجھے سنگھاتے کھانے کے لقمہ کو پہلے خود چباتے پھر وہ لقمہ میرے منہ میں دیدیتے۔۔۔۔۔۔ میں آپ کی اسی طرح پیروی کرتا تھا جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے پیچھے دوڑا دوڑا جاتا ہو۔ آپ ہر روز مجھے اپنے اخلاق کریمہ کے ایک علم کی تعلیم دیا کرتے تھے۔۔۔۔۔۔ ہر سال ایک مہینہ آپ کوہ حرا میں مقیم رہتے تھے پس میں آپ کو دیکھتا تھا میرے سوائے کوئی اور نہ دیکھ سکتا تھا۔۔۔۔۔ میں وحی اور رسالت کا نور دیکھتا تھا اور ”ریح النبوۃ“ کی خوشبو سونگھتا تھا جس وقت وحی رسول اللہ پر نازل ہوتی (یعنی غار حرا میں) تو میں نے شیطان کی فریاد (رنۃ الشیطان) کی آواز سنی رسول اللہ سے پوچھا یہ کیسی آواز ہے فرمایا یہ شیطان ہے جو اپنے تسلط سے مایوس ہو گیا ہے۔ بیشک اے علی۔ جو میں سنتا ہوں تم بھی سنتے ہو جو میں دیکھتا ہوں تم بھی دیکھتے ہو الا یہ کہ تم نبی نہیں ہو لیکن (دینی کے) وزیر ہو“

ابن ابی الحدید نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے علیؓ سے فرمایا تھا۔

لولا انی خاتم الانبیاء لکنت شریکاً فی النبوة فان لا تکن نبیاً فانک وصی نبی ووارثه بل انت سید الاوصیا وامام الاتقیا۔

اگر میں خاتم الانبیاء نہ ہوتا تو تم نبوت میں میرے شریک ہوتے اب جبکہ تم نبی نہیں ہو تو تم نبی کے وصی اور اس کے وارث ہو بلکہ سید الاوصیا اور امام الاتقیا ہو۔

گویا پانچ چھ برس کے بچہ سے جس کو ابھی کچھ شعور بھی نہ ہوا تھا خاتم النبیین نے یہ گفتگو کی تھی! یہ باتیں نہ حقیقت پر مبنی ہیں نہ واقعات سے ان کا کوئی ثبوت دیا جا سکتا ہے۔

علمی فضیلت

حضرت علیؓ سابقون الاولون اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے فضلائے صحابہ میں ان کا اپنا درجہ ہے۔ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں:۔

”علیؓ نے صرف پانچ سو چھیاسی حدیثیں روایت کی ہیں جن میں سے تقریباً پچاس صحیح ہیں حالانکہ وہ رسول اللہ صلعم کے بعد تیس برس سے زیادہ زندہ رہے لوگوں کی بکثرت ان سے ملاقات ہوئی۔۔۔۔۔۔ اس کے بعد ہم نے یہ حالت پائی کہ جو جو زمانہ دراز ہوتا گیا لوگوں کو صحابہ کے علوم کی حاجت بڑھتی گئی۔ ہم نے مسند عائشہؓ میں دو ہزار دو سو دس ۲۲۱۰ حدیثیں پائیں مسند ابو ہریرہؓ میں پانچ ہزار تین سو چوہتر حدیثیں، مسند ابن عمرؓ و مسند انسؓ دونوں میں ہر ایک کی قریب قریب عائشہؓ کے برابر حدیثیں پائیں۔ مسند جابر بن عبد اللہ و مسند عبد اللہ بن عباسؓ میں ہر ایک کی پندرہ پندرہ سو سے زائد حدیثیں اور ابن مسعودؓ کی آٹھ سو نو حدیثیں پائیں۔ مذکورہ بالا حضرات کے سوائے ابو ہریرہؓ و انس بن مالکؓ کے فتاویٰ بھی علیؓ کے فتاویٰ سے زائد یا برابر ہیں“ (الملل والنحل ص۹۹ اردو ترجمہ)

حضرت ابوبکرؓ کا مرتبہ تو علم میں سب ہی صحابہ سے بلند تھا ان کے بعد چند صحابہ ہیں جن میں حضرت معاذؓ بن جبل ہیں جن کے بارے میں حضرت عمرؓ کا یہ قول تھا ”لولا معاذ اً لھلک عمرؓ“ اگر معاذ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا یہ ایک مسئلہ میں ان کے مشورہ کی توصیف میں فرمایا تھا (ص۱۶۶ الاعلام زرکلی) لوگوں نے ”معاذ“ کے بجائے ”علی“ کا نام لکھ کر شہرت دیدی۔

شریف الرضی نے خطبہ ۱۴۸ میں فضائل علمیہ اور خلافت کے دعاوی کے اظہار میں یہ کلمات حضرت علیؓ کے منہ سے کہلواتے ہیں:۔

اَین الذین زعموا انھم الراسخون فی العلم دوننا کذبًا وبغیاً علینا ان رفعنا اللہ ووضعھم واعطانا وحرمھم وادخلنا واخرجھم بنا یستعطی الھدیٰ ویستجلی العمی ان الائمۃ من قریش غرسوا فی ھذا البطن من ھاشم لا تصلح علی سواھم ولا تصلح الولاۃ من غیرھم۔

(ص ۳۶)

.. ..

.. ..

.. ..

.. ..

.. ..

.. ..

کہاں ہیں وہ لوگ جو ہمارے سوائے راسخون فی العلم ہونے کے مدعی ہیں یہ ہم پر جھوٹ بولتے ہیں ہم پر ظلم کرتے ہیں اس لئے کہ اللہ نے ہمیں تو رفیع المنزلت بنایا ہے اور انہیں گرا دیا ہے ہمیں مرتبہ عطا کیا ہے اور انہیں محروم کیا ہے[1]۔ ہمیں (اپنی رحمت میں) داخل کیا ہے انہیں خارج کر دیا ہے، ہماری رہنمائی سے (امت کی) ہدایت کی گئی ہے اور (طلبگاران بصیرت کی) نابینائی ہمارے ہی سبب سے اٹھائی گئی ہے تحقیق کہ امام (خلفاء) قریش سے ہوں گے جو اس خاندان بنی ہاشم کے نونہال ہوں گے۔ بنی ہاشم کے سوائے امامت (خلافت) کسی کو زیبا نہیں اور نہ ان کے علاوہ کوئی اور حاکم ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

حضرت علیؓ جلیل القدر صحابی تھے، تقویٰ و طہارت و حسن اخلاق سے متصف تھے۔ کون یقین کر سکتا ہے کہ یہ کلمات ان کے منہ سے ادا ہوئے ہوں۔ یہ تو واضعین کی اپنی ذہنیت کے ترجمان ہیں۔ نہج البلاغہ کے اکثر خطبے فصحائے شیعہ کے وضع کردہ ہیں۔ ایک دیوان شعر بھی حضرت موصوف سے منسوب کر دیا گیا ہے جس میں تقریباً (۱۵۰۰) شعر ہیں حالانکہ حضرت علیؓ

[1] مصنف نہج البلاغہ نے تو حضرت علیؓ کی زبان سے یہاں تک کہلوایا ہے کہ فانا صنائع ربنا والناس بعد صنائع لنا یعنی اللہ نے اول ہم (بنی ہاشم) کو بنایا اور بعد میں دوسروں کو۔ ابن ابی الحدید نے اس کی شرح میں کہا ہے کہ مطلب یہ ہے ہمارے اور خدا کے درمیان تو کوئی واسطہ نہیں ہے بلکہ ہم اللہ اور انسانوں کے درمیان واسطہ ہیں یہ تو ظاہری معنی ہیں باطنی مطلب یہ ہے کہ ہم تو اللہ کے بندے ہیں اور دوسرے انسان ہمارے بندگان ہیں۔ فلیس بیننا وبینہ واسطۃ فنحن الواسطۃ بینھم وبین اللہ تعالیٰ۔

نے نہ کبھی کوئی شعر کہا اور نہ شعر گوئی کا مذاق رکھتے تھے۔ ابتدائی زمانہ بعثت رسول اللہ میں مشرکین شعراء ہجویہ اشعار کہا کرتے تھے بعض صحابہ نے عرض کیا کہ علیؓ کو ارشاد فرما دیں کہ جواب دیں آپ نے فرمایا لیس عندہ ذلک یعنی ان میں اس کا مادہ نہیں۔ سیرۃ ابن ہشام میں جو اشعار ان سے منسوب ہیں صاحب کتاب نے خود لکھ دیا ہے کہ فن شعر سے جو بھی واقفیت رکھتا ہے اس کا قائل نہیں کہ حضرت علیؓ کے یہ اشعار ہوں (سیرت ابن ہشام ص ۱۳۶ ج ۲) ابو عبید اللہ المرزبانی مولف معجم الشعراء جو شیعوں میں شعر کا سب سے بڑا نقاد تھا دو رجزیہ بیتیں لکھ کر کہتا ہے لم یصح ان علیاً تکلم من الشعر بشیئی غیر بیتین یعنی یہ صحیح نہیں کہ علیؓ نے ان دو بیتوں کے سوائے کوئی شعر کہا ہو مگر لطف یہ ہے کہ منسوبہ دیوان میں یہ دو بیتیں بھی نہیں ہیں۔ زمانہ حال کے نقاد احمد تیمور مستقیم زادہ کا یہ مقولہ صحیح ہے کہ "دیوان علی" کے اشعار اصل مالکوں کے حوالے کر دئے جائیں تو "دیوان علی" کی جیب خالی ہو جائے[1]۔

جہاد

افضل جہاد تو جہاد باللسان ہے یعنی زبان سے تبلیغ دین کی کرنا اس میں رسول اللہ صلعم کے بعد حضرت ابو بکرؓ ہیں جن کے ہاتھ پر اکابر صحابہ اسلام لائے ان کے بعد حضرت عمرؓ ہیں اس میں حضرت علیؓ کا حصہ بہت کم ہے پھر مال سے جہاد کرنا اس میں حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کا حصہ ہے اور زیادہ حضرت عثمانؓ کا حضرت علیؓ کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ علامہ ابن حزم نے ایک قسم جہاد کی بوقت جنگ رائے و مشورہ کی بھی قرار دی ہے اور لکھا ہے کہ اس کو خالص ابو بکرؓ کے لئے پایا اس کے بعد عمرؓ کے لئے حضرت علیؓ کا اس میں بھی کوئی حصہ نہیں۔ چوتھی قسم جہاد کی نبرد آزمائی و نیزہ بازی و شمشیر زنی ہے اس کو وہ اس دلیل و برہان سے ادنیٰ جہاد قرار دیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روئے زمین میں یقیناً سب انسانوں سے زیادہ بہادر و شجاع تھے اپنی ذات

[1] حضرت علیؓ کے والد ابو طالب اور بڑے چچا زبیر دونوں شاعر تھے۔ ابو طالب کے ندیم و گہرے دوست مسافر بن ابو عمرو بن امیہ تھے وہ اموی خاندان کے اچھے شاعر تھے ایک سفر تجارت میں حیرہ گئے تھے وہیں انتقال کر گئے ابو طالب نے اپنے اموی دوست کا مرثیہ کہا تھا جو متعدد کتب میں درج ہے (کتاب النسب قریش ص ۱۳۲)

سے بھی اور ہاتھ سے بھی۔ آپ تمام انسانوں سے زیادہ بہادری کے ساتھ دشوار سے دشوار امور انجام دینے والے تھے۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت و تبلیغ کو اور رائے و تدبیر کو اختیار فرمایا۔ باہمی جنگ و تیغ زنی و نیزہ بازی آپ کا قلیل ترین عمل تھا اور وہ بھی دفاعی۔ غزوات نبوی کے واقعات شاہد ہیں کہ انسانی خون کی حرمت کا اس درجہ پاس و لحاظ فرمایا کہ تمام دفاعی جنگوں میں جو ہجرت کے بعد تقریباً دس سال کی مدت میں ہوئیں اور لاکھوں میل مربع سرزمین پر غلبہ و تسلط حاصل ہوا، دشمن کے چند سو نفوس سے زیادہ ہلاک نہیں ہوئے۔ سب سے پہلی جنگ بدر کی تھی اس میں دشمن کے مقتولین کی تعداد (۷۰) تھی اور یہی تعداد سب سے زیادہ تھی جو ایک جنگ میں ہوئی۔ اس جنگ میں حضرت علیؓ بڑی بہادری اور بے جگری سے نبرد آزما ہوئے اور کارہائے نمایاں انجام دئے۔ ایک مرتبہ اپنے صاحبزادے حسنؓ سے فرمایا تھا کہ ان اباک لایبالی ان وقع علی الموت او وقع الموت علیہ (شرح ابن ابی الحدید ص ۲۶۵) تمہارے باپ کو جنگ میں اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ میں موت پر گروں یا موت مجھ پر۔ جو ایسی بے جگری سے لڑے بلاشبہ دشمن کو زیر کرلے گا۔ سوائے غزوہ تبوک کے سب غزوات میں شریک رہے اور شجاعت و بہادری کے جوہر دکھلائے، علامہ ابن حزم لکھتے ہیں کہ:۔

"ہم نے علیؓ کو اس فضیلت میں بھی یکتا نہیں پایا بلکہ اس میں بھی دوسرے لوگ ان کے برابر کے شریک ہیں مثلاً طلحہؓ و زبیرؓ و سعدؓ اور وہ لوگ جو شروع اسلام میں قتل ہوئے مثلاً حمزہؓ و عبیدہؓ بن الحارث بن المطلب و مصعبؓ بن عمیر اور انصار میں سعدؓ بن معاذؓ و سماکؓ بن خرشہ (ابودجانہؓ) (الملل والنحل ص ۹۵)

حضرت علیؓ کی جہادی نبرد آزمائیوں کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے مثلاً خیبر کے واقعات کے سلسلہ میں۔ خیبر کے کل دس قلعے تھے۔ سات قلعے تو دائرہ کی شکل میں پہاڑی سلسلہ کے اندر واقع تھے اور تین باہر ان میں سے صرف ایک قلعہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر فتح ہوا تھا۔

دوسرے نو قلعے دیگر صحابہ حضرت عمرؓ، سعد بن عبادہؓ، محمود بن مسلمہؓ ان کے بھائی محمد بن مسلمہؓ حباب بن منذرؓ و عمیرؓ کے ہاتھ پر فتح ہوئے تھے۔ محمدؓ بن مسلمہ ہی نے قلعہ قموص کے یہودی پہلوان مرحب کو قتل کیا تھا (طبری ص ۹۳ ج ۲) مگر قلعہ فتح نہ کرسکے۔ قلعہ قموص جس سلسلہ قلعہ جات میں

واقع تھا، اس میں تین قلعے تھے ایک حضرت ابوبکرؓ کے زیر کمان فتح ہوا اور دوسرا حضرت عمرؓ کے زیر کمان اور تیسرا قلعہ قموص حضرت محمد بن مسلمہؓ کے بعد حضرت علیؓ نے فتح کیا جو حضرت عمرؓ کے ڈویژن کے علمبردار تھے۔

علامہ ابن جریر طبری نے قلعہ قموص کی فتح کے لئے حضرت علیؓ کو جھنڈا عطا ہونے کی جو روایت درج کی ہے کہ حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھی ناکام لوٹ آئے رسول اللہ صلعم سے حضرت عمرؓ نے اپنے ساتھیوں کی نامردی کی شکایت کی اور ساتھیوں نے خود ان کی نسبت بھی یہی شکایت کی آپ نے فرمایا، کل اس شخص کو جھنڈا عطا کیا جائے گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں چنانچہ صبح کو جھنڈا حضرت علیؓ کو عطا ہوا۔ اس روایت میں یہ فقرہ قابل لحاظ ہے کہ "تطاول لھا ابوبکر وعمر فدعا علیا علیہ السلام"[۱] یعنی ابوبکر و عمر (جھنڈا عطا ہونے کی) غلط آس لگائے تھے پس آپ نے علی علیہ السلام کو طلب کیا۔ الی آخرہ۔ روایت کا نفس مضمون اور شیعہ شعار کے مطابق "علی علیہ السلام" کا باربار دوہرانا ہی راویوں کی ذہنیت کا آئینہ دار ہے راویوں کا سلسلہ سند بھی ذرا ملاحظہ ہو۔

قال حدثنا عوف عن میمون ابی عبد اللہ ان عبد اللہ بن بریدہ حدث عن بریدۃ الاسلمی۔ عوف راوی کے بارے میں امام ذہبی نے محدث بندار کا قول نقل کیا ہے کان عوف قدریا رافضیا شیطانا (میزان الاعتدال ص ۳۰۹ ج ۲) یعنی عوف قدری اور رافضی شیطان تھا پھر اس شخص نے میمون ابوعبد اللہ سے روایت کی ہے جس کے

---

[۱] طبری کی روایت میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے اسمائے گرامی تو محض "ابوبکر و عمر" لکھے گئے ہیں حضرت علیؓ کا نام علیہ السلام کے ساتھ دو جگہ لکھا ہے نیز دوسری روایت میں بھی جو اسی کے بعد درج کی ہے یہی طرز ہے یعنی "ان ابا بکر اخذ رایۃ ..... ثم رجع فاخذھا عمر ..... ثم رجع (ص ۹۳) یعنی ابوبکر جھنڈا لے کر گئے لڑے اور ناکام لوٹ آئے پھر عمر لے کر گئے ..... لوٹ آئے جہاں حضرت علیؓ کا ذکر کیا ہے۔ دو جگہ ان کا نام علیہ السلام کے ساتھ تحریر کیا ہے: "علی علیہ السلام"، "فجاء علی علیہ السلام"، (ص ۹۴) علامہ شبلی نے بھی غالباً علامہ ابن جریر طبری ہی کی تقلید میں حضرت علیؓ کے اسم گرامی کے ساتھ "علیہ السلام"، لکھنے اور "جناب امیر و جناب امیر علیہ السلام"، تحریر کرنے کا طرز اختیار کرلیا ہو۔

متعلق امام احمد کہتے ہیں کہ احادیث منا کیر ابن معین نے کہا ہے کہ وہ لاشئی تھا اور شعبہ فرماتے ہیں کہ وہ کمینہ خصلت تھا۔ پس ایسے کمینہ خصلت اور رافضی شیطان کی روایت جو شیخین کی منقصت اور حضرت علیؓ کی منقبت کا اظہار کرتی ہو اس کی حیثیت ہی کیا رہ جاتی ہے علامہ شبلیؒ نے فتح خیبر کے سلسلہ میں اس روایت پر کہ حضرت علیؓ کے ہاتھ سے سپر چھوٹ کر گر پڑی، آپ نے قلعہ کا دروازہ جو سرتاپا سنگ تھا اکھاڑ کر اس سے سپر کا کام لیا، اس واقعہ کے بعد ابورافع نے سات آدمیوں کے ساتھ مل کر اس کو اٹھانا چاہا تو جگہ سے نہ ہل سکا۔ یہ ریمارک کیا ہے کہ "بازاری قصے ہیں علامہ سخاوی نے مقاصد حسنہ میں تصریح کی ہے کہ کلہا واہیۃ یعنی سب لغو روایتیں ہیں (سیرۃ النبی ص۲۸۸ ج۱) مگر لغو روایتوں کا وہ حصہ قبول کر لیا جس میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و اکابر صحابہ کے ناکام رہنے کا جھوٹا بیان ہے۔ یہ راوی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا اکثر اول نام لیتے ہیں ان کی ناکامی و جبن کا ذکر کرتے ہیں پھر ان کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کو لاتے ہیں اور ان کی فضیلت اور کامیابی کا اظہار کرتے ہیں اور تو اور حضرت فاطمہؓ کے پیام دینے میں بھی پہلے ان ہی دونوں حضرات کے نام لیتے ہیں[1]

[1] حضرت فاطمہؓ کے پیام نکاح کے بارے میں بھی راویوں نے اوّل ابوبکرؓ کا نام لیا ہے کہ انہوں نے پیام دیا انکار ہوا، عمرؓ نے پیام دیا انہیں بھی انکار ہوا علیؓ نے پیام دیا قبول ہوگیا۔ عروہ بن الزبیرؓ کی سند سے ابوعبیدہ بن الجراحؓ کی روایت سے بیان ہوا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فاطمہؓ کے نکاح کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ سے مشورہ کیا تھا انہوں نے علیؓ کا نام پیش کیا اس پر آنحضرت نے فرمایا کہ فاطمہ کے لئے مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ انی لاکرہ لفاطمۃ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ آپ نے علیؓ کی پرورش کی ہے یہ شادی مبارک ہوگی پھر آپ نے منظور فرمالیا تھا۔ میاں بیوی کی طبیعتوں میں موافقت نہ ہونے کی وجہ تھی کہ علیؓ نے دختر ابوجہل کو پیام دیا فاطمہؓ نے آنحضرت سے شکایت کی آپ نے غصہ سے فرمایا لا آذن لا آذن لا آذن میں کبھی اس کی اجازت نہ دوں گا، سوائے اس کے کہ ابن ابی طالب میری دختر کو طلاق دیں وہ اپنے ارادہ سے باز رہے۔ آنحضرت صلعم کے کچھ عرصہ بعد ہی وفات ہوگئی۔ حضرت علیؓ نے ان کی تدفین میں عجلت کی حضرت ابوبکرؓ کو جو خلیفہ وقت تھے خبر بھی نہ کی رات ہی میں دفن کر دیا۔ ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ کسی نے جناب جعفر صادق سے پوچھا کہ بچہ سبب حضرت امیر المومنینؑ فاطمہ را در شب دفن کرد (ص۱۷۲ جلاء العیون) اس کے جواب میں بھی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ دونوں کے نام لے کر کہا ہے کہ فاطمہ نے وصیت کی تھی کہ آن دو مرد اعرابی کہ ہرگز ایمان بخدا و رسول نیاوردہ بودند یعنی ابوبکر و عمر بر او نماز نکنند (ایضاً) اس سے زیادہ اور کیا لغو بیانی ہوسکتی اگر

سیاسی ناکامی

اپنی سیاسی ناکامی کے متعلق تو خود حضرت موصوف ہی کا ایک قول منقول ہے کسی نے پوچھا تھا اس کی کیا وجہ کہ آپ کے پیش رو خلفاء کی سیاست امت کے مفادات کے اعتبار سے کامیاب رہی اور آپ کی ناکام ہوئی فرمایا تھا کہ ان کی کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ ہم جیسے لوگ ان کے ساتھ تھے اور اب تم جیسے لوگ ہمارے ساتھ ہو، یہ قول ان کا نہ بھی ہو بلکہ غلط منسوب ہو مگر ہے حقیقت پر مبنی۔ ان کے بیشتر مشیر و معاون و معتمد علیہ عراقی تھے، جو ابن الوقت تھے علاوہ بریں وہ خود بھی اپنی رائے پر قایم نہ رہتے جیسا کہ پچھلے اوراق میں ضمناً بیان ہوا کہ صفین کے معاملہ میں اپنی سابق رائے پر قایم نہ رہے جس کا نتیجہ انہیں کے حق میں خراب نکلا، اپنی تقریروں میں انہوں نے اس کا اظہار بار بار کیا ہے۔ اپنے لوگوں سے شکوہ کیا ہے اور کہا ہے:-

"تم لوگوں نے مجھے اپنی رائے پر مستقیم نہیں رہنے دیا، اس قدر نافرمانی کی کہ اہل قریش کہنے لگے کہ ابن ابی طالب بہادر ضرور ہیں مگر علم حرب کا نہیں رکھتے

(نہج البلاغہ)

اگر قاتلین عثمانؓ اور بلوائیوں کی جماعت ان کی فوج میں شامل نہ ہوتی — اور مالک الاشتر وغیرہ کے مشوروں کا اثر نہ لیتے تو امت میں نہ قتال نہ جدال کی نوبت آتی اور نہ حضرت معاویہؓ اور دوسرے طالبان قصاص کے مطالبات کو ایسے الفاظ سے مسترد فرماتے جیسا ان کی بہت سے مراسلات سے واضح ہے جو مصنف نہج البلاغہ کے علاوہ کتاب الامامۃ والسیاسۃ اور شرح ابن الحدید وغیرہ میں درج ہیں مثلاً حضرت معاویہؓ نے حسب ذیل مکتوب حضرت جریر بن عبداللہ البجلی صحابی رسول اللہ کے ذریعہ حضرت علیؓ کو ان کے اس خط کے جواب میں بھیجا تھا، جس کا مضمون تھا کہ میری بیعت حجاز و عراق کے لوگوں نے کر لی ہے تم اور اہل شام بھی بیعت میں شامل ہو جاؤ:-

من معاویۃ بن صخر الی علی بن ابی طالب!

اما بعد! فلعمری لو بایعک القوم الذین بایعوک وانت بریٔ من دم عثمان کنت کابی بکر و عمر و عثمان رضی اللہ

مکتوب معاویہ بن صخر (ابوسفیان) بنام علی بن ابی طالب۔

اما بعد۔ بخدا تم سے جن لوگوں نے بیعت کی ہے اگر وہ یہ بیعت اس حال میں کرتے کہ تم خون عثمان سے بری ہوتے تو تمہارا مقام وہی ہوتا

عنهم ولكنك اغريت بعثمان المهاجرين وخذلت عنه الانصار فاطاعك الجاهل وقوي بك الضعيف وقد ابى اهل الشام الا قتالك حتى تدفع اليهم قتلة عثمان فان فعلت كانت الشورى بين المسلمين ولعمري ما حجتك علي كحجتك على طلحة والزبير لانهما بايعاك ولم ابايعك وما حجتك على اهل الشام كحجتك على اهل العراق لان اهل العراق اطاعوك ولم يطعوك اهل الشام واما شرفك في الاسلام وقرابتك من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وموضعك من قريش فلست ادفعه۔

.. ..

جو ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کا تھا لیکن تم نے عثمانؓ کے برخلاف مہاجرین کو بھڑکایا اور انصار کو ان کی مدد نہ کرنے دی، پس تمہاری اطاعت جاہل نے کی اور کمزور لوگ تمہاری وجہ سے قوی ہو گئے اور یقیناً اہل شام تم سے اس وقت بر سر پیکار رہنا چاہتے ہیں جب تک کہ تم قاتلین عثمانؓ کو ان کے حوالہ نہ کر دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر (یہ معاملہ) مسلمانوں کے شوریٰ کے سپرد ہو گا اور بخدا تمہاری حجت مجھ پر ایسی نہیں ہے جیسی طلحہؓ و زبیرؓ پر تھی کیونکہ انہوں نے تم سے بیعت کی تھی لیکن میں نے تو تم سے بیعت نہیں کی۔ اسی طرح تم کو اہل شام پر وہ حجت نہیں ہے جو اہل عراق پر ہے اس لئے کہ اہل عراق نے تمہاری اطاعت کر لی ہے اور اہل شام نے تمہاری اطاعت نہیں کی باقی رہا تمہارا شرف اسلام میں اور تمہاری قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور قریش میں تمہارا مقام تو میں اس کا منکر نہیں۔

.. ..

حضرت معاویہؓ کا یہ خط نہایت منطقیانہ طرز کا ہے، اول تو قاتلان عثمانؓ کو حوالے کر دو تاکہ قصاص لیا جائے پھر شوریٰ کیا جائے، شرف علیؓ کا انکار نہیں اور نہ رسول اللہؐ سے ان کی قرابت کا اور نہ ان کی منزلت کا جو قریش میں ان کو حاصل تھی لیکن حقوق اللہ ان سب پر مقدم ہیں۔ اس خط میں یا دوسرے خطوط میں حضرت معاویہؓ نے اپنے اس شرف کا اشارۃً بھی ذکر نہیں کیا جو ان کے باپ کے گھر کو بوقت فتح کعبہ کی طرح دار الامان قرار دئے جانے سے حاصل تھا یا اپنی بہن کے زوجہ رسول اللہؐ ہونے سے وہ خود خال المومنین تھے ان کے والد اور بھائی اور خود ان کو عہد رسالت میں عمال حکومت ہونے کا جو شرف اور خلافت شیخین کے زمانہ

میں مملکت اسلامیہ کے وسیع رقبہ پر حکمرانی کرنے سے جو امتیاز حاصل تھا اس کا خفیف سا اشارہ بھی نہیں کیا اور نہ حضرت علیؓ کے کسی شرف سے انکار کیا کیونکہ ان کے کسی شرف کو تسلیم کرنے سے نہ اہل شام و اہل عراق پر کوئی اثر پڑتا تھا اور نہ خود ان کی اپنی ذات پر۔ انہوں نے اپنے اس خط اور دوسری تحریرات میں عقل و منطق سے، بیان قوی اور اسلوب فصیح سے کام لیا ہے۔ حضرت علیؓ کے جواب سے اپنے مخالف پر نہ صرف غیظ و غضب کا اظہار ہوتا ہے بلکہ صریحاً تذلیل و تنقیص کا۔ ان کو طلیق ابن طلیق کہا ہے اور فرمایا ہے واعلم انك من الطلقاء الذين لا تحل لهم الخلافة (یہ جان رکھو کہ تم طلقاء میں سے ہو جن کے لئے خلافت جائز نہیں) حالانکہ اس وقت تک یا اس کے بعد بھی حضرت معاویہؓ نے صراحتاً یا کنایتاً طلب خلافت کا اظہار بھی نہیں کیا تھا۔ حضرت علیؓ جیسے جلیل القدر صحابی کا جو احترام راقم الحروف کے دل میں ہے کس طرح باور ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی تحریر میں اس درجہ دشنام دہی کی ہو گی یا سنجیدگی و تہذیب سے گرے ہوئے الفاظ و جملے استعمال کئے ہوں گے جو مصنف نہج البلاغہ وغیرہ نے ان کے مکتوبات میں درج کئے ہیں۔ جس آیت کا اشارہ حضرت علیؓ کے جواب میں ہے اس کا اطلاق مومنین پر نہیں منکرین و منافقین پر ہوتا ہے یعنی لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِن قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتَّىٰ جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَارِهُونَ (سورہ توبہ) (یقیناً وہ کرتے رہے ہیں تلاش بگاڑ کی پہلے سے اور تمہارے خلاف سازش کی تدبیر سوچتے رہے ہیں یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ کا حکم غالب رہا اگرچہ وہ لوگ اس سے کراہت کرتے رہے) حضرت موصوف کے مکتوبات کے علاوہ ابن جریر طبری نے جو تقریریں درج کی ہیں ان میں حضرت معاویہؓ اور ان کے والد ماجد حضرت ابو سفیانؓ کو اللہ و رسول کا دشمن بنا کر کہا ہے کہ یہ لوگ اسلام میں مجبوراً داخل ہوئے تھے لم يزل الله عز وجل ولرسوله وللمسلمين عدوا هو وابوه حتى دخلا في الاسلام كارهين (طبری ص۲۰ ج۶) طبری کے علاوہ دیگر کتب میں جو خطبات حضرت علیؓ سے منسوب ہیں یا مولف الامامۃ والسیاسۃ اور احمد زکی صفوت نے جمہرۃ خطب العرب فی عصور العربیۃ الزاہرۃ میں درج کئے ہیں۔ ان میں ایسے کلمات حضرت ممدوح کی زبان سے ادا کرائے ہیں کہ اپنے سیاسی مخالفین کو وہ بار بار "الطلقاء و ابناء الطلقاء" اعداء السنۃ والقرآن کا طعنہ دیتے اور اپنی عظیم منزلت اور فضل کا اظہار کرتے اور یہ کہہ کر اپنے لشکریوں کو اہل شام

سے لڑنے پر آمادہ کرتے تھے کہ:۔

سیروا الی اعداء اللہ، سیروا الی اعداء القرآن والسنن، سیروا الی بقیۃ الاحزاب وقتلۃ المھاجرین والانصار۔

چلو دشمنان خدا سے مقابلہ کو، چلو قرآن اور سنت کے دشمنوں سے لڑنے کو، چلو باقی ماندہ مددگاران دشمنان اسلام اور مہاجرین و انصار کے قاتلوں سے جنگ کرنے کو۔

(جمہرۃ خطب)

مگر یہ معاملہ تو محض سیاسی نوعیت کا تھا، کفر و اسلام کا اس میں سوال ہی کیا تھا۔ بقول شاہ ولی اللہ محدث مقاتلات وے (علیؓ) برائے طلب خلافت بود نہ بجہت اسلام۔ لوگوں کے مذہبی جذبات سے اپیل کرنا نتیجہ میں بے سود رہا۔ حضرت معاویہؓ نے بھی اہل شام کے سامنے تقریریں کیں وہ زبردست خطیب تھے اور فصاحت جو لازمہ سرداری و سیادت ہے ان میں بدرجہ اتم موجود تھی جب حضرت علیؓ نے عراقیوں کے لشکر عظیم کے ساتھ ملک شام کی جانب خروج کیا، حضرت معاویہؓ نے جس تقریر میں اہل شام سے خطاب کیا تھا اس کے چند جملے کتب تاریخ میں محفوظ ہیں۔

انہوں نے حمد و ثنا[1] کے بعد فرمایا تھا:۔

انظروا یا اھل الشام انکم غداً تلقون اھل العراق فکونوا علی احدی ثلاث خصال: اما ان تکونوا طلبتم ما عند اللہ فی قتال قوم بغوا علیکم فاقبلوا من بلادھم حتی نزلوا بیضتکم واما ان تکونوا قوماً تطلبون بدم خلیفتکم وصھر نبیکم واما ان تکونوا قوماً تذبون عن نسائکم وابنائکم فعلیکم بتقوی اللہ والصبر الجمیل واسالوا اللہ لنا ولکم النصر وان یفتح بیننا وبین قومنا بالحق وھو خیر الفاتحین۔

(الادب الخلفاء الاموی)

دیکھو اے اہل شام! کل صبح اہل عراق سے تم مقابلہ کرنے والے ہو۔ ان تین میں سے کسی حیثیت سے مقابلہ کرو گے یا تو تم طلب کرنے والے ہو اس چیز (فتح کو) جو اللہ کے پاس ہے اس قوم سے قتال کرنے میں جنہوں نے تم پر بغاوت کی ہے اور اپنے ملک سے تم پر چڑھ کر آئے ہیں حتی کہ تمہاری سرزمین پر اتر آئے ہیں، یا تم ایک ایسی قوم (کی حیثیت میں ہو) جو طلب کرتے ہو اپنے ایسے خلیفہ کے خون کا قصاص جو تمہارے نبی صلعم کے داماد تھے یا پھر تم وہ قوم ہو جو اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کی مدافعت و حفاظت (کے لئے نبرد آزما) ہو بہر حال تم کو تقوی الٰہی اور صبر جمیل پر بہر حال میں جمے رہنا چاہئے اور اللہ سے ہمارے اور اپنے لئے مدد کے طلبگار رہو اللہ تعالیٰ ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان صحیح فیصلہ کر دے اور وہی اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔

[1] حمد و ثنا تو سب ہی کرتے ہیں حضرت معاویہؓ نے موقع کے اعتبار سے حمد و ثنا کے جو جملے کمال فصاحت و بلاغت سے اس تقریر کے شروع میں کہے تھے ان کی حلاوت ترجمہ میں باقی نہیں رہتی فرمایا تھا۔ الحمد للہ الذی دنا فی علوہ وعلا فی دنوہ وظھر وبطن، وارتفع فوق کل ذی منظر ھو الاول والآخر والظاھر والباطن، یقضی فیفصل ویقدر فیغفر ویفعل ما یشاء اذا اراد امراً امضاہ واذا عزم علی شیء قضاہ لا یؤامر (لا یستشیر) احداً فیما یملک ولا یسأل عما یفعل وھم یسألون والحمد للہ رب العالمین علی ما احببنا وکرھنا وقد کان فیما قضاہ اللہ ان ساقتنا المقادیر الی ھذہ البقعۃ من الارض ولفت (جمعت) بیننا وبین اھل العراق فنحن من اللہ بمنظر وقد قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: ولو شاء اللہ ما اقتتلوا ولکن اللہ یفعل ما یرید۔

اس خطبہ میں حضرت معاویہؓ نے غایت بلاغت سے عصبیت قبائلی سے اول کام لیا ہے یعنی اہل شام اور اہل عراق کے مقابلہ کا ذکر کیا ہے حضرت علیؓ کی جانب اشارۃ تک نہیں کیا اہل شام کے سامنے عراقیوں کے ملک شام پر چڑھائی کرنے کا تذکرہ کیا ہے، اس کے بعد خلیفہ مظلوم شہید (عثمانؓ) کے قصاص کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہونے کو یاد دلایا ہے۔ یہی کمال فصاحت ہے۔ مقابلے میں جو شخص ہے اس کا نام تک نہ لیا پھر لوگوں کے دلوں میں عورتوں اور بچوں کی مدافعت اور حفاظت کے جذبہ کو ابھارا ہے کیونکہ یہی وہ امور ہیں جن کے بچاؤ کے لئے مرد شجاع جان دینے پر آمادہ ہوتا ہے۔ تقریر میں نہ حریف کی کوئی تنقیص کی اور نہ اپنے کسی شرف کا اظہار کیا۔ اصل معاملہ سے سر مو تجاوز نہ کیا علیؓ کی جانب سے حریف کی تنقیص اپنی بڑائی اور حریف کے بزرگوں اور عزیزوں نے بحالت کفر جو اسلام کی مخالفت کی تھی اس کا بار بار ذکر کیا ہے یہ امور اصل معاملہ سے قطعاً غیر متعلق تھے ایسی باتوں کا اثر ہوا غالباً جنگی کے نتیجہ میں جو پارٹیاں وجود میں آئیں انہی باتوں کو آب و رنگ کے ساتھ دوہرانے کا مشغلہ اختیار کیا گیا۔ ابن ابی الحدید نے اس بات کا ذکر کرتے ہوئے کہ فضائل اور مناقب و مطاعن

کی حدیثیں وضع کرنے کی ابتداء حضرت علیؓ کی پارٹی کی جانب سے ہوئی جس کے جواب میں طرفداران ابوبکرؓ نے بھی وضع کیں یعنی مسلمانوں کے سواد اعظم نے جن کو وہ "البکریہ" سے موسوم کرتے ہیں، لکھا ہے کہ "البکریہ" نے حضرت علیؓ اور ان کے صاحبزادوں کے مطاعن وضع کئے اور:-

ونسبوه الى ضعف العقل و تارة الى ضعف السياسة و تارة الى حب الدنيا والحرص عليها۔ (شرح ابن ابی الحدید ص۵۸۳ ج)

اور ان کو (علیؓ کو) ضعف العقل سے کبھی ضعف السیاست سے اور کبھی حب دنیا اور اس کے حریص ہونے سے نسبت دی۔

سیاست میں ضعف جن اسباب سے پیدا ہوا وہ پوشیدہ نہیں لیکن ضعف عقل و حب دنیا کا الزام صحیح نہیں حضرت علیؓ پاکیزہ سیرت ذی علم و ذی فہم تھے اگرچہ فراست و فرزانگی کا وہ اعلیٰ مرتبہ حاصل نہ تھا جو ان کے بعض ممتاز ہمعصروں کو حاصل تھا حضرت علیؓ کے پاس ابتداً بہت مال نہ تھا ان کی خدمات کے صلہ میں آنحضورؐ نے املاک عطا کی تھیں اس کے بعد خلفائے راشدین کی خلافتوں میں مال غنائم میں ان کو حصہ ملا۔ علامہ ابن حزم نے مال و لذات کے زہد کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے حضرت ابوبکر الصدیقؓ کو صحابہ میں ازہد الناس ثابت کیا ہے اور لکھا ہے کہ علیؓ یا کوئی اور صحابی بجز ابوذرؓ و ابو عبیدہؓ کے حضرت صدیقؓ کے اس بارے میں ہم پلہ نہ تھا۔ وہ فرماتے ہیں:-

"علیؓ نے اس باب میں حلال طریقے سے وسعت حاصل کی اپنی وفات کے وقت چار بیویاں اور انیس کنیزیں (ام ولد) چھوڑ گئے اور بہت سے خادم و غلام ان کے علاوہ تھے۔ وفات کے وقت وہ چوبیس بیٹے بیٹیاں چھوڑ گئے جن کے لئے اتنی جائداد اور باغات چھوڑ گئے کہ یہ لوگ اپنی قوم کے اغنیاء میں ہو گئے۔ یہ وہ امر ہے جس کے انکار پر وہ شخص قادر نہیں جسے تاریخ کا کچھ بھی علم ہے۔ منجملہ ان کی اس جائداد کے جسے انہوں نے وقف کیا تھا (وقف علی الاولاد) ایک جائداد ایسی بھی تھی جس کی آمدنی ایک ہزار وسق کھجور تھی (وسق، ۶۰ صاع کا اور صاع تقریباً ۳½ سیر کا ہوتا ہے) جو اس کی زراعت کے علاوہ تھی۔"

(الملل والنحل)

حُبّ دنیا سے مراد حُبّ جاہ ہے ہو تو مذموم نہیں اللهم اجعلني في عيني صغيرًا و في عين الناس كبيرًا اس پر دال ہے، حکمرانی و خلافت کی خواہش اگر دین و ملت کی خدمت کے جذبۂ صادقہ سے ہو تو معیوب نہیں حضرت یوسف علیہ السلام نے اجعلني على خزائن الارض اني حفيظ عليم کہہ کر آخر خواہش حکومت فرمائی تھی۔ قرآن شریف میں بادشاہ و حکمران ہونے کو اللہ نے نعمت فرمایا ہے۔ یٰقوم اذکروا نعمة الله عليكم اذ جعل فيكم انبياء و جعلكم ملوكا۔ خلافت کی خواہش کرنا حضرت علیؓ کے لئے موجب اعتراض کا نہیں ہو سکتی اور نہ حضرت معاویہؓ کے لئے باعث تنقیص، ذرائع حصول پر البتہ تنقید کی جا سکتی ہے حضرت علیؓ کی سیاست کی ناکامی کا قوی سبب جیسا ابھی ذکر ہوا عراقی پارٹی کا ان کی سیاست میں دخیل ہونا تھا جس کی وجہ سے وہ خون عثمانؓ کا قصاص نہ لے سکے تھے اسی کے سارے جھگڑے تھے۔

علیؓ و معاویہؓ

اس بات کو تو سب ہی جانتے ہیں کہ علیؓ و معاویہؓ ایک ہی خاندان بنو عبد مناف کے ممتاز افراد تھے۔ حضرت علیؓ کے دادا عبد المطلب اور حضرت معاویہؓ کے دادا حرب رشتہ میں چچا بھتیجے تھے، خاندانی قرابت، طبیعت کی مناسبت اور ذاتی وجاہت کے سبب دونوں میں بڑی یگانگت اور دوستانہ تھا یعنی آپس میں ندیم تھے[1] حضرت معاویہؓ کے والد حضرت ابوسفیانؓ اور حضرت علیؓ کے چچا حضرت عباسؓ میں بھی اپنی خصوصیات کی وجہ سے بڑی محبت اور دوستی تھی، حضرت معاویہؓ کی پھوپی ام جمیل (حمالۃ الحطب) زوجہ ابولہب بن عبد المطلب حضرت علیؓ کی چچی تھی۔ ان تعلقات کے علاوہ علیؓ و معاویہؓ ہم سن اور ہمعمر بھی تھے[2] بچپن سے آغاز شباب تک دونوں ساتھ رہے، ساتھ کھیلے،

[1] قدیم ترین مورخ ابو جعفر محمد بن حبیب مؤلف کتاب المحبر نے "الندماء من قریش" کے تحت عنوان قریش کے مختلف گھرانوں کے ۲۴ اشخاص کی فہرست درج کی ہے جو آپس میں ندیم یعنی گہرے دوست تھے ان میں ہاشمی اور اموی خاندانوں میں ندماء کے یہ نام درج ہیں:- (۱) عبد المطلب بن ہاشم کے ندیم حرب بن امیہ (۲) ابو طالب بن عبد المطلب کے مسافر بن عمرو بن امیہ (۳) عباس بن عبد المطلب کے ابوسفیان بن حرب بن امیہ (۴) الحارث بن عبد المطلب کے حارث بن حرب بن امیہ (کتاب المحبر ص۱۷۶ و ص۱۷۷)

[2] سنہ ۶۰ھ میں جب حضرت معاویہؓ کی وفات ہوئی ۸۰ برس کا سن تھا، حضرت علیؓ سنہ ۴۰ھ میں مقتول ہوئے اس وقت وہ ۵۸ برس کے تھے۔ اگر بیس برس اور زندہ رہتے تو سنہ ۶۰ھ میں ان کی عمر بھی حضرت معاویہؓ کی طرح ۸۰ برس کی ہوتی۔

ساتھ پلے بڑھے۔ حضرت معاویہؓ و عمرو بن العاصؓ وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے خود حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا. جسے راوی نے تفصیلاً بیان کیا ہے کہ میں ان لوگوں کو تم سے زیادہ جانتا ہوں، بچپن میں بھی ان کے ساتھ رہا اور بڑے ہو کر بھی (انی اعرف بھم منکم صحبتھم اطفالاً و صحبتھم رجالاً) کتاب وقعۃ صفین صفحہ ۵۶۰) حضرت معاویہؓ کا گھرانا دنیاوی اعزاز، دولت و ثروت، بھائی بندوں کی تعداد کے اعتبار سے بنو عبد مناف میں سینئیر (بڑا) گھرانا تھا اور حضرت علیؓ کا ہاشمی گھرانا اس لحاظ سے جونئیر (چھوٹا) تھا۔ قریش کے قومی اعزازات میں بڑا اعزاز "عقاب" کا تھا جو عبد شمس کے بیٹوں میں امیہ کو اور امیہ کے بعد حضرت معاویہؓ کے دادا اور باپ کو یکے بعد دیگرے حاصل رہا۔ میدان جنگ میں سارے قریشی گھرانے بشمول بنی ہاشم سب اسی جھنڈے تلے جمع ہوتے تھے عکاظ، فجار اول دوم ذات نکیف کی جنگوں میں اسی جھنڈے کے نیچے سب قریش موجود تھے۔ ظہور اسلام کے زمانہ میں ابوسفیان قریش کے رئیس اعظم تھے، جنگ بدر سے پہلے وہ قافلہ تجارت لے کر ملک شام گئے ہوئے تھے اس لئے اس جنگ میں ان کے بجائے حضرت معاویہؓ کے نانا عتبہ بن ربیعہ نے سپہ سالاری کے فرائض انجام دئے تھے۔ احد، خندق کے معرکوں میں ابوسفیان ہی قریش کے آگے آگے رہے۔ ان کو اسلام سے کوئی خاص عداوت نہ تھی اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص مخالفت۔ ان کی مخالفت کا بڑا سبب یہی قومی عہدہ تھا، مسلمانوں کے علاوہ قریش کے مقابل کوئی اور ہوتا تب بھی ابوسفیان اسی مستعدی سے مقابلہ کرتے۔ طبقات ابن سعد کے علاوہ کتاب المحبر کے قدیم مولف نے بھی اپنی کتاب میں دو جداگانہ فہرستیں قریش کے ان اشخاص کی درج کی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی اور ایذا رسانی میں سرگرم رہتے ان میں ابوسفیان یا ان کے اپنے گھرانے کے کسی ایک شخص کا بھی نام نہیں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت ابو سفیانؓ کا اسلام آنحضرت صلعم کی دعا کا نتیجہ تھا، آپ نے ان کے حق میں ہاتھ اٹھا کر اس وقت دعا کی تھی جب ابوجہل کے مقابلہ میں ان کے نیک سلوک کی جو آپ کی صاحبزادی سے کیا تھا اطلاع ہوئی تھی اور فرمایا تھا اللھم لا تنسھا لابی سفیان (سیرۃ النبویہ احمد دحلان) وہ ام المومنین ام حبیبہؓ کے والد ہیں اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ انی سالت اللہ لا یدخل النار ابداً من صاھرنی او صاھرتہ۔ میں نے اللہ تعالٰی سے یہ چاہا ہے کہ جو مجھ سے رشتہ کرے یا میں اس سے رشتہ کروں اسے داخل نار نہ کیجیو حضرت ابوسفیانؓ

فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے مہاجرین کے زمرہ میں شامل ہوئے پھر آپ کے ساتھ غزوہ طائف میں شریک ہوئے اس لڑائی میں ایک آنکھ جاتی رہی پھر دوسری غزوہ یرموک میں اللہ کی راہ میں نذر کی' اس جہاد میں پرجوش تقریروں سے انہوں نے مجاہدین کی ہمت بڑھائی تھی کہتے جاتے تھے **ھذا یوم من ایام اللہ انصروا دین اللہ ینصر کم اللہ** ان کا سب خاندان بیٹے اور بیوی رومی عیسائیوں کے خلاف موجود تھے' آپؐ نے حنین کے مال غنایم میں ان کو ان کے صاحبزادوں کو بڑا حصہ دیا پھر ان کو نجران کا والی مقرر فرمایا۔ حضرت معاویہؓ اپنے والدین کے اسلام لانے سے پہلے اسلام لائے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن ابوبکرؓ اور چند دیگر نوجوانان قریش کے ساتھ آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے

کان اسلم قبل ابیہ ابی سفیان و صحب النبی صلعم و کتب لہ۔ (تاریخ الخمیس صفحہ ۲۳۱ ج ۲)	اور (معاویہؓ) اپنے والد ابوسفیان سے پہلے اسلام لائے نبی صلعم کی خدمت میں رہے اور آپ کے کاتب تھے۔

صلح حدیبیہ کے دن یا اس کے بعد ان کا اسلام لانا بعض معتبر کتب میں جو بیان ہوا ہے وہ زیادہ معتبر ہے۔ وہ لکھنا پڑھنا خوب جانتے تھے اہل مکہ نے لکھنے کا فن ان ہی کے گھر سے سیکھا تھا' حضرت معاویہؓ کی خوش نویسی کا بین ثبوت ہے کہ ان کے حاضر خدمت ہونے کے بعد سے آنحضرت صلعم کتابت کا کام زیادہ تر انہی سے لیتے۔ ایک مرتبہ آپ کچھ لکھوانا چاہتے تھے ان کو بلا بھیجا کھانا کھا رہے تھے آنے میں دیر ہوئی پھر بلوایا تو بھی کھانا کھا رہے تھے' کہا جاتا ہے آپ نے فرمایا **لا اشبع اللہ بطنہ** اللہ اس کا پیٹ کبھی نہ بھرے' بعض لوگوں نے اس کلمہ کو بہت کچھ اچھالا اور کہا ہے کہ آپ نے ناراضی سے یہ الفاظ کہے تھے مگر یہ بات خفگی کی نہ تھی عرب کے محاورے میں ایسے متعدد فقرے ہیں جو بلا قصد زبان پر جاری ہو جاتے ہیں جیسے آنحضورؐ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا تھا "**علی انف ابو ذر**"۔ علامہ نودی نے **لا اشبع اللہ** پر پوری بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ تو معاویہؓ کے حق میں دعا تھی **جعلہ غیرہ فی مناقب معاویہ لانہ فی الحقیقۃ یصیر دعاء لہ** (صفحہ ۳۲۵ ج ۲) پھر محل بھی یہ کوئی بددعا کا نہ تھا اس سے تو کہیں آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ پر خفگی فرمائی تھی' مثلاً" ان کے ابوجہل کی بیٹی کو پیغام نکاح میں دینے میں جس کا ذکر اوپر گزر چکا یا تحفہ اثنا عشریہ اور نسائی (مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۹۲) میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ آنحضور شب میں حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے دونوں میاں بیوی کو سوتے سے

سے جگایا، نمازِ تہجد ادا کرنے کے لئے تاکید فرمائی حضرت علیؓ نے کہا واللہ لا نصلی الا ما کتب اللہ لنا وانما انفسنا بید اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے جو ہم پر فرض کیا ہے اس کے سوائے ہم اور نماز نہ پڑھیں گے، ہمارے دل اللہ کے اختیار میں ہے توفیق دے گا پڑھ لیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آزردہ خاطر ان کے یہاں سے واپس ہوتے راہنمائے خود رامی کوفت ومی فرمود وکان الانسان اکثر شئی جدلا۔ یعنی انسان اور باتوں سے زیادہ سخن سازی میں مبتلا ہوتا ہے۔ لا اشبع اللہ بطنہ کے راوی حضرت ابن عباسؓ ہیں انہوں نے بھی اس کو بددعا نہیں سمجھا کیونکہ وہ حضرت معاویہؓ کے علم وفضل اور دیگر صفاتِ حسنہ کے ہمیشہ معترف رہے چنانچہ ان کے بارے میں وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ انہ فقیہ (بخاری) بہرحال حضرت معاویہؓ کو سب ہی نے کاتب وحی لکھا ہے۔ تقریب التہذیب (ص۲۴۹) میں ہے معاویۃ بن ابی سفیان ...... کاتب وحی کنز العمال (ص۲۹۲ ج۶) میں لکھا ہے کہ معاویہؓ نے علیؓ کو لکھا تھا "انا صہر رسول اللہ وخال المؤمنین وکاتب وحی" میں رسول اللہ کا برادر نسبتی ہوں مسلمانوں کا ماموں اور کاتب وحی ہوں الفخری نے آداب السلطانیہ (ص۱۴۵) میں لکھا ہے کتب الوحی فی جملۃ من کتبہ بین یدی رسول اللہ یعنی معاویہؓ ان کاتبانِ وحی میں تھے جو رسول اللہ صلعم کے پاس بیٹھ کر لکھتے تھے۔ اسی طرح معتدد مستند کتب فتح الباری (ص۴۰ جزء ۱۴) وغیرہ میں ان کا قبل فتح اور اپنے والدین سے پہلے اسلام لانا آپ کی صحبت میں رہنا اور کاتبانِ وحی میں شامل ہونا بیان ہوا ہے ابن حجر عسقلانی نے ان کے اسلام لانے کی متضاد روایتوں کی یوں تطبیق کی ہے:۔

انہ کان اسلم خفیۃ وکان یکتم ایمانہ ولم یتمکن علی اظہارہ الا یوم الفتح۔
(فتح الباری)

یعنی (حضرت معاویہؓ) مخفی طور پر (قبل فتح مکہ) اسلام لائے اور اپنے ایمان کو چھپائے رکھا اور فتح مکہ کے دن اپنا ایمان کھلم کھلا ظاہر کر سکے۔

حضرت معاویہؓ رسول اللہ صلعم کے ساتھ غزوہ حنین وطائف وتبوک میں پہلو بہ پہلو رہے تھے (طبقات ابن سعد) آنحضرتؐ نے جس طرح حضرت عباسؓ اور دوسرے مہاجرین کو مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا حضرت معاویہؓ ان کے بھائی یزید بن ابی سفیانؓ کو بھی عطا

کیا۔ یہ ان کے مہاجر ہونے کا ثبوت ہے۔ طلقاء ومسلمۃ الفتح کے طعنے بعد کے زمانے میں وضع ہوئے۔ مولفۃ القلوب بھی ان کو کہا گیا۔ مولفۃ القلوب کا ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ نے "دل کا پرچانا" کیا ہے۔ حضرت عکرمہؓ بن ابوجہل، حارثؓ بن ہشام حکیمؓ بن حزام وغیرہ یہ سب مسلمۃ الفتح میں شامل تھے۔ مگر بعد میں کیسے قوی الایمان ثابت ہوئے حالانکہ ان میں سے عکرمہ وحارث وغیرہ جنگ احد وخندق میں آنحضرت صلعم کے مقابل آئے تھے حضرت معاویہؓ تو کبھی بھول کر بھی لسانًا یا سنانًا آپ کے مقابل نہیں آئے۔ ان کو ضعیف الایمان کہنا انصاف کا خون کرنا ہے۔ آبائی مذہب کو ترک کر کے اور اس وقت جب ان کے باپ سردار قریش کی حیثیت سے مسلمانوں سے برسرپیکار تھے حضرت معاویہؓ کا اسلام قبول کرنا ان کے صادق الایمان ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔ اللہ کے رسول کے نزدیک وہ اس درجہ قوی الایمان صادق وامین تھے کہ وحی الٰہی کی کتابت کی خدمت سپرد کی۔ آپ کے فیضِ صحبت سے آپ کی تعلیم سے ان جیسے غیر معمولی ذہین نوجوان نے تھوڑے ہی عرصہ میں وہ سب کچھ حاصل کر لیا جو دوسروں کو برسوں میں بھی حاصل نہ ہوا۔ چنانچہ آنحضورؐ نے تعلیم قرآن اور تبلیغ دین کے لئے ان ہی کو منتخب کیا اور حضرت وائل بن حجرؓ کے ساتھ حضرموت مقام پر بھیجا۔

وارسل معہ معاویۃ ابن ابی سفیان الی قومہ یعلمھم القرآن والاسلام۔
(الاعلام قاموس التراجم الزرکلی)

اور (آنحضورؐ نے) (ان کے وائل بن حجر کے) ساتھ معاویہ بن ابی سفیان کو بھیجا کہ ان کی قوم کو قرآن اور اسلام کی تعلیم دیں۔

حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت معاویہؓ اپنے بھائی حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کی امداد کے لئے ملک شام میں جہاں وہ رومیوں سے جہادوں میں مصروف تھے بھیجے گئے۔ صیدا، عرفہ، جبیل اور بیروت وغیرہ کی فتوحات میں مقدمۃ لشکر ان کی ماتحتی میں تھا۔ ساحلی علاقے کے بہت سے قلعے انہوں نے فتح کئے قیساریہ کا معرکہ جس میں اسی ہزار رومی عیسائی مارے گئے انہیں نے سر کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان کو اردن کا عامل مقرر کیا پھر جب ۱۸ھ میں ان کے بھائی حضرت یزیدؓ نے وفات پائی تو اردن کے ساتھ دمشق کی حکومت بھی ان کے سپرد ہوئی۔

جزع عمر علی یزید جزعًا شدیدًا

یزید (بن ابی سفیانؓ) کی موت پر حضرت عمرؓ

وکتب الی معاویۃ لولایۃ الشام (استیعاب ص۲۵۲ ج ۱)	کو بہت رنج ہوا اور آپ نے معاویہؓ کی ولایت ملک شام کے بارے میں حکم جاری کر دیا۔

حضرت عمرؓ ان کے حسن کارگزاری کے اس قدر معترف تھے کہ ایک معاویہؓ ہی ایسے گورنر تھے کہ ان کا تبادلہ کبھی نہیں کیا تمام مدت خلافت میں ایک ہی جگہ برقرار رکھا۔ ان کے تدبر و حسن انتظام کی وجہ سے انہیں کسرائے عرب[1] کہا کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں پورا ملک شام جس میں حمص، دمشق، فلسطین اور اردن چاروں صوبے شامل تھے ان کے زیر حکومت تھا اس کے علاوہ آرمینیہ و اناطولیہ کوچک اور مصر تک ان کا حکم چلتا تھا، ان مقامات کے سپہ سالار اور بحری بیڑے کے افسر انہیں کے حکم کے مطابق جہاد کے لئے نکلتے تھے، انہوں نے ہی عظیم الشان اسلامی بیڑے جہازات عہد عثمانی میں تیار کرایا تھا، یہی پہلا اسلامی بیڑے جہازات تھا جس کے ذریعہ حضرت معاویہ رضؓ نے نہ صرف جزیرہ قبرص فتح کیا بلکہ قسطنطنیہ کے جہاد میں ان سے کام لیا، ۵۲ھ میں جزیرہ روڈس، ۵۴ھ میں جزیرہ ارواڈ فتح کئے سسلی اور جزیرہ کریٹ پر حملے کئے گئے۔ اگر حضرت علیؓ طلب خلافت کی خانہ جنگیاں نہ چھیڑ دیتے کچھ بعید نہ تھا کہ معاویہؓ اٹلی و روم کو فتح کر کے مسیحیت کے صدر مقام پر اسلامی جھنڈا گاڑ دیتے۔ جنگ صفین اور ثالثی کا مختصراً ذکر ہو چکا۔ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ شہادت علیؓ کے بعد ابتدائے تحریک صلح حضرت معاویہؓ کی طرف سے ہوئی۔ ان المعاویۃ بدأ بطلب الصلح (فتح الباری ص۵۵۲) پھر لکھتے ہیں:۔

فیہ دلالۃ علی رأفتہ معاویۃ بالرعیۃ وشفقتہ علی المسلمین وقوۃ نظرہٖ فی تدبیر الملک ونظرہٖ فی العواقب (فتح الباری ایضاً) یعنی حضرت حسنؓ سے صلح کرنے کی ابتداء کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت معاویہؓ کے دل میں مسلمانوں کے ساتھ شفقت اور رعیت کے ساتھ بھلائی کا کیسا جذبہ صادقہ تھا اور ملک و سلطنت کے انتظامات نیز خانہ جنگی کے تلخ نتائج کے بارے میں کیسی کچھ صحیح رائے تھی۔ علیؓ و معاویہؓ کی ذہنیتوں میں بڑا فرق یہی تھا کہ اول الذکر سیاسی معاملات کے تصفیہ کی غرض سے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈالنے میں تامل نہ کرتے اور آخر الذکر اگر بال برابر بھی تعلق باقی رہتا اسے کبھی نہ

[1] اہل عرب سیاسی مدبر کو کسریٰ سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔

توڑتے حزم و احتیاط سے کام لیتے۔

زمام خلافت ہاتھ میں لیتے ہی جن مشکلات اور اہم مسائل کا انہیں سامنا کرنا پڑا وہ یہ تھے:۔ (۱) بدنظمی و فتنہ و فساد کو دور کر کے نظم قائم کرنا (۲) خانہ جنگیوں میں اقتصادی حالت مملکت کی جو ابتری ہو گئی تھی خاص کر عراق[1] و ممالک شرقیہ میں اسے درست کرنا۔ (۳) مختلف قبیلوں اور خاندانوں میں خانہ جنگی کے نتیجے میں مخاصمت اور دشمنی کی جو آگ بھڑک گئی تھی اسے ٹھنڈا کرنا۔ (۴) ملت کی حربی قوت کو بحال کر کے دشمنان اسلام سے کامیاب مقابلہ کے لئے تیار کرنا۔

ان سب پیچیدہ و اہم مسائل و مشکلات کو جس خوبی و خوش اسلوبی سے حضرت معاویہؓ نے چند ہی سال کے عرصہ میں حل کیا، ہمعصر اکابر صحابہ و عظمائے ملت حضرت سعد بن ابی وقاصؓ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ و عبداللہ بن عباسؓ وغیرہم کے کلمات تحسین سے ثابت ہے جن میں واضح طور سے بتایا گیا ہے کہ قیادت و سرداری کی صفات حسنہ میں معاویہؓ اپنے سب معاصرین واجلہ صحابہ سے بلند تھے (ملاحظہ ہو کتاب خلافت معاویہؓ و یزید[2] ص۴۵) حلم کی خاصیت ان میں بدرجہ اتم تھی اور حلم سے مراد عربوں کے تخیل میں مختلف و متضاد خاصیتوں و اوصاف درشتی و نرمی سختی و رحمدلی وغیرہ کا معتدل طریقہ پر ہم آہنگ ہونے اور عدل و انصاف و قوت و مضبوطی سے ان کو برمحل برتنے سے تھا۔ ان سب اوصاف کے مجموعے کے بعد اور بھی چیزیں ہیں یعنی پختگی رائے و سخاوت و بخشش و مروت سے مخالفین کو زیر کرنا جہاں کوڑے سے کام نکلے وہاں تلوار سے اور جہاں زبان سے رام ہو سکے وہاں کوڑے سے کام نہ لینا بھی شامل ہے، ان کا قول تھا کہ کوئی جرم ایسا نہیں جو میری معافی سے دھویا نہ جا سکے، ان کے صبر اور دریا دلی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ حلم محض مقصد نہیں ذریعہ تھا اور اس ذریعہ سے پورا پورا کام لے کر آٹھ دس برس کے قلیل عرصہ میں بگڑی حالت سنوار دی ایک مستشرق نے ان حالات پر بے لاگ تبصرہ

[1] جنگ جمل کے بعد ہی حضرت علیؓ نے بصرے کے بیت المال کی تمام رقم جو ساٹھ لاکھ سے زاید تھی وہ اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دی ہر ایک کے حصہ میں پانسو کی رقم آئی (طبری ص۲۲۳ ج ۵) کوفہ کے بیت المال پر صفین کے اخراجات کا بار پڑا پھر پانچ کروڑ کی رقم حضرت حسنؓ نے بعد صلح وصول کر لی تھی۔ [2] محقق لامن کا قول ہے کہ حلم کا صحیح مفہوم فرانسیسی زبان کے کسی ایک لفظ میں ادا نہیں ہو سکتا۔

کیتے ہوئے لکھا ہے کہ صدر اسلام کی سیاسی تاریخ کا یہ سبق آموز واقعہ ہے کہ پیغمبر اسلام کے داماد اور چچیرے بھائی (علی رضؓ ابن ابی طالب) کے مختصر سے ایام میں مسلمانوں کی سیاسی کشتی جو خانہ جنگیوں، فتنہ وفساد اور طوائف الملوکی کے خوفناک بھنور میں پھنس گئی تھی اور قریب تھا کہ قبائلی دشمنیوں کے تھپیڑوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہوجائے قدرت نے محمد (صلعم) کے سیاسی حریف (ابو سفیانؓ) کے فرزند جلیل معاویہؓ کے تجربہ کار ہاتھوں سے بروقت کام لے کر مسلمانوں کی اس سیاسی کشتی کو تباہی سے نہ صرف بچا لیا بلکہ ان کے زیر قیادت اور ان کے حسن سیاست کی بدولت کامرانی اور عروج پر گامزن کردیا۔ بدنظمی وطوائف الملوکی دور ہوکر ترقی پذیر منظم اسٹیٹ ازسر نو وجود میں آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد ہی ارتداد کے فتنہ نے سر اٹھایا تھا، آپ کے خلیفہ اول وبلافصل حضرت صدیق اکبرؓ کی لاثانی ہمت واستقلال نے اس کا سر کچل کر مسلمانوں کی سیاسی قوت کے پودے کی آبیاری کی:۔

ہمتِ او کشتِ اُمت را چو ابر ثانی اسلام وغار وبدر وقبر

پھر فاروق اعظمؓ کے لاثانی حسن تدبیر سے پروان چڑھا، برگ وبار لایا، آخر عہد عثمانی میں رقابتوں کی آندھیوں نے جڑیں اس کی ہلا دیں عہد علوی میں قریب تھا کہ جڑ ہی سے اکھڑ جائے حضرت معاویہؓ کے تجربہ کار ہاتھوں سے پھر اپنی جگہ قائم ہوگیا، امت نے ممنونیت کے ساتھ ان کے حسن سیاست کا اعتراف کیا رائے عامہ کا وزن اموی قیادت کے حق میں روز بروز زیادہ ہوتا گیا۔ جمل وصفین کے واقعات ایسے اندوہناک تھے کہ ان کا خیال کرکے لوگوں کے دل لرز جاتے تھے۔ اس لئے سیاسی مبصرین یہ بات سوچنے لگے تھے کہ کہیں یہ حالت معاویہؓ کی آنکھیں بند ہوتے ہی پھر نہ عود کر آئے۔ رسول اللہ صلعم کے صحابی جلیل حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا شمار صف اول کے سیاسی مدبرین میں تھا، انہوں نے اس مسئلہ پر بہت غور کیا اپنے مرنے سے ایک سال پہلے ایک تجویز اپنے ذہن میں جب پختہ کرلی بالمشافہ گفتگو کے لئے وہ عراق سے چل کر حضرت معاویہؓ کے پاس دمشق پہنچے۔ امیر یزیدؒ کی اہلیت کے علاوہ رائے عامہ کا زبردست رجحان چونکہ اموی قیادت کی جانب تھا، علوی قیادت تو پہلے ہی بری طرح ناکام ہوچکی تھی، اہل حجاز میں سے کسی کو بھی سیاست ملکیہ اور امور انتظامیہ سے کوئی لگاؤ یا تجربہ مطلق نہ تھا اور حربی قوت تمام تر امیر یزیدؒ کے حق میں تھی جن کی قیادت وسپہ سالاری ابھی چند روز ہوئے شاندار کامیابی کا مشاہدہ کرچکے تھے حضرت مغیرہؓ نے ان کی ولیعہدی کی جانب حضرت معاویہؓ کو متوجہ کیا اور جیسا خلافت معاویہؓ ویزیدؒ میں تفصیلاً بیان ہوا، اس تجویز وتحریک نے عملی شکل اختیار کی مملکت اسلامیہ کے ہر ہر صوبہ اور ہر ہر قریہ میں رائے عامہ معلوم کی گئی بلا جبر واکراہ معلوم

فسق وفجور کی وضعی داستان

ابن جریر طبری نے یہ وضعی داستان علی بن مجاہد کی روایت سے شروع کی ہے جس کے بارے میں محدث ابن معین کا قول ہے کہ وہ حدیثیں وروایتیں وضع کیا کرتا تھا (میزان الاعتدال ص۲۳۲ ج۲) روایت میں کہا گیا ہے کہ حضرت مغیرہؓ گورنر عراق نے اپنی ضعیفی کی وجہ سے حضرت معاویہؓ کے پاس آکر استعفا دیدیا جو منظور ہوا، سعید بن العاص کا ان کی جگہ تقرر کرنا چاہا، حضرت مغیرہؓ کا کاتب (سکریٹری) نامزد گورنر کے پاس ملنے گیا، اس کی اطلاع جب حضرت مغیرہؓ کو ہوئی اتنی سی بات پر ایسا طیش آیا کہ سیدھے امیر یزیدؒ کے پاس پہنچے ولیعہدی کی تجویز پیش کی جس کا ذکر یزیدؒ نے اپنے والد سے کیا حضرت معاویہؓ نے اس تجویز کو پسند کیا، حضرت مغیرہؓ کو ان کے عہدے پر بحال کرکے بیعت ولیعہدی کا انتظام کرنے کی ہدایت کی۔ فامرہ ان یعمل فی بیعۃ یزید (طبری ص۱۶۹ ج۶) گویا بنیاد داستان کی اس روایت سے ڈالی گئی مگر جھوٹ بولنے کو بھی ہنر چاہئے۔ دو عظیم المرتبت مدبرین سے کیسی طفلانہ باتیں منسوب کی ہیں۔ اسی سلسلہ میں دوسری وضعی روایت یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ نے بیعت ولیعہدی کے متعلق اپنے سوتیلے بھائی امیر زیاد بن ابو سفیانؓ گورنر بصرہ سے مشورہ چاہا انہوں نے اپنے ایک معتمد سے کہا کہ "یزید کی طبیعت میں کاہلی اور سہل انگاری بہت ہے، اس پر طرہ یہ کہ صید وشکار کا گرویدہ رہتا ہے ویزید صاحب رسلۃ وتھاون مع ما قد اولع من الصید"۔ (طبری ص۱۶۹ ج۶) تم میری طرف سے امیر المومنین کے پاس جاؤ اور یزیدؒ کے جو حالات میں نے بیان کئے ہیں ان کی اطلاع ان کو کردو فاخبرہ عن فعلات یزید (ایضاً) اس میں شک نہیں کہ امیر یزیدؒ بڑے شکاری اور نبرد شہ سوار تھے پروفیسر ہٹی نے اسلام میں پہلا بڑا شکاری انہیں کہا ہے۔ (THE FIRST GREAT HUNTER IN ISLAM) اور لکھا ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے ایک چیتا کو سدھایا تھا کہ گھوڑے کے دھڑ کے پچھلے حصہ پر سوار چلا کرے، مورخ الخضری نے بھی لکھا ہے کہ یزیدؒ شکار کے بڑے شوقین تھے (ص۲۴۱ ج۲) مگر شکار کا شوقین ہونا اور شکاری چیتے پالنا تو ممنوع نہیں۔ قرآن مجید میں شکاری چوپایوں اور پرندوں کے ذریعہ شکار کھیلنے کے احکام ہیں۔ خدا نے جب شکار حلال کیا اسے حرام کون کہہ سکتا ہے اور امر مباح کے مرتکب کو فاسق کیسے کہا جاسکتا ہے پھر عجیب بات یہ ہے کہ یہ عادتیں اگر بری تھیں ان کا حال سیکڑوں کوس دور بصرے میں بیٹھے ہوئے امیر زیاد کو تو ہوگیا حضرت معاویہؓ کو نہ ہوا جن کو مطلع کرنے کے لئے

پیغام بھیجا گیا، بہر حال ولیعہدی کی تجویز و تحریک کے زمانہ میں صرف یہی باتیں کہی گئیں بیعت
ولیعہدی کے سلسلہ میں حضرت حسین رض و ابن زبیر رض نے حسب و نسب کی بنا پر اپنی برتری امیر
یزیدؒ پر ظاہر کرنے کی غرض سے سب کچھ کہا لیکن نہ ان باتوں کو زبان پر لاتے اور نہ شراب نوشی
یا تارک صلوٰۃ ہونیکا اشارۃً و کنایۃً ذکر کیا۔ اسی سے ثابت ہے کہ یہ اتہامات حادثہ کربلا کے بعد
تراشے گئے۔ بلاذری نے کتاب انساب الاشراف میں جہاں امیر یزیدؒ کے پابند صوم و صلوٰۃ ہونے
نیک کاموں میں سرگرمی سے حصہ لینے مسائل فقہ پر گفتگو کرنے نیز ان کی نیکوکاری کے بارے
میں حضرت ابن عباس رض اور حضرت محمد الحنفیہ رح برادر حسین رض کے اقوال نقل کئے ہیں وہاں متقدمین
کی عام روش کے مطابق متضاد روایتیں بھی درج کردی ہیں امیر یزیدؒ پر جس روایت میں شراب
نوشی کرنے، گانے بجانے میں منہمک رہنے، چھوکرے چھوکریاں رکھنے، بندروں کا تماشہ دیکھنے
اور کتوں سے کھیلنے کے الزامات تراشے گئے ہیں۔ اس کو سب سے پہلے ان راویوں کی سند سے
درج کیا ہے یعنی حدثنی العمری عن الہیثم بن علی عن ابن عیاش عن ھشام
ابن کلبی عن ابیہ و ابی مخنف وغیرھما ابی مخنف اور ہشام کلبی کا باپ محمد بن سائب
کلبی جن سے دوسروں نے یہ مکذوبہ روایت بیان کی ہے اول تو امیر یزیدؒ کے ہمعصر نہیں تقریباً
ایک صدی بعد کے ہیں پھر جملہ مستند کتب نقد رجال و الجرح و التعدیل میں ان دونوں کو کذاب
کہا گیا ہے۔ امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ محمد بن سائب کلبی اس عقیدے کا
سبائی تھا کہ علی رض کو موت نہیں آئی وہ دنیا میں لوٹ آئیں گے اور اس کو عدل و انصاف سے
بھر دیں گے جیسے وہ ظلم و جور سے بھری ہے۔ اس کے بیٹے ہشام متوفی ۲۰۴ھ کو ابن عساکر
نے رافضی و نامعتبر کہا ہے اور دارقطنی نے متروک اسی طرح ابن عیاش کو کثیر الخطا (ص۲۱۳
ج۱) اور الہیثم بن عدی کو ابو داؤد و یحییٰ نے کذاب بتایا ہے۔ امام بخاری نے فرمایا ہے:۔
لیس بثقۃ کان یکذب (ص۲۶ ج۲) یعنی وہ غیر معتبر ہے اور جھوٹ بکتا تھا اس قماش
کے کذاب راویوں کی مکذوبہ روایتوں سے مختلف کتب تاریخ وغیرہ کے اوراق سیاہ ہوئے
جو عہد عباسیہ میں بلیشتر غالی مولفین نے تالیف کیں، دوسری جانب حضرت حسین رض کے
واقعہ کو افسانوی رنگ میں پیش کرنے کی غرض سے مناقب کی موضوعات کا انبار در انبار لگا
دیا گیا۔ یہ سرمایہ کذب و افترا متاخرین تک پہنچا ابن خلدون متوفی ۸۰۸ھ نے اپنے شہرہ آفاق
مقدمہ تاریخ میں امیر یزیدؒ کی ولیعہدی پر تفصیلاً گفتگو کرتے ہوتے لکھا ہے کہ "حضرت

معاویہ رض کی شان میں کوئی بدگمانی نہیں کیجا سکتی کیونکہ ان کی صحابیت اور صحابیت کا لازمہ
عدالت ہر قسم کی بدگمانی سے مانع ہے پھر ان کے اس فعل کے وقت سینکڑوں صحابہ کا موجود
ہونا اور اس پر ان کا سکوت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس امر میں حضرت معاویہ رض کی نیک
نیتی مشکوک نہیں تھی کیونکہ یہ صحابہ کرام حق کے معاملہ میں چشم پوشی اور نرمی کے کسی طرح
بھی روادار نہیں ہو سکتے تھے اور نہ معاویہ رض ہی ایسے تھے کہ قبول حق میں حب جاہ ان کے
آڑے آجاتی یہ سب اس سے بہت بلند ہیں اور ان کی عدالت ایسی کمزوری سے یقیناً
مانع ہے۔"

ابن خلدون کے مندرجہ فقرے سے بالبداہت ثابت ہے کہ بیعت ولیعہدی کے
وقت تک تو وہ امیر یزیدؒ کو فاسق و فاجر تسلیم نہیں کرتے مورخین کا بیان ہے کہ ۵۶ھ میں
ولیعہدی کی بیعت مکمل ہوئی، بالفاظ دیگر امیر یزیدؒ متولد ۲۲ھ سے ۳۴ سال کی عمر تک
کسی قسم کے فسق و فجور کا ارتکاب نہیں ہوا، تاریخی واقعات بھی اس کے شاہد ہیں کہ ۴۹ھ
میں حضرت حسین رض اور ممتاز صحابہ کی جماعت ان کی قیادت اور سپہ سالاری میں قسطنطنیہ
کے جہاد میں شریک ہوئی اور اپنے قائد و سپہ سالار کی امامت میں مہینوں تک پنج وقتہ
نمازیں پڑھیں پھر ۵۰ھ سے ۵۲ھ تک ان کی امامت میں مناسک حج ادا کئے ان کے خطبات
سنے ان کی امامت میں نمازیں ادا کیں اگر کسی قسم کے فسق کا شائبہ بھی ان میں ہوتا تو حضرت حسین رض
ان کے پیچھے نمازیں ہرگز نہ پڑھتے اور نہ اپنی بھتیجی سیدہ ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر طیار رض کو
ان کے حبالہ عقد میں آنے دیتے۔ ابن خلدون نے مندرجہ بالا الفاظ میں حضرت معاویہ رض اور
سینکڑوں صحابہ کے پوزیشن کو جنہوں نے ولیعہدی کی بیعت کی تھی، غالی راویوں کے مطاعن
سے بچانے کی کوشش ضرور کی ہے، ان کی اسی بات کی ستائش کتاب خلافت معاویہ رض و یزیدؒ
میں کی گئی تھی لیکن حضرت حسین رض کے اقدام خروج پر جہاں گفتگو کی ہے وہ ان کے پوزیشن
کو صاف کرنے کی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے، حضرت معاویہ رض کی وفات صحیح روایت کے
مطابق ۱۰ رجب ۶۰ھ کو ہوئی، امیر یزیدؒ موجود نہ تھے کسی مہم پر باہر گئے ہوئے تھے محترم والد
کی شدید علالت کی اطلاع ملتے ہی واپس آئے مگر تدفین کے بعد پہنچے سیدھے باپ کی قبر
پر گئے پھر جامع مسجد آکے خطبہ دیا اور مسند خلافت پر متمکن ہوئے، عمال حکومت افسران
افواج کے علاوہ مستقر خلافت کے صحابہ و تابعین، ہاشمی و اموی اکابرین سب نے ہر دلعزیز

ولیعہد کی بیعت خلافت خوش دلی کے ساتھ کی پھر تمام صوبوں میں جہاں جہاں اطلاع پہنچتی گئی دستور کے مطابق بلا کسی اختلاف کے بیعت موکد ہوتی گئی، گورنر مدینہ کو یہ اطلاع ۲۷ رجب کی شام کو ملی اسی وقت اکابرین مدینہ کو طلب کیا، حضرت حسینؓ اور ابن زبیرؓ یہ کہہ کر کہ صبح کے وقت جب سب لوگوں کو بلاؤ گے ہم بھی موجود ہوں گے رات ہی میں مکہ چلے گئے۔ بیعت سے تخلف و گریز کرنے کی وجہ اور جواز کا برملا اظہار کرنے کی جرأت نہ کی مکہ کے قریب حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ملاقات ہوئی انہوں نے ان دونوں حضرات کے طرز عمل کے بارے میں فرمایا تھا اتقیا اللہ ولا تفرقا جماعۃ المسلمین۔ (تم دونوں اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کی جماعت میں پھوٹ مت ڈالو) ان حالات کے اعتبار سے ابن خلدون کا یہ کہنا کہ حضرت حسینؓ نے اس وجہ سے بیعت نہیں کی تھی کہ "یزید کی ذات میں فسق ان کے ایام خلافت میں پیدا ہوگیا تھا حدث فی یزید من الفسق ایام خلافتہ (مقدمہ تاریخ ص۲۱۲) مہمل سی بات ہے۔ ایام خلافتہ کی نوبت ہی کہاں آنے پائی تھی سند نشینی کی خبر سنتے ہی یہ دونوں طالبان خلافت حضرت حسینؓ و ابن زبیرؓ کسی سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق اور گورنر مدینہ کو جھکمہ دیکر اٹھ کھڑے ہوئے تھے ان کا طرز عمل اس بات کی بین دلیل ہے کہ موت معاویہؓ کا انتظار ہو رہا تھا کیونکہ حضرت حسینؓ تو پہلے ہی کوفیوں کو ان کے خط کے جواب میں لکھ چکے تھے کہ جب تک معاویہؓ زندہ ہیں اپنے گھروں میں خاموش بیٹھے رہو ان کا واقعہ پیش آگیا تو دیکھا جائے گا، تم بھی سوچنا ہم بھی سوچیں گے، بالفاظ دیگر اس وقت انقلاب حکومت کا اقدام کیا جاسکے گا، ابن خلدون نے مندرجہ بالا فقرے کے ساتھ ہی یہ لکھا ہے کہ "خبردار! کہیں تم معاویہؓ کے بارے میں یہ بدگمانی نہ کرنے لگنا کہ وہ یزید کے فسق کو جانتے تھے کیونکہ وہ تو اس بدگمانی سے بمراتب عادل و افضل ہیں"، اور یہی بات متابعین صحابہ کے متعلق بھی کہی ہے اس سے ظاہر ہے کہ ابن خلدون نے یہ باتیں کہہ کر ایک طرف تو حضرت معاویہؓ اور دوسرے صحابہ کی پوزیشن کو غالی راویوں کے مطاعن سے بچانے کی کوشش کی ہے دوسری جانب مناقب حسینؓ کی موضوعات کے پیش نظر انہیں بدعقیدہ ہونے کو بھی تیار نہیں کہ طلب خلافت کے اقدام کو سیاسی خروج کہہ سکیں فسق یزیدؒ کی مکذوبہ روایتوں کی آڑ لیکر اور اس اقدام کو اجتہاد سے تعبیر کر کے اسوۃ المجتہدین فرمادیا مگر اپنے ہی اس قول کو اور اس سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے نظر کر دیا یعنی حضرت معاویہؓ کو مرتے دم تک اپنے بیٹے کے فسق کا جو ہر وقت ان کے نظروں کے سامنے رہتے تھے جب کوئی علم نہ ہوا اور نہ دوسرے صحابہ کو تو سیکڑوں کوس دور بیٹھے ہوئے حضرت حسینؓ و ابن زبیرؓ کو کیسے ہوگیا اور انہوں نے کس بناء پر خروج کیا تھا تو یہ کیسا اور کس نوعیت کا فسق تھا کہ کوفیوں کی امداد و نصرت سے جب مایوسی کا سامنا کرنا پڑ گیا تو اسی امیر المومنین کے ہاتھ میں ہاتھ دینے اور بیعت کرنے پر آمادہ ہوگئے جس کے مزعومہ فسق کی بناء پر یہ اقدام کیا تھا حتیٰ اضع یدی

فی ید یزید بن معاویۃ کے الفاظ تو ہر مورخ نے لکھے ہیں، ابن خلدون نے ولیعہدی کی بیعت کے سلسلہ میں تو بہت اچھی بحث کی ہے جیسے کتاب خلافت معاویہؓ و یزیدؒ میں نقل کرتے ہوئے تحسین بھی کی گئی لیکن اقدام خروج کا حقیقت پسندانہ جائزہ لینے میں شاید عقیدت حسینؓ ان کے مانع آئی۔ عقیدت کی بات تو اور ہے اور وقائع تاریخی کی بے لاگ تحقیق (ریسرچ) شئے دیگر است۔ داستان فسق و فجور کے راویوں کا مختصراً ذکر ہو چکا اس سلسلہ میں ان چند حقائق کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے یعنی جب حضرت حسینؓ ہی کے عزیز امقربی رشتہ دار مثلاً ان کے بہنوئی اور رسول اللہ صلعم کے پرورش یافتہ صحابی حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ امیر یزیدؒ کو فداک ابی و امی سے خطاب کریں، ان کے صاحبزادے معاویہؓ جعفری ہاشمی جن کے بارے میں مورخ لکھتے ہیں کہ امیر یزیدؒ کے عزیز دوست تھے و نشاء معاویۃ الہاشمی صدیقاً لیزید بن معاویۃ الاموی (الاعلام الزرکلی ص۱۷۳) مدح یزید میں ان کا یہ شعر بھی ہو:۔

> اذا مذق الاخوان بالغیب وُدّھم ٭ فسبل اخوان الصفاء یزید

حضرت حسینؓ کے ذی علم و عالی منزلت بھائی حضرت محمد الحنفیہؒ اپنی ذاتی واقفیت سے ان تمام بہتانات کی پرزور تردیدیں کریں جو شراب نوشی و ترک صلوٰۃ کے امیر یزیدؒ پر عاید کئے گئے تھے حضرت حسینؓ کے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ حبر الامت امیر موصوف کی علمی قابلیت و نیکوکاری کا اعتراف کریں اور بطیب خاطر بیعت کریں اور دوسروں کو بیعت کی ترغیب دیں حضرت حسینؓ کو خروج کرنے سے منع کریں پھر حضرت حسینؓ کے صاحبزادے علی بن الحسینؓ (زین العابدین) حادثہ کربلا کے بعد بھی ہاتھ اٹھا اٹھا کر امیر یزیدؒ کو دعائیں دیں ان کی وفات ہوجانے کے بعد جب اموی لشکر مکہ سے واپس ہوتا ہوا مدینہ سے گزر رہا ہو فوج کے گھوڑوں کے لئے دانے چارہ کا از خود بندوبست کریں حسینؓ و یزیدؒ کے گھرانوں میں مناکحت و مصاہرت کا سلسلہ واقعہ کربلا کے بعد بھی قایم رہے، قدیم مورخین امیر یزیدؒ کے حلم و کرم کو سراہیں اور کہیں کان یزید صبوراً (عیون الاخبار ابن قتیبہ) یعنی یزیدؒ بردبار و حلیم تھے بعض شعراء بہتانات کی تردیدیں کریں اور کہیں:۔

> واقول ان یزید ما ٭ شرب الخمور ولا فجر[1]

تو ان حالات و واقعات کے ہوتے ہوئے کذاب راویوں کی داستان فسق و فجور کی کیا حقیقت باقی رہتی ہے، ہمارے مقدسین کے جوانوعم جواز لکن فوائد و مباحثے جو انہی مکذوبہ روایتوں پر زیادہ تر مبنی ہیں وہ تاریخی ریسرچ سے غیر متعلق ہیں

[1] مستشرق گولڈ زیہر نے اپنی کتاب "LITTERAT DER SIRA" میں اس شاعر کا یہ شعر درج کیا ہے۔

اور موجب طوالت بھی' لفظی ترمیم کے ساتھ غالب کی زبان سے یہ کہہ دینا کافی ہے "

گردہم شرح ستمگاری ملا غالب رسم انصاف ہما ناز جہاں برخیزد

خروج حکومت و سلطنت یا سیاسی نظام میں انقلاب بپا کرنے کے لئے جو اقدام بھی کیا جائے خروج کہلاتا ہے "خرج علیہ" اور "خرج علی" سے مطلب لڑائی کے لئے نکلنا اور تمرد و بغاوت سے ہے اپنے مقدمہ تاریخ میں خود ابن خلدون نے متعدد جگہ یہ لفظ اسی معنی و مفہوم میں استعمال کیا ہے مثلاً "فرای الحسین ان الخروج علی یزید متعین من اجل فسقه (صہ ۲۱۶) یعنی حسینؓ نے خیال کیا کہ یزید کے خلاف خروج اس کے فسق وجہ سے لازم ہو گیا۔ صحابہ کرام نے بھی ان کے اقدام کو خروج ہی کہا حضرت ابو سعید الخدریؓ نے فرمایا تھا :۔

غلبنی الحسین علی الخروج وقد قلت له اتق الله فی نفسک والزم بیتک فلا تخرج علی امامک۔	حسینؓ نے خروج کے لئے مجھ پر زور دیا تو میں نے ان سے کہا اپنے دل میں خدا کا خوف کرو' گھر میں بیٹھے رہو اور اپنے امام (یعنی امیر المومنین یزید) کے خلاف خروج مت کرو۔

(تاریخ الکبیر ابن عساکر صہ ۳۲۸ ج ۴)

ان کے عزیزوں اور بھائیوں نے بھی اس اقدام کو خروج ہی کہا جناب عمر بن علیؓ کے بارے میں خود شیعہ مورخ نے لکھا ہے کہ ان کے بھائی نے خروج میں ساتھ دینے کو کہا مگر انہوں نے ساتھ نہ دیا قد دعاه الی الخروج معه فلم یخرج (عمدۃ الطالب صہ ۹۹) غرضیکہ انقلاب REVOLUTION کے لئے جو قدم اٹھایا جائے اصلاح کی غرض سے ہو یا بقول بعض "تطہیر خلافت" کے مصد سے دو حال سے خالی نہیں۔ انقلاب پیدا کرنے والے کامیاب ہوں تو خود نئی حکومت و خلافت کی تشکیل و تاسیس کر لیتے ہیں۔ ناکام رہیں تو حکومت وقت کے نزدیک بغاوت کے مجرم قرار پاتے ہیں' تمام سیاسی نظاموں کا اسلامی ہوں یا غیر اسلامی انقلاب کے بارے میں یہی نظریہ یہی قانون ہے' ہمارے پاکستان کے سپریم کورٹ کے ممتاز ماہر قانون مسٹر جسٹس منیر نے اپنے فاضلانہ فیصلہ میں لکھا تھا۔ "یہ بات قانون کے نقطہ نظر سے کسی اہمیت کی حامل نہیں کہ انقلاب کس طریقہ سے اور کن اشخاص کے ذریعہ پیدا کیا گیا' تشدد اور پرامن دونوں طرح عمل میں آسکتا ہے کوئی سیاسی قسمت آزما یا حکومت ہی کا کوئی رکن انقلاب پیدا کرنے کا ذریعہ ہو سکتے ہیں' قانون کی نظر میں یہ بات بھی غیر متعلق ہے کہ انقلاب کا محرک اصلی کیا تھا رائج الوقت آئینی نظام کو مٹانے کے لئے بلند ترین جذبہ حب وطنی اور پست ترین مطلب برآری دونوں کارفرما ہو سکتے ہیں۔۔۔ انقلاب حکومت اور شکست آئین کی کوشش ناکام ہو تو ایسے اشخاص رائج الوقت آئین کے لحاظ سے جرم بغاوت کے مرتکب قرار پاتے ہیں اور کامیاب ہوں تو انقلاب خود ایک قانون ساز حقیقت (حکومت) بن جاتا ہے (دی اسٹیٹ بنام دوسو۔ پی۔ ایل۔ ڈی ۱۹۵۸ء ملخصاً") دنیا میں سب سے پہلا اور قدیم ترین کانسٹی ٹیوشن یعنی دستاویز نظام سیاسی آنحضرت صلعم کا وہ معاہدہ ہے جو مدینہ تشریف آوری کے بعد ہی انصار و مہاجر و یہود کے مابین مرتب کیا تھا جس میں دیگر سیاسی امور کے علاوہ ہر شخص کے تین بنیادی حقوق قابل احترام قرار دیئے گئے یعنی جان مال و آبرو بلا امتیاز نسل و قوم و دین و ملت محفوظ رکھے گئے۔ پھر آپ نے متعدد ارشادات میں حکمراں کے خلاف خروج سے منع فرمایا ہے۔

اسوۂ عثمانی

خلفائے راشدین میں پہلی شہادت حضرت عمرؓ کی تھی جو عجمی سازش سے ہوئی قاتل اور سازش کے شرکاء کو قصاص میں قتل کر دیا گیا' حضرت علیؓ کو ابن ملجم نے دیگر خارجی مقتولین کے انتقام میں یہ کہہ کر شہید کیا کہ انه قتل اخواننا الصالحین (تاریخ الخمیس صہ ۴۱۴ ج ۲) ان کے قاتل کو بھی حضرت حسینؓ نے ایک ایک عضو اس کا کاٹ کر آگ میں جلا دیا (صہ ۴۱۵) حضرت عثمان ذی النورینؓ کی خلافت کے خلاف پروپیگنڈا برسوں سے جاری تھا حتیٰ کہ اس عظیم کارنامے پر کہ اختلاف قرات کو مٹا کر مسلمانوں کو ایک مصحف پر متحد کر دیا' اعتراضات کئے گئے حالات جب مخدوش ہوتے گئے حضرت معاویہؓ نے امیر المومنین کی حفاظت جان کے لئے تجویز میں پیش کیں جو یہ کہہ کر مسترد کر دیں کہ جوار رسول اللہ میں نہ کسی کلمہ گو کا خون بہانے کا روادار ہوں نہ تحفظ جان کے لئے کسی فوجی دستہ کا بار بیت المال پر ڈالنے کا۔ بلوائی قاتلین نے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا مسجد نبوی میں خطبہ دیتے ہوئے عصائے نبوی دست مبارک سے چھین کر توڑ ڈالا' پتھر مار کر زخمی کیا بے ہوشی کی حالت میں گھر پہنچائے گئے پھر مسجد میں نماز بھی نہ پڑھنے دی' پانی بھی اس دریا دل داماد رسولؐ پر بند کر دیا جس نے میٹھے پانی کے کنویں بصرف کثیر خرید کر مسلمانوں پر وقف کر دیئے تھے اسی مخیر صحابی جلیل کے گھر غلہ بھی نہ پہنچنے دیا جس نے سینکڑوں من غلہ ایام قحط سالی میں مسلمانوں میں مفت تقسیم کر دیا تھا' جو مال سے جہاد کرنے میں سب سے آگے رہا۔ غزوہ تبوک میں نو سو اونٹ مع ساز و سامان کے مجاہدین کو عطا کئے ایک ہزار دینار رسول اللہ کی خدمت میں پیش کئے' آپ نے دعائیں دیں جنت کی بشارتیں دیں' جس نے دو ہجرتیں کیں دو مرتبہ رسول اللہ کی دامادی کا شرف حاصل کیا' جو اپ کے بڑے چہیتے' مسلمانوں کے نہایت ہمدرد حلیم الطبع اور اس درجہ سنجیدہ و شرمیلے تھے کہ آنحضرتؐ فرمایا کرتے کہ عثمانؓ سے تو ملائکہ بھی شرم کرتے ہیں' ایک اشارے میں ان کے چاروں طرف سے فوجی دستے پہنچ جاتے' بلوائیوں کا قلع قمع کر دیتے مگر ارشادات نبویؐ اور احکام شریعت کی متابعت میں عدم تشدد و صبر و استقامت کی ایسی عدیم النظیر مثال پیش کی جو تاریخ عالم میں ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکتی رسول اللہ کا یہ فرمان ہر وقت یاد رکھتے' خبردار! میرے بعد کافروں کی طرح نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن کاٹنے لگو (بخاری) آپؐ کے دوسرے فرمان کی تعمیل میں کہ دیکھنا کبھی اپنے مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ بھی نہ کرنا شاید ہتھیار لگ کر خون ہو جائے اور تم جہنم کے گڑھے میں جا پڑو (بخاری) وہ سب تیر جو ان پر پھینکے جا رہے تھے اٹھا اٹھا کر پھینکنے والوں کو ہی واپس کرا دیئے' فرماتے جاتے تھے دیکھو مجھے مت قتل کرو، مجھے قتل کر دیا تو پھر کبھی اکٹھے ہو کر نماز نہ پڑھ سکو گے نہ ساتھ مل کر دشمن سے جہاد کر سکو گے' جو لوگ مسلح ہو کر مدافعت

کے لئے آتے لڑنے سے منع کرتے اور واپس چلے جانے پر مجبور کرتے حاجیوں کے موسومہ خط میں یہ لکھ کر کہ جو لوگ بجبر و بلاحق منصب خلافت حاصل کرنا چاہتے ہیں میری عمر کے ساتھ اقتدار کے لئے ان کی امیدیں بھی طویل ہو چکی ہیں وہ عجلت سے کام لے رہے ہیں' رسول اللہؐ سے ملنے کی تیاری کرنے لگے اور تلاوت قرآن میں مصروف ہو گئے اور اسی حالت میں ذبح کر دیئے گئے' خون کی چھینٹیں اس مصحف پر پڑیں جو آج بھی تاشقند میں موجود ہے' قاتلین اور بلوائیوں کی حمایت اور اثر سے نئی خلافت قائم ہوئی یہی لوگ جب سیاست وقتی میں دخیل رہے ان سے قصاص کون لیتا کیسے لیتا بقول یہ کہ ؎

وہی قاتل وہی حاکم وہی منصف ٹھہرے اقرباء میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر

قصاص بعد میں کس کس طرح لیا گیا اس کا ذکر آ چکا بہرحال یہ ہے صبر و استقامت کی بے مثال مثال' شفقت و اخوت اسلامی کی بے نظیر نظیر' باوجود قدرت کے باوجود معاونین و مدافعین کی موجودگی کے عدم تشدد پر عمل پیرا ہونے کا شاندار نمونہ کہ جان دے دی اور نہ اٹھے کلمہ گو قاتل پہ ہاتھ- یہ ہے تابناک و روشن ترین اسوۂ عثمانی جو رسول اللہ کے اس فرمان کی پوری پوری تعمیل ہے کہ **من حمل السلاح علینا فلیس منا** (بخاری و مسلم) یعنی جس مسلمان نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھائے وہ ہم سے نہیں' مارنا منظور نہیں مرنا قبول ؎

کس نے پائی ہے شہادت ایسی پامردی کے ساتھ جان دیدی اور نہ اٹھے کلمہ گو قاتل پہ ہاتھ
دست بستہ حاضر خدمت ہوں گو صدہا غلام پر وہ رحم مجسم دے نہ اذن انتقام
کیوں نہ خون اس غم میں ٹپکیں دیدۂ غمناک سے صفحہ قرآن پہ گل کاری ہو خون پاک سے
خوں عثمانی ہو اسلامی سیاست کا زوال خون یحییٰ کی طرح ملت پہ ہو اس کا وبال
خانہ جنگی کا اسی تاریخ سے آغاز ہو ٹولیاں ملنے لگیں باب مفاسد باز ہو

امت مسلمہ اس ذبیحہ عظیم و اسوۂ عثمانی سے سبق حاصل کرتی تو طلب خلافت کی خون ریزیوں سے اسلامی سیاست کے خدوخال اس درجہ مسخ نہ ہوتے جن کا قدرے اندازہ مسلسل خروجوں کے حالات سے ہو گا جو آئندہ صفحات میں ملاحظہ ہوں' اسلامی تاریخ میں شاید یہی ایک قابل تقلید مثال مفادات امت کے پیش نظر بغیر خون ریزی کے سیاسی انقلاب پیدا کرنے کی ہے جو فلیڈ مارشل محمد ایوب خان اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں عمل میں آیا اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ان حضرات کو کہ اس طرح اسوۂ عثمانی پر عمل تو ہو سکا- ابو مخنف وغیرہ جیسے کذاب راویوں کے بیانات ہی کا یہ اثر کہ اسوۂ عثمانی کے بجائے لوگ طلب خلافت کی خانہ جنگیوں اور خون ریزیوں کو نمونہ و مثال قرار دے رہے ہیں دارالعلوم دیوبند کے سابق مفتی صاحب نے اس سوال کے جواب میں کہ حضرت عثمانؓ کا مرتبہ زیادہ ہے یا حضرت حسینؓ کا' حضرت عثمانؓ کی شہادت افضل ہے یا حضرت حسینؓ کی' وغیرہ وغیرہ فرمایا تھا- "یہ سب سوال فضول اور بے کار ہیں آپ ان کو معلوم کرکے کیا کریں گے-" الاخرہ (ملاحظہ ہو عکس تحریر) سولہ سترہ برس بعد انہی مفتی صاحب نے اسوۂ حسینی (شہید کربلا) نام کا کتابچہ تصنیف فرمایا جس میں لکھتے ہیں کہ- "حضرت حسینؓ کی دردناک مظلومانہ شہادت پر تو زمین و آسمان روئے' جنات روئے جنگل کے جانور متاثر ہوئے پھر وہی چلتی ہوئی باتیں جو ابو مخنف جیسے کذابین نے امت کی گمراہی کے لئے وضع کیں کتاب میں درج فرما دی ہیں' طلب خلافت کے مسلسل خروجوں اور ان کے تلخ نتائج پر جو شخص بھی ٹھنڈے دل سے غور کرے کہہ اٹھے گا چہ نسبت خروج طلب خلافت را با اسوۂ عثمانی و قربانی ذی النورین صلوۃ اللہ علیہ وسلامہ' مناقب کی وضعی حدیثوں اور جھوٹی روایتوں سے آخر کتمان حق کب تک-

اولاد حسینؓ اور دیگر علویوں کے خروج اموی و عباسی خلفاء کے خلاف

نمبر شمار	کس نے خروج کیا	کب اور کہاں کیا	کس خلیفہ کے خلاف کیا
۱	حضرت حسین بن علیؓ بن ابی طالب	۶۱ھ کربلا (کوفہ)	امیر المومنین یزید بن امیر معاویہؓ اموی
۲	زید بن علی (زین العابدین) بن الحسینؓ	۱۲۲ھ کوفہ	امیر المومنین ہشام بن عبد الملکؒ اموی
۳	یحییٰ بن زید بن علی (زین العابدینؒ)	۱۲۶ھ خراسان	امیر المومنین الولید بن یزیدؒ اموی
۴	عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیارؓ	۱۲۷ھ کوفہ	مروان بن محمدؒ اموی

۱- حضرت حسینؓ کے اقدام خروج اور کربلا پہنچ کر اپنے موقف سے رجوع کر لینے کے حالات و واقعات پہلی کتاب میں درج ہو چکے ہیں۔ یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اسلام میں ولاۃ الامر (حاکمان وقت) کے خلاف پہلا خروج آپ ہی کا تھا۔

۲- جناب زیدؒ نے بھی اپنے دادا حضرت حسینؓ کے ناکام خروج کے ٹھیک باسٹھ برس بعد امیر المومنین ہشامؒ جیسے نیک اعمال خلیفہ کے خلاف خروج کیا۔ جن کو الامامۃ والسیاسۃ جیسی کتاب کے غالی مولف نے بھی محمود السیرۃ میمون النقیبۃ (نہایت شریف مزاج) بتایا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے عہد میں لوگ بڑے امن وسکون اور راحت سے تھے۔ اور انہوں نے اپنی خلافت میں گیارہ حج کئے تھے۔ حج احدی عشرۃ حجۃ وھو خلیفۃ۔ (ص۱۳۶ ج۲ الامامۃ والسیاسۃ)

شاید یہ تعداد صحیح نہ ہو بہرحال جناب زید کا علم بغاوت بلند کرنا بھی کبیدگی خاطر کی بنا پر تھا۔ کوئی اصولی بات نہ تھی۔ مورخ طبری نے کئی روایتیں ان تنازعات کی بیان کی ہیں۔ جو زید کے اور ان کے چچیرے بھائیوں کے درمیان رہتے تھے۔ حضرت علیؓ کے اوقاف کے بارے میں عبداللہ المحض بن حسن مثنیٰ بن الحسنؓ سے جھگڑا تھا جس کے تصفیہ کے لئے خلیفہ ہشامؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ حسنی اور حسینی دو پارٹیاں اس بارے میں ہو گئی تھیں۔ اول الذکر کے سرگروہ جعفر بن حسن مثنیٰ تھے۔ اور حسینی پارٹی کے سرگردہ زید مذکور تھے (طبری جلد ۸ ص۲۶۶) مگر خلیفہ ہشامؒ کے فرمان موسومہ عامل عراق

سے ظاہر ہوتا ہے کہ عمر بن الولید اموی سے ان کا کچھ تنازعہ تھا۔ وقد قدم زید بن علیؑ علی امیر المومنین فی خصومۃ عمر بن الولید ففصل امیر المومنین بینھما (طبری ج ۸ ص۲۶۰)

امیر المومنین کے فیصلہ سے زید مطمئن نہ ہوئے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ خالد بن عبداللہ القسری کا مال عہدہ سے معزولی کے وقت زید اور داؤد بن علی عباسی کی تحویل میں تھا جس کی وجہ سے دونوں کو گرفتار کر لیا گیا تھا، یہ امر بھی موجب ناراضی تھا۔ جسمانی اعتبار سے لحیم شحیم سانولے رنگ کے تھے؛ رنگ اور جثہ اپنی والدہ ماجدہ سے پایا تھا جو جیدن نام اُم ولد سندھن تھیں (المعارف ابن قتیبہ ص۹۴ و طبری ج ۸ ص۲۶۰)

امیر المومنین کی خدمت میں بالائی منزل پہ جانا پڑا۔ زینہ پر چڑھتے ہوئے سانس پھول گیا۔ خلیفہ نے عزت و اکرام سے اپنے پہلو میں بٹھایا، جس کو غالی راویوں نے مسخ کر کے بیان کیا ہے۔ دیگر افرادِ بنی ہاشم کی طرح زید کو بھی معقول رقم وظیفہ کی ملتی تھی۔ انہوں نے مقررہ رقم سے زاید کئی لاکھ درہم ادائیگی قرضہ کے لئے طلب کئے۔ امیر المومنین ہشامؒ طبعاً کفایت شعار تھے، اپنے عہد خلافت میں وظائف کے دواوین (رجسٹر) اس عمدگی سے مرتب کئے تھے کہ جب شروع عہدِ خلافت عباسیہ میں شام کے گورنر عبداللہ بن علی بن عبداللہ بن العباسؓ نے خلفائے بنی امیہ کے دواوین جمع کرائے تو ان سب میں پبلک اور سلطنت دونوں کے مفاد کے لئے بہترین رجسٹر خلیفہ ہشام کے پائے گئے۔ خلیفہ موصوف نے زید کا مطالبہ یہ کہہ کر نامنظور کر دیا کہ کہاں تک آپ کو بھاری رقمیں دی جائیں، اپنے وظیفہ کی رقم پر اکتفا کیجئے۔ حصول مقصد میں ناکامی کے باعث مزاج میں اور برہمی پیدا ہوئی، کچھ عرصہ بعد سبائی کوفیوں کی فتنہ پرداز جماعت نے چالیس ہزار کوفیوں کی بیعت کا وعدہ کر کے حصولِ خلافت کا سبز باغ دکھایا اور خروج پر آمادہ کر لیا۔ عزیزوں ہمدردوں نے بہت کچھ سمجھایا اور اس غلط اقدام سے باز رکھنے کی کوششیں کیں۔ داؤد بن علی بن عبداللہ ابن العباسؓ نے جو ابن عم ہونے کے علاوہ ان کے گہرے دوست بھی تھے، کوفیوں کی غداری کی مثالیں پیش کیں اور کہا:۔

"کیا یہ وہی لوگ نہیں ہیں جنہوں نے تمہارے جد امجد علیؓ بن ابی طالب کا جو تم سے بدرجہا بہتر تھے، ساتھ چھوڑ دیا تھا اور قتل کرا دیا تھا؟ کیا یہ وہی لوگ نہیں جنہوں نے حسن بن علیؓ سے پہلے بیعت کی پھر ان ہی پر حملہ آور ہوئے، ان کی گردن سے چادر تک گھسیٹ لی، خیمہ ان کا لوٹ لیا اور زخمی کیا؟ کیا یہ وہی لوگ نہیں جنہوں نے خود تمہارے دادا حسین بن علیؓ کو تحریر بھیجکر، قسمیں کھا کھا کر اور وفاداری کے حلف اٹھا کر خروج پر آمادہ کیا، پھر ان ہی سے غداری کی۔ یہاں تک کہ ان کو بھی مع ساتھیوں کے قتل کرا دیا۔ پس تم تو ایسا مت کرو، ان کے ساتھ مت جاؤ۔"

(طبری ج ۸ ص۲۶۵)

لیکن زید نے مخلص عزیزوں اور دوستوں کی باتوں پر مطلق دھیان نہ دیا، اور ایک ایسے خلیفہ کے خلاف خروج کرنے پر آمادہ ہو گئے جو خونریزی پسند نہ کرتے تھے۔ وکان هشام من اکره الناس لسفك الدماء (البدایہ والنہایہ ج ۹ ص۳۵۲) جناب زید اور ان کے ساتھیوں کی اس بغاوت کے فرو کرنے کے لئے جو حکم نامہ عاملِ عراق کو بھیجا تھا۔ اس میں صاف تحریر تھا کہ:۔

"ان پر (یعنی زید اور ان کے ساتھیوں پر) اتنا بوجھ ڈالنا اور تکلیف دینا کہ وہ لوگ وہاں سے اس طرح نکل جائیں کہ سب سلامت رہیں، خون نہ بہنے پائے اور عوام الناس کو امن و چین حاصل ہو، یہ باتیں مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہیں کہ ان کا خون بہے، ان کی بات بگڑ جائے اور ان کی نسل مٹ جائے۔ جماعت اللہ کی مضبوط رسی ہوتی ہے"

اس حکم میں خاص ہدایت یہ بھی تھی کہ سپاہیوں کو ممانعت کر دو کہ باغیوں کے گھروں، اور احاطوں کے اندر داخل نہ ہوں۔ وتخیلك ان ینزلوا حریمھم ودورھم (طبری ج ۸ ص۲۶۶)

مگر جناب زید کے ساتھیوں نے حملہ میں پیش قدمی کی، سرکاری فوج کے جوابی حملہ سے ان کی پیشانی پر تیر آ لگا جس سے جانبر نہ ہو سکے۔ ساتھی لاش اٹھا کر لے گئے اور ایک گڑھے میں دفن کر دیا۔ سبائیوں نے ان کو بھی جنہوں نے متفق علیہ خلیفہ کے خلاف اپنی حکومت قایم کرنے کے لئے بغاوت کی اور خروج عن الجماعت کا ارتکاب کیا تھا، شہید سے ملقب کر کے "زید الشہید" کہنا شروع کیا اور ان کی تقدیس میں حدیثیں وضع کر ڈالیں جن میں سے ایک اکذب الاحادیث یہ ہے:۔

أخرج الحافظ عن حذیفۃ بن الیمان ان النبیؐ نظر الی زید بن حارثۃ فقال المظلوم من اھل بیتی سمی ھذا والمقتول فی اللہ والمصلوب من أمتی سمی ھذا واشار الی زید بن حارثۃ ثم قال: ادن منی یا زید زادك اللہ حبا عندی فانك سمی الحبیب من ولدی زید (صحیح الاسلام الشاشی بحوالہ تاریخ ابن عساکر)

حافظ نے حذیفہ بن الیمان سے روایت کی ہے کہ نبی صلعم کی نگاہ (حضرت) زید بن حارثہ کی طرف اٹھی تو فرمایا میرے اہل بیت میں سے ایک مظلوم کا نام یہی ہوگا۔ اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے اور میری امت میں سے سولی پر لٹکائے جانے والے کا یہی نام ہوگا زید بن حارثہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ زید مجھ سے قریب تر ہو جاؤ، تمہاری محبت اللہ (میرے دل میں)

واضح رہے کہ یہ زید بن حارثہؓ جن کا اس وضعی حدیث میں ذکر ہے۔ رسول اللہ صلعم کے محبوب و متبنیٰ اس زمانہ سے "زید بن محمدؐ" اور "حب رسول اللہ" کہلاتے تھے، جب حضرت فاطمہؓ کی ولادت میں کئی برس کی مدت باقی تھی چہ جائیکہ ان کی شادی یا ان کی اولاد کے ہونے نہ ہونے کا کوئی خیال یا ذکر ان کے عالم وجود میں آنے سے پہلے یا بعد میں اس طور سے کیا جاتا جیسا اس وضعی حدیث میں کیا گیا ہے کس قدر بعید از قیاس ہے۔

جناب زید کے لاشہ کے سولی پر لٹکائے جانے یا سر کاٹ کر امیر المومنین ہشامؒ کے پاس بھیجے جانے کی روایتیں سبائیوں کی وضع کردہ محض بے اصل ہیں۔ کبھی تو یہ کہا ہے کہ زید کا سر خلیفہ کے پاس دمشق بھیجا گیا، شہر کے دروازہ پر آویزاں رہا پھر فرمایا ہے کہ مدینہ بھیجا گیا جہاں دفن ہوا۔ کبھی بیان ہوا ہے کہ مصر بھیجا گیا۔ وہاں جامع ابن طولون کے پاس سپرد خاک کیا گیا۔ روایتوں کا یہ تخالف و تضاد ہی ان کے وضعی ہونے کی صاف دلیل ہے؟ حب جاہ کے ذاتی مقصد کے لئے بغاوت میں جو مارا جائے اس کو "شہید" قرار دینے کے لئے اسی قسم کی روایتیں گھڑی جاتی رہی ہیں۔

جناب زید کے تین بیٹے تھے یعنی یحییٰ (جن کا ذکر آگے آتا ہے) اور حسینؒ عیسیٰ حسین بن زید کے بڑے بیٹے اور آٹھ بیٹیاں تھیں جن میں سے ایک بیٹی جو ان کی زوجہ خدیجہ بنت عمر بن علی بن حسینؓ کے بطن سے تھیں۔ امام محمد بن ابراہیم الامام عباسیؒ کے عقد میں تھیں (صـ۶۶ کتاب نسب قریش)

جناب زید نے شیخین (حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ) کی بزرگی و فضیلت اور ان کے احترام و محبت کا اقرار کیا تھا اس لئے ان کے ساتھیوں کی ایک جماعت نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا جن کو خود انہوں نے رافضی کہا۔ ان کی نسل کے بعض اشخاص طبرستان میں عرصہ تک حکمراں رہے اور اب بھی یمن میں زیدی خاندان حکمراں ہے۔ ہندوستان کے مشہور شیخ طریقت الشیخ یوسف راجو قتالؒ متوفی ۷۳۱ھ کا سلسلہ نسب بھی جناب زید سے متصل کیا جاتا ہے۔ شجرۂ نسب میں غلطی سے یحییٰ بن زید کی اولاد میں لکھا ہے۔ حالانکہ یحییٰ مذکور کے اولاد نرینہ نہ تھی، ان کے علاوہ سید محمد گیسو دراز مدفون گلبرگہ (دکن) اور ہندوستان کے بعض قدیم خانوادہائے مشائخ و علماء نیز خاندان صدر جہاں قنوجی و زیدیان سنبھل و سامانہ و زیدیان رسولدار اور بعض خاندان سکنہ اضلاع بجنور، مرادآباد وغیرہ جناب زید کی نسل سے بتلائے جاتے ہیں۔

۳۔ ؎ جناب زید بن علی (زین العابدینؒ) کے منجملہ تین بیٹوں کے ایک یحییٰ تھے جو اپنے والد کے خروج کے وقت ان کے ساتھ تھے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً بیس برس کی تھی۔ خروج کی ناکامی اور والد کے مقتول ہو جانے پر اس ہاشمی نوجوان کو ایک اموی خلیفہ زادہ۔ الحکم بن بشر بن مروانؓ نے اپنے پاس پناہ دی (جمہرۃ الانساب ابن حزم صـ۹۸) مگر کچھ عرصہ کے بعد سبائیوں نے ان کو بھی ورغلانا شروع کیا، کوفہ سے خراسان چلے گئے۔ وہاں کے گورنر نصر بن سیار نے گرفتار کرا لیا لیکن خلیفہ الولید کے حکم سے رہا ہوئے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد خراسان ہی میں خروج کر کے مقتول ہوئے۔ ان کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ صرف ایک بیٹی تھی جو بچپن ہی میں فوت ہو گئی تھی۔ تقریباً سو سال بعد حبشیوں کے سردار نے جو عبد القیس کے قبیلہ سے تھا۔ یحییٰ مذکور کی اولاد میں ہونے کا دعویٰ کر کے بغاوت کی تھی جس کا حال اپنے محل پر آگے آتا ہے۔

۴۔ ؎ عبد اللہ بن معاویہ جعفری کے خروج کو بھی ایک شیعہ فرقہ نے "جہاد" سے تعبیر کیا، ان کو "مہدی" کہا اور ان کے ظہور کے منتظر رہے۔ ولہ شیعۃ ینتظرون۔ علامہ ابن حزم نے ان کے متعلق کہا ہے۔ کان غایۃ فی الفسق (بڑے فاسق تھے یحییٰ ابن مطیع و عمارہ بن حمزہ جیسے دہریوں سے ان کا بہت ربط ضبط تھا۔ (البدایہ والنہایہ ج۱۰ صـ۳۳ و جمہرۃ الانساب ابن حزم صـ۶۱) خروج کی ناکامی کے بعد مختلف علاقوں میں چھپتے پھرے۔ آخر میں ابو مسلم خراسانی نے گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ مؤلف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب کے بیان کے مطابق ہرات میں فوت ہوئے جہاں ان کی قبر ہے جس کو مؤلف مذکور نے ۷۷۲ھ میں دیکھا تھا۔ ان کا ایک بیٹا جس کا نام ان کے والد کے نام پر معاویہ تھا۔ شر اور فساد میں اپنے باپ کے قدم بقدم تھا و کان

؎ ابنہ اسمہ معاویۃ نظیر ابیہ فی الشر (جمہرۃ الانساب صـ۶۱) اس قماش کے شخص کو بھی غالی راویوں نے تقدیس کا جامہ پہنانے کی کوشش کی ہے اور شہید کہا ہے۔

نمبر شمار	کس نے خروج کیا	کب اور کہاں کیا	کس خلیفہ کے خلاف کیا
۵	عیسیٰ بن زید بن علی (زین العابدین)	سنہ ۱۳۸ھ کوفہ	امیر المومنین ابوجعفر المنصور عباسیؒ
۶	محمد الارقط بن عبد اللہ بن حسن بن الحسن بن علیؓ	سنہ ۱۴۵ھ مدینہ	"

۵ ؎ ابو مسلم خراسانی کے تمرد و سرکشی کی بنا پر جب اس کو قتل کرا دیا گیا اس کے ہوا خواہوں کی مدد سے عیسیٰ بن زید بن علی بن الحسینؓ نے کوفہ کے نواح میں انقلاب سلطنت کے لئے

خروج کیا الامامۃ والسیاسۃ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ ان کے ساتھ ایک لاکھ بیس ہزار انقلابی جماعت ہو گئی تھی (ص۱۷۵) شاید یہ تعداد مبالغہ آمیز بیان کی گئی ہے، کیونکہ بہت جلد ان کو ہزیمت ہو گئی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ عیسیٰ بن زید مذکور محمد الارقط و ابراہیم کی بغاوتوں میں ان کے ساتھ رہے تھے۔ ناکامی کے بعد چھپتے پھرے امیر المومنین المنصورؒ نے جب سب لوگوں کے قصور معاف کر دئیے تھے اور امان دیدی تھی۔ یہ برابر چھپے رہے اور اسی حالت میں امیر المؤمنین موسیٰ الہادیؒ کے زمانہ میں فوت ہوئے۔ مرتے وقت اپنے دو خوردسال بیٹوں کے لئے وصیت کر گئے کہ ان کو عباسی خلیفہ کے پاس پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ ان کے رفیق حاضر نام ان بچوں کو لے کر امیر المومنین کے پاس حاضر ہوا، اور ان کے انتقال کی خبر سنا کر کہا یا امیر المومنین انہ ترک طفلین ولم یترک عنہما شیئاً واوصانی ان اسلمہما الیک فامر الہادی باحضارہما فادخلا علیہ فوضعہما علی فخذہ وبکی بکاءً شدیداً (ص۲۷۹ عمدۃ الطالب)

یعنی اے امیر المومنین انہوں نے (عیسیٰ بن زید نے) یہ بچے چھوڑے ہیں اور ان کے لئے کوئی شے نہیں چھوڑی، انہوں نے (مرتے وقت) مجھے وصیت کی تھی کہ ان بچوں کو آپ کے پاس پہنچا دوں۔ اس پر خلیفہ الہادیؒ نے ان بچوں کو سامنے بلوایا جب وہ آئے انہیں اپنے زانو پر بٹھایا اور (عیسیٰ بن زید) کی موت پر گریہ و بکا کیا خلیفہ نے ان بچوں کا وظیفہ مقرر کر کے بغرض پرورش اہل خاندان کے پاس بھیج دیا۔

۶۔ لقب ان کا الارقط تھا۔ علامہ ابن حزمؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ھو القائم بالمدینۃ ویلقب الارقط (ص۴۲ جمہرۃ الانساب) انہوں نے مدینہ میں خروج کیا۔ لقب ان کا ارقط تھا۔ بڑے بہادر و شجیع اور نڈر تھے سیاسی چالیں خوب جانتے تھے۔ یہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے سیاسی مقاصد کے لئے اپنے کو "مہدی" کہا اور کہلوایا۔ سبائیوں نے ان کے خروج کو بعد میں بہت شہرت دی اور وضعی حدیثوں اور روایتوں کے ذریعہ "النفس الذکیہ" ان کا لقب رکھا اس لئے بھی ان کے خروج کا حال قدرے تفصیل سے لکھنا ضروری ہوا۔

محمد الارقط کے دادا حسن بن الحسنؓ اپنے والد ماجد کے ہمنام ہونے کی وجہ سے حسن مثنیٰ کہلاتے زوجہ ان کی فاطمہ بنت الحسینؓ تھیں۔ حضرت حسینؓ جب سیاسی اقتدار کے حصول کی غرض سے کوفہ جانے لگے ان کے یہ داماد بھی مع اپنی زوجہ کے ان کے ساتھ گئے، لڑائی میں مجروح ہوئے مگر اپنے خاندان کے چند دیگر اشخاص کی طرح یہ بھی صحیح سلامت واپس آگئے۔

(مقاتل طالبین ص۱۱۹
و ناسخ التواریخ ج ۶ و عمدۃ الطالب ص۹۷)

حسن مثنیٰ کے چھ بیٹے تھے، منجملہ ان کے محمد الارقط کے والد عبداللہ تھے جو ماں باپ دونوں کے ہاشمی النسب ہونے کی بنا پر عبداللہ المحض کہلائے۔ یہ اپنے خاندان کے ممتاز اشخاص میں سے تھے اور سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے بڑے حریص۔ آخری اموی خلیفہ مروان بن محمدؒ کے زمانے میں عباسی داعیوں کے ذریعہ جو عباسی امام کے زیر ہدایت بلاد عجم خاص کر خراسان میں کام کر رہے تھے۔ دعوت عباسی وسیع پیمانہ پر پھیل چکی تھی۔ اس زمانہ میں جب ایک عباسی داعی کا قاصد ابراہیم امام عباسیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حسب روایت شیعی مؤلف عمدۃ الطالب اس نے امام موصوف کو یہ اطلاع دی کہ قد اخذت لک البیعۃ بخراسان واجتمعت لک الجیوش (خراسان میں آپ کی بیعت لے لی گئی ہے اور لشکر آپ کے لئے اکٹھے ہو گئے ہیں) ان حالات کا عبداللہ المحض کو علم ہوا تو عباسی امام پر ایسا رشک و حسد ہوا کہ خط کے ذریعہ اموی خلیفہ کو اس کی مخبری کر دی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ میں ابراہیم امام کی اس کارروائی سے بری الذمہ ہوں (انی بری من ابراھیم وما احدث) اموی خلیفہ نے ابراہیم امامؒ کو گرفتار کرا لیا اور عبداللہ المحض کو اس مخبری کے صلہ میں دس ہزار دینار عطا کئے (مقاتل الطالبین ص۲۵۶ و ص۲۵۹) عباسی امام کی گرفتاری کے بعد جن کی بعد میں غیر طبعی موت واقع ہوئی ان کے سب بھائی بھتیجے جو تعداد میں ۱۴ تھے اور ملک شام و حجاز کے درمیانی سرحدی مقام حمیمہ میں نظر بند تھے بسرعت تمام روانہ ہو کر اپنے طرفداروں اور داعیوں کے پاس کوفہ پہنچ گئے اور اس کے چند دن بعد ہی امام ابو العباس عبداللہؒ کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہو کر انقلاب حکومت ہو گیا۔

عباسی داعی، ابو سلمہ الخلال "جو وزیر آل محمدؐ" کہلاتا تھا (یعنی خاندان محمدؐ کا وزیر) وہ بقول شیعی مؤلف عمدۃ الطالب، یہ چاہتا تھا کہ خلافت کو عباسیوں کے بجائے آل علیؓ کی طرف پھیر دے۔ مگر اس کے دوسرے ساتھی اور عباسی نقیب اس کے اس ارادہ میں مانع آئے (واراد ابو سلمۃ الخلال ان یحول الخلافۃ الی آل علی بن ابی طالب فغلبہ بقیۃ النقباء والامراء (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص۴۲) شیعی مؤلف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب نے بیان کیا ہے

کہ ابوسلمہ الخلال نے آل عباسؓ و آل علیؓ کے درمیان مجلس شوریٰ منعقد کرنی چاہی تاکہ ہاشمی خاندان کے یہ حضرات اپنے میں سے کسی کو خلافت کے لئے خود نامزد کرلیں۔ عباسی اکابر تو اس کے پاس موجود ہی تھے۔ علویوں کو بلانے کے لئے اس نے اپنے معتمد خاص کے ذریعہ تین خطوط مدینہ بھیجے۔ ایک جناب جعفر (الصادق) کو دوسرا ان کے چچا عمر بن علی بن الحسینؓ کو اور تیسرا عبداللہ المحض مذکور کو۔ مؤلف عمدۃ الطالب کا بیان ہے کہ جناب جعفر (الصادق) نے خط لینے سے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ ابوسلمہ سے ہمارا کوئی واسطہ و تعلق نہیں وہ دوسروں کا طرفدار (شیعہ) ہے (ما انا وابو سلمہ ھو شیعۃ غیری صنٌ) عمر بن علی بن الحسینؓ نے بھی خط نہ لیا اور فرمایا میں اس کے لکھنے والے کو نہیں جانتا کہ جواب دوں (ما اعرف کاتبہ فاجیبہ) عبداللہ المحض نے خط لے لیا اور مشورہ کی خاطر جناب جعفر (الصادق) کے پاس آئے اور کہا کہ ابوسلمہ نے آل محمدؐ میں سے ایک خلیفہ کی نامزدگی کے سلسلہ میں خط بھیجا ہے دوسروں کے مقابلہ میں وہ مجھے اس کا زیادہ مستحق سمجھتا ہے۔ (وھو انی احق الناس بہ) جناب جعفرؒ نے فرمایا:۔ ابوسلمہ تو تمہارا داعی نہیں: تم نے کب اسے خراسان بھیجا تھا اور کب داعیوں کا سیاہ لباس مقرر کیا تھا، کیا تم ان میں سے کسی کو جانتے پہچانتے ہو۔ نہ تم ان کو جانتے ہو اور نہ وہ تم کو۔ یہ دولت و حکومت جس کی تم تمنا کرتے ہو وہ ان دوسرے لوگوں کے لئے ہے۔ تمہارے لئے نہیں اور نہ آل ابی طالب میں سے کسی اور کے لئے (فان ھذہ الدولۃ ستتم لھؤلاء القوم ولا انتم ولا لاحد من آل ابی طالب صنٌ) جناب جعفرؒ کی اس صاف گوئی پر عبداللہ دم بخود رہ گئے۔ نہ ابوسلمہ کو کچھ جواب دیا اور نہ کوفہ گئے۔ آل عباسؓ کے داعی جو پچیس تیس برس پہلے سے عباسی امام کے لئے تحریک چلا رہے تھے، انہوں نے حسب وصیت ابراہیم الامامؒ ابوالعباس عبداللہؒ کے لئے بیعت لے لی۔ ایسی ہی ایک اور حکایت سبائیوں نے وضع کی ہے کہ ہاشمی خاندان کا ایک جلسہ ہوا جس میں جناب جعفرؒ، عبداللہ المحض اور ان کے بیٹے محمد الارقط نیز عباسیوں میں سے جناب ابوجعفر المنصورؒ موجود تھے، خاندان نبوت میں سے ایک فرد کو خلافت کے لئے منتخب کرنا تھا، جب محمد الارقط کا نام لیا گیا، جناب جعفرؒ نے فرمایا کہ آپ لوگ غلطی کر رہے ہیں، یہ حکومت تو اس زرد قبا والے کے لئے ہے (یعنی ابوجعفر المنصورؒ کے لئے جو اس وقت زرد قبا پہنے ہوئے تھے (الفخری) مسٹر جسٹس امیر علی نے اپنی کتاب "تاریخ عرب" میں اس کو نقل کرتے ہوئے جناب جعفرؒ کی موجودگی سے انکار کیا ہے، لیکن یہ روایتیں بے حقیقت قرار پاتی ہیں، جب اس کا لحاظ کیا جائے کہ آل عباسؓ کی یہ تحریک پہلی صدی ہجری کے بعد ہی سے اس وقت سے جاری تھی جب محمد

الارقط سن تمیز کو بھی نہیں پہنچے تھے۔ بہرکیف مخبری کی کارروائی سے جو ابراہیم الامام عباسیؒ کے خلاف کی تھی، عبداللہ المحض کو شرم و حجاب دامن گیر تھا، تاہم خلافت عباسیہ کے قیام کے بعد وہ امیرالمومنین ابوالعباس السفاحؒ[1] کی خدمت میں حاضر ہوئے فیاض طبع خلیفہ نے عطیات و گرانبہا وظائف سے دریغ نہ کیا (یعطیہ الجزیل (ان کو گرانبہا عطیات دئے) ایک اور مرتبہ جب عبداللہ امیرالمومنین کی خدمت میں آئے تو انہوں نے ان کو اپنے ہی پاس ٹھہرایا۔ مورخ طبری کا بیان ہے قدم عبد اللہ بن حسن علی ابی العباس (السفاحؒ) بالانبار فاکرمہ وحباہ و قربہ وادناہ ووضع بہ شیئاً لم یصنعہ باحد۔ طبری ج ۸ صلنا) یعنی عبداللہ بن حسن جب (امیرالمومنین) ابی العباس (السفاح) کے پاس انبار میں پہنچے انہوں نے عزت و توقیر کی محبت کا برتاؤ کیا، عزیز کی طرح اپنے ہی پاس ٹھہرایا اور ان کے ساتھ ایسی بات (الطاف و احسان کی) کی جو کسی کے ساتھ بھی نہ کی تھی۔ اس کے بعد اس شیعہ مورخ نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جب رات کو انہیں اپنے قریب شب باش کیا ایک صندوقچہ جواہرات سے مملو منگوایا، اسے کھول کر آدھے جواہرات ان کو عطا کئے اور بقیہ نصف اپنی حرم محترم کے پاس امانت رکھوائے عبداللہ اس عطیہ سے اتنے مسرور ہوئے کہ ان کی زبان سے بے ساختہ چند شعر ادا ہو گئے۔ جن سے رشک و

---

[1] لغت میں السفاح اس شخص کو کہتے ہیں جو طبعاً فیاض ہو اور بخشش و عطا میں دریا دل، مہمان نوازی کے لئے جانوروں کو ذبح کرائے۔ مشہور مستشرق دی خوے (DE GOEJE) نے لکھا ہے کہ خلیفہ السفاح کو اسی وجہ سے السفاح کہا گیا کہ انہوں نے لوگوں کو مال و دولت و عطایا کثرت سے دئے۔ زمانۂ جاہلیت میں سلامہ بن خالد کو بھی اسی وجہ سے السفاح کہتے تھے کہ اس نے الکلاب کی لڑائی کے موقع پر اپنے سپاہیوں کے لئے دودھ و شربت پینے کے لئے مشکیزوں کے منہ کھول دئے تھے۔ (تاریخ ادبیات عرب نکلسن صـ۲۵۳) کذابین نے السفاح کے یہ معنی مشتہر کئے کہ علویوں کی خونریزی یا امویوں کے بکثرت قتل کرانے سے یہ لقب پڑا جو سراسر کذب بیانی ہے۔ امیرالمومنین عبداللہ السفاحؒ نے کسی ایک علوی یا اموی کو بھی قتل نہیں کرایا۔ نہر ابی فطرس پر جو اموی قتل ہوئے امیرالمومنین کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ لقب ان کی دریا دلی کی بنا پر اختیار کیا گیا تھا کوئی شخص اپنے منہ سے اپنے کو خوں ریز نہیں کہہ سکتا۔ ان کے چچا عبداللہ بن علی جنہوں نے ملک شام میں بنی امیہ کی خونریزی کی تھی وہ بقول الامامۃ والسیاسۃ السفاح الشام کہلاتے (صـ۱۵۶) اس مؤلف نے امیرالمومنین ابوالعباسؓ کے نام کے ساتھ السفاح نہیں لکھا۔

حسد کا بھی اظہار ہوتا تھا۔ امیر المومنین کو ان کی زبان سے اس قسم کے اشعار سن کر کبیدگی ضرور ہوئی مگر اس عالی ظرف نے محبت کے برتاؤ میں کمی نہ کی۔ دوسری مرتبہ جب عبد اللہ مذکور حاضر ہوئے بھرے دربار میں قرآن شریف بغل میں دبا کر لائے اور کہنے لگے:۔

اے امیر المومنین! ہمارا وہ حق ہمیں دیجئے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ہمیں دیا ہے:۔

امیر المومنین ابو العباس عبد اللہ السفاحؒ بڑے حاضر جواب تھے بلا ایک لمحہ کے توقف کے انہوں نے برجستہ جواب دیا اور فرمایا:۔

تمہارے جد امجد علیؓ بن ابی طالب جو مجھ سے برتر اور زیادہ عدل کرنے والے تھے جب وہ خلیفہ ہوئے تو کیا انہوں نے تمہارے دونوں بزرگوں (حسنؓ حسینؓ) کو جو تم سے زیادہ بہتر اور برتر تھے اس سے کچھ زیادہ دیا تھا جو آج تمہیں دیا جاتا ہے (ص۵۹ ج ۱۰ البدایہ والنہایۃ) عبد اللہ اس برجستہ جواب پر سٹپٹا کے رہ گئے مگر ان کے دل سے طلب حکومت کا خیال کبھی نہ گیا۔

ان کے چھ بیٹے تھے جو سب کے سب عزم و حوصلہ کے ہوئے اور تقریباً سب نے حکومت وقت کے خلاف باوقات مختلف خروج کئے ان کی بغاوتوں کے حالات اسی سلسلہ میں آگے بیان ہوتے ہیں۔ محمد الارقط وابراہیم وموسیٰ یہ ایک ماں ہند بنت ابی عبیدہ کے بطن سے تھے محمد الارقط نے کئی سال متواتر خروج کی تیاری کی، عوام پر اثر ڈالنے کے لئے اپنے کو "مہدی" کہا، محمد اور ابراہیم دونوں بھائی یمن سے سندھ آئے مگر ان ہی کے ابن عم حسن بن زید بن الحسینؓ نے جو خلافت عباسیہ کی طرف سے عامل مدینہ تھے۔ جب ان کی مخبری کی یہاں سے بھی دوسری جگہ چلے گئے۔ ثم سارا الی السند فاختفیا بھا فدل علی مکانھما الحسن بن زید دھر بالی موضع آخر البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص۸۱) امیر المومنین نے بہتیری کوشش کی کہ باغیانہ سرگرمیوں سے باز آجائیں خط و کتابت بھی ہوئی مگر یہ باز نہ آئے اور ۱۴۵ھ میں مدینہ میں خروج کر دیا۔

امیر المومنین ابو جعفر المنصورؒ نے اس بغاوت کے استیصال کے لئے جو لشکر بھیجا تھا اس کے امیر عسکر عیسیٰ بن موسیٰ عباسی کو خاص ہدایت کی تھی کہ اہل مدینہ کو، جو محمد الارقط کے ساتھ ہو گئے ہوں اول نصیحت کرنا کہ جدال و قتال سے محترز رہیں۔ چنانچہ سرکاری لشکر کے سردار نے بالاعلان کہا:۔

اے اہل مدینہ! تمہارا خون بہانا ہمارے لئے حرام ہے، جو لوگ تم میں سے ہمارے پاس چلے آئیں ان کو امان ہے، جو مدینہ سے باہر چلے جائیں ان کو امان ہے اور جو

اپنے گھروں کے اندر بیٹھے رہیں ان کو امان ہے اور جو ہتھیار رکھ دیں ان کو امان ہے ہم تو صرف محمد الارقط کو گرفتار کر کے امیر المومنین کے حضور میں پیش کرنا چاہتے ہیں" (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص۸۸)

چنانچہ اس اعلان پر بہت سے لوگ قتال و جدال سے محترز رہے۔ عسکر خلافت سے احجار زیت مقام پر ان کا اور ان کے مٹھی بھر ساتھیوں کا مقابلہ ہوا، محمد مذکور بڑی بہادری سے لڑے اور ساتھیوں کے مارے جانے کے باوجود بھی برابر میدان میں ڈٹے تیغ زنی کرتے رہے، اس حالت میں ان کے ایک زبیری ساتھی نے شکست ہوتے دیکھ کر بھاگ چلنے کو کہا۔ مگر میدان سے نہ ہٹے اور مقتول ہوئے امیر المومنین المنصورؒ سے جب کسی نے یہ غلط بات کہی کہ محمد الارقط معرکۂ قتال سے ہٹ گئے تھے انہوں نے اس پر فرمایا تھا ھذا لا یکون فانا اھل البیت لا نفر (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص۹۰) یعنی یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ہم اہل بیت (میدان چھوڑ کر) بھاگا نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ محمد الارقط کے پاس حضرت علیؓ کی مشہور تلوار "ذو الفقار" تھی ان کے مقتول ہونے پر عباسی سردار لشکر عیسیٰ بن موسیٰ کے قبضہ میں آئی یہ تلوار العاص بن منبہ کی تھی، جو مسلمانوں کے خلاف جنگ میں مارا گیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ تلوار حضرت علیؓ کو عطا فرما دی تھی (عمدۃ الطالب ص۳۵)

محمد الارقط خلقتاً ہکلے تھے، بولتے وقت گلے سے خرخراہٹ کی آواز نکلتی تھی ان کے خروج کی تائید میں جو جعلی حدیثیں وضع ہوئیں ان میں ان کی اس خصوصیت کا بھی لحاظ رکھا گیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ جیسے صحابی جلیل کی سند سے یہ وضعی حدیث عوام الناس پر اثر ڈالنے کی خاطر بیان ہوتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اولاد میں ایک "مہدی" ہوگا جس کا نام میرے نام پر اور جس کے باپ کا نام میرے والد کے نام پر ہوگا اس کی آواز میں خرخراہٹ ہوگی۔ فی لسانہ رتۃ (مقاتل الطالبین ص۲۴۳)

جناب جعفر (الصادقؒ) علمی ذوق کے بزرگ تھے۔ ان کو سیاسی چپقلش سے کوئی تعلق نہ تھا نہ روایتیں اگر صحیح ہیں جن میں انہوں نے محمد الارقط کے والد سے صاف فرما دیا تھا کہ یہ دولت و خلافت آل ابی طالب میں سے کسی کے لئے نہیں یہ تو زرد قبا والے (یعنی ابو جعفر المنصورؒ) کے لئے ہے پھر بھی یہ روایت وضع کی گئی کہ جناب جعفر (الصادقؒ) نے ایک مرتبہ محمد الارقط کے سوار ہوتے وقت ان کی رکاب تھام لی تھی۔ کسی نے اس پر اعتراض کیا تو فرمایا کہ یہ ہم اہل البیت کے مہدی

ہیں۔ ھذا امھد ینا اھل البیت (ص۸۳ عمدۃ الطالب) ان کی تقدیس وعظمت کے لئے طرح طرح کی روایتیں ان کے مقتول ہوجانے کے بعد سبائیوں نے وضع کیں مثلاً:۔

ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ ان کے دونوں کندھوں کے درمیان بیضۂ مرغ کے برابر ایک سیاہ خال ان کی پیٹھ پر تھا گویا معاذ اللہ مہر نبوت کی طرح (مقاتل الطالبین) انہی سبائیوں نے ان کا لقب "النفس الزکیہ" رکھا اور یہ جعلی حدیث اس کے لئے وضع کی:۔

روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہ قال تقتل باحجار الزیت من ولدی نفس زکیہ (ص۸۳ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ احجار الزیت پر میری اولاد میں سے ایک نفس زکیہ قتل ہوگا۔

نہج البلاغۃ کے مصنف نے بھی تقریباً ان ہی الفاظ میں یہی قول حضرت علیؓ سے منسوب کیا ہے اور مقاتل الطالبین کے مؤلف نے لکھا ہے کہ علمائے آل ابی طالب کے نزدیک "النفس الزکیہ" سے مراد ان ہی محمد الارقط ملقب "بمہدی" سے ہے۔ غرضیکہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی غرض سے خروج کرنے والے کی تقدیس میں حدیثیں اور روایتیں وضع ہوئیں اور سبائیوں کے وضع کردہ لقب "النفس الزکیہ" کو اتنی شہرت دی گئی کہ غیر شیعہ مؤلفین نام کے بجائے یہی لقب لکھتے رہے ہیں ان کی عظمت بڑھانے کے لئے سبائیوں نے یہ کذب بیانی بھی کی ہے کہ امام مالکؒ نے لوگوں کو ان کے ساتھ خروج کرنے کا فتویٰ دیا تھا اور خود بھی ان سے بیعت کی تھی:۔

وکان مالک بن انس الفقیہ قد افتی الناس بالخروج مع محمد وبایعہ ولذلک تغیّر المنصور علیہ۔ (ص۸۴ عمدۃ الطالب)

مالک بن انس الفقیہ نے لوگوں کو محمد کے ساتھ خروج کرنے کا فتویٰ دیا تھا اور خود ان سے بیعت کی تھی اور اسی وجہ سے المنصورؒ ان سے بگڑ گئے تھے۔

یہ سب کذب وافتراء ہے۔ دوسری جگہ اس پر تفصیلاً بحث ہوچکی اس لئے اس کا اعادہ یہاں ضروری نہیں۔

محمد الارقط کے مقتول ہوجانے کے بعد سبائیوں کی ایک جماعت نے یہ بھی کہنا شروع کیا کہ محمد مذکور قتل نہیں ہوئے غائب ہوگئے وہ شیطان تھا جو ان کے بجائے قتل ہوگیا، وہ ظہور

فرمائیں گے۔ مولف "الفرق بین الفرق" لکھتے ہیں:۔

وزعم جماعۃ المحمدیۃ ای جماعۃ محمد بن عبد اللہ ان الذی قتلہ جند المنصور بالمدینۃ انما کان شیطانا تمثل للناس بصورۃ محمد بن عبد اللہ بن حسن وھولاء یقال لھم (المحمدیۃ) من الرافضۃ للانتظار ھم محمد بن عبد اللہ بن حسن (ص۹۴)

جماعت محمدیہ یعنی محمد بن عبد اللہ کی جماعت جن کو مدینہ میں (خلیفہ) المنصور کے لشکر نے قتل کیا تھا یہ اعتقاد رکھتی ہے کہ وہ شیطان تھا جو بصورت محمد بن عبد اللہ بن حسن لوگوں کے سامنے ہوگیا تھا (وہ خود نہ تھے) یہ لوگ جنہیں رافضیوں میں المحمدیہ کہا جاتا ہے۔ محمد بن عبد اللہ بن حسن کے ظہور کے منتظر ہیں۔

محمد الارقط کے خروج کی بھی بالکل وہی کیفیت وحالت تھی جو اس قسم کی بغاوتوں کی عام طور سے رہی ہے۔ ان کے اپنے گھرانے کا بھی یہی حال تھا کہ بعض عزیز اور کنبے والے ان کے ساتھ تھے اور بعض ان کے خلاف حکومت کے طرفدار تھے۔ شیعی مؤرخ ونساب مولف عمدۃ الطالب نے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے کہ جناب علی بن الحسینؓ کے پوتے عبید اللہ بن حسین الاصغر بن علی بن الحسینؓ ان کی اس بغاوت کے سخت مخالف تھے، حتیٰ کہ محمد الارقط نے انہیں مار ڈالنے کی دھمکی بھی دی تھی:۔

وکان عبید اللہ قد تخلف عن بیعۃ النفس الزکیہ محمد بن عبد المحض فحلف محمد ان راٰہ لیقتلہ (ص۳۰۸)

اور عبید اللہ نے نفس الزکیہ محمد بن عبد اللہ المحض کی بیعت کرنے سے گریز کیا اس پر محمد مذکور نے قسم کھائی کہ وہ ان کو پا جائیں تو قتل کردیں گے

پھر یہی شیعہ مولف فرماتے ہیں کہ عبید اللہ مذکور کو عباسی خلیفہ نے مدائن میں اتنی بڑی جاگیر عطا کی تھی جس کی سالانہ آمدنی اسّی۸۰ ہزار دینار تھی:۔

ووفد عبید اللہ علی ابی العباس السفاح فاقطعہ ضیعۃ بالمدائن نقدہ کل سنۃ ثمانین الف دینار (ص۳۰۸)

اور عبید اللہ (امیر المومنین) ابو العباس السفّاح کی خدمت میں گئے انہوں نے مدائن میں ان کو جاگیر عطا کی جس کی سالانہ آمدنی اسّی ہزار دینار تھی۔

لیکن اس شیعی مورخ کو یہ خیال نہ رہا کہ امیر المومنین ابو العباس السفّاح کی وفات ۱۳۶ھ میں ہوئی تھی اور محمد الارقط نے اس کے نو برس بعد خروج کیا تھا۔ عطائے جاگیر کا تعلق ان کے

خروج کی مخالفت یا موافقت سے ہرگز نہیں تھا بلکہ یہ مزید ثبوت ہے امیر المومنین کی فیاض دلی وبخشش وعطا کا جس کی بناء پر ان کا لقب "السفاح" تھا۔ عبید اللہ ان کے دوسرے حسینی نسب عزیزوں کے علاوہ جو سب کے سب محمد الارقط کی اس بغاوت کے مخالف تھے خود ان کے بھائی موسیٰ اپنے ان دونوں بھائیوں محمد الارقط اور ابراہیم کے ناکام خروجوں کے بعد امیر المومنین ابوجعفر المنصورؒ کی خدمت میں بغداد حاضر ہوئے۔ وظائف وعطیات سے نوازے گئے۔ پھر انہوں نے بغداد ہی میں سکونت اختیار کرلی تھی۔

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۲۵)

کیا مندرجہ بالا حالات اور واقعات اس بات کا قطعی ثبوت نہیں کہ یہ خروج محض سیاسی مقاصد سے تھا، کوئی دینی بات ایسی نہ تھی کہ ائمہ مذہب کو فتاوے صادر کرنے پڑتے۔ کذابین نے یہ غلط بات مشہور کی کہ امام مالک نے محمد الارقط کے اس خروج کو "جہاد" سے موسوم کیا تھا اور اس کی موافقت میں فتویٰ بھی دیا تھا لیکن عجیب بات یہ ہے کہ دوسروں کو تو شرکت "جہاد" کی ترغیب دی لیکن خود شریک "جہاد" نہ ہوئے اور شرکت "جہاد" کا ثواب حاصل کرنے کے بجائے اس فتنہ کے زمانہ میں اپنے گھر کے اندر بیٹھے رہے "ولزم مالک بیتہ" (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۸۴) یعنی مالکؒ اپنے گھر کے اندر بیٹھے رہے اور جیسا کہ ان کے حالات میں بیان کیا گیا ہے اس وقت تک گھر سے باہر نہ نکلے جب تک باغیوں کا قلع قمع ہوکر امیر المومنین کے عامل کا دوبارہ تسلط قائم نہ ہوگیا۔

الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف نے لکھا ہے کہ خلیفہ المنصور نے اپنے ابن عم جعفر بن سلیمان بن العباس کو مدینہ کا گورنر مقرر کرکے بھیجا تاکہ فتنہ وشورش کا خاتمہ ہو ان کے پہنچنے پر امام مالکؒ کے حاسدوں نے ان پر یہ تہمت لگائی اور گورنر سے ان کی چغلی کھائی کہ نکث بیعت کا فتویٰ انہوں نے دیدیا تھا۔ وزعموا انہ یفتی بذلک اھل المدینۃ اجمعین (ص ۱۴۹ ج ۲ الامامۃ والسیاسۃ) اس پر گورنر نے ان کو سزا دی تھی۔ غالی مؤلف کی نیز دیگر سبائی راویوں کی بیان کردہ روایت کی حقیقت کا اندازہ اس وقت بخوبی ہوسکتا ہے جب امیر المومنین ابوجعفر المنصورؒ اور امام مالک کے باہمی تعلقات محبت واکرام کو بھی پیش نظر رکھا جائے جن کا تذکرہ دیگر مؤلفین کے علاوہ خود اسی مؤلف نے بھی کیا ہے، اور لکھا ہے کہ خلیفہ المنصورؒ جب حج کرنے مکہ آئے امام مالکؒ سے برابر ان کی ملاقاتیں رہیں: ان ملاقاتوں میں حدیث وفقہ کے مسائل پر علمی گفتگوئیں ہوتیں اسی سلسلہ میں خلیفہ المنصورؒ نے

جو خود بھی علم حدیث میں بلند پایہ رکھتے تھے امام مالکؒ کو حدیث کی کتاب (الموطا) کی تدوین پر آمادہ کیا اور فرمایا:

دیکھو تم اس کی تالیف میں عبداللہ بن عمرؓ کی سی شدت، عبداللہ بن عباسؓ کی سی نرمی اور ابن مسعودؓ کی سی غرابت سے اجتناب کرنا، اوسط الامور کا اور ان باتوں کا جن پر ائمہ اور صحابہ کرامؓ کا اجتماع رہا ہے لحاظ رکھنا۔ تمہاری اس تالیف کی مختلف دیار وامصار میں اشاعت کی جائے گی۔ مگر اس کام کو بتعجیل تمام انجام دینا اور فرمایا:

فستاتیک محمد ابنی المھدی العام القابل ان شاء اللہ الی المدینۃ لیسمعھا منك فیجدك وقد فرغت من ذلك ان شاء اللہ۔

(ص ۱۹۳ ج ۲ الامامہ)

میرے فرزند محمد المہدی انشاء اللہ اگلے سال مدینہ آکر تم سے ملیں گے اور اس کتاب حدیث کی سماعت کریں گے اس وقت انشاء اللہ وہ یہ پائیں گے کہ تم اس کام سے فراغت پاچکے ہوگے۔

اور بہت سی باتوں کے علاوہ امام صاحب کے ساتھ امیر المومنین کے حسن سلوک کا ذکر اسی غالی مؤلف نے کرتے ہوئے ان کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

قال مالک: ثم امر لی بالف دینار عینا ذھبا وکسوۃ عظیمۃ وامر لابنی بالف دینار۔

ص ۱۹۴ ایضاً

امام مالکؒ نے کہا کہ پھر (امیر المومنین نے) ایک ہزار اشرفی (سکۂ طلائی) اور خلعت ہائے فاخرہ دینے کا میرے لئے اور ایک ہزار دینار میرے بیٹے کے لئے دئے جانیکا حکم دیا۔

بڑے اکرام واعزاز سے رخصت کیا۔ اگلے سال محمد المہدی عباسیؒ کے مدینہ آنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام مالکؒ سے بوقت ملاقات جب انہوں نے دریافت کیا کہ میرے والد نے جس کتاب کی تالیف کا آپ کو حکم دیا تھا وہ کس مرحلے میں ہے تو کتاب پیش کی:

فاتاہ بالکتب وھی کتب الموطاء فامر المھدی بانتساخھا وقرئت علی مالک فلما انم قراءتھا امر لہ باربعۃ الاف دینار ولابنہ بالف دینار۔

ص ۱۹۴ ج ۲ ایضاً

اس پر امام مالکؒ نے کتاب ان کو پیش کی اور یہی ہے کتاب الموطا۔ المہدی نے پھر اس کے نقل کرانیکا حکم دیا اور امام مالکؒ سے اس کی قرأت وسماعت کی جب سماعت کرچکے چار ہزار دینار ان کو اور پانچ ہزار دینار ان کے فرزند کو دئے جانیکا حکم دیا۔

اسی مؤلف نے یہ بھی لکھا ہے کہ ۱۷۴ھ میں جب خلیفہ المہدی عباسیؒ کے فرزند امیر المومنین ہارون الرشیدؒ حج کرنے آئے پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کی زیارت کے لئے مدینہ پہنچے انہوں نے بھی امام مالکؒ سے کتاب الموطاء کی سماعت کی۔ مولف مذکور کے الفاظ یہ ہیں:۔

خرج هارون حاجًا الى مكة فقدم المدينة زائرًا قبر النبي عليه السلام فبعث الى مالك بن انس فاتاه فسمع منه كتاب الموطاء وحضر ذلك يومئذ فقهاء الحجاز والعراق والشام واليمن.... وسمعوا من مالك موطاءه الذي وضع۔

(صـ۱۹۷ ج ۲ ایضًا)

(خلیفہ) ہارون (الرشید) حج ادا کرنے مکہ گئے پھر نبی علیہ السلام کی قبر کی زیارت کے لئے مدینہ آئے (امام) مالک بن انس کو بلا بھیجا جب وہ ان کے پاس آئے ان سے کتاب الموطاء کی سماعت کی اور اس روز حجاز و عراق و شام و یمن کے فقہاء حاضر تھے...... انہوں نے بھی امام مالک سے ان کی کتاب الموطاء کی سماعت کی۔

. . . . . .

جب عباسی خلفاء سے امام مالکؒ کے یہ تعلقات ہوں، گفتگوؤں میں یا امیر المومنین سے خطاب کرتے ہوں، خلیفہ عباسی کی فرمائش پر کتاب تالیف کی ہو، ان کی سرپرستی میں علمی مشاغل میں منہمک رہے ہوں، عباسی خلفاء گراں بہا عطیات سے ان کو نوازتے ہوں ان حالات کے پیش نظر سبائی راویوں کے ان بیانات کی کیا حقیقت باقی رہتی ہے، جو انہوں نے وضع کرکے پھیلائے کہ امام مالکؒ نے نکث بیعت کا فتویٰ دیا تھا اور عباسی خلفاء کو وہ صحیح الامارت نہیں جانتے تھے۔ اس کذب بیانی کو اس قدر شہرت دی گئی کہ بعض اہل سنت والجماعت مصنفین نے بھی روایت پرستی کی بناء پر ان خرافات کو اپنی تالیفات میں درج کر دیا ہے۔

محمد الارقط کے چھ بیٹے اور دو بیٹیاں فاطمہ و زینب تھیں۔ زینب تو پہلے عباسی خلیفہ امیر المومنین ابو العباس عبد اللہ السفاحؒ کے فرزند محمد کے عقد میں آئیں اور ان کے بعد بھی اسی عباسی خاندان میں عیسٰی بن علی بن عبد اللہ بن العباسؓ سے ان کا نکاح ہوا۔ (صـ۵۵ کتاب نسب قریش) اسی ایک رشتہ سے ان اکاذیب کی معناً تردید ہوتی ہے، جو سبائیوں نے اس خروج کو "جہاد" قرار دینے کے لئے وضع کئے۔

بیٹوں میں دو بیٹے طاہر اور حسن ایک دوسری بغاوت میں بمقام فخ (نزد مدینہ) کچھ عرصہ

بعد مقتول ہوئے۔ حسن سیاہ رنگ کے ہونے کی وجہ سے "ابو زفت" کہلاتے تھے، شراب نوشی کی سزا میں کوڑے بھی لگے تھے، حُدّ فی الخمر بالمدینۃ (صـ۵۳ جمهرة الانساب ابن حزم) ان دو بیٹوں کے علاوہ علی واحمد وابراہیم و عبد اللہ الاشتر چار بیٹے اور تھے۔ آخر الذکر سے ہی محمد الارقط کی نسل باقی رہی۔ "الاشتر" ان کے نام کا جزو لاینفک اس بناء پر ہو گیا تھا کہ اپنے چچا ابراہیم کے پاس بصرہ میں اس وقت موجود تھے جب ابراہیم نے حکومت کے خلاف خروج کیا تھا۔ خروج کی ناکامی کے بعد اپنے استاد عبد اللہ بن محمد بن سعدہ کی اعانت سے بصرے فرار ہوئے اور اونٹ پر سوار ہو کر سندھ کا طویل سفر اختیار کیا تھا، جہاں کچھ عرصہ تک مقیم رہے۔ زیدیوں کی ایک جماعت[1] جو خلافت عباسیہ کے اس دور دست علاقہ میں پہلے سے موجود تھی۔ ان کے ساتھ ہو گئی۔ ان کی باغیانہ روش کی وجہ سے امیر المومنین کی ہدایت پر گورنر علاقہ نے

---

[1] یہ لطیفہ بھی قابل ذکر ہے کہ سندھ میں زیدیہ فرقے کے لوگ جیسا ذکر ہوا عبد اللہ الاشتر کے پاس آکر جمع ہوتے گئے (وقد قدم عليه (عني عبد الاشتر) طوائف من الزيدية۔ صـ۱۴۸ ج۱۰ البداية والنهاية) "خاندان زبیری کنبوہی" کے مولف حسین احمد نے کمبوہ قوم کے لوگوں کو "زبیری" ثابت کرنے کی غرض سے زیدیہ کو زبیریہ سے مسخ کرکے چند زبیریوں کے عبد الاشتر کے ساتھ سندھ آنے کی فرضی داستان گھڑ ڈالی۔ کمبوہ ہندوستان کی نہایت قدیم اور شریف قوم ہے جس میں ہندو، سکھ اور مسلمان کمبوہ آج تک موجود ہیں۔ مولف "خاندان زبیری کنبوہی" نے طرح طرح کی جعل سازیوں سے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ کمبوہ نسباً زبیری ہیں اور ایک فرضی مقام یا دریا کنباہ متصل ملتان کی نسبت مکانی کی وجہ سے "کنبوہی" کہلاتے۔ ان کمبوہ صاحب کی یہ کتاب عجیب و غریب تحریفوں سے مرتب کی گئی ہے۔ مزید معلومات کے لئے راقم الحروف کی کتاب "حقیقت قوم کمبوہ" ملاحظہ ہو جو قوم کمبوہ کے محترم بزرگ اور مسلمانان ہند کے مسلم لیڈر نواب وقار الملکؒ کے نام نامی سے معنون ہے۔ نواب صاحب مرحوم کے عین حیات کمبوہی زبیریت کا چرچا شروع ہو گیا تھا موصوف نے ہمیشہ اپنی قوم لفظ "کمبوہ" سے ظاہر کی ان کی متعدد تحریرات راقم الحروف کے پاس اس وقت تک موجود و محفوظ ہیں تقریباً ساٹھ ستر برس سے بعض ہندی الاصل مسلمان اقوام کو عربی النسل ہونے کا کچھ ایسا شوق پیدا ہوا ہے کہ مضحکہ خیز طریقہ پر نسب کا پلٹ کیا جا رہی ہے، باستثنائے معدودے چند حضرات کے اچھے اچھے تعلیم یافتہ حضرات بھی اس وبا سے متاثر ہیں۔ اللہ تعالٰے مسلمانوں کو نسب کے جاہلی تصور سے نجات دے اور صدق بیانی کی توفیق ارزانی فرمائے۔

گرفتار کرانا چاہا۔ عبد اللہ الاشتر مع اپنے ساتھیوں کے لڑے اور مقتول ہوئے۔ سندھ میں انہوں نے ایک سندھی خاتون سے نکاح کر لیا تھا، جس سے ایک بیٹا ہوا اس کا نام اپنے والد کے نام پر محمد رکھا، گورنر سندھ نے اس بچہ اور اس کی ماں کو دربار خلافت میں بھیجدیا، امیر المومنین نے بچہ اور بیوہ کے لئے وظیفہ مقرر کر کے اہل خاندان کے پاس مدینہ بھیج دیا۔ اس اکلوتے بیٹے سے عبد اللہ الاشتر کی نسل چلی جو بعد میں "الاشتریون" کہلائے۔ ان میں سے ایک فاضل شخص امیر قطب الدین محمد تباہی بغداد کے بعد ہندوستان آئے۔ ان کے احفاد میں کڑہ مانک پور، رائے بریلی، ڈلمو نغیر آباد وغیرہ کے حسنی خانوادے ہیں، جن میں نسلاً بعد نسلٍ علماء و فضلاء و اتقیا ہوتے رہے مجاہد ہندی حضرت احمد شہیدؒ کا نسبی تعلق اسی خانوادہ سے ہے۔ اور اسی خاندان میں مولانا حکیم عبد الحی مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنو بڑے فاضل و صاحب تصانیف تھے جن کے لائق فرزند ڈاکٹر عبد العلی اور مولوی ابو الحسن علی میاں فضائل علمی سے بہرہ ور صاحب تصانیف ہیں۔ ان کا سب خاندان اباً عن جدٍ اہل سنت والجماعت رہا ہے۔ محمد الارقط کے بھائی موسیٰ کی نسل میں جو خلافت عباسیہ سے وابستہ رہے شرفائے مکہ وغیرہ کا خاندان ہے، جن میں اردن کے شاہ حسین وغیرہ ہیں۔

۷	ابراہیم[1] بن عبد اللہ المحض بن حسن بن الحسنؓ	۱۴۵ھ	بصرہ	امیر المومنین ابو جعفر المنصور عباسیؒ

[1] ابراہیم نے بھی جن کو شیعوں نے بعد میں ابراہیم الغمر کہا اپنے بھائی محمد الارقط کے ساتھ بیک وقت خروج کا پروگرام بنایا تھا، سوئے اتفاق سے بوجہ علالت وقت پر خروج نہ کر سکے اسکے کچھ دن بعد علم بغاوت بلند کیا۔ بصرہ کے نواح میں مقام باخمریٰ پر ۲۵ ذوالقعدہ ۱۴۵ھ کو حکومت کے لشکر سے مقابلہ ہوا، گھمسان کا رن پڑا، فریقین کے بہت سے آدمی مارے گئے ابراہیم بھی مقتول ہوئے، امیر المومنین کو جس وقت اس کی اطلاع ملی رنج و تاسف کے لہجہ میں فرمایا واللہ کنتُ لهذا کارهاً ولکنک ابتلیت بی و ابتلیت بک (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۹۴) یعنی بخدا میں اس امر سے متنفر تھا، تم نے مجھ کو بھی مبتلا کیا اور خود بھی مبتلا ہوئے۔

سبائیوں نے اس بغاوت کو بھی مذہبی رنگ دینے کی کوششیں کیں، جھوٹی روایتیں وضع ہوئیں ان ہی میں سے کذابین کی وضع کردہ یہ روایت بھی ہے جس کو بہت کچھ شہرت دی

گئی ہے یعنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے ابراہیم کے اس خروج کو "جہاد" بتایا، ان سے خود بھی بیعت کی اور لوگوں کو بیعت کرنے کی ترغیب دی، شیعہ مؤرخ ونساب (مؤلف عمدۃ الطالب) نے لکھا ہے۔ ان اباحنیفة الفقیه بایعه (ص ۸۲) یعنی ابو حنیفہؒ فقیہہ نے بھی ان سے (ابراہیم سے) بیعت کی تھی۔ اسی کے ساتھ یہ حکایت بھی لکھی ہے کہ ایک عورت امام صاحب کے پاس آئی اور کہا کہ آپ نے ابراہیم کے ساتھ خروج کرنے کے لئے میرے بیٹے کو فتویٰ دیا تھا۔ وہ لڑائی میں شریک ہو کر مارا گیا۔ یہ سن کر امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا: لیتنی کنتُ مکان ابنکِ (کاش میں تیرے بیٹے کی جگہ ہوتا) اس کے بعد وہ جعلی خط بھی نقل کیا ہے جو امام ابو حنیفہؒ نے کہا جاتا ہے کہ ابراہیم کو لکھا تھا اور چار ہزار درہم بھی اسی کے ساتھ ارسال کئے تھے، اس جعلی خط کی یہ عبارت شیعہ مؤلف نے نقل کی ہے:۔

اما بعد۔ فانی قد جهزت الیک اربعة آلاف درهم ولم یکن عندی غیرها ولولا امانات للناس عندی للحقت بک فاذا لقیت القوم وظفرت بهم فافعل کما فعل ابوک فی اهل صفین اقتل مدبرهم واجهز جریحهم ولا تفعل کما فعل ابوک فی اهل الجمل فان القوم لهم فئة۔

(ص ۸۳)

- - - -

.. ..

اما بعد۔ میں تمہارے پاس چار ہزار درہم بھیجتا ہوں، ان کے سوائے میرے پاس اس وقت اور رقم نہیں ہے، اگر لوگوں کی امانتیں میرے پاس نہ ہوتیں تو میں بھی تمہارے ساتھ شامل ہو جاتا۔ پس اگر لوگوں سے تمہارا مقابلہ ہو اور ان پر فتح پاؤ تو ان کے ساتھ وہی فعل کرنا جیسا تمہارے باپ (علیؓ) نے اہل صفین کے ساتھ کیا تھا پیٹھ دکھا کر بھاگنے والوں کو قتل کرنا اور ان کے زخمیوں کو خوب مار لگانا اور ایسا نہ کرنا جیسا تمہارے باپ (علیؓ) نے اہل جمل کے ساتھ کیا تھا کیونکہ یہ لوگ ایک بڑا گروہ ہیں۔

اس جعلی خط کا مضمون ہی سبائی ذہنیت کی صاف غمازی کرتا ہے حضرت معاویہؓ وحضرت عمرو بن العاصؓ وغیرہم نیز حضرت طلحہ و زبیرؓ و سیدہ عائشہ صدیقہ ام المومنین صلوٰۃ اللہ علیہم اور ان کے ساتھی صحابہ و تابعین وعامۃ المسلمین کو جو حضرت علیؓ کے خلاف جنگ صفین وجمل میں قاتلین عثمانؓ سے انتقام لینے کے لئے موجود تھے امام ابو حنیفہؒ کے قلم سے خاطی و مستحق تعذیب قرار دیا گیا ہے۔ اور پیٹھ پھیر کے بھاگنے والوں کو قتل کرنے، اور زخمیوں کو مار لگانے کے غیر

اسلامی طریقۂ حرب کو حضرت علیؓ سے منسوب کیا گیا ہے عجب ہے کہ ذکر کرکے کو شرکت "جہاد" کی ترغیب تو انہوں نے دی مگر اپنے عدمِ شرکت کا عذر لنگ اس جعلی تحریر میں یہ بتایا گیا ہے کہ لوگوں کی امانتیں میرے پاس نہ ہوتیں تو شریک "جہاد" ہوتا! امام ابو حنیفہؒ کی عمر ابراہیم کی بغاوت کے وقت ۶۵ برس چھ ماہ کی تھی وہ اس زمانہ میں امیرالمومنین ابوجعفر المنصورؒ کے ایماء سے اور ان کی سرپرستی میں فقہ کی تدوین میں مع ایک کثیر جماعت علماء کے منہمک تھے۔ اس اہم علمی و اسلامی خدمت کی انجام دہی کے چند سال بعد یعنی ابراہیم کی بغاوت کے چار سال ۶ ماہ بعد بعمر ستر برس ان کی وفات ہوئی۔ ان لغو روایتوں کے سبائی وضاعین کو شاید یہ معلوم نہ تھا کہ امام اعظمؒ کی مدوّنہ فقہ کا ایک واضح اصول یہ ہے کہ لانری الخروج علی الائمۃ ولو جاروا (یعنی ہم حاکمانِ وقت کے خلاف بغاوت کو ناجائز سمجھتے ہیں وہ اگرچہ ظلم بھی کریں) مگر سبائیوں کی مشتہر کردہ ان مہمل روایات کو غیر شیعہ مولفین نے بھی اپنی کتابوں میں لکھ مارا ہے جس کے بارے میں دوسری کتاب میں ایک اور موقع پر بھی اظہار حقیقت کیا ہے۔

ابراہیم کے منجملہ تین بیٹوں کے ایک بیٹے حسن سے نسل چلی۔

۸	محمد[۱] بن علی بن عباس بن حسن بن حسن بن الحسنؓ	۱۶۴ھ	خراسان	امیرالمومنین محمد المہدی عباسیؒ
۹	حسین[۲] بن علی بن حسن بن حسن بن الحسنؓ	۱۶۹ھ	مدینہ	" " موسیٰ الہادی عباسیؒ
۱۰	فاضل[۳] بن علی بن حسن بن حسن بن الحسنؓ	"	"	" " " "

[۱] قام بخراسان فقتل ایام المھدی (جمھرۃ ابن حزم ص۳۷) یعنی (امیرالمومنین محمد المہدی عباسی کے زمانہ خراسان میں علم بغاوت بلند کرکے مقتول ہوئے)

[۲] یہ بڑے سیرچشم اور فیاض تھے، امیرالمومنین محمد المہدی عباسیؒ کی خدمت میں مدینہ سے حاضر آئے چار ہزار دینار کے گراں بہا عطیہ سے سرفراز ہوئے مگر یہ سب رقم اپنے عزیزوں اور دوستوں میں تقسیم کردی (البدایہ والنہایہ ج۱۰ ص۱۵۷) حضرت فاروق اعظمؓ کے احفاد میں سے عمر بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمر الفاروقؓ اس زمانہ میں خلافت عباسیہ کی جانب سے والی مدینہ تھے ان حسین بن علی حسنی کے ساتھیوں میں محمد الارقط کے صاحبزادہ حسن تھے جو بوجہ سیاہ فام ہونے کے "ابوالزفت" کہلاتے تھے اور شراب نوشی کی سزا پاچکے تھے۔ (وکان یلقب ابا الزفت لسمرتہ

سمرتہ وحد الخمر بالمدینۃ۔ ص جمھرۃ ابن حزم) ایک دن وہ اپنے ہم جلیسوں کی صحبت میں بیٹھے تھے، نبیذ کا دور چل رہا تھا والی مدینہ نے ان سب کو اس حالت میں پاکر گرفتار کرلیا اور سر بازار ان کی تشہیر کرائی۔ محمد الارقط کے بھائی یحییٰ بن عبداللہ المحض کی ضمانت پر یہ لوگ اس شرط پر رہا ہوئے کہ روزانہ اپنی حاضری دیں۔ ان ہی ایام میں "ابوالزفت" مدینہ سے باہر چلے گئے، ضمانت ضبط ہوئی "ابوالزفت" کو حاضر کرنے کے بجائے حسین بن علی مذکور کی قیادت میں دارالامارۃ پر حملہ کیا گیا، اور حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کرکے مدینہ منورہ کے وقتی خزانہ تک کو لوٹ لیا گیا (ونھب المال الذی بالمدینۃ (الجامع اللطیف ص۲۹۳) ان کے بھائی بھتیجے وغیرہ بھی بغاوت میں شریک تھے، مگر ان کے چچیرے بھائی حسن بن جعفر بن حسن بن حسن بن الحسنؓ اس بغاوت کے مخالف اور امیرالمومنین کے طرف دار تھے۔ حسن بن جعفر کی حقیقی بہن ام الحسن امیرالمومنین کے قریبی عزیز جعفر بن سلیمان بن علی بن عبداللہ بن العباسؓ کی زوجہ تھیں (عمدۃ الطالب ص۱۷۱) شیعہ مولف مذکور نے اپنے امام دوم کی اس پر پوتی کے اپنے ہم کفو ہاشمی عباسی کے حبالہ عقد میں آنے کا ذکر تو کیا ہے مگر کس قدر کریہہ الفاظ میں فرماتے ہیں "ام الحسن خرجت الی جعفر بن سلیمان بن علی بن عبد اللہ العباسؓ" یعنی ام الحسن نکل کر جعفر بن سلیمان بن علی بن عبداللہ بن العباس کے پاس چلی گئی"، خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا شیعہ راویوں نے حسین بن علی مذکور کی اس بغاوت کے بارے میں متعدد مہمل روایتیں اور حدیثیں وضع کی ہیں۔ مدینہ کے قریب وادی فخ میں جہاں حضرت عبداللہ بن عمر فاروقؓ اور بعض دوسرے صحابہ کے مزارات ہیں۔ باغیوں کی سرکاری فوج سے مڈبھیڑ ہوئی۔ حسین بن علی مذکور مع اپنے سو سے زائد ساتھیوں کے مارے گئے۔ اب دو ایک وضعی حدیثیں بھی ملاحظہ ہوں:۔

عن جعفر بن محمد بن علی (زین العابدین) قال: مرّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ بفخ فنزل فصلی رکعۃ فلما صلی الثانیۃ بکی وھو فی الصلاۃ فلما رای الناس النبیؐ یبکی بکوا، فلما انصرف قال: ما یبکیکم؟ قالوا: لما رایناک تبکی بکینا یا رسول اللہ! قال: نزل علی جبرئیل

جعفر بن محمد بن علی (زین العابدین) سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ نبی صلعم کا گذر مقام فخ پر ہوا۔ آپ وہاں سواری سے اترے ایک رکعت نماز پڑھی جب دوسری پڑھنے لگے تو رونے لگے پس لوگوں نے جب نبی صلعم کو روتے دیکھا تو وہ بھی رونے لگے۔ آپ نے نماز سے فارغ ہو کر پوچھا "تم لوگ کیوں روتے ہو" لوگوں نے کہا کہ "یا رسول اللہ!

لما صليت الركعة الاولى فقال يا محمد ان رجلا من ولدك يقتل في هذا المكان واجر الشهيد مع اجر الشهيدين۔
(ص۴۳ مقاتل الطالبین)

آپ کو جب روتے دیکھا تو ہم بھی رونے لگے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ جب میں پہلی رکعت پڑھ رہا تھا تو جبرئیل نازل ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے محمد! تمہاری اولاد میں سے ایک شخص یہاں قتل ہوگا، اس شہید کو دو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔

یہ روایت تو جناب جعفر (الصادقؒ) سے منسوب ہے۔ اب جناب زید بن علی (زین العابدینؒ) سے مروی روایت بھی سن لیجیے:۔

عن زيد بن علي (زين العابدين) انتهى رسول الله صلى الله عليه وآله الى موضع فخ فصلى باصحابه صلاة الجنازة ثم قال: يقتل ههنا من اهل بيتي في عصابة من المؤمنين ينزل لهم باكفان وحنوط الجنة تسبق ارواحهم اجسادهم الى الجنة۔
(ص۴۳ مقاتل الطالبین)

زید بن علی (زین العابدینؒ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم جب مقام فخ پر پہنچے تو آپ نے صحابہ کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی، پھر فرمایا اس جگہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص مع ایک جماعت مومنین کے قتل ہوگا ان کے لئے کفن اور خوشبو جنت سے نازل ہونگی اور ان کے جسم ان کی روحوں سے پہلے ہی جنت میں پہنچ جائیں گے۔

حکومت وقت کے خلاف خروج کرنے والے مقتولوں کے لئے کفن اور خوشبوؤں کے جنت سے نازل ہونے اور مقتولین کے جسموں کے ان کی روحوں سے قبل ہی جنت میں پہنچ جانے کی حد درجہ لغو بیانی کے علاوہ ان خروج کرنے والوں کا قتل ہونا تو درکنار ان کے عالم وجود میں آنے سے بھی تقریباً ڈیڑھ سو برس پہلے ہی ان کی نماز جنازہ پڑھ لینے کی جیسی جعلی روایت کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے والے نے اپنا ٹھکانا ضرور جہنم میں بنا لیا۔ آپ کا ارشاد ہے:۔

ان كذبا علي ليس ككذب على احد فمن كذب علي متعمدا فليتبوا مقعده من النار۔
(رواه البخاری ومسلم والترمذی)

آپ نے فرمایا: میرے اوپر جھوٹ بولنا ایسا نہیں جیسا کسی اور پر بولنا جس نے میرے اوپر عمداً جھوٹ بولا اس نے اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لیا۔

جن لوگوں نے اپنے ایام بغاوت میں مدینہ کا وقفی خزانہ لوٹ لینے سے بھی دریغ نہ کیا

ہو ان کو مظلوم؛ اور حکومت کی جانب سے ان باغیوں اور مفسدوں کی تادیب کے لئے جو کارروائی کی گئی اس کو یہ ظلم وستم سے تعبیر کرنے کی غرض سے یہ جعلی روایتیں اور جعلی حدیثیں گھڑی گئیں اور خلیفہ وقت اور ان کے عمال کے جبر و تشدد کے افسانے وضع کئے گئے جو سر بسر کذب محض ہیں۔

۱۱	ادریس الاصغر بن عبد اللہ المحض بن حسن مثنیٰ بن الحسنؑ	۱۷۰ھ مغربی افریقہ	امیر المومنین ہارون الرشید عباسیؒ
۱۲	یحییٰ بن عبد اللہ المحض	۱۷۶ھ بلاد دیلم	"

۱؎ اپنے دونوں بھائیوں محمد الارقط اور ابراہیم کی بغاوتوں کی ناکامی کے بعد انہوں نے بھی خفیہ خفیہ خروج کی تیاریاں کیں، حجاز و عراق میں کامیابی کا موقع مناسب نہ پاکر مصر کا رخ کیا جہاں عباسی خلافت کے محکمہ ڈاک کا افسر ابن واضح تھا جو مورخ یعقوبی کا دادا اور علوی خاندان کا طرفدار تھا اس کی مدد سے ادریس مغرب اقصیٰ (شمالی مغربی افریقہ) چلے گئے، وہاں بربری قبائل میں اپنا اثر و رسوخ پیدا کرکے حکومت قائم کی ان ادریس کے ایک بیٹے کا نام بھی ادریس تھا جو ایک بربریہ خاتون کے بطن سے تھے اور یہی مراکش کے شہر فاس کے بانی ہوئے، کچھ عرصہ بعد ادریس الاصغر کے ایک بھتیجے محمد بن سلیمان بن عبد اللہ المحض بھی فخ کی بغاوت کے ناکام ہوجانے کے بعد اپنے چچا کے پاس مراکش چلے گئے۔ ان دونوں کی نسل وہاں خوب پھیلی۔ مگر ان دونوں کے اخلاف میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی کشمکش وقتاً فوقتاً جاری رہی، ایک دوسرے کو قتل کرتے رہے۔ جیسے احمد بن ابی العیش عیسیٰ بن جنون بن احمد بن محمد بن قاسم بن ادریس الاصغر نے اپنے بھائی محمد کو اس الزام میں قتل کر دیا کہ ان کا میل ایک اموی حکمران اندلس عبد الرحمن بن محمد مروانی سے تھا (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص۴۴) اسی طرح یحییٰ بن حمود کو ان کے رشتہ کے چچا حسن ادریسی نے مروا دیا تھا۔ ان ہی میں سے ایک شخص حسن بن جنون اموی نے مغرب اقصیٰ کے مقام تبدیلی میں جو آج کل تادلا کہلاتا ہے نبوت کا بھی دعویٰ کیا تھا۔ حکومت ادریسیہ تقریباً ڈیڑھ سو برس قائم رہی۔ اسمٰعیلی فرقہ کے بانی عبید اللہ بن میمون القداح کے اخلاف نے بالآخر بربری قبیلہ کتامہ کی مدد سے جب وہاں سیاسی اقتدار حاصل کر لیا اور ادریسیہ ہاشمیہ حکومت کو بھی ۳۰۳ھ میں برباد کرکے ان حسنیوں کو اندلس میں امویوں کے پاس پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔

۲؎ یحییٰ نے بیس برس کی خفیہ ریشہ دوانیوں کے ذریعہ جو انہوں نے اپنے بھائی محمد الارقط و ابراہیم کی

بغاوتوں کی ناکامی کے کچھ عرصہ بعد سے شروع کردی تھیں۔ بلاد دیلم پر سیاسی اقتدار حاصل کرلیا تھا لیکن امیر المومنین ہارون الرشید عباسیؒ کے وزیر باتدبیر فضل بن یحییٰ برمکی کی مساعی سے یحییٰ مذکور لشکر خلافت سے نبرد آزمائی کرلنے کے بجائے اس بات پر آمادہ ہوگئے کہ امیر المومنین موصوف کی خدمت میں حاضر ہوکر اقدام بغاوت پر اظہار ندامت اور عہد اطاعت کریں چنانچہ بعد معافی قصور یحییٰ کو دو لاکھ دینار کا بیش بہا عطیہ دے کر ان کے وطن مالوف مدینہ بھیج دیا گیا جہاں وہ بقیہ ایام عمر فارغ البالی سے بسر کرتے رہے۔ مقاتل الطالبین کے مولف کا بیان ہے کہ یحییٰ نے عطیہ کی کثیر رقم میں سے حسین بن علی "صاحب فخ" کے قرضہ کی ادائیگی بھی کی تھی (ص ۴۸۳) ان کی نسل کے بعض اشخاص اپنے بنو اعمام کے پاس مغرب اقصیٰ چلے گئے تھے اور بعد میں اندلس کے مقام غرناطہ پر کچھ افراد نے حکمرانی بھی کی۔

۱۳	محمد بن سلیمان بن داؤد بن حسن بن الحسنؓ	سنہ ۱۹۰ھ	مدینہ	امیر المومنین مامون الرشید عباسیؒ
۱۴	محمدؒ بن ابراہیم طباطبا بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن الحسنؓ	سنہ ۱۹۹ھ	کوفہ	"
	محمدؒ الاکبر بن جعفر بن محمد بن زید بن علی (زین العابدینؓ)	سنہ ۱۹۹ھ	کوفہ	"

[1] محمد بن سلیمان القایم بالمدینۃ ایام للمامون (ص ۳۷ جمہرہ ابن حزم) ان کی بغاوت کامیاب نہ ہوئی مقتول ہوئے۔

[2] ص ۲۲۳ ابو السرایا ایک مفسد لیٹرے سے اس زمانہ میں جب امیر المومنین ہارون الرشیدؒ کے دونوں فرزندوں امین الرشید اور مامون الرشید کی خانہ جنگی سے ملک کے نظم و نسق میں ابتری پھیل گئی تھی، محمد ابن طباطبا کی ملاقات ہوگئی۔ ابو السرایا نے طوائف الملوکی کے ایام میں کچھ فوجی قوت پیدا کرلی تھی۔ اس لیٹرے کی امداد کے وعدے پر انہوں نے طلب خلافت کے لئے خروج کردیا، لیکن تھوڑے ہی دنوں میں ابن طباطبا کو اس لیٹرے کی حرکات قتل و غارت گری سے نفرت ہوگئی اس لئے مشتبہ ہوکر زہر سے ان کا کام تمام کردیا۔ شیعہ مولف لکھتے ہیں:۔ وسقاہ ابو السرایا سماً فمات منہ (عمدۃ الطالب ص ۱۵۹) اور ان کے بجائے جناب علی بن الحسینؓ (زین العابدینؓ) کے ایک نوعمر پوتے محمد الاکبر کو جو بعد

میں "صاحب ابو السرایا" کہلائے، خلافت کے لئے نامزد کرکے کوفہ اور بصرہ میں اپنا خطبہ اور سکہ چلا دیا، جن شہروں اور علاقوں پر چند روزہ تسلط کرلیا تھا، علوی و فاطمی نسب کے چند اشخاص کو عامل اور نائب مقرر کرکے بھیجا، مگر ان علویوں نے اپنی چند روزہ حکومت میں جو جو ظلم و زیادتیاں کیں بقول علامہ شبلیؒ "ان کے بیان کو ایک دفتر چاہیے۔ زید فرزند موسیٰ (الکاظمؒ) نے بصرہ میں ایک قیامت برپا کر رکھی تھی، سیکڑوں خاندان تباہ کرڈالے، عباسیوں کے ہزاروں مکانات جلادئے حسین بن الحسین (جناب علی بن الحسینؒ کے ایک پوتے) نے مکہ معظمہ کا دفعی خزانہ تک لوٹ لیا۔ محمد بن جعفر (صادقؒ) کی حکومت میں جو چند روز کے لئے عرب کے فرمانروا بن گئے تھے، علوئین اور آل فاطمہؓ کا وہ زور ہوگیا کہ لوگوں کے ننگ و ناموس کا پاس اٹھادیا گیا۔ ابراہیم بن موسیٰ (الکاظمؒ) یمن کے عامل تھے اور سفاکانہ قتل و غارت گری کی وجہ سے قصاب کہلاتے تھے۔ مامون (الرشیدؒ) نے چاہا کہ صلح و آشتی سے ان لوگوں کو قابو میں لائے لیکن یہ کب رام ہو سکتے تھے لڑے اور شکست کھائی۔ بعض گرفتار ہوکر مامون (الرشیدؒ) کے پاس حاضر کئے گئے مگر اس نے نسب کا پاس کیا اور چھوڑ دیا" (المامون ص ۶۸)

مفسد لیٹرے کی مدد سے ان علوی اشخاص نے جو مظالم کئے ان کے چھپانے کی تو کوشش کی جاتی ہے اور مفسدین کے خلاف تادیبی کارروائیوں کو ظلم و جور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سبائیوں کے جھوٹے پروپگنڈے نے یہ فضا پیدا کر رکھی ہے کہ خلفائے بنی امیہ و بنی عباسؓ کے فرضی مظالم کی داستانیں زبان زد خاص و عام ہوگئی ہیں۔ مگر ان خلفاء کی عالی ظرفی و رحم دلی کا کہ باوجود قدرت کے عفو تقصیرات کرتے رہے کوئی ذکر تک نہیں کرتا۔ ہمارے نام نہاد "مورخ" اور "مولف" ان وضعی داستانوں کو اپنی کتابوں میں نقل کرتے اور امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ جیسے ائمہ دین کے نام بھی سیاسی اقتدار کی ان بغاوتوں کے سلسلے میں لیتے اور ان بغاوتوں کو "جہاد" سے تعبیر کرکے جھوٹے پروپگنڈے کی تائید مزید کرتے رہتے ہیں۔ ملت کے نشاۃ ثانیہ کے اس دور میں سلف کی سیاسی چپقلشوں کے حالات کو ان کے اصلی رنگ میں پیش کرنا اسلامی تاریخ کی تطہیر کے مرادف ہے اور اسی مقصد کے پیش نظر یہ حالات قلم بند کئے گئے ہیں۔

— (×) —

۱۶	حسین الافطس بن حسن بن علی (زین العابدینؒ)	۱۹۹ھ مکہ معظمہ	امیر المومنین مامون الرشید عباسیؒ
۱۷	علی بن حسین الافطس " "	" "	" " "
۱۸	محمد " " "	" "	" " "
۱۹	محمد بن جعفر (الصادقؒ) بن محمد (الباقرؒ) بن علی (زین العابدینؒ) بن الحسینؓ	" "	" " "

۱۔۲۔۳۔۴ ان حسین کا لقب الافطس تھا یعنی چپٹی ناک والا، کتاب نسب قریش میں ان کے والد کا یہی لقب لکھا ہے لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔ اپنے نیک سیرت آباء کے برخلاف یہ شخص اور اسی طرح اس کے دونوں بیٹے نہایت قبیح سیرت تھے، اکثر مستند مورخین ونسابین نے ان لوگوں کی بد اعمالیوں کا ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن حزمؒ نے حسین الافطس کو "احد المفسدین فی الارض" (جمہرۃ الانساب ص۴۷) یعنی دنیا کے مفسدین میں سے ایک بتایا ہے۔ اور اسی طرح اس کے دونوں بیٹوں علیؔ و محمدؔ کو "کانا ایضا من المفسدین فی الارض" لکھا ہے۔ جامع اللطیف میں جو مکہ معظمہ کی مستند تاریخ ہے ان تینوں باپ بیٹوں کے بارے میں تحریر ہے "ھما اقبح سیرۃ مع الناس" یعنی لوگوں کے ساتھ ان کی سیرتیں نہایت قبیح تھیں (ص۲۹۶) علامہ ابن خلدون کا بیان ہے

"حسین الافطس نے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں مکہ معظمہ پر قبضہ کر لیا اور خانہ کعبہ کا غلاف اتار کر دوسرا غلاف چڑھا دیا جس کو ابو السرایا نے کوفہ سے روانہ کیا تھا اور بنو عباسؓ کی امانتوں کے پیچھے پڑ گئے اور لوگوں کے مال واسباب کو بجبر وتعدی چھیننے لگے تب اکثر اہل مکہ بخوف جان ومال مکہ چھوڑ کر بھاگ گئے اور اس کے ہمراہیوں نے حرم شریف کی جالیوں کو توڑ ڈالا، خود الافطس نے بھی کعبہ شریف کے ستونوں پر جس قدر سونا چڑھا ہوا تھا اس کو اتار لیا اور جس قدر نقد وجنس خانہ کعبہ کے خزانہ میں تھا نکال کے اپنے ہمراہیوں پر تقسیم کر دیا اس سے اہل مکہ کے دلوں پر بہت برا اثر پڑا۔" (ص۱۰۱ ترجمہ تاریخ ابن خلدون ج، کتاب ثانی مطبوعہ قیصر ہند پریس)

شیعہ مورخ ونساب مولف عمدۃ الطالب نے بھی بیان کیا ہے کہ حسین الافطس نے

کعبہ کا مال اپنے تصرف میں کر لیا۔ "واخذ مال الکعبۃ" (ص۲۴۹) افطس کو جب ابو السرایا کے مارے جانے کی اطلاع ملی اور اسی کی امداد کے بھروسہ علم بغاوت بلند کیا تھا تو بہت گھبرایا۔ جناب جعفر (الصادقؒ) کے بیٹے محمد کے پاس آیا، وہ عالم فاضل نیک سیرت شخص تھے۔ اپنے ابتدائی زمانے میں محدث تھے، افطس نے ان سے کہا:۔

"لوگوں کے قلوب آپ کی طرف مائل ہیں، میں آپ کی بیعت کئے لیتا ہوں پھر کوئی شخص مخالفت نہ کرے گا۔"

محمد بن جعفر (الصادقؒ) نے پہلے تو انکار کیا مگر ان کا بیٹا علی برابر اس بات پر اصرار کرتا رہا، بالآخر ان لوگوں کے کہنے سننے سے وہ اپنے لئے بیعت خلافت لینے پر آمادہ ہو گئے اور یہ لوگ ان کو "امیر المومنین" کہہ کر پکارنے لگے۔ علامہ ابن خلدون نے مزید لکھا ہے:۔

"بعد چندے محمد بن جعفر (الصادقؒ) کے لڑکے علی اور ابن الافطس نے ہاتھ پاؤں نکالے طرح طرح کی بد اعمالیاں کرنے لگے، زنا، اغلام اور سر بازار عورتوں کو بے عزت کرنا شروع کر دیا، حسین عورتوں کو اپنی عصمت کا بچانا دشوار ہو گیا جہاں کوئی خوبصورت عورت یا لونڈا نظر آجاتا یہ لوگ اس پر ٹوٹ پڑتے اور اپنی خواہش نفسانی پوری کرنے کی غرض سے جبراً پکڑ لے جاتے۔ لوگوں نے یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر ایک جلسہ کیا اور محمد بن جعفر (الصادقؒ) کے معزول کرنے، قاضی مکہ کے لڑکے کو واپس لینے پر متفق ہو گئے۔ قاضی مکہ کا لڑکا محمد بن جعفر (الصادقؒ) کے بیٹے علی کے مکان میں مقید تھا (ص۱۰۲) (ایضاً) تاریخ کامل ابن اثیر ج۶ ص۱۲۸) کے حوالے سے مترجم تاریخ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ:۔

"لڑکے کا نام اسحٰق اور قاضی مکہ کا نام محمد تھا۔ اسحٰق ایک نوعمر حسین لڑکا تھا ایک روز بازار مکہ میں جا رہا تھا، اتفاق سے علی بن محمد بن جعفر (الصادقؒ) کی نظر پڑ گئی دیکھتے ہی رال ٹپک پڑی جھٹ پٹ اپنے دو چار ہم خیالوں کو بلا کے اسحٰق کو پکڑ لیا اور اپنا منہ کالا کرنے کو اپنے مکان میں یا بدست دگرے دست بدست دگرے اٹھا لے گیا۔ نعوذ باللہ (ص۱۰۲ ایضاً)

اسی سلسلہ میں ابن خلدون نے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

"پس جب اہل مکہ نے محمد بن جعفر (الصادقؒ) کا مکان شور و غل مچاتے
ہوئے گھیر لیا تو آپ لوگوں سے امن حاصل کر کے اپنے بیٹے کے مکان
پر گئے اور اس لڑکے کو اپنے بیٹے سے لے کے ان لوگوں کے حوالے کر دیا
ترجمہ تاریخ ابن خلدون ج ۲ صـ۱۰۲ کتاب ثانی مطبوعہ قیصر ہند پریس الہ آباد ۱۹۰۴ء

مکہ معظمہ میں یہ واقعات ہو رہے تھے کہ اتنے میں باغیوں کی سرکوبی کے لئے خلیفہ عباسی کی فوج آ گئی، باغیوں کو شکست ہوئی، محمد بن جعفر (الصادقؒ) نے امان کی درخواست پیش کی، امان دیدی گئی، وہ مکہ سے جحفہ کی جانب اور وہاں سے بلاد جہینہ کی طرف چلے گئے، لیکن کچھ دنوں بعد لشکر مجتمع کر کے مدینہ پر چڑھائی کی، والی مدینہ کے مقابلہ میں پھر شکست کھائی، اس لڑائی میں ان کی ایک آنکھ بھی جاتی رہی تھی، ان کے ساتھیوں کی کثیر تعداد ہلاک ہو گئی تھی۔ مجبور ہو کر حج کے موقع پر مکہ آئے اور جو امور ناشائستہ ان سے اور ان کے لواحقین سے سرزد ہوئے تھے اس کی معذرت کرتے ہوئے لوگوں کی اور کہا کہ مجھے یہ غلط خبر ملی تھی کہ امیر المومنین مامون الرشید کی وفات ہو گئی ہے۔ اس وجہ سے میں نے لوگوں سے اپنی بیعت لے لی تھی اب مجھ کو یہ صحیح خبر پہنچی ہے کہ امیر المومنین حیات ہیں اس لئے میں اپنے کو معزول کرتا ہوں اور ان لوگوں کو جو میری بیعت میں ہیں اپنی بیعت سے سبکدوش کرتا ہوں۔ حج ادا کرنے کے بعد ان کو امیر المومنین کی خدمت میں بھیج دیا گیا رحم دل خلیفہ نے ان کے قصور معاف کر دئے۔ علامہ ابن حزمؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے:۔

محمد ابن جعفر بن محمد بن علی بن الحسینؓ) ادعی الخلافة بمکة ایام مامون ثم انخلع وبقی فی غمار الناس حتی مات والشیعة تلقبه الدیباجه لجمال وجهه (جمهرة الانساب ابن حزم صـ۵۳)	محمد بن جعفر (بن محمد بن علی بن الحسینؓ) نے مامون کے زمانہ میں دعوائے خلافت کیا پھر دست بردار ہو گئے اور اپنے مرنے تک لوگوں کے انبوہ میں چھپے رہے۔ شیعوں نے ان کا لقب بوجہ ان کے حسن صورت کے الدیباجہ رکھا۔

حسین الافطس کے بیٹے گرفتار ہو کر قتل ہوئے اور اس طرح ان مفسدین کی بغاوت کا خاتمہ ہوا اور اہالیان مکہ و مدینہ نے امن و امان کا سانس لیا اس تماش کے مفسدین

کی سزادہی کو بھی خلفائے عباسی کے فرضی مظالم کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔

۲۰	علیؑ[1] بن جعفر (الصادقؒ) بن محمد (الباقرؒ) بن علی (زین العابدینؒ)	۱۹۹ھ	بصرہ	امیر المومنین مامون الرشید عباسیؒ
۲۱	زید[2] النار بن موسیٰ (الکاظمؒ) بن جعفر (الصادقؒ)	"	"	" " " "
۲۲	ابراہیم الجزار	" "	یمن	" " " "

[1] جناب جعفر (الصادقؒ) کے یہ بیٹے ایک کنیز کے بطن سے تھے۔ علیٰ هذا القایم بالبصرة لام ولد (جمهرة الانساب ابن حزم صـ۵۳) بصرہ کے مقام پر ۱۹۹ھ میں انہوں نے علم بغاوت بلند کیا، گرفتار ہو کر امیر المومنین کے حضور میں پیش ہوئے۔ اعتراف جرم کے بعد رحم دل خلیفہ نے قصور معاف کر دیا۔ ان سے نسل باقی رہی مگر ان کے دوسرے بھائی عبداللہ بن جعفر (الصادقؒ) کی اولاد میں صرف ایک بیٹی فاطمہ نام تھیں وہ عباسی خاندان میں عباس بن عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد الامام بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ کو بیاہی گئیں (جمهرة الانساب ابن حزم صـ۵۳ و کتاب نسب قریش صـ۶۴) عباسی شوہر کے انتقال کے بعد علی بن اسمٰعیل بن جعفر (الصادقؒ) سے نکاح ہوا، اسمٰعیلی فرقہ کے بانی نے ابتدا ان ہی فاطمہ کے والد عبداللہ بن جعفر (الصادقؒ) سے اپنا انتساب نسب کیا تھا بعد میں جب اسے یہ پتہ چلا کہ ان عبداللہ کے سوائے ایک بیٹی کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اپنا یہ انتساب ترک کر کے اسمٰعیل بن جعفر (الصادقؒ) سے اپنے کو منسوب کر دیا (جمهرة الانساب صـ۵۲)

[2] موسیٰ (الکاظمؒ) کے فرزند زید کو ابو السرایا نے، جس کا ذکر ابن طباطبا کے حالات میں گزر چکا، اہواز کا عامل مقرر کیا تھا، طوائف الملوکی کے ایام میں انہوں نے بصرہ پر بھی چند روزہ تسلط قایم کر لیا، لوٹ مار اور قتل و غارت گری سے ایک قیامت برپا کر دی۔ عمدۃ الطالب کے شیعہ مولف نے ان کے بارے میں لکھا ہے:۔

احرق دور بنی العباس واضرم النار فی نخیلهم وجمیع	عباسیوں کے مکانوں کو آگ سے جلا ڈالا اور ان کے باغات اور کل اسباب و متاع

اسبابهم فقیل لہ زید النار (صـ۲۰۹ طبع لکھنؤ) | کو نذر آتش کر دیا، اسی وجہ سے ان کو زید النار کہنے لگے۔

علامہ شبلیؒ ان لوگوں کی حرکات کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

"خاندان عباسیہ پر عموماً سادات (بنو فاطمہ) کے قتل کا الزام لگایا جاتا ہے جو لوگ حجروں میں بیٹھ کر اعتراض کے لئے قلم اٹھاتے ہیں وہ معذور ہیں لیکن جو شخص پولیٹکل ضرورتوں کا اندازہ داں ہے وہ اس اعتراض کو مشکل سے تسلیم کرے گا، سادات و علویین کو دو دن کے لئے زور ہو گیا تو ملک میں قیامت برپا ہو گئی۔ عباسی خاندان ان کی جانب سے کبھی مطمئن نہیں رہ سکتا تھا اور جو کچھ ان سے برتاؤ ہوا وہ اسی ضرورت سے ہوا"

(المامون صـ۲۸)

بالآخر زید النار گرفتار ہو کر امیر المومنین کے حضور میں پیش ہوئے اور معافی قصور کے خواستگار ہوئے۔ رحم دل خلیفہ نے ایسے شخص کے قصور بھی معاف کر دئے جس نے ان کے اہل خاندان کے سیکڑوں مسکونہ مکانات؛ باغات اور کل مال و متاع کو نذر آتش کرنے کے سنگین جرائم کا ارتکاب کیا تھا۔ شیعہ مؤلف عمدۃ الطالب لکھتے ہیں کہ :۔

"زید النار جب گرفتار ہو کر امیر المومنین مامون الرشیدؒ کے حضور میں بمقام مرو پیش ہوئے انہوں نے ان کے بھائی علی (الرضاؒ) کے پاس بھیج دیا۔ اور جرم ان کا معاف کر دیا، مگر علی (الرضاؒ) کو ان کی حرکات سے اتنی ناگواری ہوئی کہ مدت العمر ان سے کلمہ کلام نہ کیا"

مؤلف مذکور کی عبارت یہ ہے :۔

وارسلہ الی المامون فادخل علیہ بمرو مقیداً فارسلہ المامون الی اخیہ علی الرضا ووھب لہ جرمہ وحلف علی الرضا ان لا یکلمہ ابدا وامر باطلاقہ (صـ۲۱۸)

انہیں (زید النار کو) مامون کے پاس قید کر کے بھیجا گیا، وہ ان کے حضور میں مقام مرو میں پیش ہوئے مامون (الرشید) نے ان کو ان کے بھائی علی رضا کے پاس بھیج دیا اور ان کا جرم بخش دیا۔ علی رضا نے قسم کھائی کہ ان سے کبھی کلام نہ کریں گے اور ان کو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔

عفو تقصیر کے بعد ایسے ظالموں کو بھی بغیر سزا چھوڑ دینا عباسی خلفاء کے فرضی مظالم کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ زید النار نے امیر المومنین المستعین باللہ عباسیؒ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی، ان کے گیارہ بیٹے تھے۔

سـ۳ـہ ان ابراہیم کو ابو السرایا نے یمن بھیجا تھا، وہاں کی چند روزہ حکمرانی کے ایام میں سفاکانہ حرکات کے ارتکاب سے الجزار (قصاب) کہلائے۔

یقال لہ الجزار لکثرۃ قتل من اھل یمن واخذ اموالھم۔ (ج ۱۰ صـ۲۹ البدایہ والنہایۃ) | اہل یمن کو کثرت سے قتل کرنے اور ان کے اموال کو لوٹ لینے کی وجہ سے قصاب کہلائے۔

ان ابراہیم الجزار (قصاب) کے آٹھ بیٹے ہوئے جن میں سے ایک جعفر تھے جنہوں نے یمن میں بغاوت کی تھی ان کا حال آگے آتا ہے۔ دوسرے موسیٰ تھے ان کے تیس بیٹے ہوتے ان میں سے ایک کی نسل میں محمد الرضی اور علی المرتضیٰ دو بھائی فضائل علمی سے بہرہ ور اپنے زمانہ کے زبردست شاعر تھے شیعیت میں غلو رکھتے تھے۔ نہج البلاغہ ان ہی کی تصنیف ہے۔ ان ہی ابراہیم الجزار کے ایک بیٹے کا نام مروان تھا جن سے نسل چلی۔

۲۳	[1]عبداللہ بن جعفر بن ابراہیم بن جعفر بن حسن بن الحسنؓ	۲۰۰ھ فارس	امیر المومنین الرشید عباسیؒ
۲۴	[2]جعفر بن ابراہیم الجزار بن موسیٰ (الکاظمؒ) بن جعفر (الصادقؒ)	۲۰۲ھ یمن	″ ″ ″ ″
۲۵	عبدالرحمٰن بن احمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر بن علیؓ بن ابی طالب	۲۰۷ھ یمن	″ ″ ″ ″

[1] کان خرج ایام المامون الی فارس (مقاتل الطالبین صـ۵۶) انہوں نے مامون (الرشید) کے عہد خلافت میں فارس میں خروج کیا۔ ان کے گھرانے کے تعلقات مصاہرت خلفائے عباسی کے خاندان سے چلے آتے تھے، ان کے دادا ابراہیم بن جعفر بن حسن مثنیٰ کی بہن ام حسن سلیمان بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ کی زوجہ تھیں، ان کے بطن سے

دو بیٹے جعفر و محمد اور چھ بیٹیاں ہوئیں (کتاب المعارف ابن قتیبہ صـ۱۶۴) بغاوت کی ناکامی کے بعد گرفتار ہو کر عباسی خلیفہ کے حضور میں پیش کئے گئے۔ بعد معافی تقصیرات ان کا وظیفہ بھی دربار خلافت سے مقرر ہوا۔ عباسی خلیفہ کے اِس ترحم اور فیاضانہ برتاؤ کو بھی ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے۔

؎۲ اپنے والد ابراہیم الجزار کی بغاوت کے کچھ عرصہ بعد انہوں نے بھی وہیں بغاوت کی مگر یہ بغاوت بھی ناکام رہی رحم دل عباسی خلیفہ نے جرم پوشی کی معاف کر دیا۔

؎۳ ۲۰۰ھ میں یمن کے مقام عکہ میں خروج کیا، خرج بالیمن علی المامون (جمہرۃ الانساب ابن حزم صـ۶۰) امیر المومنین کی جانب سے بذریعہ فوجی افسر دینار بن عبداللہ امان نامہ بھیجا گیا کہ اگر بغاوت سے بغیر قتال وجدال کے باز آجائیں تو جرم بغاوت معاف کیا جائے گا۔ انہوں نے اطاعت پر آمادگی کا اظہار کیا، سردار لشکر نے امیر المومنین کے حضور میں بھیجدیا، انہوں نے بغداد پہنچکر نہ صرف اطاعت اور فرمانبرداری کا عہد کیا بلکہ عباسی سرکاری سیاہ لباس زیب تن کیا اور ہمیشہ اس کو پہنتے رہے (ج ۱۰ صـ۲۶۰ البدایہ والنہایہ) علویوں کی ان مسلسل بغاوتوں کے پیش نظر امیر المومنین مامون الرشیدؒ نے حکم دیا تھا کہ علویین میں سے جو کوئی بھی دربار خلافت میں حاضر آئے وہ سرکاری سیاہ لباس پہن کر حاضر ہو۔ چنانچہ یہ سب حسنی و حسینی وظیفہ یافتگان بارگاہ خلافت سرکاری سیاہ لباس پہن کر آتے اور وظائف و عطایا سے سرفراز ہوتے۔

۲۶	محمد بن قاسم بن علی بن عمر بن علی (زین العابدینؒ)	۲۱۹ھ طالقان	امیر المومنین المعتصم باللہ عباسیؒ
۲۷	محمد بن صالح بن عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن الحسنؓ	۲۳۳ھ حجاز	امیر المومنین المتوکل علی اللہ عباسیؒ

؎۱ حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدینؒ) کے یہ پرپوتے عالم و فاضل شخص تھے اور ان کے گھرانے سے خلفائے عباسی کے خاندان کے مناکحت و مصاہرت کے تعلقات قدیم الایام سے قائم تھے۔ ان کے پردادا عمر بن علی (زین العابدینؒ) کی دختر خدیجہ یعنی حضرت علیؓ

(زین العابدینؒ) کی حقیقی پوتی محمد بن ابراہیم الامام بن محمد الامام بن علی بن عبداللہ بن العباسؓ کو بیاہی گئی تھیں۔ ان کے بطن سے اولاد بھی تھی (طبقات ابن سعد) اس خاندان کو دیگر افراد بنی ہاشم کی طرح وظائف کی معقول رقوم دربار خلافت سے ملتی رہتی تھیں مگر ایک مفسد نے یہ خیال ان کے دل میں راسخ کر دیا کہ آپ خلافت کے مستحق ہیں۔ خراسان سے جو لوگ ادائے حج کے لئے آتے اس مفسد کی ترغیب سے محمد بن قاسم کی بیعت کر لیتے ایسے لوگوں کی تعداد جب کافی ہو گئی تو یہ بھی ان لوگوں کے ساتھ خراسان چلے گئے اور وہاں کے مقام طالقان میں خروج کر بیٹھے، سرکاری فوج سے مقابلہ میں شکست کھائی اور میدان جنگ سے تن تنہا بھاگ پڑے لیکن گرفتار ہو کر امیر المومنین کے حضور میں پیش کئے گئے۔ رحم دل خلیفہ المعتصم باللہ نے جان بخشی کی مگر باحتیاط مزید محبوس کئے گئے۔ عید کے دن کسی حیلے سے قید خانہ سے فرار ہو گئے۔ مدتوں چھپتے پھرے اور اسی حالت میں دار الآخر کو سدھارے۔ علامہ ابن حزم ان کے حال میں لکھتے ہیں:۔

کان فاضلاً فی دینه، یمیل الی الاعتزال قام بارض طالقان فلما رای الامر لا یتم الا بسفک الدماء هرب، فظفر به فبعث الی المعتصم فتحیل وهرب واستتر الی ان مات۔

(جمہرۃ الانساب صـ۴۸)

وہ علوم دینیہ کے فاضل تھے، اور اعتزال کی جانب مائل تھے۔ طالقان میں (طلب حکومت کے لئے) کھڑے ہوئے جب یہ دیکھا کہ اس کا حصول بلا خونریزی کے پورا نہ ہوگا وہ بھاگ کھڑے ہوئے مگر پکڑے گئے اور امیر المومنین المعتصم (باللہ عباسیؒ) کے پاس بھیجے گئے مگر پھر حیلہ کر کے فرار ہو گئے اور چھپتے پھرے حتیٰ کہ فوت ہو گئے۔

شیعی مؤلف عمدۃ الطالب نے لکھا ہے کہ یہ صوفی بھی تھے اور صوف کا لباس پہنتے تھے۔ یلبس الصوف (صـ۲۹۶)
یہی مؤلف کہتے ہیں کہ قید خانہ سے جب فرار ہو کر پھر پکڑے گئے تو سزائے قتل کئے گئے (صـ۲۹۷)

؎۴ انہوں نے امیر المومنین المتوکل علی اللہ عباسی علیہ الرحمہ کے عہد خلافت میں مقام سوقیہ نزد مدینہ خروج کیا اور جماعت کثیر اپنے ساتھ کر لی تھی کان

خرج بسوقیۃ وجمع للناس (مقاتل الطالبین ص۶۰) مگر انہیں ان کے چچا ہی نے گرفتار کرا دیا، قید کی سزا ملی، قید خانہ میں بیٹھ کر امیر المومنین کی مدح میں متعدد قصائد لکھے، جن کے اشعار اغانی نے نیز بعض مؤرخین نے نقل کئے ہیں۔ اغانی نے جو اشعار نقل کئے ہیں ان میں سے پہلے دو شعر ان کے ایک قصیدے کے یہ ہیں:۔

یا ابن الخلائف والذین بہدیہم ؎ ظہر الوفاء بان غدر الغادر

وابن الذین حووا تراث محمد ؎ دون الاقارب بالنصیب الوافر

بالآخر قید سے رہا ہوئے اور مدۃ العمر بغاوت کی کسی تحریک سے کوئی تعلق نہ رکھا اور خلفائے عباسی کے وفادار اور ہمیشہ ان کے مطیع رہے۔

۲۸	یحییٰ[1] بن عمر بن زید بن علی (زین العابدینؒ)	۲۳۵ھ	بصرہ	امیر المومنین المتوکل علی اللہ عباسیؒ
۲۹	ابی الحسین یحییٰ بن عمر بن یحییٰ بن حسین بن زید بن علی (زین العابدینؒ)	۲۵۰ھ	کوفہ	امیر المومنین المستعین باللہ عباسیؒ

[1] شیعوں کی ایک مفسد جماعت نے انہیں ورغلا کر خروج پر آمادہ کر لیا تھا، بصرہ میں اس خروج کی تیاریاں سب مکمل ہو چکی تھیں کہ عمال حکومت کو بر وقت اطلاع مل گئی اور یہ گرفتار کر لئے گئے۔ باغیانہ سرگرمیوں کی پاداش میں اٹھارہ کوڑے لگے اور محبوس کئے گئے ان کے بارے میں علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:۔

<table>
<tr><td>۲۳۵ھ فیہا اُتی المتوکل بیحیی بن عمر بن زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب من بعض النواحی۔
وکان قد اجتمع الیہ قوم من الشیعۃ فامر بضربہ فضرب ثمانی عشرۃ مقرعۃ ثم حبس فی المطبق۔
(ج ۱۰ ص۳۱۴ البدایۃ والنہایۃ)</td><td>۲۳۵ھ میں خلیفہ المتوکل کے پاس یحییٰ بن عمر لائے گئے۔
ان کے پاس شیعوں کی ایک جماعت آ کر جمع ہو گئی تھی (خروج کریں) خلیفہ نے کوڑے مارنے کی سزا دی ان کے اٹھارہ کوڑے لگے پھر قید کر دئیے گئے۔</td></tr>
</table>

[2] یہ یحییٰ بن عمر حضرت علی (زین العابدینؒ) کے ایک اور پوتے عمر بن یحییٰ کے فرزند

اپنے دادا کے ہمنام تھے، ان کے متعدد بزرگوں کے خروج خلفائے بنی امیہ کے مقابلہ میں ناکام رہے تھے، ان ناکام خروجوں کے تقریباً سوا سو برس بعد انہوں نے اپنے ہی خاندان بنی ہاشم کے خلفاء کے خلاف خروج کر دیا۔ بذات خود عالم فاضل مسلکاً مالکی تھے اور جملہ صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام کرتے تھے ان کے اخلاف اہل سنت والجماعت کے مسلک پر قائم رہے، چنانچہ عمر بن ابراہیم، ابو البرکات متوفی ۵۳۸ھ جو آنحضور واسطوں سے یحییٰ ابن حسین کی اولاد میں تھے اپنے زمانہ کے جید سنی عالم تھے (ص۲۱۹ ج۱۲ البدایہ) ان کے گھرانے کے بھی تعلقات مصاہرت خلفائے عباسیہ کے خاندان سے برابر چلے آتے تھے یحییٰ بن حسین مذکور کی حقیقی بہن میمونہ جو حضرت علی (زین العابدینؒ) کی حقیقی پوتی تھیں امیر المومنین مہدی باللہ عباسیؒ کی زوجہ محترمہ تھیں (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص۵۱) یحییٰ کی سکونت کوفہ میں تھی طلب خلافت کا سودا ان کے سر میں ایسا سمایا کہ بقول ابن خلدون بادیہ نشینان عرب اور اہل کوفہ کی جمعیت کو اپنے ساتھ کر کے جیل کا دروازہ توڑ ڈالا اور قیدیوں کو جیل سے نکال کر اپنے ساتھ ملا لیا، سرکاری دفاتر جلا کر خاک سیاہ کر دئیے اور بیت المال کے دروازے توڑ کر دو ہزار دینار سرخ اور ستر ہزار درہم لوٹ لئے۔ سرکاری لشکر سے بالآخر شکست کھائی۔ ان کے ساتھیوں کی کثیر جماعت ہلاک ہوئی۔ ان سے کوئی عقب نہیں لیس لیحیی بن عمر بن یحیی عقب (عمدۃ الطالب ص۲۶۴) مگر ان لوگوں کو بھی جنہوں نے بیت المال کی کثیر رقوم لوٹ لیں۔ سرکاری دفاتر جلا ڈالے۔ مظلوموں کی فرضی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔

۳۰	حسن[1] بن زید بن محمد بن اسمٰعیل بن حسن بن زید بن الحسنؓ	۲۵۰ھ	دیلم	امیر المومنین المستعین باللہ عباسیؒ
۳۱	محمد[2] بن زید بن محمد بن اسمٰعیل بن حسن بن زید بن الحسنؓ	۲۵۰ھ	طبرستان	״ ״ ״
۳۲	محمد بن جعفر بن حسن بن عمر بن علی (زین العابدینؒ)	۲۵۰ھ	فارس	״ ״ ״
۳۳	احمد بن عیسیٰ بن حسین الصغیر بن علی (زین العابدینؒ)	۲۵۰ھ	الرے	״ ״ ״

[1،2] حضرت حسن بن علیؓ کے ایک صاحبزادے زید تھے وہ بھی اپنے چچا حضرت حسینؓ کے خروج میں ساتھ تھے، لیکن اپنے بھائی حسن مثنیٰ کی طرح صحیح سلامت واپس آئے

تھے (مقاتل الطالبین صـ۱۱۹) ان زید کے ایک بیٹے کا نام حسن تھا اور یہ حسن بن زید بن الحسنؓ امیر المومنین ابو جعفر المنصور عباسیؒ کے عہدِ خلافت میں پانچ سال تک امیر مدینہ رہے تھے۔ شیعی مؤلف عمدۃ الطالب ان کے حالات میں لکھتے ہیں:۔

کان امیر المدینۃ من قبل المنصور الدوانیقی وعمل لہ غیر المدینۃ ایضًا وکان مظاھرًا لبنی عباس علی بنی عمہ الحسن المثنیٰ وھو اول من لبس السواد من العلویین۔

(صـ۴۹ طبع اول مطبوعہ لکھنؤ)

وہ المنصور دوانیقی[1] کی جانب سے امیر مدینہ تھے اور مدینہ کے علاوہ کئی اور جگہ کے بھی عامل رہے، وہ اپنے ابن عم حسن مثنیٰ کی مخبری اور جاسوسی بنی عباس سے کیا کرتے تھے اور علویوں سے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سیاہ لباس (عباسیوں کا سرکاری لباس) پہنا تھا۔

حسن مذکور کی، ایک بیٹی اور آٹھ بیٹے تھے۔ بیٹی کا نام ام کلثوم تھا وہ پہلے خلیفہ عباسی امیر المومنین ابو العباس عبد اللہؒ کی زوجہ تھیں اور ان سے عباسی خلیفہ کے دو بیٹے ہوئے (ج ۱۳، صـ۱۰۶ طبری) حسن مذکور کے بڑے بیٹے ابو محمد قاسم تھے۔ ان کی والدہ ام سلمہ بنت حسین بن الحسن بن علیؓ تھیں۔ یہ بڑے بیٹے عابد و زاہد تھے۔ اور خلفائے بنی عباسؓ کے خاص طرفدار، شیعی مؤلف عمدۃ الطالب نے ان پر خلفائے بنی عباسؓ کی جاسوسی کا اتہام لگایا ہے اور لکھا ہے کہ:۔

وکان زاھدًا عابدًا ورعًا الا انہ کان مظاھرًا لبنی عباس علی بنی عمہ الحسن المثنیٰ۔

(صـ۵)

یہ زاہد و عابد اور متقی تھے۔ سوائے اس بات کے کہ وہ اپنے بنو عم اولاد حسن مثنیٰ کی جاسوسی بنو عباسؓ (کے خلفاء سے) کیا کرتے تھے۔

---

[1] شیعہ مولفین امیر المومنین ابو جعفرؒ کے اسم گرامی کے ساتھ "دوانقی" کا لفظ بالعموم تحقیر کے لئے لکھتے ہیں: "دوانق" ایک سکہ دمڑی کا تھا۔ امیر المومنین موصوف سلطنت کے حسابات کی جانچ پڑتال اہتمام سے کرتے اور اخراجات میں کفایت شعاری ملحوظ رکھتے تھے دشمنوں نے "دوانقی" تنقیصًا ان کے نام کے ساتھ لکھنا شروع کر دیا۔

دوسرے بیٹے ابو الحسن اسحٰق کوکبی تھے جو امیر المومنین ہارون الرشیدؒ کی مصاحبت میں رہتے تھے اور عباسی خلافت کے خلاف طالبی خاندان کے افراد کی باغیانہ کارروائیوں کی اطلاع دیتے رہتے تھے اور ان ہی کے مشورے سے ان لوگوں کو سزائیں بھی دی جاتی تھیں۔ شیعی مؤلف عمدۃ الطالب ان کی وفادارانہ خدمات کو مسخ کر کے ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:۔

وکان مع الرشید قیل انہ کان یسعی بآل ابی طالب الیہ وکان عینًا للرشید علیھم وسعی بجماعۃ من العلویین الیہ وقتلوا برایہ ..... وکان لا یفارقہ السواد لیلا ولا نھارًا۔

(صـ۵)

وہ (خلیفہ ہارون) الرشید کی مصاحبت میں تھے کہتے ہیں کہ وہ آل ابی طالب کی ان سے مخبری کیا کرتے تھے وہ (ہارون) الرشید کی طرف سے ان پر جاسوس تھے انہوں نے علویوں کی ایک جماعت کی جاسوسی کی جو ان ہی کی رائے سے قتل ہوئے..... وہ سیاہ (سرکاری لباس) دن رات پہنے رہتے اسکو کبھی جدا نہ کرتے۔

حسن بن زید بن الحسنؓ کے آٹھ بیٹوں میں سے چار بھائیوں کی اولاد میں سے متعدد اشخاص نقل مکانی کر کے سجستان و رے و طبرستان و مرو و جرجان و بلخ و دیلم میں باوقات مختلف مسکن گزین ہوئے۔ منجملہ ان اشخاص کے حسن بن زید و محمد بن زید ابنائے زید بن محمد بن اسمٰعیل بن حسن بن زید بن الحسنؓ مقام رے میں ساکن تھے، اس زمانہ میں طبرستان کے والی سے وہاں کے باشندوں کو شکایات پیدا ہوئیں، ان لوگوں نے محمد بن ابراہیم علوی سے جو وہاں مقیم تھے دعوے امارت کے ساتھ کھڑے ہو جانے کو کہا انہوں نے انکار کیا اور کہا رے پہنچکر حسن بن زید کو آمادہ کرو۔ طبرستانی وفد حسن مذکور کے پاس پہنچا وہ آمادہ ہو گئے اور سنہ ۲۵۰ھ میں اہالیان طبرستان کی مدد سے خروج کیا اور اپنی حکومت قائم کر لی۔ شیعوں نے ان کو الداعی الکبیر کا لقب دیا ہے۔ انیس برس آٹھ مہینے حکمراں رہے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بھائی محمد نے جن کو الداعی الصغیر کہا گیا ہے۔ سترہ برس تک اس علاقہ پر سیاسی تسلط قائم رکھا۔ سنہ ۲۸۷ھ میں عباسی خلافت کے لشکر سے مقابلہ ہوا۔ محمد بن زید مع اپنے ساتھیوں کی کثیر تعداد کے مقتول ہوئے۔ ان دونوں بھائیوں نے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے خاندانی و نسبی

عصبیت کو ہوا دی اور خلافت پر اپنا حق مرجح ثابت کرنے کا پروپگنڈہ کیا اسی پروپگنڈے سے اس علاقہ میں شیعی عقائد کی مسلسل تبلیغ ہو کر اہالیان طبرستان کی اکثریت اس مسلک پر قایم ہو گئی۔ محمد بن زید کے زمانہ کا ایک لطیفہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ دو شخص جن میں سے ایک کا نام علی تھا اور دوسرے کا معاویہ اپنے تنازعہ کے تصفیہ کے لئے ان کے پاس حاضر ہوئے۔ محمد بن زید نے فریقین کے نام سنتے ہی کہا کہ تمہارے معاملہ کا فیصلہ تو تمہارے ناموں ہی سے ہو جاتا ہے جس کا نام معاویہ تھا اس نے عرض کیا کہ امیر کو ہمارے ناموں سے مغالطہ نہ ہونا چاہئے۔ میرے باپ نے جو کبار شیعہ میں سے تھا میرا نام تقیۃً "معاویہ" رکھا۔ کیونکہ ہمارے یہاں سنیوں کو غلبہ حاصل تھا اور میرے مخالف کے باپ نے بھی جو کبار نواصب میں سے تھا شیعوں کی مدارات میں اپنے بیٹے کا نام "علی" رکھا۔ محمد بن زید اس لطیفہ پر ہنس پڑے اور ان کے معاملہ کا تصفیہ انصاف سے کر دیا۔ ان کے بڑے بھائی بھی فضیلت علمی سے بہرہ اور اچھی صفات کے حامل تھے، ایک شاعر نے ان کی مدح میں قصیدہ کہا تھا جس کے ایک شعر کا مصرعہ تھا :۔

اللہ فرد و ابن زید فرد (اللہ بھی یکتا ہے اور ابن زید بھی یکتا)

حسن بن زید نے یہ مصرعہ سنتے ہی فرمایا تیرے منہ میں خاک، یوں کہو :۔

"اللہ فرد و ابن زید عبد" (اللہ یکتا ہے اور ابن زید بندہ)

مگر سیاسی اقتدار کے قیام اور اس کے حصول میں ان سے ایسی لغزشیں ہوئیں کہ رفتہ رفتہ ان کے اخلاف نو مسلم و ضعیف الاعتقاد طبرستانی عجمیوں اور دیلمیوں میں اس طرح گھل مل گئے کہ ان کے ناموں تک میں "کار"، "کبار" و "ابو لکا" نام ہونے لگے، مثلاً ابو لکا بن حسن بن محمد بن جعفر" یا کارو کبارا بن لئے طاہر بن احمد بن محمد بن جعفر"، شخصیت پرستی، سب سلف اور رفض کو ایسا فروغ اس علاقہ میں ہوا کہ اسلامی تعلیمات کا چہرہ مسخ ہو گیا۔ مؤرخ ابن جریر طبری کا خاندان اسی علاقہ کا غالی رافضی خاندان تھا علامہ ابن حزمؒ حسن بن زید اور ان کے بھائی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :۔

ھما غیّر نعم اھلھا واذھبا بھجۃ البلد وکانا من کبار فساق دھما کانا السبب فی تولی الدیلم بلاد اسلام لانھما استجاشا بالدیلم

(جمہرۃ الانساب ص۳۵)

ان دونوں نے (طبرستان) کے باشندوں کی خوش حالی کو بدل ڈالا۔ اس علاقہ کی بہجت و شادمانی جاتی رہی۔ یہ دونوں بڑے فاسقوں میں سے تھے اور یہی اسلامی ممالک پر دیلمیوں کے تسلط کے موجب ہوئے کیونکہ انہوں نے ان دیلمیوں سے فوجی امداد طلب کی تھی۔

۳۳ بغاوت کے ارتکاب میں عساکر خلافت کے ہاتھ اسیر ہو کر سزایاب ہوئے ص۱۱۳ ج۱۱ طبری۔

۳۴ حضرت علی (زین العابدینؒ) کے یہ پوتے اپنے بنو عم میں سے ادریس بن موسیٰ بن عبد اللہ بن حسن مثنیٰ کے ساتھ ہو کر "الرضا من آل محمد"، کے نعرہ کے ساتھ بعد نماز عید خروج کر بیٹھے۔ موسیٰ بن بغا الکبیر خلافت کے ایک ترکی سردار نے ان کو ہزیمت دی۔ احمد بن عیسیٰ بھاگ کر قزوین پہنچے۔ ۲۵۲ھ میں دیلم کے ایک سردار سے مدد طلب کرکے اور حسن بن احمد کوکبی کی معیت میں بلاد رے پر یورش کی۔ قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا۔ افواج خلافت سے شکست کھا کر گرفتار ہوئے اور نیشا پور بھیجدیے گئے۔

(ص۱۵۲ ج۱۱ طبری)

۳۴	ادریس بن موسیٰ بن عبد اللہ بن موسیٰ بن عبد اللہ بن حسن مثنیٰ۔	۲۵۰ھ الرے	امیر المومنین المستعین باللہ عباسیؒ
۳۵	عبد اللہ بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن محمد بن عبد اللہ بن جعفر طیارؓ۔	۲۵۰ھ زنجان	، ، ، ،
۳۶	حسین کوکبی بن احمد بن اسمٰعیل بن محمد بن اسمٰعیل الارقط بن محمد بن عبد اللہ بن علی (زین العابدین)	۲۵۱ھ قزوین	، ، ، ،

۳۷	ابراہیم[۱] بن محمد بن عبداللہ بن حسن بن عبید اللہ بن حسن بن عباس بن علیؓ بن ابی طالب	۲۵۱ھ قزوین	امیر المومنین المستعین باللہ عباسیؒ
۳۸	حسین[۲] الحرون بن محمد بن حمزہ بن عبداللہ بن حسین بن علی (زین العابدینؒ)	۲۵۱ھ کوفہ	" " " "
۳۹	ابو احمد[۳] محمد بن جعفر بن حسن بن جعفر بن حسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب۔	۲۵۱ھ "	" " " "

[۱] یہ احمد بن عیسٰی (۳۳) کے ساتھ شریک بغاوت تھے۔

[۲،۳] یہ حسین کوکبی حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدینؒ) کے فرزند عبداللہ الارقط برادر حقیقی محمد (الباقر) کی اولاد سے تھے۔ ابن حزمؒ نے عبداللہ کا لقب الارقط لکھا ہے، شیعہ نسابین نے در الباہر، اور ان کے فرزند محمد کا الارقط چنانچہ ان کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کا کچھ جھگڑا اپنے عم جعفر (الصادقؒ) سے تھا ان کی بددعا سے محمد مذکور کا چہرہ بگڑ گیا اس لئے محمد الارفط کہلائے (عمدۃ الطالب ص۲۴۲)

دوسری روایت یہ ہے کہ چیچک کے داغ چہرے پر زیادہ ہونے سے کریہہ المنظر تھے۔ ان کے گھرانے کے تعلقات مصاہرت و مناکحت خلفائے عباسی کے خاندان سے شروع ہی سے تھے۔ حضرت علی بن الحسین (زین العابدینؒ) کی تین بیٹیاں منجملہ سات دختران کے عباسی خاندان میں بیاہی گئی تھیں یعنی ام موسٰی (اور بقول مولف کتاب نسب قریش ام الحسن) بنت علی بن الحسینؓ (زین العابدینؒ) داؤد بن علی بن عبداللہ بن العباسؓ کی زوجیت میں تھیں ان کے بطن سے ایک بیٹی کلثوم اور ایک بیٹے موسٰی بن داؤد عباسی ہوئے۔ حضرت علیؓ (زین العابدینؒ) کے یہ عباسی نواسے فضیلت علمی سے بہرہ ور محدث تھے اور ان کے پوتے عبداللہ بن محمد بن موسٰی عباسی بھی محدث ہوئے وہ طبرستان و جرجان کے عہدہ قضا پر مامور رہے ان کے دوسرے بھائی صالح بن محمد بن موسٰی عباسی امیر المومنین ہارون الرشیدؒ کے عہد میں بصرہ کے والی تھے حضرت علی (زین العابدینؒ) کی دوسری دختر فاطمہ بھی اپنی بہن ام موسٰی کے انتقال کے بعد اپنے ہی بہنوئی داؤد بن علی عباسی کے نکاح میں آئیں اور تیسری صاحبزادی ام الحسین ابراہیم الامام بن محمد الامام بن علی بن عبداللہ العباسؒ

کی زوجہ تھیں۔ ان سے ان کے اولاد بھی ہوئی (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص۴۶) ان محمد بن عبداللہ الارقط کی بہن کلثوم بنت عبداللہ الارقط بن علی بن الحسینؓ اسمٰعیل بن علی بن عبداللہ بن العباسؓ کی زوجہ تھیں۔ (کتاب نسب قریش ص۶۴) اسی طرح کے اور رشتے تھے جن کا بیان موجب طوالت ہے۔ باوجود ان تعلقات مصاہرت کے محمد بن عبداللہ الارقط مذکور کے پوتے حسین بن احمد مذکور نے اپنے دوسرے افراد خاندان کی سازش سے ۲۵۱ھ میں اور بروایت عمدۃ الطالب ۲۵۵ھ میں بمقام قزوین علم بغاوت بلند کیا سرکاری فوج کے مقابلہ میں شکست کھا کر فرار ہوتے اور حسن بن زید کے پاس طبرستان پہنچے لیکن کچھ عرصہ بعد مقتول ہوئے۔

اسی بغاوت میں ابراہیم بن محمد بھی تھے جو عباس بن علی بن ابی طالب کے اخلاف میں سے تھے، ان کے جد امجد عبید اللہ بن حسن امیر المومنین مامون الرشیدؒ کے عہد میں مکہ و مدینہ کے عامل اور قاضی بھی رہے تھے اور ان ہی کے بنو اعمام میں عبداللہ بن عباس بن قاسم بن حمزہ بن حسن بن عباس بن علی امیر المومنین موصوف کے مصاحب بھی تھے۔ ابراہیم بن محمد تو اسی معرکہ قتال میں کام آئے۔

[۵] حسین الحرون اور ابو احمد محمد نے کوفہ میں خروج کیا، ابو احمد مذکور کے چچا عبداللہ بن حسن بن جعفر امیر المومنین مامون الرشید کے عہد میں اول کوفہ کے اور بعد میں مکہ کے عامل رہے اور ان کے دادا کی زوجہ سلیمان بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ کی ایک بیوہ تھیں جن سے اولاد بھی تھی۔ ان رشتوں کے باوجود بغاوت کی اور مع اپنے ساتھیوں کی کثیر تعداد کے مارے گئے۔ فھزم العلوی وقتل من اصحابہ بشر کثیر ص۹ ج۸ البدایہ و ص۱۲۵ ج۱۱ طبری۔

۴۰	اسمٰعیل[۱] بن یوسف بن ابراہیم بن موسٰی بن عبداللہ بن حسن مثنٰی بن الحسن بن علیؓ بن ابو طالب	۲۵۱ھ مکہ معظمہ	امیر المومنین المستعین باللہ عباسیؒ
۴۱	الاخیضر[۲] محمد بن یوسف بن ابراہیم بن موسٰی بن عبداللہ بن حسن مثنٰی بن الحسنؓ علیؓ بن ابی طالب	۲۵۱ھ یمامہ	" " " "

سلہ انہوں نے اپنے ایام بغاوت میں مکہ معظمہ و مدینہ منورہ اور جدہ میں نہ صرف گورنر مکہ اور ان کے طرفداروں کے مکانات لوٹ لئے بلکہ کعبہ کا وقفی خزانہ اور جو سونا چاندی اس میں تھا وہ سب بھی لوٹ لیا اور کعبہ کا غلاف تک اتار لیا۔ (واخذ ما فی الکعبۃ من الذھب والفضۃ والطیب وکسوۃ الکعبۃ (البدایہ والنہایہ ج۱۱ ص۹ وطبری ج۱۱ ص۱۳۶) اہالیان مکہ سے دو ہزار اشرفیاں زبردستی وصول کیں پھر مکہ سے مدینہ جاکر اسی قسم کے مظالم کئے۔ مدینہ سے واپس ہو کر جدہ میں تاجروں کا مال و متاع بھی لوٹ لیا۔ ۵۷ دن اس شخص کا تسلط رہا اس عرصہ میں لوگ بھوک پیاس سے مرنے لگے۔ روزانہ ضروریات کی اشیاء کی دستیابی محال ہوگئی۔ پینے کے پانی کی ایک صراحی تین درہم کو ملتی تھی۔ یہ زمانہ حج کا تھا ایک ہزار سے زیادہ حاجیوں کو قتل کرکے ان ظالموں نے ان کا روپیہ اور اسباب بھی لوٹ لیا، وقتل الحجیج الفا ومائۃ وسلبھم اموالھم (البدایہ والنہایہ ج۱۱ ص۱۰ وطبری ج۱۱ ص۱۳۷) شیعی مؤلف عمدۃ الطالب کی عبارت کا بھی یہی کچھ مفہوم ہے۔ (اعترض الحجاج فقتل منھم جمعا کثیرا ونھبھم ص۲) حاجیوں کے قافلوں کا راستہ روک لیا ان کی کثیر تعداد قتل کر ڈالی اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ ان مفسدین کی دہشت سے نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ادائے فریضۂ نماز کے لئے کوئی ایک شخص بھی اس عرصہ میں مسجد نبوی میں نہ جا سکا اور نہ وہاں نماز جماعت ہوسکی۔ علامہ ابن حزمؒ نے اسمٰعیل مذکور کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

وھو الذی حاصر المدینۃ حتی مات اھلہا جوعا ولم یصل احد فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہی ہے وہ جس نے مدینہ کا محاصرہ کیا تھا یہاں تک کہ لوگ بھوک پیاس سے مرنے لگے اور مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی ایک شخص بھی نماز نہ پڑھ سکا۔

لشکر خلافت کے پہنچنے پر اس بغاوت کا خاتمہ ہوکر لوگوں کو عذاب سے نجات ملی اور یہ شخص بھی اسی زمانہ میں چیچک کی وبا سے جلد ہلاک ہوگیا۔ فاھلکہ اللہ عاجلا کیا اس قماش کے لوگوں کو سزا دینا بھی عباسیوں کے فرضی مظالم کی فہرست میں شامل ہے۔

سلہ یہ الاخیضر اپنے بھائی اسمٰعیل سے عمر میں بیس برس بڑے تھے۔ انہوں نے یمامہ میں سیاسی اقتدار حاصل کر لیا اور چند نسلوں تک انکی اولاد میں وہاں کی حکومت قایم رہی ان کا مستقر

"الخضرمۃ" تھا۔

شیعی مؤلف عمدۃ الطالب ان کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

وقام بعد (ای اسمٰعیل بن یوسف) اخوہ محمد بن یوسف بعد وفاتہ وازری علی فعلہ فی السفک والنھب والفساد فارسل المعتز بالسفاح الاشروسی فی عسکر ضخم فھرب محمد منہ وسار الی الیمامہ فملکھا وملکھا اولادہ بعدہ۔ (ص۹۲)

اسمٰعیل بن یوسف کی وفات کے بعد اس کا بھائی محمد بن یوسف اٹھا اور اس نے بھی خونریزی لوٹ مار اور فساد ترک نہ کیا (خلیفہ) المعتز (باللہ) نے فوجی افسر سفاح اروشی کو فوج گران کے ساتھ بھیجا محمد مذکور اس کے مقابلہ سے بھاگ کر یمامہ چلا گیا وہاں حکومت قایم کی جو اس کے بعد اس کی اولاد میں رہی۔

.. ..

۴۲	عبداللہ[1] بن احمد بن محمد بن ابراہیم الارقط بن محمد بن علی (زین العابدینؒ) بن الحسین بن علیؓ بن ابی طالب	۲۵۲ھ	کوفہ	امیر المومنین المستعین باللہ عباسیؒ
۴۳	محمد[2] الاکبر بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن الحسن بن علی بن ابی طالب	۲۵۴ھ	مدینہ	امیر المومنین المہتدی باللہ عباسیؒ
۴۴	عیسیٰ بن جعفر حسینی	۲۵۵ھ	کوفہ	" " "
۴۵	علی بن محمد بن احمد بن علی بن عیسیٰ بن زید بن علی (زین العابدینؒ) بن الحسین بن علیؓ بن ابی طالب	۲۵۶ھ	"	امیر المومنین المعتمد علی اللہ عباسیؒ
۴۶	علی[3] بن زید بن حسین بن زید بن علی (زین العابدینؒ)	"	"	" " "

سلہ جناب محمد الباقرؒ کے چار بیٹوں میں ایک ابراہیم تھے ان کے پوتے عبداللہ بن احمد بن محمد بن ابراہیم مذکور نے ۲۵۲ھ میں خروج کیا مگر ناکام رہ کر مارے گئے ان سے کوئی نسل نہیں چلی۔

سلہ عمدۃ الطالب نے ان کا لقب "الثائر" لکھا ہے اور کہا ہے کہ خلیفہ المعتز باللہ عباسیؒ کے زمانہ میں مدینہ میں خروج کیا خرج بالمدینۃ فی ایام المعتز (عمدۃ الطالب ص۱۱۲) ناکام رہ کر کیفر کردار کو پہنچے۔

۴؎ طبری وغیرہ نے ان کا پورا سلسلہ نسب درج نہیں کیا۔ صرف یہ لکھا ہے کہ ۲۵۵ھ کے ماہ رجب کی دو راتیں باقی تھیں جو کوفہ میں عیسیٰ بن جعفر حسینی اور علی بن زید حسینی نے خروج کیا اور سرکاری فوج کے مقابلہ میں ہزیمت ہوئی۔

۴؎ طبری نے "اول خروج علوی بالبصرۃ" کے عنوان سے اس شخص کی بغاوت کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کا دعویٰ نسب صحیح نہیں تھا وہ عبد القیس کے قبیلہ سے تھا عجمی موالیوں اور حبشیوں کی بڑی کثیر جماعت کو اپنے ساتھ ملا کر برسوں تک حکومت وقت کے خلاف معرکہ آرائی کرتا رہا، چونکہ وقتاً فوقتاً بعض علوی نسب اشخاص بھی اس کے ساتھ ہوتے رہے اس لئے یہاں اس کے نام کا اندراج کیا گیا اس کا ذکر مدعیانِ علویت کے ضمن میں کیا گیا ہے۔

۵؎ علی بن زید طالبی نے ۲۵۶ھ میں کوفہ میں خروج کیا۔ سرکاری فوج کے مقابلہ میں ہزیمت ہوئی اور اس کے ساتھیوں کی بڑی تعداد مقتول ہوئی (طبری ج ۱۱ ص ۲۱۴) علی بن زید بھاگ کر حبشیوں کے سردار کے پاس جو "صاحب الزنج" کہلاتا تھا بصرہ میں جا پہنچے مگر اس نے مدد دینے کے بجائے ان کو قتل کر کے ان کی ایک محبوبہ کنیز کو جس کا نام راتب تھا اپنے تصرف میں کر لیا (جمہرہ ابن حزم ص ۵۲)

۴۷	محمد[۱] بن حسن بن محمد بن ابراہیم بن حسن بن زید بن الحسن بن علیؓ بن ابی طالب	سنہ ۲۵۶ھ	مدینہ	امیر المومنین المعتمد علی اللہ عباسیؒ
۴۸	ابراہیم[۲] بن محمد بن جعفر بن عبداللہ العقیقی بن حسین بن علی (زین العابدینؒ) بن الحسین بن علیؓ بن ابی طالب	"	مصر	" " "
۴۹	حسن[۳] بن محمد بن جعفر بن عبداللہ العقیقی بن حسین بن علی (زین العابدین) بن الحسین بن علیؓ بن ابی طالب	سنہ ۲۶۶ھ	طبرستان	" " "
۵۰	احمد[۴] بن محمد بن اسمٰعیل بن حسن بن زید بن الحسن	سنہ ۲۶۷ھ	مدینہ	امیر المومنین المعتمد علی اللہ عباسیؒ
۵۱	علی[۵] بن احمد " " " "	"	"	" " " "

۱؎ مدینہ میں خروج کیا، نہایت بداعمال اور فاسق تھا مسجد نبوی میں بیٹھ کر دن دہاڑے شراب نوشی اور بدفعلیاں کرتا۔ علامہ ابن حزم اس کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

وکان من افسق الناس، شرب الخمر علانیۃ فی مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہاراً وفسق فیہ بفتیۃ لبعض اہل المدینۃ رحمہ اللہ۔ وقتل اہل المدینۃ بالسیف والجوع وکان قیامہ ایام المعتمد وقتل اہل المدینۃ ولم یصل بہا طول مدتہ فیہا جمعۃ ولا جماعۃ (جمہرۃ ابن حزم ص ۴۴ سطر ۱۳)

یہ نہایت درجہ فاسق تھا، دن میں مسجد نبویؐ میں بیٹھ کر علانیہ شراب پیتا اور بعض اہل مدینہ کی چھوکریوں سے فسق و فجور کا ارتکاب کرتا۔ اہل مدینہ کو بھوک پیاس سے مار ڈالا۔ وہ (خلیفہ) المعتمد باللہؒ کے عہد میں بغاوت کے لئے کھڑا ہوا، اہل مدینہ کو قتل کیا اور اس تمام مدت میں جمعہ اور جماعت کی نماز مسجد نبوی میں ادا نہ کی جا سکی۔

خلافت کے لشکر نے جلد ہی اس کا خاتمہ کر دیا۔ خسر الدنیا والآخرۃ۔

۲؎ ان کا لقب "ابن صوفی" تھا۔ ان خلدون کا بیان ہے کہ:۔

"۲۵۶ھ میں ابراہیم بن محمد بن یحیٰ بن عبداللہ بن محمد حنفیہؒ معروف بہ ابن صوفی کا مصر میں ظہور ہوا۔ آلِ محمد کی حمایت کی لوگوں کو دعوت دینے لگا۔ بلاد صعید کے چند قصبات پر قابض و متصرف ہو گیا۔ احمد بن طولون (والی مصر) نے ایک لشکر مصر سے روانہ کیا۔ ابن صوفی نے اس کو ہزیمت دے کے اس کے سپہ سالار کو قتل کر ڈالا، دوسرا لشکر آیا مقام اخمیم میں صف آرائی ہوئی ابن صوفی کو ہزیمت ہوئی" (ص ۳۱۱ ترجمہ ابن خلدون ج ۶ کتاب ثانی)

۳؎ حضرت علیؓ (زین العابدینؒ) کے ایک فرزند حسین تھے جو اپنی ایک ٹانگ کے نقص کی وجہ سے "اعرج" کہلاتے تھے۔ ان کے سات بیٹے اور ایک بیٹی تھیں۔ بیٹی کا نام زینب تھا جو امیر المومنین ہارون الرشیدؒ کے عقد میں آئیں۔ بیٹوں میں ایک عبداللہ العقیقی تھے جن کے پوتے نے طبرستان میں لوگوں کو یہ کہہ کر بیعت پر آمادہ کیا کہ حسین بن زید قید ہو گئے ہیں، اب اور کوئی میرے سوائے خلافت کے لئے کھڑے ہونے کو موجود نہیں، لوگوں نے ان کی بیعت کر لی مگر حسین بن زید کو جیسے ہی اس کی اطلاع ملی انہوں نے ان پر چڑھائی کر کے قتل کرا دیا (جمہرہ ابن حزم ص ۴۹)

سیاسی اقتدار کے حصول میں نسب و رشتہ کا لحاظ نہیں ہوتا۔ یہاں ایک حسینی نے دوسرے کو ہلاک کروا دیا۔

۴؎ ۲۷۱ھ مدینہ منورہ میں حسن بن زید کی اولاد میں سے ان دونوں باپ بیٹوں نے غلبہ حاصل

کر کے لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ نواح مدینہ میں سخت خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ علامہ ابن حزمؒ نے اولاد حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ کانت بینهم و بین بنی الحسن بن علیؓ حروب عظیمة و دماء۔ ص۶۲) یعنی ان جعفریوں اور حسن بن علیؓ کی اولاد میں عظیم لڑائیاں اور خونریزی ہوئی۔ علامہ ابن کثیر نے نام کی صراحت نہیں کی لیکن بیان کیا ہے کہ حسن بن زید جنہوں نے طبرستان میں غلبہ حاصل کر لیا تھا، ان کی اولاد میں سے ایک شخص نے مدینہ پر غلبہ حاصل کر لیا

وتقلب علیها (المدینة) رجل من اهل بیت من سلالة الحسن بن زید الذی تغلب علی طبرستان، وجرت شرور کثیرة هنالك بسبب قتل الجعفریة والعلویة (ج ۱۱ ص ۳۹ البدایه)

حسن بن زید جنہوں نے طبرستان پر غلبہ حاصل کر لیا تھا، ان کی اولاد میں سے ایک شخص نے مدینہ پر غلبہ کر لیا اور وہاں بوجہ جعفریوں اور علویوں کے قتال کے بہت سے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے۔

مدینہ پر تسلط چند روزہ رہا۔ خلیفہ عباسی کے عامل ابن ابی السلج نے باغیوں کی شورش کا خاتمہ کر دیا۔ جعفر و علیؓ دونوں حقیقی بھائی تھے ان کی اولاد میں جیسی سخت لڑائیاں ہوئیں ایسی کوئی خاندانی لڑائی عباسیوں اور علویوں میں کبھی نہ ہوئی۔ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی غرض سے جو بغاوتیں یہ حضرات کرتے ناکام ہو کر مارے جاتے۔ باغیوں کی سرکوبی کو عباسیوں کے مظالم سے تعبیر کیا گیا۔

۵۲	محمد بن حسین بن جعفر بن موسیٰ (الکاظم) بن جعفر (الصادقؒ)	۲۷۱ھ	مدینہ	امیر المومنین المعتمد علی اللہ عباسیؒ
۵۳	علی بن حسین بن جعفر بن موسیٰ (الکاظم) بن جعفر (الصادقؒ)	"	"	" "

اللہ جناب موسیٰ (الکاظمؒ) کے یہ دونوں پوتے ننگ اسلاف ثابت ہوئے۔ مدینہ منورہ پر چند روزہ قبضہ کے دوران بقول علامہ ابن کثیر:

"وہاں کے باشندوں کی بڑی تعداد کو قتل کر ڈالا، ان کا بہت سا مال و متاع چھین لیا، مسجد نبویؐ میں چار مہینوں تک نماز نہ ہو سکی۔ جماعت یا جمعہ کی نماز کے لئے لوگ مسجد میں نہ جا سکے۔ مدینہ کے علاوہ مکہ معظمہ میں بھی یہی فتنہ ان لوگوں

نے برپا کیا۔ مسجد حرام کے دروازہ پر لوگوں کو قتل کر دیا۔" (ص ۹۴ ج ۱۱) علامہ ابن حزم ان کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"وهما اللذان قاما فی سنة ۲۷۱ بالمدینة فقتلا اهلها واخذ اموالهم واخربا المدینة حتی بقیت لا یصلی فی مسجد رسول الله صلی الله علیه وسلم شهرا کاملا لا جمعة ولا جماعة اصلا وقتل محمد بن الحسین حین قیامه ثلاثة عشر رجلا من ولد جعفر بن ابی طالب رضی الله عنه صبرا وهو الملقب بالملیط (ص ۵۸ سطر ۲ جمهرة الانساب)

یہی وہ شخص ہیں جو ۲۷۱ھ میں مدینہ میں (طلب خلافت کے لئے) کھڑے ہوئے انہوں نے وہاں کے باشندوں کو قتل کیا ان کے اموال چھین لئے اور مدینہ کو برباد کیا یہاں تک کہ مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کامل ایک مہینہ تک نماز نہ ہو سکی نہ جماعت کی اور نہ جمعہ کی۔ اس محمد بن حسین نے اپنے زمانۂ خروج میں جعفر بن ابی طالب کی اولاد میں سے تیرہ ۱۳ اشخاص کو قتل کر ڈالا اس کا لقب الملیط تھا۔ یعنی یہ ڈاکو۔"

شیعہ مورخ ابن جریر طبری نے بھی تقریباً ان ہی الفاظ میں ان اشخاص کی قتل و غارت گری اور بدافعالیوں کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان ہی کے خاندان کے ایک شاعر ابو العباس بن فضل علوی نے ان کے بارے میں یہ قطعہ لکھا تھا:۔

اخربت دار الهجرة المصطفی البر ... فابکی اخرابها المسلمینا
عین فابکی مقام جبریل والقبر ... فبکی والمنبر المیمونا
وعلی المسجد الذی اسسه التقوی ... خلاء اضحی من العابدینا
وعلی طیبة التی بارك الله ... علیها بخاتم المرسلینا
قبح الله معشرا اخربوها ... واطاعوا متبرا ملعونا

(طبری ج ۱۱ ص ۳۲۹)

ان اشعار کا ترجمہ ہے:۔

(پاک مصطفیٰؐ کا دار الہجرت برباد ہو گیا۔ اس کی بربادی پر مسلمان گریہ و بکا کرتے ہیں۔ اے آنکھ مقام جبریل اور لحد (مصطفیٰؐ) پر رو۔ اور پاک منبر بھی بکا کرتا ہے۔ اور وہ مسجد جس کی بنیاد پاکی پر رکھی گئی۔ وہ عبادت کرنے والوں سے خالی ہو گئی اور اس پاک بستی پر بکا کر جس کو

مبارک کیا اللہ نے رسولوں کے خاتمہ کرنے والے کے ذریعہ سے ان لوگوں کا برا ہو جنہوں نے اس (مدینہ) کو برباد کیا اور ایک ملعون ظلم ڈھانے والے کی اطاعت کی) واقعہ حرہ اور کعبہ کی بے حرمتی کی فرضی داستانیں ان کے سامنے گرد ہیں۔

مدینہ میں حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ مدعی خلافت کے طرفداروں کے اشارے سے خلیفہ وقت کے خلاف۔ بغاوت کی گئی اور باوجود بار بار فہمائش کے باغی اپنی حرکات سے باز نہ آئے حالانکہ اس عہد کے شیخ الصحابہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت محمد بن علیؓ بن ابی طالب و علی بن الحسین (زین العابدینؒ) اور دوسرے اکابر بنی ہاشم و صحابہ نے باغیوں کی سخت مخالفت اور خلیفہ کی حمایت کی تھی۔ مجبوراً پولیس ایکشن کیا گیا۔ صحابہ کی سرکردگی میں فوجی دستہ بھیجا گیا، جس نے بغاوت کا چند گھنٹوں میں قلع قمع کر دیا۔ اس کی تفصیلات کتاب خلافت معاویہؓ و یزیدؒ میں پیش کی جا چکی ہیں۔ کتاب کا تیسرا ایڈیشن شائع ہوئے بھی سال بھر ہو گیا لیکن جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے آج تین سال بعد کتاب کے پہلے ایڈیشن پر اپنی بعض مصلحتوں کے پیش نظر جو تبصرہ اپنے مجلہ ترجمان القرآن (اپریل ۱۹۶۱ء) میں شائع کرایا ہے اس میں مدینہ کو مباح قرار دینے اور وہاں کے باشندوں پر ظلم و ستم ڈھانے اور اہل مدینہ کو قتل کرانے کا جھوٹا الزام امیر المومنین یزیدؒ پر سبائی راویوں کی کذب بیانی سے متاثر ہو کر عاید کرایا ہے چشم بصیرت سے دیکھیں اور نسلی تعصبات سے بالا ہو کر غور کر سکیں تو ثابت ہو گا کہ ان حرکات شنیعہ کا ارتکاب اسی خانوادے کے بعض افراد سے ہوا جس سے جناب موصوف کے ہم درسا کنان امروہہ و سہسوان و بریلی (یو۔پی) تقریباً ایک صدی سے منقطع سلسلے کے ذریعہ انتساب کرنے لگے ہیں۔

۵۴	احمدؒ بن عبداللہ بن ابراہیم طباطبا بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن حسن مثنیٰ	۲۷۰ھ	مصر	امیر المومنین المعتمد علی اللہ عباسیؒ
۵۵	یحییٰ الہادی بن حسین بن القاسم الرسی بن ابراہیم بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن حسن مثنیٰ۔	۲۸۸ھ	یمن	المعتضد باللہ عباسیؒ
۵۶	ایک علوی (بلا اظہار نام)	۲۸۸ھ	〃	〃 〃 〃
۵۷	محسنؒ بن جعفر بن علی (نقی) بن محمد (الجواد) بن علی (الرضا) بن موسیٰ (الکاظم)	۳۰۰ھ	دمشق	المقتدر باللہ عباسیؒ

۱؎ ان کے چچا محمد بن ابراہیم نے ابوالسرایا کے ساتھ جس کا تذکرہ گزر چکا خروج کیا تھا۔ انہوں نے مصر میں قسمت آزمائی کی مگر ناکام رہے۔

۲؎ یہ فاضل شخص تھے اور فقیہہ، شیعہ مورخ و نسب (مولف عمدۃ الطالب) نے بیان کیا ہے کہ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک سے مماثل ان کا مسلک تھا۔ (لہ تصانیف کبار فی الفقہ قریبۃ من مذھب ابی حنیفہؒ وکان ظھورہ بالیمن ایام المعتضد سنۃ ثمان وثمانین ومائتۃ (ص۱۶۴) یمن کے مقام صعدہ میں انہوں نے اپنا مستقر بنایا ۳۰۱ھ میں انتقال ہوا، ان کے بعد ان کی اولاد اس علاقہ پر حکومت کرتی رہی۔

۳؎ طبری اور دیگر مورخین نے بلا تصریح نام و نسب لکھا ہے کہ اسی سال یمن کے مقام صنعاء پر ایک علوی نے غلبہ حاصل کر لیا، اس نواح کے لوگوں نے مجتمع ہو کر علم خلافت کی حمایت میں صف آرائی کی باغی علوی گرفتار نہ ہو سکا، مع پچاس سواروں کے میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ وہاں کے قبیلہ بنی یعفر نے صنعاء پر قبضہ حاصل کر کے امیر المومنین المعتضد باللہ عباسیؒ کے نام کا خطبہ پڑھا اور ایک اطلاعی عرضداشت دربار خلافت کو ارسال کی (ابن خلدون)، یمن پر قرامطہ کا سیاسی اقتدار ۳۴۳ھ میں ختم ہو کر یمن علاقوں پر تین جداگانہ قبیلوں کا تسلط رہا۔ یعنی صنعاء پر اسی قبیلہ بنو یعفر کا جو عباسی خلیفہ کا نام خطبہ میں پڑھتے تھے۔ صعدہ اور شمالی علاقہ پر زیدی امام کا جو یحییٰ الہادی حسنی کی اولاد میں تھے اور زبید پر اولاد امیر زیاد بن ابو سفیانؓ اموی کا قبضہ اور تسلط عرصہ دراز تک قائم رہا۔

۴؎ یہ محسن بن جعفر جناب علی (الہادیؒ) کے پوتے تھے۔ جن کو زمانہ مابعد میں لوگ علی (نقیؒ) کہنے لگے ہیں۔ مورخین کا بیان ہے کہ سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے یہ شام چلے گئے اور وہاں قتل ہوئے۔ ان کے قتل کا باعث سیاسی سرگرمیاں تھیں مار المحسن بالشام وقتل ھنالک (جمہرۃ ابن حزم ص۵۵) ان محسن کے والد جعفر کو شیعوں نے کذاب کہا ہے (ص۱۸۶ عمدۃ الطالب) ان کے بھائی جناب حسن (العسکریؒ) تھے جو بروایت صحیحہ لاولد فوت ہوئے وادعی الرافضیۃ ان جاریۃ لہ اسمھا صقیل ولدت لہ منہ بعد موتہ وھذا اکذب (ص۵۵ جمہرۃ ابن حزم) یعنی روافض کا ادعا ہے کہ ان کی کنیز صقیل نام سے ایک بچہ ان کے مرنے کے بعد پیدا ہوا لیکن یہ کذب ہے ان کے بھائی جعفر نے بھائی کے ترکہ کا دعویٰ

کیا تھا۔ اور بعد تحقیقات ان کا دعویٰ صحیح ثابت ہوا تھا۔

۵۸	حسن[1] الاطروش بن علی بن حسن بن علی بن عمر بن علی (زین العابدینؒ)	سنہ ۳۰۱ھ دیلم	امیر المومنین المقتدر باللہ عباسیؒ
۵۹	رجل[2] من الطالبین	سنہ ۳۰۲ھ واسط	،، ،، ،، ،،
۶۰	حسن بن محمد بن علی بن حسن بن علی بن عمر بن علی (زین العابدینؒ)	سنہ ۳۱۶ھ طبرستان	،، ،، ،، ،،
۶۱	حسن[3] بن القاسم الحسنی	سنہ ۳۱۶ھ الرے	،، ،، ،، ،،

[1] یہ حسن الاطروش جناب علی بن الحسینؓ (زین العابدینؒ) کے فرزند عمر بن علی کے پر پوتے عالم فاضل و نیک خصال تھے۔ ائمہ زیدیہ میں ان کا شمار ہے۔ الناصر الکبیر کہلاتے تھے۔ برسوں تک بلاد دیلم میں تبلیغی سرگرمیوں میں منہمک رہے۔ محمد بن زید حسنی کی وفات کے بعد سنہ ۳۰۱ھ میں طبرستان پر قابض ہو گئے۔ ان میں اور محمد بن حسن داعی صغیر بن قاسم (از اولاد زید بن الحسنؓ) سے بڑی شدید حروب ہوئیں (جمہرہ ابن حزم ص۳۵) تین برس بعد سنہ ۳۰۴ھ میں انتقال ہوا۔ علامہ ابن حزمؒ کا بیان ہے کہ مقتول ہوئے۔ ولی طبرستان وہاں کشتہ مقتولاً (ص۴۸) ۹۵ برس کی عمر ہوئی، پانچ بیٹوں سے نسل چلی جن میں سے ایک ابوالحسن محمد کی اولاد میں فاطمہ بنت الناصر الصغیر تھیں جو شریف الرضی و شریف المرتضیٰ مصنف نہج البلاغہ کی والدہ تھیں۔

[2] طبری کا بیان ہے کہ بادیہ نشین عربوں کی ایک جماعت کو جس کا سردار محرز بن رباح تھا اپنے ساتھ ملا کر واسط و اہواز و بصرہ پر تاخت و تاراج کی کارروائیاں کیں۔ تین لاکھ دینار کی رقم جو بیت المال خلافت کو بھیجی جا رہی تھی لوٹ لی اور اس علاقہ میں حرکات شنیعہ کا ارتکاب کیا۔ باشندگان کو تباہ و برباد کیا مسجدوں کو جلا ڈالا "ادقعوا باھلھا واحرقوا مسجد ھا" (طبری ج۱۲ ص۲۹) بالآخر خلیفہ عباسی کے ایک فوجی سردار لؤلؤ الطولونی نے ایک معرکہ میں اس طالبی اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر کے بغاوت کا خاتمہ کر دیا۔

[3] یہ حسن بن محمد زیدی امام حسن الاطروش کے بھتیجے تھے۔ ماکان بن کاکا دیلمی کی امداد

سے طبرستان میں بادعائے خلافت کھڑے ہوئے وہاں کے والی نصر بن احمد بن اسمٰعیل السامانی کی فوج سے مقابلہ ہوا، سنہ ۳۱۶ھ میں مارے گئے (جمہرہ ابن حزم ص۴۸ و طبری ج۱۲ ص۷۸)

[4] طبری کا بیان ہے سنہ ۳۱۶ھ کے ماہ شعبان میں حسن بن القاسم الحسنی نے دیلمی سردار کانا بن کاکے کی مدد سے علاقہ رے میں علم بغاوت بلند کیا، قزوین کے مقام پر حسن بن القاسم کے ساتھی ایک سردار اسفار بن شیر نے سرکاری فوج کو شکست دی۔ مگر پھر کچھ عرصہ بعد دوسری فوج کے مقابلہ میں ہزیمت ہوئی اور یہ بغاوت بھی ناکام رہی۔ سنہ ۳۱۷ھ میں حسن مذکور قتل ہوئے۔ مقاتل الطالبین کے مؤلف نے سنہ ۳۱۷ھ تک کے حالات لکھے ہیں اور کہا ہے کہ یمن اور طبرستان کے علاقوں میں آل ابی طالب میں سے ایک جماعت حکمراں ہے ان کے حالات کا علم نہیں "فمن ملکوا وغلبوا علیھا الا ان اخبارھم منقطعہ عنا لفلۃ من ینقلھا الینا" (ص۵۲)

۶۲	ایک[1] علوی (رجل من العلویین)	سنہ ۳۲۹ھ مدینہ	امیر المومنین الراضی باللہ عباسیؒ
۶۳	جعفر[2] بن محمد بن حسن بن محمد بن موسیٰ بن عبد اللہ بن موسیٰ بن عبد اللہ المحض۔	سنہ ۳۳۲ھ مکہ	،، المتقی باللہ عباسیؒ
۶۴	ابو عبد اللہ[3] محمد بن الحسین بن الداعی من اولاد حسین بن علیؓ	سنہ ۳۵۳ھ بلاد دیلم	،، المطیع اللہ عباسیؒ
۶۵	المتبرقع[4] العلوی	،، کوفہ	،، ،، ،،
۶۶	عبد اللہ[5] بن عبید اللہ بن علی بن حسین بن علی بن الحسین بن علی (زین العابدینؒ)	سنہ ۳۵۸ھ شام	،، ،، ،،

[1] علامہ ابن کثیرؒ سنہ ۳۲۹ھ کے احوال میں لکھتے ہیں کہ "وخرج الناس للحج ثم رجعوا من اثناء الطریق بسبب رجل من العلویین قد خرج بالمدینۃ النبویۃ ودعا الی نفسہ وخرج عن الطاعۃ" (ص۱۹۷) یعنی لوگ حج کے لئے نکلے لیکن راستہ ہی میں سے واپس لوٹ آئے بوجہ اس کے کہ علویین میں سے ایک شخص نے مدینہ نبویہ میں خروج کیا۔ اپنے لئے دعوت دی اور (خلیفہ کی) اطاعت سے نکل گیا تھا۔ اس علوی کے فساد

کے ڈر سے لوگ حج کا فریضہ ادا نہ کر سکے۔

سے انہوں نے اس زمانہ میں جب منجانب خلافت عباسی الاخشید محمد بن طغج حجاز و شام کا والی تھا۔ مکہ معظمہ پر تسلط کر لیا تھا۔ پھر ان کی اولاد میں نسلاً بعد نسل شریف مکہ ہوتے رہے۔ ابن حزم کے زمانے تک ان ہی کی اولاد میں شرفائے مکہ کا عہدہ قائم رہا (ص ۱۴۱)

سے علامہ ابن کثیرؒ ۳۵۳ھ کے احوال میں لکھتے ہیں:-

وفیها ظهر رجل ببلاد دیلم وهو ابو عبد الله محمد بن الحسین بن علی و یعرف بابن الداعی فالتف علیه خلق کثیر و دعا الی نفسه و تسمی بالمهدی ...... وهرب منه ابن الناصر العلوی (البدایه ج ۱۱ ص ۲۵۳)

اس سنہ میں اولاد الحسینؓ میں سے ایک شخص ابو عبداللہ محمد بن الحسین جو الداعی سے معروف تھا۔ بلاد دیلم میں ظاہر ہوا کثیر تعداد میں لوگ اس کی جانب مائل ہوئے اس نے اپنی ذات کے لئے دعوت دی اور اپنے کو "مہدی" سے موسوم کیا.... ابن الناصر علوی اس کے مقابلہ سے بھاگ گئے۔

سے علامہ ابن کثیرؒ نے اسی سال ۳۵۳ھ کے حالات کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ ایک علوی نے جو نقاب پوش رہتا تھا کوفہ میں خروج کیا یہ زمانہ وہ تھا جب امیر الامراء معز الدولہ بغداد سے باہر گیا ہوا تھا۔ اس برقع پوش نے بڑا فتنہ و فساد بپا کر رکھا تھا جب امیر الامراء واپس آیا یہ برقع پوش چھپ کر دوسرے مقامات کو چلا گیا (ص ۲۵۴ ج البدایہ والنہایہ)

سے انہوں نے کافور الاخشیدی کی موت کے بعد ملک شام میں علم بغاوت بلند کیا۔ اپنے کو "مہدی" بنایا قرامطہ سے مدد مانگی وہاں کے دوسرے گورنر کے سپاہیوں سے مقابلہ ہوا۔ علامہ ابن حزم نے ان کے ذکر میں بیان کیا ہے۔ قام بالشام اثر موت کافور الاخشید وتسمی بالمهدی وحارب الحسن بن عبد الله بن طغج واستنصر بالقرامطه۔ (ص جمهرة الانساب) قرامطہ جیسی مخرب دین جماعت سے مدد لینا ظاہر ہے سیاسی وجوہ سے ہو سکتا تھا اس قماش کے لوگوں کو اسلامی حمیت سے واسطہ ہی کیا ہو سکتا تھا۔

حسنی و حسینی نسب کا ادعا کرنیوالوں کے خروج

حسنی و حسینی، علوی و جعفری یعنی طالبی گھرانے کے افراد کے خروجوں کی فہرست اور مختصر حالات سے جو گزشتہ اوراق میں بیان ہوئے بخوبی واضح ہے کہ زید بن علی بن حسینؓ کے ۱۲۲ھ کے خروج سے لے کر عبداللہ بن عبید اللہ حسنی کے ۳۵۸ھ کے خروج تک گویا اس دو سو چھتیس ۲۳۶ سال کی مدت میں باستثنائے حضرت حسینؓ کے ۶۱ھ کے خروج کے جو اسلامی ملت میں حکومت وقت کے خلاف سب سے پہلا اور ناکام خروج تھا خود ان کے اور ان کے برادر بزرگ حضرت حسنؓ کے اخلاف نیز ان کے گھرانے کے بعض دیگر اشخاص نے جن کی مجموعی تعداد (۶۵) اشخاص کی ہوتی ہے۔ طلب حکومت کی غرض سے مختلف اوقات میں خلفائے وقت کے خلاف خروج کئے۔ بعض دفعہ تو ایک ہی سال کے اندر کئی کئی مدعیانِ خلافت کھڑے ہوئے۔ مگر اوسطاً دیکھا جائے تو ہر چوتھے سال کوئی نہ کوئی طالبی۔ حسنی و حسینی علوی و جعفری خروج کرتا رہا، بایں تفصیل: حسنی (۲۵) حسینی (۳۰) علوی و جعفری وغیرہم (۱۰) میزان کل (۶۵) ان میں سے بھی صرف دو شخصوں نے اموی خلفاء کے خلاف خروج کئے، بقیہ اپنے ہی ہاشمی گھرانے کے عباسی خلفاء کے مقابلہ میں علم بغاوت بلند کرتے رہے۔

مشہور مستشرق ہنری لامن نے اپنی تالیف "اسلام ـــ معتقدات و آئین" ISLAM — BELIEFS AND INSTITUTIONS میں جس کا ترجمہ لندن یونیورسٹی کے شعبہ السنہ شرقیہ کے ڈائرکٹر سر ڈینس راس نے کیا تھا۔ ایک موقع پر ان علوی طالبان حکومت کے بارے میں لکھا ہے کہ:-

"(حضرت) علیؓ کے جاہ طلب اور کثیر التعداد اخلاف نے تھوڑے ہی دنوں میں شیعہ جماعت کو بہت سے ایسے فرقوں میں (جن کی تعداد ستر کے لگ بھگ شمار کی گئی ہے) منقسم کر دیا جو برابر ایک دوسرے پر سب و شتم کرتے تھے.... یہ لوگ سیاسی فہم و فراست سے عاری، رشک و حسد میں مبتلا اور منصب امامت کے

بارے میں آپس ہی میں جو شدت کے ساتھ لڑتے جھگڑتے رہتے تھے وہ (حکومت کے خلاف) ایک حزب مخالف کی حیثیت رکھتے، ان لوگوں کی سازشوں اور ایسی بغاوتوں کے حالات سے جو ناقص طور سے منظم کی گئیں پہلی دو صدی ہجری کے واقعات سے اوراقِ تاریخ مملو اور بھرپور ہیں۔"

(صفحات ۱۴۲ و ۱۴۳ مطبوعہ لندن سنہ ۱۹۲۱ء)

مگر باوجود ان کی مسلسل بغاوتوں اور خروج کے ان تمام صحیح النسب فاطمی و علوی و طالبی حضرات کے نسب کا نہ کسی اموی یا عباسی خلیفہ کی جانب سے انکار ہوا اور نہ ان کے شجرہ نسب کی تدح کی گئی۔ حالانکہ متعدد اشخاص نے بڑی بڑی جمعیتوں کے ساتھ خروج کئے۔ خون ریز معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ بعض اقطاع میں اپنی حکومتیں بھی قائم کرلیں جن میں سے یمن کی زیدی حکومت اب تک باقی ہے۔ محرک اصلی ان تمام بغاوتوں کا بعض سیاسی اقتدار کا حصول اور حب جاہ تھا۔ نسبی تعلیوں اور تفاخر بالآباء پر ہی ان کے دعاوی کا زیادہ تر دارومدار رہا۔ دو ڈھائی سو برس کے خروجوں اور خروج کے پروپگنڈے نے ایسی فضا پیدا کر رکھی تھی کہ بعض موقع شناس جن کا کوئی نسبی تعلق کسی حسنی و حسینی خانوادے سے مطلق نہ ہوتا، اس نسب کے جھوٹے دعوے کے ساتھ اپنے متبعین کی ایک جماعت فراہم کر کے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لئے حکومت وقت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے اور سبائیوں کے پھیلائے ہوئے عقیدے "مہدی موعود" "امام منتظر" کے مدعی بن کر عوام کو فریب میں مبتلا کرتے۔ تاریخ کے اوراق کتنے ہی "مہدیانِ موعود" کے حالات سے پُر ہیں۔ بعض مورخین نے ایک عباسی خلیفہ زادہ کی نامعقول حرکت کا تذکرہ کیا ہے کہ انہوں نے تختِ خلافت حاصل کرنے کے لئے "مہدی موعود" ہونے کا ادعاء اور عباسی نسب کے بجائے حسینی نسب کا اظہار کیا۔ علامہ ابن کثیر ۳۵۷ھ کے کوائف میں لکھتے ہیں کہ بغداد اور دوسرے شہروں میں یہ خبر شائع ہوئی کہ ایک "مہدی" کا مصر میں ظہور ہوا ہے جس کا نام "محمد بن عبداللہ" ہے۔ اس زمانہ میں خلیفہ عباسی کا حاجب سبکتگین نام ایک شیعہ تھا اس نے اس مدعی "مہدیت" کو حسینی نسب جان کر اس مقصد سے بغداد بلوایا کہ موقع مناسب پاکر مستقر خلافت پر ان کا قبضہ کرادے۔ انبار کے مقام پر سبکتگین نے ان کا استقبال کیا۔ صورت دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ تو محمد بن عبداللہ المستکفی باللہ نسباً عباسی

ہیں نہ حسینی، اپنے عزم و ارادہ سے پلٹ گیا۔ معز الدولہ امیر الامراء کے ذریعہ خلیفہ کے حضور میں پیش کرادیا۔ امیر المومنین المطیع للہ عباسیؒ نے نسب کے ادعائے کاذبہ اور دعوے "مہدیت" کی پاداش میں ان کی ناک کٹوادی فجدع انفہ (ملاحظہ ۳۶۵ھ البدایہ والنہایہ)

حبشیوں کا سردار

مندرجہ بالا واقعہ سے تقریباً ایک صدی پہلے یعنی ۲۵۵ھ میں ایک شخص علی بن محمد بن عبدالرحیم نے جو اصل و نسل کے اعتبار سے عبدالقیس کے قبیلہ سے تھا، مولد و منشاء اس کا علاقہ رے کا قریہ ورزنین تھا اور ماں اس کی قرہ نام بنت علی بن حبیب بن محمد بن حکیم قبیلہ خزیمہ سے تھی اس نے حسینی نسب کا جھوٹا دعویٰ کر کے اول تو اپنے کو یحییٰ بن زید بن علی بن حسینؓ کی اولاد میں بتایا، کیونکہ زید و یحییٰ اپنے ناکام خروجوں میں مقتول ہو کر عوام میں مشہور و متعارف ہو چکے تھے، مگر بعد میں جب اسے یہ پتہ چل گیا کہ یحییٰ بن زید مذکور کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی صرف ایک بیٹی تھی جو ایام رضاعت ہی میں فوت ہو گئی تھی تو کہنے لگا کہ میں علی بن محمد بن احمد بن عیسیٰ بن زید بن علی بن حسینؓ ہوں، مگر اصلی علی بن محمد زیدی اس زمانہ میں زندہ سلامت کوفہ میں موجود تھے، بہت سے لوگ ان سے واقف تھے۔ اس کذاب کو جب ان زیدی کا یہ حال معلوم ہو گیا، سامرہ سے جہاں مقیم تھا فرار ہو کر بحرین چلا گیا، وہاں محمد بن فضل بن عبید اللہ بن عباس بن علیؓ بن ابی طالب کی اولاد میں ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے متبعین کی جمعیت ساتھ لے کر بصرہ آیا، جیل کا دروازہ توڑ کر قیدیوں کو رہا کروایا، وہ سب بھی اس کے ساتھ ہو گئے، حبشیوں کی کثیر تعداد بصرہ اور اس کے نواح میں شورہ کی کانوں وغیرہ میں کام کرتی اور غلامی کی زندگی بسر کرتی تھی، انہیں غلامی سے نجات دلانے کے سبز باغ دکھا کر اپنے ساتھ کرلیا، اسی بنا پر تاریخ میں "صاحب الزنج"[1] یعنی حبشیوں کا سردار کہلایا۔ شیعی مورخ و نسابہ مولف عمدۃ الطالب نے لکھا ہے کہ یہ شخص نہایت درجہ ذمیم الاخلاق اور بدسرشت ہونے کے باوجود فصیح البیان خطیب اور شاعر تھا، اپنی سحر بیانی

---

[1] فارسی میں حبشی کو زنگ کہتے تھے اسی سے زنگی ہوا جو معرب ہو کر "زنج" کہلایا اسی سے زنگبار و زنجبار بنا۔

سے غلاموں اور عراقیوں کو حکومت وقت کے خلاف برانگیختہ کرتا۔ مختلف مقامات پر فتنہ و فساد برپا کر کے لوٹ کھسوٹ کرتا رہا۔ بعض صحیح النسب علوی بھی حکومت کی سپاہ سے ہزیمت اٹھا کر اس کے پاس پہنچ جاتے، مگر کسی نہ کسی بہلنے سے وہ ان کو بھی ہلاک کرا دیتا۔ جیسا علی بن زید کا واقعہ گزشتہ اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ چودہ برس تک اس کا فتنہ و فساد جاری رہا، بالآخر ولیعہد خلافت ابو العباس کو جو بعد میں المعتضد باللہ عباسی کے لقب سے سریر آرائے خلافت ہوئے بذات خود فوجی دستہ کی کمان کرنی پڑی، ۲۷۰ھ میں وہ مع اپنے ساتھیوں کی کثیر جماعت کے جو دلدلی علاقہ میں پناہ گزین رہتے اور جہاں "دار المختارہ" نام ایک گڑھی بھی اس نے بنا لی تھی ہلاک ہوا۔ بعض غالی شیعوں نے محض اس بنا پر کہ وہ عباسی خلافت کے خلاف بغاوت کرتا تھا اس کے جھوٹے دعوے نسب کی تائید بھی کی ہے لیکن جملہ ثقہ مورخین و نسابین نے ان کے دعوے کو جھوٹا بتایا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے کہا ہے "ھو کاذب فی ذلک باالاجماع" (۲۹ ص البدایہ والنہایہ) علامہ ابن حزم نے بھی اس کے دعوے نسب کی واضح الفاظ میں تکذیب کی ہے (جمہرۃ الانساب) ابن جریر طبری نے اس کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں اور بیان کیا ہے کہ اس کا باپ قبیلہ عبد القیس کا تھا اور ماں بنی اسد بن خزیمہ سے تھی یہ لوگ رے کے ایک قریہ ورزین کے تھے وہیں اس کی ولادت و نشوونما ہوئی تھی۔

عبید اللہ بن میمون القداح

اسلام کی بڑھتی ہوئی سیاسی قوت کے دو اشد شدید دشمن تھے، مجوسی اور یہودی، مغلوب و مقہور ہونے کے باوجود ان میں سے بعض چلتے پرزے منافقانہ طور سے اسلام میں داخل ہو کر فتنے پیدا کرنے کی سازشیں کرتے رہے۔ حبشیوں کے سردار "صاحب الزنج" کے فتنہ سے تقریباً پچیس تیس سال پہلے اسلام دشمنی کے جذبہ نے ایک ایرانی نسل مجوسی کے دل میں جو غیر معمولی ذہانت کا شخص تھا، ایسے منصوبے کے بروئے کار لانے کا خیال پیدا کیا جو عربوں کے سیاسی اقتدار کے استیصال، خلافت عباسیہ کی بربادی اور اسلامی معتقدات و دینی تعلیمات کے مسخ کرنے کا موثر ذریعہ ہو سکے اور ساتھ ہی ساتھ اس منصوبے کی کامیابی کے نتیجے میں وہ خود یا اس کی اولاد تخت حکومت پر بھی فائز ہو سکے۔ ولندیزی محقق اور بلند پایہ عالم (اسکالر) دے خوے (DE GOEJE) جنہوں نے غیر معمولی ذہانت تجسس اور تفتیش سے اس دشمن اسلام تحریک کے بارے میں تالیفات

کی ہیں اپنی ایک تالیف MEMOIRE SUR LES CARMATHES (مقالہ بابت قرامطہ) میں تحریر کرتے ہیں:۔

"اسلام اور عربوں کے خلاف شدید ترین نفرت و عناد کا جذبہ ہی تھا جس نے تیسری صدی ہجری کے وسطی زمانہ میں عبد اللہ (عبید اللہ) بن میمون نامی ایک شخص کے دل میں جو پیشہ کے اعتبار سے (قدّاح) معالج چشم اور اصل نسل کے اعتبار سے ایرانی تھا، ایک ایسے منصوبہ کا خیال جما دیا جو بلحاظ اس غیر معمولی فراست اور من چلے پن کے جس سے یہ منصوبہ اختراع کیا گیا تھا ایسا ہی متحیر کن ہے، جیسا اس خود اعتمادی اور قوت کے اعتبار سے ہے جس سے وہ منصوبہ بروئے کار لایا گیا" (مطبوعہ لنڈن ۱۸۸۶ء)

محقق دے خوے نے مندرجہ بالا عبارت کے بعد مورخ ڈوزی کا یہ فقرہ بھی ان کی کتاب "تاریخ مسلمانان اسپین" "HISTOIRE DES MUSULMANS DE ESPAGNE" سے نقل کیا ہے:۔

"فاتح اور مفتوح کو ایک ہی جماعت میں مربوط و منسلک کرنا، ایک ہی خفیہ انجمن کے اندر جس کے داخلہ کے مختلف مدارج ہوں، ایسے آزاد خیال اور بدعقیدہ اشخاص کو جو عوام کے لئے مذہب کو ایک روک اور لگام کی طرح سمجھتے تھے نیز مذہب کے دیوانوں کو باہم متحد کر دینا، کافروں (دلادینوں) کی حکومت کو وجود میں لانے کی غرض سے مومنوں کو آلۂ کار بنانا اور فاتحین کے ذریعہ اس سلطنت ہی کو ملیا میٹ نابود کرا دینا جو خود انہوں نے اپنے ہی ہاتھوں قائم کی تھی۔ الغرض ایسے کثیر تعداد اشخاص کی ایک متحد اور اطاعت کیش جماعت اپنے اغراض و مقاصد کی خاطر ایسی بنانا کہ وقت اور موقع مناسب آ جانے پر خود اس کی اپنی ذات کو نہیں تو کم از کم اس کی اولاد کو تخت حکومت پر متمکن کرا سکے۔ یہ تھا عبد اللہ (عبید اللہ) بن میمون کا وہ زبردست منصوبہ اور خیال جو اگرچہ بڑا ہی عجیب و غریب و بے باکانہ تھا، لیکن اس نے اپنی حیرت انگیز حسن تدبیر، بے مثل ہوشیاری اور انسانی قلوب کی گہری معرفت کی بدولت اسے عملی جامہ پہنا دیا۔" (ہسٹری آف پرشین لٹریچر مصنفہ براؤن ص ۳۹۴)

عملی جامہ پہنانے کے لئے کیا ذرائع استعمال کئے گئے اس کو بھی اسی ولندیزی محقق کے الفاظ

میں سنئے، فرماتے ہیں :۔ (منقول از تاریخ ادبیات ایران پروفیسر براؤن ج ۱ ص ۳۹۴)

"اس مقصد کے حصول کے لئے ذرائع کا ایسا مربوط سلسلہ اختراع کیا گیا جس کو بجا طور سے شیطانی کہا جا سکتا ہے۔ انسانی فطرت کی کمزوریوں سے ہر پہلو ہر نہج سے فائدہ اٹھایا گیا، دین داروں کو دینداری، بے قید و آزاد منشوں کو آوارگی یا یوں کہہ لیجئے عیاشی، پختہ دماغ لوگوں کو فلسفہ، مذہبی متشددین کو باطنی غوامض و اسرار اور عوام الناس کو اعجوبات پیش کئے گئے۔ غرضیکہ اسی طرح سے یہودیوں کے سامنے ایک نجات دہندہ (مسیح)، النصاریٰ کے روبرو ایک فارقلیط اور مسلمانوں کے لئے ایک مہدی پیش کیا گیا اور آخرالامر ایرانی و سامی زندیقیت کے پرستاروں کے لئے ثنویت کا ایک فلسفیانہ نظام اور گورکھ دھندہ پیش کیا گیا اور ایسی دلیرانہ مستقل مزاجی کے ساتھ اسے بروئے کار لایا گیا جو ہمارے جذبات حیرت و استعجاب کو برانگیختہ کرتا ہے اور اگر ہم اس مقصد و غرض کو فراموش نہ کر بیٹھیں جس کی خاطر یہ سب کچھ کیا گیا (یعنی اسلام کی بیخ کنی اور اسلامی سیاسی سیادت کی تباہی (م۔ا۔ع)، تو وہ ضرور ہماری پرجوش مدح و تحسین کا مستوجب ہو سکتا تھا۔

ایضاً ص ۳۹۵ ج ۱

مسلم مورخین کا بیان ہے کہ عبید اللہ اور اس کا باپ میمون شہر اہواز کے ایک قریہ قورح العباس کے باشندے نسلاً ایرانی اور مسلکاً ثنوی عقیدے کے دیصانی تھے یعنی دو خداؤں کے ماننے والے، ایک خدا نور کا اور ایک ظلمت کا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ یہودی تھے۔ میمون منافقانہ طور سے مسلمان بنا اور غالی شیعوں کے فرقہ خطابیہ میں شامل ہو گیا۔ یہ فرقہ ابو الخطاب محمد بن ابی زینب اسدی کے نام سے موسوم ہے۔ جو جناب جعفر بن محمد بن علی بن حسینؓ کو خدا کہتا تھا۔ "وقال بالٰہیۃ جعفر بن محمد والٰہیۃ ابائہ وھم ابناء اللہ واحباؤہ (ص ۲۴ الملل والنحل شہرستانی) یہ دونوں باپ بیٹے اپنے وطن سے نکل کر کربلا پہنچے اور "تربت حسین" پر اس مقصد سے معتکف ہو بیٹھے کہ اپنے مصنوعی تقشف و زہد اور ریا کارانہ عبادت گزاری سے زائرین کو متاثر کریں اور نا واقفوں کو دام فریب میں پھانس کر متبعین کی جماعت بنائیں۔ اخبار القرامطہ بالیمن کے مولف نے عبید اللہ اور اس کے باپ میمون کے بارے میں ایک ایسے فقیہہ و عالم ابن مالک کا قول نقل کیا ہے جو تحقیق حال کے لئے خود اس فرقہ میں شامل ہوئے تھے وہ کہتے ہیں کہ :۔

وکان میمون ملازما للضریح ومعہ ولدہ عبید یخدمہ ..... وکان میمون فی الاصل یہودیا قد حسد الاسلام واعتاد علی دینہ فلم یجد حیلۃ غیر العکوف علی تربۃ الحسین بکربلاء واظہار الاسلام (ص ۲۰ مشمولہ کتاب اخبار القرامطۃ بالیمن تالیف نجم الدین عمارہ مطبوعہ لنڈن ۱۸۹۲ھ)

میمون ہمہ وقت ضریح (حسین) پر حاضر رہتا اس کے ساتھ اس کا بیٹا عبید تھا جو اس کی خدمت کیا کرتا تھا... یہ میمون اصلاً یہودی تھا اس کو اسلام سے بڑا حسد تھا اور اس دین کو تباہ کرنا چاہتا تھا اس کو کوئی حیلہ سوائے اس کے نہ ملا کہ تربت حسین پر معتکف ہو بیٹھے اور اپنے اسلام کا اظہار کرے۔

"تربت حسین" پر معتکف ہو کر ان لوگوں نے مقام کربلا کو اپنی خفیہ تحریک کا مرکز بنا لیا تھا، یہیں سے اپنے داعیوں کو یہ کہہ کر یمن بھیجا کہ وہاں جب تم کو شوکت اور حکومت حاصل ہو جائے اس وقت تم میرے بیٹے کی "مہدیت" کی دعوت دینا۔

وتدعوا الی ولدی فسیکون لکم بہا شان وسلطان (ص ۱۳۰ اخبار القرامطہ بالیمن مطبوعہ لنڈن)

اور تم میرے بیٹے کی (مہدیت) کی دعوت دینا پس تم کو وہاں شان اور حکومت ہوگی۔

یہ امیر المومنین[1] جعفر المتوکل علی اللہ عباسیؒ کا عہد خلافت تھا جو رد بدعات و احیاء سنت میں امتیاز رکھتے تھے۔ علامہ ابن کثیرؒ امیر المومنین موصوف کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ :۔

وکان المتوکل محببا الی رعیتہ. قائما فی نصرۃ اھل السنۃ وقد شبہہ بعضھم بالصدیق فی قتلہ اھل الردۃ..... وقد اظہر السنۃ بعد البدعۃ واخمد اھل البدع وبدعتھم بعد انتشارھا واشتھارھا فرحمہ اللہ وقد راٰہ بعضھم فی المنام بعد موتہ وھو جالس فی نور قال : قلت المتوکل؟ قال: المتوکل: قلت فما فعل ربک؟ قال غفرلی: فقلت : بماذا؟ قال بقلیل من السنۃ احییتھا (ص ۳۵۰ ج ۱۰ البدایۃ والنہایۃ)

اور المتوکل (علی اللہ) اپنی رعایا کے محبوب تھے، اہل سنت (والجماعت) کی نصرت کو مستعد رہتے بعض لوگوں نے انکو حضرت ابوبکر الصدیقؓ سے تشبیہ دی ہے کہ (حضرت موصوف) نے مرتدین کا قلع قمع کیا تھا... ان کے (المتوکل علی اللہ کے) عہد میں سنت کو بدعت کے پھیل جانے اور مشتہر ہو جانے کے بعد ایسا فروغ ہوا کہ وہ سب دب گئیں اور ماند پڑ گئیں۔ اللہ کی رحمت ہو انپر۔ ان کی وفات کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا کہ (رحمت الٰہی کے) نور میں بیٹھے ہیں پوچھا کہ آپ متوکل ہیں۔ بولے ہاں میں متوکل ہوں پوچھا کہ آپ

[1] یہ بڑے راسخ العقیدہ حامی سنت خلیفہ تھے علماء و صلحاء سے بہت ربط رکھتے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے مشورہ بغیر کسی قاضی کا

. . . . کے ربّ نے آپ کے ساتھ کیا عمل کیا؟ فرمایا! میری مغفرت
. . . . کر دی دریافت کیا کس بناء پر؟ کہا کہ احیاءِ سنت کی جو
. . . . تھوڑی سی خدمت میں نے کی تھی۔

دین کو مشرکانہ بدعات سے پاک رکھنے کی ذمہ داری امام المسلمین کی حیثیت سے خلیفہ وقت پر عائد تھی، مورخین نے متعدد واقعات کا ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ نیز ام المومنین حضرت عائشہ و حضرت حفصہ صلوٰۃ اللہ علیہم کی اسائتِ ادب کرنے والوں اور مشرکانہ بدعات کے مرتکبین

(بقیہ صفحہ گزشتہ) حاکم کا تقرر نہ کرتے وکان لا یولی احدًا الا بعد مشورۃ الامام احمد صـ۳۱۶ ج ۱ البدایہ والنہایۃ) قاضی یحییٰ بن اکثمؒ جو ائمہ اہل سنت میں بلند پایہ فقیہ و محدث تھے امام موصوف ہی کے مشورے سے قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز کیا اور مذہبی تعلیم کے بارے میں احکام نافذ کئے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے سوائے کوئی شخص کسی اور مذہبی تعلیم کا شغل نہ کرے۔ وامر الناس ان لا یشتغل احد الا بالکتاب والسنۃ لا غیر (صـ۳۱۶ ایضًا) نذر و نیاز نیز شخصیت پرستی سے روکنے کے لئے نائب السلطنت کو ہدایت کی گئی کہ عوام کو ان سے باز رکھنے کی کوشش کرے فکتب المتوکل الی نائبہ یامرہ بردعهم عن تعاطی، وعن المغالاۃ فی البشر (صـ۳۱۶ ایضًا) اسی یہ مغالاۃ فی البشر" کا مظاہرہ یہ سبائی "تربت حسین" پر طرح طرح سے کر رہے تھے۔ وہاں کی مٹی کو "خاک شفاء" کہتے، ضعیف العقیدہ طبقہ میں بدعتیں رائج کرتے اور خفیہ خفیہ سیاسی مقاصد کے لئے سازشیں کرتے اس کے انسداد کے لئے ضروری ہوا کہ اس مقام پر لوگوں کا اجتماع نہ ہونے پائے۔ امر المتوکل بهدم قبر الحسین بن علی بن ابی طالب وما حوله من المنازل والدور ونودی فی الناس من وجد هنا بعد ثلاثه ایام ذهبت به الی المطبق (صـ۳۱۵ ج ۱ ایضًا) یعنی (خلیفہ) المتوکل نے حسین بن علیؓ بن ابی طالب کی قبر اور اس کے آس پاس کی عمارتوں اور مکانوں کے انہدام کا حکم دیدیا اور لوگوں میں منادی کرادی کہ اگر تین دن کے بعد بھی کسی شخص کو موجود پایا گیا تو قید خانے بھیجدیا جائے گا یہ اقدام شرک و بدعات کے انسداد کی غرض سے کیا گیا تھا۔ سبائیوں نے طرح طرح کے حاشیے چڑھائے جسٹس امیر علی فرماتے ہیں کہ "حضرت علیؓ اور ان کے اخلاف سے عجیب اور ناقابل توجیہ بغض و عناد کی بنا پر متوکل نے حسینؓ شہید کے مقبرے کو منہدم کرادیا۔ نہر کا پانی ادھر تحجیر سے ہٹادیا، اس متبرک مقام کے زائرین کو سخت سزا کی دھمکی سے ممنوع کرادیا اور اوقاف کی املاک کو دوبارہ ضبط کرلیا۔ (صـ۲۸۹ ہسٹری آف سیرسینز)

ان شیعہ مولف نے اس حامی سنت اور راسخ العقیدہ خلیفہ عباسی کو شراب نوشی و عیاشی سے متہم کرکے "عرب کے نیرو" کا خطاب دیا ہے۔ مگر چند سطر پہلے یہ بھی فرمایا ہے کہ "تاہم وہ احیاء سنت کے زبردست حامی تھے" (صـ۲۸۸ ایضًا) فتدبر۔ صحابہ کرام خصوصًا خلفائے ثلاثہ ام المومنین عائشہؓ کی اسائتِ ادب کرنے والوں

کو عبرتناک سزائیں دی گئیں۔ مقام کربلا سے منافقین و ملحدین کی جماعت کو منتشر کردینے کی غرض سے جو زہد کا لباس پہن کر عوام کو گمراہ کررہے تھے اور حکومت کے خلاف خفیہ تحریک بھی چلا رہے تھے اس حامی سنت و ماحی بدعت خلیفہ نے وہاں کی عمارتوں کے انہدام کا حکم دیدیا ساتھ ہی "تربت حسین" کو جسے سانحہ کربلا سے سو برس سے زیادہ مدت منقضی ہوجانے کے بعد کہ قبر کے آثار باقی نہ رہے تھے، فرضی طور سے تعمیر کرکے زیارت گاہ بنالیا گیا تھا منہدم کرادیا گیا۔ یہ واقعہ ۲۳۶ھ کا ہے۔ اس سے تقریبًا ستر برس بعد امیر المومنین المقتدر باللہؒ نے بغداد کے قریب کی "مسجد براثی" کو جسے سیاسی اغراض کے لئے استعمال کیا جارہا تھا منہدم کرادیا تھا۔ علامہ ابن کثیرؒ اس بارے میں لکھتے ہیں

ان جماعۃ من الرافضۃ یجتمعون فی مسجد براثا ینالون من الصحابۃ ولا یصلون الجمعۃ ویکاتبون القرامطۃ ویدعون الی محمد بن اسمٰعیل الذی ظهر بین الکوفۃ و بغداد ویدعون انہ المهدی ویتبرءون من المقتدر ومن یتبعہ فامر بالاحتیاط علیہم واستفتی العلماء بالمسجد فافتوا بانہ مسجد ضرار.... فهدم۔ (صـ۱۶۲ ج ۱۱ البدایہ والنہایۃ)

(خلیفہ عباسی کو یہ اطلاع پہنچی کہ) مسجد براثی میں روافض کا اجتماع ہوتا ہے۔ صحابہ کی ہجو کرتے ہیں جمعہ کی نماز نہیں پڑھتے اور قرامطہ سے خط و کتابت کرتے ہیں اور محمد بن اسماعیل کی (امامت) کی دعوت دیتے ہیں جو کہ کوفہ اور بغداد کے مابین ظاہر ہوا ہے اس کو "مہدی" کہتے اور (خلیفہ) المقتدرؒ اور ان کے متبعین سے تبرا کرتے ہیں۔ خلیفہ نے ان لوگوں کی نگرانی کا حکم دیا اور مسجد کے بارے میں علماء سے استفتاء کیا۔ انہوں نے فتویٰ دیدیا کہ یہ مسجد مسجد ضرار کی طرح ہے..... لہٰذا اس کو منہدم کردیا گیا۔

کربلا کی عمارتوں وغیرہ کے انہدام کے بعد میمون مع اپنے فرزند عبید اللہ کے وہاں سے نکل کر ایران کے بعض مقامات اصفہان وغیرہ میں کچھ عرصہ مقیم رہا اس درمیان میں وہ تو فوت ہوگیا۔ عبید اللہ بصرہ آیا اور کچھ عرصہ یہاں مقیم رہا اور اس نسبت مکانی سے "بصری" کہلایا، چنانچہ ابن جریر طبری جو اس کے ہمعصر تھے اسکے بیٹے کو "ابن البصری" کہتے ہیں (صـ۲۴۰ و ۲۴۹ ج ۱۱ طبری) بصرہ کی سکونت ترک کرکے صوبہ شام کے مقام سلمیہ نزد (حمص) میں جاکر مقیم ہوا اور یہیں بیٹھ کر اپنی تحریک کی قیادت کرتا رہا۔

قرامطہ

بصرہ چھوڑنے سے پہلے عبید اللہ یہاں اپنا ایک کارگزار داعی بھی چھوڑتا گیا جو اپنے لقب قرمط سے ایسا مشہور ہوا کہ بعد میں اس کی جماعت کا نام ہی "قرامطہ" پڑ گیا۔ نام اس شخص کا حمدان بن اشعث تھا، نسلاً نبطی تھا اور کوفہ کے ایک قریہ قس بہرام میں مویشیوں کی سوداگری کرتا تھا۔ قرامطہ لقب کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ پستہ قد ہونے کی وجہ سے پاؤں قریب قریب ڈال کر چلتا تھا، اس لئے نبطی زبان میں "کرمیتہ" کہلاتا تھا جو معرب ہو کر "قرمط" ہو گیا۔ کسی کا قول ہے کہ اس کی آنکھوں کا رنگ سرخ تھا اور بیل پر سوار ہوتا تھا اس لئے قرمط کہلایا۔ ابن جوزی وغیرہ کے نزدیک قرمط کے معنی "خفیہ داعی" کے ہیں، چونکہ عبید اللہ بن میمون القداح کی یہ سیاسی تحریک جس کی کامیابی کے لئے اسے مذہبی رنگ دیا گیا تھا، ابتدا میں خفیہ طور سے چلائی جاتی تھی اس لئے قرمط کی یہ وجہ تسمیہ زیادہ قرین قیاس ہے۔ پروفیسر ہتی کہتے ہیں:۔

"عبید اللہ اور اس کے جانشینوں نے اول تو اپنے صدر مقام بصرہ سے بعد ازاں شمالی علاقہ شام کے مقام سلیمیہ سے اپنے خفیہ داعی اسلامی ممالک میں بھیجنا شروع کئے۔ یہ داعی اپنی دعوت کی ابتدا اس طرح باقاعدہ ترتیب سے کرتے کہ ہونے والے مرید کے دل میں ابتداءً مذہب کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرتے پھر اس شخص کو اس بات کا متوقع کرتے کہ جلد ہی "مہدی موعود" کا ظہور ہونے والا ہے۔ عربوں اور ایرانی نومسلموں کے مابین بڑھتے ہوئے جذبہ نفرت وعناد سے فائدہ اٹھا کر اس ادنیٰ ایرانی نسل والے معالج چشم کے فرزند (عبید اللہ) نے ایک ایسے جرأت مندانہ منصوبہ کا خیال دماغ میں پکایا جس کے ذریعہ فاتح و مفتوح دونوں کو اس قسم کی خفیہ انجمن میں متحد و منسلک کر دے جس کے داخلہ کے مختلف مدارج ہوں پھر ان آزاد خیال اور مسلمات مذہب سے منکر لوگوں کے ذریعہ خود مذہب ہی کو ایسی اسکیم میں بطور آلہ کار کے استعمال کیا جائے جو اسلامی خلافت و حکومت کا استیصال کر کے یا تو عبید اللہ کو بذات خود یا اس کی اولاد کو تخت حکومت پر متمکن کر سکیں۔

اپنی وفات سے قبل تقریباً ۲۶۱ھ میں (عبید اللہ) کو ایک سرگرم مرید اور کارگزار داعی حمدان قرمط ہاتھ لگ گیا۔ یہ شخص عراقی کسان تھا، علم نجوم سے اسے پتہ لگ گیا تھا کہ ایرانی اپنی کھوئی ہوئی سلطنت عربوں کے ہاتھ سے پھر واپس لے لیں گے یہی حمدان اس باطنی فرقہ کا بانی مبانی ہے جو اس کے لقب سے قرامطہ کہلاتا ہے۔ اس تحریک میں مقامی مزارعین و فلاحین اور بدویوں کے قدیمی تنازعہ کا نمایاں طور سے اظہار ہوا ۲۷۷ھ میں بانی تحریک نے اپنا مستقر کوفہ کے قریب "دار الہجرۃ" نام سے بنا لیا جو تحریک کا صدر مقام قرار پایا۔ مقامی باشندوں خاص کر نبطی کسانوں اور اہل حرفہ نیز عرب بدویوں کے درمیان تحریک کو اس شدت سے پھیلایا گیا کہ کثیر مقدار میں لوگ نئے فرقہ میں شامل ہوتے گئے بنیادی طور سے یہ ایک خفیہ انجمن تھی جو اشتراکیت کے اصول پر قائم کی گئی تھی... قرمط نے اشتراکی اصول ملکیت کو عورتوں اور دوسری املاک پر بھی منطبق کر دیا تھا۔ (ص۴۴۳ تاریخ عرب پروفیسر ہتی)

مورخ ابن جریر طبری کے بیان سے محقق دے خوے و مورخ دوذی کے اس قول کی تائید مزید ہوتی ہے کہ اس تحریک کی بنیاد اسلام اور عربوں سے شدید نفرت وعناد کے جذبہ سے ڈالی گئی قرامطہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

وانهم قد احلوا دینا غیر الاسلام وانهم یرون السیف علی امة محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ص۲۳۸ ج۱۱ طبری

اور (قرامطہ نے) اسلام سے جدا اپنا دین ایجاد کیا اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تلوار اٹھائی

اسی مورخ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ قرمط حبشیوں کے سردار کے پاس جس کا ذکر گذر چکا نواح کوفہ میں ملاقات کے لئے گیا اس کو اپنے ساتھ ملانا چاہا اور کہا کہ میرے پاس ایک لاکھ تیغ زن موجود ہیں اگر ہم تم دونوں ایک مذہب پر متفق ہو جائیں تو ان سب کو تمہارے ساتھ کر دوں گا۔ فان اتفقنا علی المذهب ملت بمن معی الیك۔ (ص۲۳۹ ج۱۱ طبری) مگر وہ تو خود ہی مدعی "مہدیت" و طالب حکومت تھا متفق نہ ہوا۔

حمدان قرمط اور اس کے ساتھی اصلاً عبید اللہ بن میمون القداح کی تحریک کے داعی تھے اور اسی حیثیت سے انہوں نے کام کیا اس لئے ان کی جماعت عبیدی اسمٰعیلی تحریک کی ایک اہم شاخ بیان کی گئی ہے خود ایک اسماعیلی مولف (ڈاکٹر زاہد علی پی۔ ایچ۔ ڈی فل آکسن) اپنی تالیف "فاطمیین مصر" میں کہتے ہیں کہ "بعض مورخوں کو یہ دھوکہ ہوا کہ قرامطہ سے اسماعیلی نکلے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسماعیلیوں

کی کئی شاخیں ہیں، جن میں پہلی اور اہم شاخ قرامطہ ہے" منتہٰ) لیکن بانی تحریک عبید اللہ کے انتقال کے بعد سے قرامطہ نے سلیمیہ کے مرکز سے قطع تعلق کر لیا تھا اور خود بہ قائم بالحق " ہونے کا مدعی ہو گیا تھا، یہی اسماعیلی مولف مزید لکھتے ہیں :۔

" سلیمیہ کے سلسلے کو قطع کر کے حمدان نے ۲۶۸ھ کے بعد اپنی الگ دعوت جاری کی، اب گویا دعوت قرمط کا آغاز ہوا، کوفہ سے عرب اور نبطی قبیلے کثرت سے دعوت میں داخل ہونے لگے۔ حمدان نے اپنی مدد کے لئے کئی مددگار داعیوں کو تیار کیا جن میں سب سے زیادہ ہوشیار اور عقل مند عبدان تھا..... آہستہ آہستہ حمدان کی قوت بڑھنے لگی۔ اسے مال جمع کرنے کی حرص پیدا ہوئی۔ مختلف قسموں کے محاصل تھوڑی تھوڑی مدت کے بعد مریدوں پر لگا دئے گئے اور ان کا نام فطرہ، ہجرہ، بلغہ، خمس اور الفہ رکھے گئے..... الفہ کی یہ شرح دلچسپ ہے کہ تمام مریدوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے مال منقولہ اور غیر منقولہ یہ سب صدر داعی کے خزانے میں جمع کرا دیں۔ کسی کے قبضہ میں کوئی ملک نہ رہے تاکہ مالی حیثیت سے ایک دوسرے پر کوئی فوقیت نہ رہے۔ ہر شخص کو اس کی ضرورت کے موافق داعی کے خزانے سے رقم دی جاتے سب ایک ہی سی زندگی بسر کریں..... لوگوں کو سمجھایا گیا کہ ان کو اپنا مال اپنے پاس رکھنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ تمام روئے زمین کے جلد مالک ہونے والے ہیں..... جب حمدان نے دیکھا کہ اس کے پیرو ہر بات میں اس کی اطاعت کرنے کے لئے بخوشی تیار ہیں تو اس نے اپنے داعیوں کو بتدریج ثنویہ مذہب کی تعلیم دینی شروع کی، جس سے ان کا زہد و تقویٰ جس کی انہیں پہلے تعلیم دی گئی تھی بالکل جاتا رہا اور وہ فسق و فجور میں پڑ گئے۔ انہیں یہ سمجھایا گیا کہ ایک خاص حد کو پہنچنے کے بعد شریعت کے ظاہری اعمال اٹھ جاتے ہیں۔ اب نماز و روزہ وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ امام حق یعنی محمد بن اسمٰعیل بن جعفر (صادق) کی معرفت کافی ہے۔ یہ وہ مہدی ہیں جو آخری زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور اپنا حق لیں گے، داعی جو بیعت لیتا ہے انہی کے لئے لیتا ہے، مال جو کچھ جمع کیا جا رہا ہے انہی کے لئے جمع کیا جا رہا ہے۔ وہ زندہ ہیں کبھی نہیں مرتے۔ وہ ہی مقصود حقیقی ہیں، اگر وہ نہ ہوتے تو خلقت ہلاک ہو جاتی اور ہدایت معدوم ہو جاتی۔ ایسے امام کی معرفت حاصل

ہو جانے کے بعد پھر کسی گناہ سے بچنے اور کسی عذاب سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ ایسی تعلیم کا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔ قرامطہ کی اخلاقی حالت بگڑی اور ایسی بگڑی کہ وہ ہر قسم کی بدکاریوں میں مبتلا ہو گئے۔ یہ بھی ان سے کہا گیا کہ تمہارے مخالفین کا خون تمہارے لئے حلال ہے، جو لوگ تمہاری مخالفت نہ کریں لیکن تمہارے مذہب میں داخل نہ ہونا چاہیں ان سے بھی جزیہ وصول کیا جائے۔ ہتھیار جمع کرنے کی پہلے ہی ترغیب دلائی جا چکی تھی۔ انہوں نے ایسی خونریزی شروع کی ہمسائے چیخ اٹھے۔

(ص۲۲۶ و ص۲۳۸)

ہتھیار فراہم کر کے رفتہ رفتہ جنگجو دستے تیار کئے۔ بحرین کا علاقہ اور ہجر وغیرہ مقامات جہاں پہنچنے کے لئے لق و دق بیابان اور صحرا عبور کرنے پڑتے تھے ان کا آماجگاہ تھا موقع پا کر وہاں سے نکلتے اور ڈاکہ و رہزنی لوٹ مار کا بازار گرم کر دیتے۔ خلافت کی فوج سے شکست پر شکست کھاتے اور بعض اوقات اسے شکست بھی دیتے مگر فتنہ و فساد اور خونریزی سے باز نہ آتے، کچھ ایرانی نژاد سردار اور شاہان ایران کی نسل کے لوگ بھی ان سے آ کر مل گئے تھے۔ مورخ المسعودی نے صراحتاً بیان کیا ہے کہ بلاد اصفہان کے شاہان عجم کی اولاد میں سے ایک نوجوان جس کو " الزکری " کہتے تھے، قرامطہ سے مل گیا اور اس نے ان کی قیادت کی باگ بھی سنبھالی تھی (ص۳۹۱ التنبیہ والاشراف مطبوعہ بریل ۱۸۹۳ء)

قرامطہ کا ایک اور سردار زکرویہ بن مہرویہ بھی ایرانی نسل کا تھا اور یہی وہ شخص تھا جس نے حمدان قرمط کے عزیز قریب اور کارگزار داعی عبدان کو مروا دیا تھا جس سے ان میں آپس میں پھوٹ پڑ گئی تھی۔ زکرویہ کے کئی بیٹے تھے ان میں سے یحیٰی نے خود " مہدی موعود " ہونے کا دعویٰ کیا۔

یحیی بن زکرویہ بن مہرویہ الذی ادعی عند القرامطۃ انہ محمد بن عبد اللہ بن اسمٰعیل ابن جعفر بن محمد بن الحسین بن علی بن ابی طالب وقد کذب فی ذلک..... وا تبعہ طائفۃ من الاصبغ وسموا بالفاطمیین (ص۸۶ ج ۱۱ البدایہ والنہایہ)

یحیٰی بن زکرویہ بن مہرویہ یہی وہ شخص ہے جس نے قرامطہ (کی جماعت میں) یہ دعویٰ کیا کہ وہ محمد بن عبد اللہ بن اسماعیل بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ہے، اس میں اس نے یقیناً جھوٹ بولا..... الاصبغ میں سے ایک گروہ اس کا متبع ہوا ان کو فاطمیین سے موسوم کیا گیا۔

حاجیوں کا قتل اور کعبہ کی بے حرمتی

بلادِ شام پر کئی مرتبہ خونریز حملے کئے بالآخر خلافت کی فوج نے ان کا قلع قمع کر دیا۔ انہی ایام میں ایک اور ایرانی نژاد سردار ابو سعید حسن بن بہرام جو اپنے مولد "قریہ جنابہ" کی نسبت سے "جنابی" کہلاتا تھا، بحرین کے اکثر دیہات پر قابض ہو گیا، مقام ہجر کو فتح کر کے اپنا مستقر بنایا اور اسماعیلی قائد سے تعلقات استوار کئے جس نے بقول اسماعیلی مؤلف "خلافت عباسیہ پر حملے کرنے کی ترغیب دلائی تھی (ص۴۴۶ تاریخ فاطمین مصر) پہلے تو عراق کے مقامات بصرہ و کوفہ وغیرہ پر اچانک حملے کر کے لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت گری کا ہنگامہ برپا کیا پھر حاجیوں کے قافلوں پر پے در پے حملے کئے، بہت سے حاجیوں کو قتل کیا، ان کا مال و اسباب لوٹ لیا، کئی سالوں تک قرامطہ کے خوف و دہشت سے لوگ حج کو نہ جا سکے۔ پھر ۳۱۷ھ میں مکہ معظمہ پر دھاوا/حملہ کیا جس کے حالات اکثر مورخین نے لکھے ہیں۔ یہاں اسماعیلی مولف کی عبارت نقل کرتا ہوں وہ لکھتے ہیں کہ:۔

اب تک قرامطہ حاجیوں کے قافلوں کو لوٹا کرتے لیکن ۳۱۷ھ میں عراق سے بھاگ کر مکہ معظمہ پہنچے اس سال منصور دیلمی حاجیوں کا سردار تھا۔ یہ ان لوگوں (حاجیوں) کو ساتھ لیکر بغداد سے مکہ روانہ ہوا، مکہ معظمہ میں عین "یوم ترویہ" کے روز قرامطہ نے ان پر حملہ کر کے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ ان میں سے کئی آدمیوں کو (؟) خود بیت اللہ اور مسجد حرام میں قتل کیا۔ حجر اسود کو اس کی جگہ سے نکال کر اپنے مستقر ہجر کو لے گئے تاکہ اپنے شہر میں حج مقرر کریں (؟) ابن جہلب (؟) امیر مکہ نے کئی اشراف کو ساتھ لے کر یہ کوشش کی کہ قرامطہ اپنے کرتوت سے باز آئیں مگر ان کی کوششیں ناکام ہوئیں (؟) اس کے بعد بیت اللہ کا دروازہ اور محراب اکھاڑے گئے مقتولوں کے چند لاشے زمزم کے کنوئیں میں پھینک دئے گئے اور چند بغیر غسل اور کفن کے مسجد حرام میں دفن کئے گئے۔ اہل مکہ پر بھی مصیبتیں ڈھائی گئیں۔ اس حادثہ کی اطلاع جب مہدی کو قیروان میں پہنچی تو اس نے قرامطہ کے رہبر ابو طاہر (بن ابو سعید حسن بن بہرام جنابی۔م) کو بہت لعنت ملامت کی اور اسے لکھا:۔

"تو نے کفر و الحاد کے الزام کو جو ہم پر لگایا جاتا ہے اپنے عمل سے ثابت کر دیا اگر تو حاجیوں کا لوٹا ہوا مال اور حجر اسود واپس نہ کرے گا تو ہم تجھ سے دنیا و آخرت میں بری ہو جائیں گے"۔ مہدی کے بعد اس کے جانشین قائم نے بھی ایک خط ابو طاہر کو لکھا۔ ابو طاہر نے ۳۲۹ھ میں یہ کہہ کر حجر اسود واپس کیا کہ "ہم حکم ہی سے اسے لے گئے تھے اور حکم ہی سے واپس کرتے ہیں"۔ تقریباً بائیس سال حجر اسود قرامطہ کے پاس رہا۔ (ص۴۴۸ تاریخ فاطمین مصر)

قرامطہ کے ان افعال قبیحہ اور اس حادثہ فاجعہ کو جملہ مورخین نے بیان کیا ہے اس لئے اسماعیلی مولف بھی کلیتاً نظر انداز نہیں کر سکتے تھے لیکن اپنے فرقے کی اس اہم شاخ کی پاسداری کے جذبے ہی کا شاید یہ اثر ہو کہ وقوعہ کی شناعت کو قدرے گھٹا کر بیان کیا ہے۔ یہ واقعہ شیعی مورخ المسعودی کے اپنے زمانہ کا ہے وہ اپنی مشہور تالیف التنبیہ والاشراف میں جو ۳۴۵ھ میں تالیف ہوئی تھی یعنی اس حادثہ سے صرف ۲۸ سال بعد صراحتاً بیان کرتے ہیں کہ مسلم امت کے ان نفوس کا شمار تو حد و حساب سے باہر ہے جو مکہ سے بھاگ پڑے تھے اور پہاڑوں کی وادیوں اور صحرا میں بھوک پیاس سے ہلاک ہوئے لیکن خود شہر مکہ میں مقتولین کی تعداد کم و بیش تیس ہزار نفوس کی اندازاً بیان کی گئی ہے (ص۳۸۶ مطبوعہ بریل) جن میں سے حسب تصریح صاحب تاریخ الکعبۃ المعظمۃ ایک ہزار سات سو مرد و اناث مسجد الحرام میں قتل ہوئے، ان کی لاشوں کو چاہ زمزم میں ڈال دیا گیا جو ان سے اٹ گیا تھا۔ اس تعداد کو اسماعیلی مؤلف نے "کئی آدمیوں" کے الفاظ سے ظاہر کیا ہے امیر مکہ کا نام اور ان کا واقعہ بھی غلط لکھا ہے، امیر مکہ محمد بن اسماعیل المعروف با بن مخلب مع اپنے اہل خاندان اور اپنے سپاہیوں کے خونخوار قرمطیوں سے برسرپیکار ہو کر جاں بحق ہوئے فقاتلہ امیر مکۃ فقتلہ القرامطی وقتل اکثر اھل بیتہ واھل مکۃ وجندہ (ص۱۷۱ ج البدایۃ والنھایہ) یعنی امیر مکہ قرمطی (حملہ آوروں) سے لڑے مگر قرمطیوں نے ان کو ان کے اکثر اہل خاندان اور مکہ کے باشندوں اور لشکریوں کو قتل کرا دیا۔ اسماعیلی مولف کا امیر مکہ کے بارے میں یہ قول مندرجہ بالا حقائق کے اعتبار سے معناً کس درجہ غلط ہے کہ "ان امیر مکہ کی کوششیں ناکام ہوئیں"؟ اسی طرح مولف مذکور نے بیت اللہ کے صرف "دروازے اور محراب" کا اکھاڑنا بیان کیا ہے۔ مورخ المسعودی [illegible] دیگر مورخین نے تصریح کی ہے کہ قرمطی لٹیروں نے خانہ کعبہ کے انہدام کے سلسلہ میں حرم کے قبے کو منہدم کر دیا، میزاب کعبہ اکھاڑتے ہوئے جو قرمطی اوپر چڑھا تھا اوندھا گر کر ہلاک ہو گیا، دوسرا حجر اسود کو اکھاڑتے وقت کہتا جاتا تھا "این الطیر الابابیل؟ این الحجارۃ من سجیل؟" (ص۱۶۱ ج البدایۃ والنھایۃ) یعنی سورۃ الفیل میں یمن کے عیسائی

حکمران ابرہہ کے انہدام کعبہ کے مقصد سے آنے اور اپنے ارادہ فاسد میں ناکام رہنے اور بحکم خداوندی اس پر وبا مسلط ہونے کا جو ذکر ہے اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔ خانہ کعبہ میں ایسی لوٹ کھسوٹ مچائی کہ سونے چاندی کی جالیاں، سونے چاندی کے قندیل اور جھاڑ فانوس، بیش قیمت پردے اور وہ تمام زیبائش کے قیمتی ساز و سامان جو خلفائے بنی امیہ اور بنی عباسؓ نے اپنے اپنے عہد میں اس مقدس و متبرک مقام کی زینت کے لئے فرطِ عقیدت سے پیش کئے تھے نیز آثار قدیمہ کی تمام باقیات اتنی مقدار میں لے گئے کہ بقول ہمعصر مورخ المسعودی پچاس اونٹوں پر صرف یہی سامان بار کرایا گیا تھا ص۳۸۶ التنبیہ والاشراف)

ظاہر ہے کہ ان افعال قبیحہ کے ارتکاب کا خیال تک بھی کسی کلمہ گو سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ مگر قرمطیوں کی نظر میں خانہ کعبہ اور بیت اللہ کے حج کی جو کچھ حقیقت تھی اس کا اندازہ ان ہی اسمٰعیلی مولف کی دوسری تصنیف: "ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام" کے مطالعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ یہ کتاب نامی پریس حیدر آباد کی مطبوعہ اور ۲۶ × ۲۰ سائز کے (۶۷۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ مقدمہ کتاب میں اسمٰعیلی مولف نے اس سوال کو اٹھاتے ہوئے کہ "ہمارا اسمٰعیلی مذہب کہاں تک اصول اسلام پر مبنی ہے" لکھا ہے کہ:۔

"فروعات میں اختلاف ہونا خیر کوئی ایسی بات نہ تھی لیکن افسوس ہے کہ اصول ہی کچھ ایسے ایجاد کئے گئے جو اسلام کے اصول سے الگ ہو گئے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ مسلمان مورخین جنہیں ہم "اہل ظاہر" کہتے ہیں ہمارے مذہب کے متعلق یہی رائے رکھتے ہیں کہ اسماعیلیت کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں تو ہمارے بھائی یہ کہیں گے کہ یہ لوگ تو ہمارے دشمن ہیں ان کی رائے ضرور ہمارے خلاف ہوگی لیکن بڑے اچنبھے کی بات ہے کہ مستشرقین جو ہم دونوں سے بالکل الگ ہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اسماعیلیت اسلام سے علیحدہ ہے۔ ص۲ مقدمہ کتاب)

آگے چل کر خود یہی اسمٰعیلی مولف فرماتے ہیں کہ ان کے گروہ کے نزدیک حج بیت اللہ سے مراد: "امام الزمان اور ان کی طرف متوجہ ہونے سے ہے" اور خانہ کعبہ کا سات بار طواف کرنے سے مطلب: "سات اماموں کی دوستی رکھنے اور ان کے احکام کی پیروی کرنے سے ہے"! (مضمون دیگر تاویلات (ص۶۵۳ ایضاً) ان عقائد کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ قرمطی حجر اسود کو اس غرض سے اکھاڑ کر لے گئے کہ "اپنے شہر میں حج مقرر کریں"! محض بے معنی ہے۔ قرامطہ تو عبیدیوں ہی کے اشارہ

برادران ہی کے احکام کی تعمیل میں یہ سب حرکات خلافت کے استیصال اور ایرانی النسل عبیدیوں کے برسرِ اقتدار آنے کے مقصد سے کر رہے تھے۔

وکان ھولاء القرامطة یراسلونه ویدعون الیه ویترامون علیه ویقال انھم انما کانوا یفعلون ذالک سیاسته ودولة لاحقیقة له۔
(ص۱۱۶ ج۱۱ البدایه)

(عبیدی مہدی سے) یہ قرامطہ خط و کتابت رکھتے تھے اسی کی دعوت دیتے اور کہتے تھے کہ یہ سب کچھ سیاسی مقاصد سے اور سلطنت کے لئے کر رہے تھے جس کی کوئی اصلیت نہ تھی

بغداد کے ترکی امیر الامراء بجکم نے پچاس ہزار دینار کی گراں قدر رقم حجر اسود کی واپسی کی غرض سے پیش کی مگر قرامطہ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جب تک وہی ہم کو حکم نہ دیں گے جن کے حکم سے ہم لے گئے ہیں اسے واپس نہ کریں گے۔ نحن اخذناه بامر فلا نردہ الا بامر من اخذناہ بامرہ (ص۲۲۳ ایضاً) ان کے اس قول سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عبیدی مہدی ہی کے حکم سے اس فعل کا ارتکاب کیا گیا تھا۔ تخریب مذہب کے جذبے کے علاوہ نسلی عصبیت بھی کارفرما تھی۔ قرامطہ کے اکثر و بیشتر لیڈر ایرانی نسل کے تھے، مورخ المسعودی جو قرمطی لیڈر ابو سعید حسن بن بہرام جنابی کے ہم زمانہ تھے، اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ شاہان ایران کے خاندان سے اس کی نسبت تھی اور ان سے اس کا میل ملاپ رہا تھا۔ بالفاظ دیگر ان کے باقی ماندہ اخلاف سے اس کے تعلقات قائم تھے۔ "اصحاب الغرب" یعنی عبیدیان افریقہ اور یمن کے قرامطہ کا ذکر کرتے ہوئے المسعودی یہ الفاظ لکھتے ہیں۔

واخبار ابی سعید الحسن بن بھرام الجنابی ونسبته واتصاله بملوک فارس ومکانه من ھذہ الدعوة (ص۳۹۲ التنبیه والاشراف مطبوعہ بریل ۱۸۹۴ء) جو کوئی ایرانی اس زمانے میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی جد و جہد کرتا قرامطہ سے ساز باز اور روابط و میل ملاپ پیدا کرتا، چنانچہ ایک اور ایرانی مرداویج نے بھی قرامطہ کے سردار کے ساتھ اسی مقصد سے تعلقات قائم کئے کہ عربوں کے ہاتھ سے سیاسی اقتدار چھین کر ایرانی و عجمی سلطنت قائم کرے۔ اس کے بارے میں علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے۔ وانه ممالئ لصاحب البحرین امیر القرامطه وقد اتفقا علی رد الدولة من العرب الی العجم (ص۱۷۸ ج۱۱ البدایه والنھایه) اور اس مرداویج نے بحرین کے حاکم و سردار قرامطہ سے تعلقات قائم کئے اور یہ دونوں اس بات پر متفق ہو گئے

کہ عربوں کے ہاتھ سے حکومت نکال کر عجمیوں کی طرف لوٹا لائیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اکثر صوبوں کے گورنروں کے مطلق العنان ہو جانے سے مرکزی حکومت کمزور پڑ گئی تھی تاہم قرامطہ کی لوٹ مار، قتل و غارت گری، خانہ کعبہ کی بے حرمتی، حاجیوں کے قافلوں کے دردناک قتل کے واقعات نے عالم اسلامی میں سخت اضطرابی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ بقول جسٹس امیر علی: "قرامطہ کے جرائم کا پیالہ لبریز ہو گیا تھا۔ ہر چہار طرف کے مسلمان ان دشمنان انسانیت کے استیصال پر متحد ہو گئے اور پندرہ برس کے خونریز قتال و جدال کے بعد اس ملعون گروہ کا قلع قمع کر دیا گیا (ص۲۹۸ ہسٹری آف سیرلینز) تاریخ فاطمین مصر کے اسمٰعیلی مولف بھی لکھتے ہیں کہ "بالآخر (خلیفہ) مقتدر (باللہ عباسیؒ) نے دو فوجی سردار ہارون بن غریب اور صافی کو بصرہ کی طرف روانہ کیا۔ انہوں نے قرامطہ کو زبردست شکست دی اس کے بعد عراق میں پھر قرامطہ نے سر نہ اٹھایا" (ص۲۴۷) عراق و بحرین میں قرامطہ کے استیصال کے بعد اس گروہ کے کچھ افراد خلافت عباسیہ کے بعید اور دور دست مقامات سندھ وغیرہ میں پناہ گزین ہوئے۔ رفتہ رفتہ یہاں بھی کچھ سیاسی قوت بہم پہنچا لی۔ امیر المومنین القادر باللہ عباسیؒ کے زمانے میں سلطان محمود غزنویؒ نے ان کی سیاسی قوت کا خاتمہ کر دیا، لیکن یہ لوگ پھر بھی اپنی دعوت خفیہ خفیہ چلاتے رہے۔

بصرہ اور بحرین کے علاوہ یمن کے بعض مقامات پر بھی قرامطہ کے داعیوں نے سیاسی اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ مگر ان میں سے اکثر کی اخلاقی حالت حد درجہ گری ہوئی تھی۔ کتاب السلوک کے مولف قاضی ابو عبداللہ بہاؤ الدین بن یوسف بن یعقوب الجندی نے فقیہہ ابو عبداللہ محمد بن مالک کے بیان کردہ چشم دید حالات لکھے ہیں۔ ابو عبداللہ محمد فقہائے یمن میں سے مسلکاً سنی حنفی تھے اسمٰعیلی داعی علی بن محمد الصلیحی کے ایام میں اس غرض و مقصد سے اس فرقے میں شامل ہو گئے تھے کہ ان کے اندرونی اور اصلی حالات کی تحقیق کریں۔ جب اصل حالات اپنی آنکھوں دیکھ لئے رجوع کیا اور ایک رسالہ تالیف کیا۔ فلما تحقق فسادہ رجع عنہ وعمل رسالۃ مشہورۃ (ص۴ اخبار القرامطہ بالیمن) ان کے بیان سے بھی دلندیزی اسکالر (دے خوئے) کے قول کی تائید مزید ہوتی ہے کہ جن سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے یہ تحریک چلائی گئی تھی اس کی کامیابی کی غرض سے مختلف النوع عناصر کو شامل کیا گیا اور ہر قماش کے لوگوں سے کام لیا گیا۔ حتیٰ کہ آوارگی کو بے قیدی سے چھوٹ دیدی گئی۔ رسالہ میں قرامطہ کے ایک داعی کی بہیمانہ حرکات کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔ یہاں صرف ایک فقرے کے نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں لکھتے ہیں کہ:-

ونھمک فی المذیخرۃ علی تحلیل محرمات الشریعۃ واباحۃ محظورا تھا وعمل بھا دارًا واسعۃ یجمع فیھا اھل مذھبہ نساءً ورجالاً متزینین متطیبین و یوقد بینھم الشمع ساعۃ ویتجاذبون فیھا باطیب الحدیث واطربہ ثم یطفی الشمع ویضع کل منھم یدہ علی امراءۃ ...... (الی آخرہ)

(ص۱۴۷ اخبار القرامطہ بالیمن مطبوعہ لندن سنہ ۱۳۰۹ء)

اور (قرمطی داعی نے) مقام مذیخرہ میں محرمات شرعی کو حلال کر دیا ممنوعات شرعیہ کو کھلی آزادی دیدی ایک وسیع مکان بھی وہاں بنوایا جس میں اس کے اہل مذہب عورتوں مردوں کا اجتماع ہوتا اور یہ سب آراستہ ہو کر خوشبوئیں لگا کر آتے شمع ان کے درمیان روشن ہوتی، دلآویز طور پر سے باتیں اور خوش فعلیاں کرتے پھر شمع بجھا دی جاتی اور ہر شخص کسی عورت پر ہاتھ ڈالتا.....

.. ..

علامہ ابن کثیرؒ نے بھی یہ بیان کرتے ہوئے کہ ۲۷۸ھ میں قرامطہ حرکت میں آئے لکھا ہے کہ یہ فرقہ زندیقوں اور ملحدوں کا ہے، جو ایرانی فلاسفہ کا اتباع کرتے ہیں اور زردشت و مزدک کی نبوت کا اعتقاد رکھتے ہیں محرمات کو حلال جانتے ہیں۔ ان کو باطنیہ، اسماعیلیہ، سبعیہ اور بابکیہ وخرمیہ وغیرہ ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے آخر میں لکھتے ہیں کہ:-

وقد بقی من البابکیۃ جماعۃ یقال انھم یجتمعون فی کل سنۃ لیلۃ ھم ونساءھم ثم یطفئون المصباح وینتھبون النساء فمن وقعت یدہ فی امراۃ حلت لہ۔

(ص۶۲ ج۱۱ البدایہ والنھایہ)

بابکیہ میں سے ایک جماعت ابتک باقی ہے کہا جاتا ہے کہ ان کے یہاں مرد و عورت کا سالانہ اجتماع شب میں ہوتا ہے پھر چراغ و شمع بجھا دی جاتی ہے۔ عورت پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور جس کا جس عورت پر ہاتھ پڑ جائے وہ اس کے لئے حلال ہو جاتی ہے۔

.. ..

ان داعیوں میں سے ایک نے نبوت کا بھی دعویٰ کیا تھا۔ اس کے چند شعر بھی مولف موصوف نے نقل کئے ہیں جو کفریات وخرافات سے مملو ہیں۔ بالآخر مرکزی حکومت نے فوج بھیج کر یمن کے صوبہ سے بھی قرمطیوں کے تسلط کا خاتمہ کر دیا۔ اس فوج کے سردار ایک ہاشمی تھے جن کو خلیفہ بغداد نے مامور کیا تھا۔ ان قد وصلہ بارسال من صاحب بغداد (ص۱۴۸ اخبار القرامطہ)

مغربی افریقہ میں دعوت کا اجراء

دعوت عبیدیہ کا ایک پرجوش داعی ابو عبداللہ الشیعی تھا وہ یمن میں قرامطہ کے استیصال سے کچھ مدت پہلے

مصر ہوتا ہوا شمالی مغربی افریقہ کے بربری قبائل میں تبلیغ دعوت کے لئے طرح طرح کی صعوبتیں اٹھا کر جا پہنچا۔ وہ سادہ زندگی بسر کرتا، موٹے کپڑے پہنتا اور ہمیشہ عبادت میں مشغول رہتا" (ص ۶۷ تاریخ فاطمین مصر) اس کے ظاہری زہد و تقشف کا اثر ان بربری قبائل پر جن کی خصوصیات میں بقول مولف تاریخ فاطمین "باطل پرستی، توہمات میں انہماک اور سرعت قبول شامل تھے" خاص طور سے بڑھتا گیا۔

غرضیکہ ۲۸۰ھ میں داعی ابو عبداللہ الشیعی اپنے بڑے بھائی ابو العباس کے ساتھ بربری قبائل میں اپنی تحریک کو جاری کرنے اور پندرہ سولہ برس کی مسلسل جد و جہد کے بعد سیاسی اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ۲۹۶ھ میں اس نے میمون القداح کے پوتے کو جس کا نام و نسب بعض مورخین نے حسین بن احمد یا احمد بن عبداللہ بن میمون القداح لکھا ہے۔ ملک شام سے بلوا کر مقام سجلماسہ (مغربی افریقہ) میں عبید اللہ المہدی کی حیثیت سے ظاہر کیا لیکن تھوڑے عرصہ بعد ابو عبداللہ الشیعی اس سے منحرف ہو کر بغاوت پر آمادہ ہو گیا اور بقول اسمٰعیلی مولف اس نے بربری سرداروں کے روبرو اپنے شکوک اس طرح ظاہر کئے۔

"اس مہدی کے افعال اس مہدی کے مانند نہیں ہیں جس کی طرف میں دعوت کرتا تھا مجھے غلط فہمی ہو گئی ہے اور میں نے ابراہیم خلیل اللہ کی طرح دھوکا کھایا ہے جب انہوں نے تارے کو دیکھ کر کہا تھا کہ یہ میرا رب ہے اس لئے مجھ پر اور تم پر فرض ہے کہ ہم ان کا امتحان لیں اور ان سے ایسے اوصاف کا ثبوت طلب کریں جنہیں لسب دان امام میں ہونا ضروری سمجھتے ہیں" (ص ۱۹۲ ہمارے اسمٰعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام مولفہ ڈاکٹر زاہد علی)

ابو عبداللہ الشیعی، اس کے بھائی ابو العباس اور ان کے ساتھیوں کی یہ بغاوت ناکام رہی عبید اللہ مہدی نے ان دونوں کو اور ان کے بعض ساتھیوں کو قتل کرا کے قبیلہ کتامہ وغیرہ کی مدد سے اپنے سیاسی اقتدار کی بنیاد مستحکم کی۔ اور اس طرح عبید اللہ بن میمون القداح کی تحریک نے بالآخر اس حکومت و سلطنت کی شکل اختیار کی جو ابتداً مغربی افریقہ میں اور بعد ازاں مصر میں اسلامی خلافت کے حریف کی حیثیت سے "خلافت فاطمیہ" اور "دعوت فاطمیہ" سے موسوم کی گئی۔

دعوت فاطمیہ عبیدیہ

یہ "دعوت فاطمیہ" جو برعکس نہند نام زنگی کافور کے مصداق اصل و حقیقت کے

اعتبار سے "دعوت عبیدیہ" اور مقصد و غرض کے لحاظ سے عربوں کے سیاسی اقتدار و حکومت اسلامی کے مقابلہ میں جیسا کہ تفصیلاً بیان ہو چکا ایک زبردست تحریک تھی، بڑی منظم، منضبط، ہمہ گیر اور دور رس۔ واقعات کا مورخانہ تجزیہ کیا جائے تو صاف ہویدا ہو جاتا ہے کہ صحیح النسب فاطمیوں سے اسے کوئی تعلق نہ تھا۔ "فاطمیت"، "مہدیت"، "اسماعیلیت"، "امامت" کی اصطلاحیں جن مقاصد سے اختیار کی گئیں ان کا قدرے اندازہ ان عجیب و غریب عقائد سے ہو گا جو اسماعیلی مولف ڈاکٹر زاہد علی کی تالیف "ہمارے اسمٰعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام" (مطبوعہ نامی پریس حیدر آباد دکن) میں شرح و بسط سے بیان کئے گئے ہیں۔ چند فقرات ملاحظہ ہوں:۔

"آنحضرت صلعم کے دادا مولانا عبد المطلب حضرت ابراہیم کی ذریت سے ہیں آپ بھی حضرت ابراہیم کی طرح حضرت عیسیٰ کے دور میں مستقر امام تھے یعنی آپ میں نبوت، رسالت، وصایت اور امامت چاروں مراتب جمع تھے۔ آپ نے اپنے دو فرزندوں مولانا عبداللہ اور مولانا ابو طالب کو خدا کے امر و وحی سے الگ الگ رتبے دئیے پہلے کو نبوت و رسالت کے رتبے دے کر ظاہری دعوت کا صدر بنایا اور دوسرے کو وصایت و امامت کا درجہ دے کر باطنی دعوت کا رئیس مقرر کیا۔ مولانا عبداللہ کے انتقال کے وقت آنحضرت صلعم پیدا نہیں ہوئے تھے اس لئے مولانا عبد المطلب نے اپنے فرزند مولانا ابو طالب پر نص کر کے انہیں آنحضرت صلعم کا کفیل بنایا ۔۔۔۔۔ مولانا ابو طالب نے نبوت و رسالت کا رتبہ آنحضرت صلعم کو اور وصایت و امامت کا درجہ مولانا علی کو دیا۔ (ص ۶۲ و ص ۶۴)

اوپر کے بیانات سے واضح ہے کہ مولانا ابو طالب چار عظیم الشان مراتب یعنی نبوت، رسالت، وصایت اور امامت کے مالک تھے۔ آپ ہی زمانہ ستر و تقیہ کے آخری امام تھے جنہوں نے آنحضرت صلعم کو قایم کیا گویا آپ ہمارے اصول کے مطابق آنحضرت صلعم کے "رب" تھے (ص ۶۵)

آنحضرت کو مولانا ابو طالب نے قایم کیا یعنی آپ کو نبوت و رسالت کے رتبے سے سرفراز کر کے وصایت و امامت کے رتبے کے متعلق مولانا علی کا کفیل بنایا، جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے آپ نے اپنی زندگی میں ظاہری شریعت کی تبلیغ کی اور

باطنی شریعت کے لئے مولانا علی کو قایم کیا۔ آپ کے اور مولانا علی کے مراتب میں ہمارے داعیوں میں بڑا اختلاف ہے (ص۴۷)

رسالت و امامت کے اعتقاد کے متعلق ہم میں تین گروہ ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ مولانا علی اور آپ کی نسل سے جتنے ائمہ ہوئے وہ سب انبیاء مرسلین سے جن میں آنحضرت صلعم بھی شامل ہیں۔ چار درجے افضل ہیں۔ اس جماعت کو تقدم حاصل ہے۔ (ص۴۷)

دوسرا گروہ متاخرین داعیوں کا یہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلعم مولانا علی سے افضل ہیں (ص۵۷)

تیسرا گروہ ستر کے داعیوں کا یہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلعم اور مولانا علی دونوں مساوی ہیں، ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ ایک کو دوسرے سے افضل سمجھنے والا ملعون ہے (ص۵۷)

ہمارے اکثر اثنا عشری بھائیوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ مولانا علی آنحضرت سے افضل ہیں میرے ایک اثنا عشری عزیز دوست کے قول پر غور کیجئے۔

دستِ احمدؐ نے کیا ہے اپنے بازو کو بلند

جب تو اونچا ہے نبوت سے امامت کا وقار

(ص۷۶)

اسلامی معتقدات ہی سے نہیں تاریخی واقعات سے بھی ان "عقائد" کی پوری تکذیب ہوتی ہے۔ جن سیاسی مقاصد سے یہ "عقائد" وضع ہوئے ان کے اعتبار سے نیز تاریخ سے ثابت ہے کہ دعوت "فاطمیہ" "مہدیہ" "امامیہ" وغیرہ کے پیرو اگرچہ مختلف النوع ہیں، مگر سب اس بات پر متفق ہیں کہ بعثت نبویہ کے وقت ہی سے یہ دعوت جاری ہے۔ اس دعوت کے جن اصول پر اس کے سب داعی اتفاق کرتے ہیں اور اختلاف الفاظ کے ساتھ جو ایک ہی سی باتیں یہ سب لوگ کہتے ہیں وہ مختصراً یہ ہیں کہ :۔

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غایت ہی یہ تھی کہ آپ کے بعد آپ کی امامت حضرت علیؓ کو ملے اور ان کے بعد ان کے سولہ یا اٹھارہ فرزندوں میں سے صرف حسنین اور ان کے اخلاف کو ایک مختصر سا گروہ البتہ حضرت محمد بن علیؓ (الحنفیہ) کی امامت کا مدعی ہوا تھا۔

(۲) منصب امامت منصب نبوت سے افضل ہے یعنی محمد الامام محمد النبی سے افضل ہیں؟

(۳) ائمہ سب یکساں حیثیت رکھتے ہیں اور سب میں عینیت تامہ ہے، یعنی مثلاً اثنا عشریہ کے نزدیک حضرت علی اور حضرت حسین ہی نہیں بلکہ محمد الجواد و حسن العسکری بھی "محمد النبیؐ" سے افضل اور "محمد الامام" کے ہم پلہ ہیں اسمٰعیلیہ کے نزدیک یہی حیثیت الحاکم اور المعز کی ہے۔ صغیرنا و کبیرنا سواء (ہمارے چھوٹے بڑے سب برابر ہیں)

(۴) امام چونکہ ناطق ہے یعنی بولنے والا اس لئے وہ کتاب (قرآن) سے بالا ہے کیونکہ کتاب صامت ہے یعنی خاموش۔ کتاب کو امام پر حُکم نہیں کہا جا سکتا۔ امام کتاب پر حُکم ہے اور اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ جس چیز کو چاہے حلال قرار دے اور جس چیز کو چاہے حرام۔ یحلون ما یشاؤن و یحرمون ما یشاؤن (جس چیز کو چاہیں حلال قرار دیں اور جسے چاہیں حرام کہیں)

(۵) امام کا تقرر منجانب اللہ ہوتا ہے اور بذریعہ وحی اس بارے میں کسی کو یارائے دم زدن نہیں۔ اسماعیلیہ کا اس خصوص میں جو عقیدہ ہے وہ پہلے بیان ہو چکا۔

امامت کے اس اساسی تصور کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں ہیں جو مختلف فرقوں میں قدرے مختلف ہیں; چونکہ تحریک اور دعوت کا محور یہی تصور ہے اس لئے اسی کے بیان پر یہاں اکتفا کیا جاتا ہے، اگر یہ نہ سمجھا جائے کہ اس اساس پر سب کے مجتمع ہونے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کے یہاں امامت کا کوئی ایسا سلسلہ بھی ہے جس پر سب کو اتفاق ہو حضرت حسینؓ کے بعد ان کا کوئی امام متفق علیہ نہیں۔ ہر فرقے کے ہاں ائمہ کا الگ سلسلہ ہے اور سب لوگ اپنے اپنے اماموں میں وہی صفات بیان کرتے ہیں جو اوپر بیان ہوئیں۔ اختلاف جو ہے وہ ان صفات سے موصوف ائمہ کے تعین میں ہے۔ تعین کا اختلاف بھی اجتہادی نہیں کہ باہم رواداری کی گنجائش ہو بلکہ ہر سلسلے کے متبع اپنے سلسلہ امامت کے علاوہ باقی سب سلاسل کو باطل قرار دیکر ان کے ائمہ کی تکذیب کرتے ہیں۔ یعنی ایک فرقہ کے نزدیک اگر "امام معصوم" اور "ناطق بالوحی" علی بن حسینؓ (زین العابدین) ہیں تو دوسرے کے نزدیک یہ منصب محمد بن علیؓ (الحنفیہ) کا ہے۔ پھر ایک ہی سلسلہ کا ایک فرقہ اگر اپنے متفق علیہ امام یعنی جعفر (الصادق) کے بعد موسیٰ (الکاظم)

کو امام معصومؒ کہتا ہے تو دوسرا ان کے بھائی اسمٰعیل (الاعرج) کو جن کا انتقال کہا جاتا ہے کہ اپنے والد ماجد کی زندگی میں ہو گیا تھا یا بروایت دیگر جن کو کسی لغزش کی بنا پر ان کے پدر بزرگوار نے الگ کر دیا تھا۔ غرض کہ اس طرح گویا اولاد علیؓ کی مختلف شاخوں کو ان لوگوں نے باہم تقسیم کر رکھا ہے۔ اس ادعا کے ساتھ کہ وحی الٰہی کے تحت صرف انہی کے ائمہ کا تقرر ہوا ہے۔ باقی سب مدعیان امامت خود ساختہ ہیں۔ محمد بن علیؓ (الحنفیہ) کی امامت کے قائل کیسانیہ کہلاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان میں اور ان کے بھتیجے علی بن الحسینؓ (زین العابدین) میں جب منصب امامت کے بارے میں اختلاف ہوا تو قرار پایا کہ حجر اسود جس کی امامت کی شہادت دے وہی امام ہو۔ محمد الحنفیہؒ کے سوال پر حجر اسود خاموش رہا، لیکن حضرت علی بن الحسینؓ کے سوال پر حجر اسود میں حرکت پیدا ہوئی اور فصیح عربی میں آواز آئی کہ امامت کا حق علی بن الحسینؓ کا ہے۔ ویسے اندرونی طور پر اپنے اپنے ائمہ کے بارے میں غلو کا یہ عالم ہے کہ نہ نبوت و رسالت کوئی چیز رہتی ہے اور نہ کتاب و سنت دو سلسلوں کے متفق علیہ امام جناب جعفرؒ (الصادق) کی بابت ان بٹے اور کٹے ہوئے فرقوں کے تصورات کو ایک صاحب نے ذیل کے عربی اشعار میں ظاہر کیا ہے ؎

اَلَم تَرَ اَنَّ الرّافِضِینَ تَفَرَّقُوا ٭ فَکُلُّهُم فِی جَعفَرٍ قَالَ مُنکَرا

کیا تم نہیں دیکھتے کہ رافضیوں میں کیسا اختلاف ہے ٭ وہ سب کے سب جعفرؒ کے بارے میں کوئی نہ کوئی بات کہتے ہیں

فَمِنهُم طَائِفٌ قَالُوا اِمَامٌ وَمِنهُمُ ٭ طَوائِفُ سَمَّتهُ النَّبِیَّ المُطَهَّرا

ان میں ایک فرقہ کہتا ہے کہ وہ امام ہیں ٭ اور ایسے فرقے بھی ہیں جو انہیں نبی پاک کہتے ہیں۔

عَجِبتُ لِقِصَّةِ جِلدِ جَعفَرِهِم ٭ بَرِئتُ اِلَی الرَّحمٰنِ مِمَّن تَجَفَّرا

عجیب بات ہے کہ ان کے جعفر کی جلد نے انہیں کوئی فیصلہ کن بات نہیں بتائی۔ ٭ میں اللہ کی جناب میں ان لوگوں کی برأت کا اظہار کرتا ہوں جو جفر پر اعتبار کرتے ہیں[1]

حضرت علیؓ اور ان کی وہ اولاد جن کے بارے میں غلو کیا جاتا ہے سب تاریخی ہستیاں ہیں ان میں سے ایک ایک کے حالات، عقائد و اعمال سے یہ امت واقف ہے ان کے سیاسی مواقف بھی سب الم نشرح ہیں۔ ان میں سے بہت سے بزرگواروں کو ہم ثبات قلب میں رفیع المنزلت

---

[1] جفر غیب کی بات معلوم کرنے کا ایک طریقہ بتایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ علم جناب جعفر (الصادقؒ) پر نازل ہوا۔ جھڑے پر لکھا ہوا تھا۔

اور اسی لئے سوء اعتقاد ہی سے نہیں بلکہ فسق و فجور تک کے شوائب سے مبرا دیکھتے ہیں۔ بعض نے سیاسی غلطیاں کیں۔ بعض کی صحیح تدبیریں الٹی پڑ گئیں۔ بعض نے اپنے اجتہاد کی غلطی سے ٹھوکر کھائی اور بعض میں کچھ بشری کمزوریاں بھی نظر آتی ہیں، لیکن ان میں سے کسی کے اندر ایسی بات نہیں ملتی جس سے ان کے سوء اعتقادی، یا دعوت محمدیہ کے ساتھ بے وفائی کا شائبہ بھی نظر آئے، ان میں اکثر کے تقویٰ و عدالت، علوم دینیہ میں ان کی دستگاہ سب سے یہ امت واقف ہے، اس لئے ان کی تعظیم و تکریم اور ان سے محبت کی جاتی ہے۔

نبوت و امامت کے بارے میں حقائق تاریخی اور واقعات حقیقی کا مزید جائزہ لینے سے پہلے امت محمدیہ کو اس سوال پر غور کرنے کی دعوت دی جاتی ہے کہ اگر منصب امامت کو منصب نبوت سے افضل مان کر امام کے تقرر کو وحی الٰہی پر منحصر رکھا جائے تو ظاہر ہے کہ "وحی امامت" کو "وحی نبوت" سے افضل ماننا ہوگا۔ وحی نبوت کی شان ہمیں یہ نظر آتی ہے کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ایک دوسرے کے مصدق ہیں اور سب پر باہمی توثیق فرض ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ۔
(۳-۸۰)

اور جب خدائے تعالےٰ نے تمام انبیاء سے یہ عہد لیا تھا کہ جس وقت میں تم کو کتاب اور حکمت عطا فرماؤں اور پھر تمہارے پاس ایک ایسا رسول آئے جو اس چیز کی تصدیق کرتا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم یقیناً اس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے، پھر فرمایا کہ اس کا اقرار کرتے ہو اور میری عائد کردہ ذمہ داریاں تمہیں منظور ہیں؟ انہوں نے عرض کیا ہم اقرار کرتے ہیں۔ فرمایا پھر گواہ رہو میں بھی تمہارے ساتھ گواہ میں شامل ہوں۔

نبوت صادقہ کی شناخت ہی یہ ہے کہ وہ انبیاء عصر و ماسبق و مابعد کی تصدیق پر مبنی ہو۔ اگر ایک وقت میں کئی نبی ہوں جیسے سیدنا یحییٰ اور سیدنا عیسٰی علیہما السلام تو وہ بھی سب ایک دوسرے کی تصدیق کے مکلف ہیں اور واقعی وہ ایک دوسرے کے مصدق تھے یہ اس لئے کہ وحی الٰہی کا منبع ایک ہی ہے اور ایک وقت میں جتنے نبی ہوتے ہیں ان سب کا دائرۂ عمل اور مقصد بعثت بھی ایک ہی ہوتا ہے۔

واضرب لهم مثلاً اصحٰب القریة اذ جآءها المرسلون اذ ارسلنآ الیهم اثنین فکذّبوهما فعزّزنا بثالثٍ فقالوآ انا الیکم مرسلون۔ (۳۶-۱۳)

اور ان کے سامنے اس بستی کی مثال پیش کیجئے جہاں پیغمبر آئے تھے، جب ہم نے ان کی طرف دو کو بھیجا تو انہوں نے انہیں جھٹلایا تب ہم نے ایک تیسرے سے ان کی وقعت بڑھائی اور ان سب نے مل کر کہا ہم تمہاری طرف پیغام دے کر بھیجے گئے ہیں۔

پس اگر "وحی امامت" کا منبع بھی ایک ہی ہے تو وحی نبوت کے مقابلے میں اس کی یہ فضیلت کیسی کہ ہر "امام" دوسرے امام یا ائمہ کا مکذب اور ان کی دعوت کا مبطل ہے اور ایک ہی امام پر یہ کیسی وحی آتی ہے کہ وہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ اس کا گزرا ہوا بیٹا امام بنایا گیا ہے یا وہ جو زندہ ہے اور اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ان میں سے واقعی فلاں سلسلہ حق ہے اور فلاں باطل تب بھی منصب نبوت کی اس شان سے مقابلہ کرنا ہو گا کہ انبیاء علیہم السلام کے ہاں ارتقائی درجات میں سے ایک نبی مرسل کے بعد اس کی دعوت کی مدت پوری ہونے پر جب دوسرا نبی مرسل مبعوث ہوتا ہے تو پہلے کی تصدیق کے ساتھ ساتھ وہ اس سے بہتر نظام حیات اور وسیع تر دائرہ عمل لے کر آتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ محمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام ارتقائی منازل کس طرح پوری ہوئیں اور خاتم النبیین بنا کر اعلان کر دیا گیا۔

وتمت کلمت ربک صدقًا وعدلاً لا مبدّل لکلمٰتہ۔ (۶-۱۱۵)

اور تیرے رب کے کلمات پورے ہو گئے سچائی اور انصاف کے ساتھ اب کوئی نہیں جو اس کے کلمات میں تبدیلی کر سکے۔

گویا حتمی طور پر طے ہو گیا کہ وحی نبوت ختم ہو چکی اور اس وحی کے تحت جو کتاب نازل ہوئی ہے وہ آخری کتاب ہے۔ اب نہ کوئی نئی کتاب آئے گی اور نہ کسی کی یہ حیثیت اور طاقت ہے کہ اس کتاب کے کلمات میں کچھ تغیر و تبدل کر سکے۔ ایسی ہر کوشش ناکام رہے گی۔

انہ لکتٰب عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید ○ (۴۱-۴۲)

یہی ہے وہ سب پر غالب آ جانے والی کتاب کہ باطل نہ اس کے سامنے سے آ سکتا ہے اور نہ پیچھے سے کیونکہ یہ اس ذات کی نازل فرمائی ہوئی ہے جو بڑی حکمت والا ہے اور مستحق ہر ستائش۔

اسی کے ساتھ یہ فرمان خداوندی ہے کہ:۔

ماکان لبشرٍ ان یؤتیہ اللہ الکتٰب والحکم والنبوّة ثم یقول للناس کونوا عبادًا لی من دون اللہ ولٰکن کونوا ربّانیین بما کنتم تعلّمون الکتٰب وبما کنتم تدرسون (۳ : ۷۸)

کسی انسان کی یہ حیثیت نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے یوں کہے کہ تم احکام خداوندی کے بجائے میرے احکام کی پیروی کرو البتہ یہ کہتا ہے کہ تم علوم الٰہیہ کے حامل بنو اس لئے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس لئے کہ تم (علوم کا) درس لیتے ہو۔

اس آیت میں ہر اس شخص کی نفی مطلق ہے جو اللہ کی کتاب سے ہٹ کر اپنی بات محض اس لئے منوانی چاہے کہ اس کی ہے۔ یہ حیثیت کسی انسان کی نہیں ہو سکتی کہ کتاب اللہ پر حکم بن سکے۔ ہر شخص کو کتاب کی پیروی کرنی ہو گی۔ کتاب کا جو مضمون بھی ظاہر آیت کے منافی بیان کیا جائے گا وہ مردود ہو گا۔

"وحی نبوت" کے مقابلے میں "وحی امامت" کی یہ بات قابل دید ہے کہ "ائمہ" کے لائحہ عمل اور طریق کار میں کوئی ارتقائی شان نظر نہیں آتی۔ اثنا عشریہ کے حسن العسکری اور اسمٰعیلیہ کے العاضد کو کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے اپنے سلسلوں کے ائمہ ماسبق سے زیادہ ترقی یافتہ "امامت" کے حامل تھے، ہمیں تو ان ظاہر بین نگاہوں سے سوائے جمود محض کے اور کچھ نہیں ملتا، البتہ اگر ایک سلسلے کی تخریبی کارروائیوں کے مقابلے میں دوسرے سلسلے کی تخریبی کارروائیوں میں اضافے کا نام ارتقاء رکھا جائے اور یہ نام لے کر امت مسلمہ پر جو آفتیں ڈھائی گئی ہیں انہی کو برکات "امامت" سمجھا جائے تو دوسری بات ہے۔

اس نظری استدلال کے بعد ہم امت محمدیہ کو یہ دریافت کرنے پر متوجہ کرتے ہیں کہ آیا آل علیؓ کی مختلف شاخوں میں اور ایک ہی شاخ کے مختلف افراد میں کوئی رابطہ تھا یا نہیں اگر تھا تو وہ ایک دوسرے کے احوال سے واقف تھے یا ناواقف۔ اگر واقف تھے جیسا کہ اضطراراً ہر شخص سمجھنے پر مجبور ہے تو یہ بات کیا ہے کہ علی بن الحسین (زین العابدینؒ) کو اپنے عم بزرگوار حضرت محمد الحنفیہؒ بن علی بن ابی طالب کا اور تو سب حال معلوم تھا مگر یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ اپنے آپ کو "امام معصوم" کہتے ہیں اور "زندہ جاوید" سمجھتے ہیں، اور مدعی ہیں کہ انہیں موت نہیں آئے گی بلکہ قیامت تک وہی امامت کریں گے۔ علی بن الحسینؒ تو خیر اپنی جگہ ہیں خود

ابو ہاشم عبد اللہ بن محمد بن علیؒ کو کیا ہوا کہ باپ کی "امامت" کے قیامت تک ممتد ہونے کے باوجود خود "امامت" کا دعویٰ کر بیٹھے اور اپنے باپ کی تمام صفات کا موصوف اپنے آپ کو بنا لیا، اور یہ سب کام ایسے چپ چپاتے ہو گیا کہ کسی اور ہاشمی کو خبر تک نہ ہوئی۔

پھر جعفر (الصادق)ؒ نے کہا جاتا ہے جب اپنے زندہ فرزند موسیٰ (الکاظم) کو امامت سپرد کی تو انہیں یہ معلوم تھا یا نہیں کہ ان کے پوتے محمد بن اسماعیل بن جعفر اپنے چچا کی امامت تسلیم نہیں کرتے اور اپنے باپ کی امامت برقرار رہنے کے مدعی ہیں، اور ان کو اپنے چچا کی مخالفت میں اتنا غلو ہوا کہ خلیفہ عباسی سے ان کی مخبری اور جاسوسی کرتے رہے، اگر معلوم تھا تو انہوں نے کیا کارروائی کی اگر انہوں نے نہیں کی تھی تو موسیٰ (الکاظم) نے اس سلسلے میں کیا کیا۔ اور جب محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباسؓ نے یہ دعویٰ کیا کہ ابو ہاشم کے بعد امامت ان کی طرف منتقل ہوئی ہے تو تمام سادات آل البیت خاموش بیٹھے رہے اور کسی طرف سے احتجاج نہیں ہوا اور نہ تصدیق کا کسی طرف سے سراغ ملتا ہے۔

جن بزرگواروں کا یہ تذکرہ کیا گیا ہے ان کی ہستیاں گم نام نہیں۔ ان کی زندگیوں کی معمولی معمولی باتیں امت کے پاس محفوظ ہیں۔ پھر تاریخ میں ایسی کوئی چیز کیوں نہیں ملتی جس سے ثابت ہو تا کہ علی بن الحسین (زین العابدینؒ) نے اپنے چچا محمد بن علیؒ یا محمد الباقرؒ نے اپنے ابن عم ابو ہاشمؒ کے کاذب ہونے کا کوئی اعلان کیا ہو یا موسیٰ الکاظم نے محمد بن اسماعیل کے خلاف پروپیگنڈے کی کوئی مہم جاری کی ہو۔ خاندان کے باہمی تعلقات ان کی رشتہ داریاں، سب بدستور کیوں جاری رہیں۔؟

البتہ ان کے نام لیوا سلاسل میں تکذیب و تضلیل کا ذکر ملتا ہے۔ اس تکذیب کی ایک مثال عبرت انگیز ہے۔ حسن العسکری کے بھائی جعفر نے اپنے گھر کی بات کہہ دی کہ ان کے "آتی" بھتیجے محمد بن الحسن پیدا نہیں ہوئے یا بروایت دیگر بچپن میں انتقال کر گئے اور ان کے متعلق یہ پروپیگنڈہ غلط ہے کہ وہ غار میں چلے گئے، یا جزیرۂ خضرا میں مقیم ہیں اور قرب قیامت بہ حیثیت "مہدی" ظہور کریں گے۔ جعفر کا یہ قول اتنا اشتعال انگیز ثابت ہوا، سیدہ فاطمہؓ کے اس فرزند اور گیارھویں امام کے بھائی کو "کذاب" کہا جاتا ہے اور یہ لفظ ان کے نام کا جزو بن گیا ہے کہ جب تک جعفر الکذاب نہ کہا جائے ان کی ذات کی تعین نہیں ہوتی۔ عرصہ دراز کے بعد ایک فرقے نے "کذاب" کے بجائے "تواب" کہنا شروع کیا ہے۔

اب ہم ایک اور مسئلہ کی طرف امت مسلمہ کو متوجہ کرتے ہیں کہ تمام سلاسل کے یہ ائمہ جو ہاشمی ہونے کی وجہ سے خلفائے اسلام (بنو العباس) کے بنو الاعمام تھے، ان کے احوال اور ان کے دعاوی ہمعصر خلفائے عباسیہ کو معلوم تھے یا نہیں، اگر خلفاء کو علم تھا کہ یہ حضرات اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل یا ان کا سہیم سمجھتے ہیں، اپنے اوپر وحی نازل ہونے کے مدعی ہیں اور کتاب اللہ کو اپنے اوپر حکم سمجھنے کی بجائے، اپنے آپ کو کتاب پر حکم سمجھتے ہیں تو انہوں نے خلفائے اسلام، ائمۃ المسلمین اور امراء المومنین ہونے کی حیثیت سے ان کے خلاف کیا کارروائی کی؟ یہ کہہ دینے سے کام نہیں بن سکتا کہ خفیہ خفیہ زہر دے کر مار دیا گیا جس شریعت کی پیروی خلفائے اسلام کرتے تھے، اس میں زندقہ و الحاد کی سزا چپکے سے زہر دیدینا نہیں ہے، وہاں تو کوڑے پڑتے ہیں، ہاتھ پاؤں کاٹے جاتے ہیں، سولیاں دی جاتی ہیں اور عبرتناک سزائیں ملتی ہیں۔ منصور حلاج اور محمد بن سعید شامی کو سولی کیوں دی گئی؟ اور چند قرمطی سرگروہوں کے ہاتھ پیر کاٹ کر عبرتناک سزائے موت کیوں دی گئی؟ محض اس لئے کہ خلفائے اسلام کے نزدیک ان کا کلام اور طرز عمل ملحدانہ اور زندیقانہ تھا، حضرت ذو النورین مصریؒ نے مقامات صوفیہ پر کچھ کلام کیا تھا تو امیر مصر عبد اللہ بن حکمؒ شاگرد حضرت امام مالکؒ نے ان کے احوال کی چھان بین کی اور مطمئن ہو کر امیر المومنین المتوکل علی اللہؒ کو اطلاع کر دی۔ مگر امیر المومنین مطمئن نہیں ہوئے اور ان کی طلبی کے احکام جاری کر دئے۔ انہیں اطمینان اس وقت ہوا جب انہوں نے حضرت ذو النورینؒ کو خود اپنے ہاں کچھ دن رکھا اور ان کے احوال کی رفعت دیکھ لی۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دین کو خالص رکھنے میں خلفائے اسلام کتنی جدوجہد کرتے تھے۔

اس سے بھی بڑی مثال امیر المومنین عبد اللہ المامونؒ کی ہے کہ خلق قرآن کے معمولی مسئلے میں انہوں نے کیسی شدت برتی، کلام اور کلمات کے فرق پر غور نہ کرنے کی وجہ سے یہ مسئلہ اتنا اہم ہو گیا کہ باہم تکفیر کے تیر چلنے لگے۔ حالانکہ فریقین کے موقف اپنی اپنی جگہ درست تھے۔ جیسے حنفی علماء نے اسی زمانے میں اور اشعری علماء نے بعد میں اچھی طرح صاف کر دیا، مگر چونکہ امیر المومنین کے نزدیک اہل الحدیث کے موقف میں ایہام شرک تھا۔ اس لئے وہ نہایت سختی سے ان کے ساتھ پیش آئے۔ محنت ابن حنبلؒ کے سلسلے میں جھوٹی سچی بہت سی باتیں کہی گئی ہیں منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ آپ کلمات قرآن کو مخلوق

نہیں کہنے تھے۔ حالانکہ یہ بات نہیں آپ صرف اتنا کہتے تھے کہ قرآن کلام اللہ ہے اس کے مخلوق اور غیر مخلوق ہونے کا مسئلہ اٹھانا جائز نہیں اور امیر المومنین معتصم باللہ یہ کہتے تھے کہ مسئلہ جب اٹھ گیا تو اس کی وضاحت کیجئے، بہرحال بات اپنی جگہ ہے کہ خلافت کی طرف سے جو کچھ ہوا اور محدثین نے جو طرز عمل اختیار کیا دونوں کا مقصد دین کو خالص اور بدعات سے پاک رکھنا تھا۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ انہیں امیر المومنین المامونؒ نے امیر علی الرضاؒ کو اپنا داماد بنایا اور ولی عہد مقرر کیا تو کیا اپنے داماد اور ولیعہد کے خیالات و معتقدات سے ناواقف تھے جو جانتے بوجھتے انہوں نے اتنا بڑا شرف انہیں عطا فرمایا؟ کیا یہ تعجب اور حیرت کا مقام نہ سمجھا جائے گا کہ جو شخص خلق قرآن جیسے مسئلہ میں یہ شدت دکھلائے اس نے اپنے داماد کی یہ بات کیسے برداشت کرلی کہ وہ اپنے آپ کو "امام معصوم" و "مورد وحی" نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سہیم اور کتاب اللہ پر عَلَم کہتے ہیں اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ان کے فرزند کو بھی جو اپنے اندر انہی صفات کے مدعی تھے، انہیں بھی اپنی دامادی کا شرف بخشا، یعنی ایک بیٹی علی الرضاؒ کو دی اور ایک ان کے فرزند محمد الجوادؒ کو۔

ایک دو مثالوں سے نہیں بلکہ صدہا واقعات سے ثابت ہے کہ کسی ایک عہد میں نہیں بلکہ ہر عہد میں زندقہ و الحاد پر لوگوں کو سخت ترین سزائیں دی گئیں۔ صحابہ کرام پر طعن کرنے والوں کی زبانیں گدی سے کھینچ لی گئیں (طبری، بذیل عنوان المتوکل علی اللہ) کہ ایک شخص حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کی جناب میں گستاخیاں کیا کرتا تھا اور توبہ سے اس نے انکار کردیا تو اسے یہی مذکورہ بالا سزا دی گئی تھی۔ اسی طرح اور بہت سے واقعات ہیں جن میں کچھ صحیح ہیں اور کچھ زنادقہ کے وضع کردہ۔ یہاں تو دیکھنا یہ ہے کہ ان صنادید بنی ہاشم اور اولاد علیؓ و فاطمہؓ کے خلاف نہ کبھی عقائد کی بناء پر عدالتیں بٹھائی گئیں نہ ان کی تکفیر کے فتاویٰ مرتب ہوئے، نہ ان کی توہین و تذلیل کی گئی اور نہ کبھی ان کی رفعت مکانی پر حرف آیا کیا یہ اس کا بیّن ثبوت نہیں کہ صحیح النسب سادات فاطمیہ ان تمام عقائد باطلہ سے پاک و منزہ تھے جو ان کے نام سے پھیلائے گئے ہیں۔ ورنہ پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ خلفائے عباسیہ سب سیاست و تدبر سے نابلد اور اپنے فرائض کی طرف سے بے پروا تھے اور ساری امت ایسی ہی بے غیرت و حمیت دینی سے عاری تھی کہ اتباع کو زندقہ الحاد کے جرم میں سزائیں ملتیں اور ان

خلاف جہاد کیا گیا، مگر متبوع کو صاف چھوڑ دیا بلکہ اتنا بھی نہ پوچھا کہ فلاں زندیق نے تمہاری "امامت" کی جو صفات بیان کی ہیں وہ تمہاری بیان کردہ ہیں یا خود اس کی وضع کردہ۔

خلفائے اسلام اور امت مسلمہ ان بزرگوں کو مکروہ عقائد و اعمال میں ملوث کیسے سمجھ سکتی تھی جب کہ سب جانتے تھے کہ ان حضرات کی زندگانی کا مدار کتاب و سنت اور اتباع سلف الصالحین پر ہے اور یہ سب کے سب تقویٰ و عدالت اور صدق و صفا میں ممتاز مقام رکھتے ہیں، نیز یہ کہ اہل کذب و زندقہ نے ان کی طرف جو باتیں منسوب کی ہیں وہ خود انہیں کی مخترعات ہیں۔ ان صحیح النسب سادات فاطمیہ کو نہ ان باتوں سے کوئی تعلق ہے اور نہ ان کے کہنے والوں سے ان حضرات میں سے کسی نے نہ کبھی "امام معصوم" ہونے کا دعویٰ کیا نہ امامت کے مدعی ہوتے اور نہ اپنے زمانوں میں امام کہلائے۔

قدماء کی تالیفات میں خواہ تاریخ کی ہوں یا انساب کی کہیں بھی ان بزرگواروں کے ناموں کے ساتھ "امامؑ" کا لفظ تحریر نہیں ہے۔ خود حضرت علی بن الحسین (زین العابدین) کے صاحبزادے اور جناب محمد (الباقر) کے بھائی عمر بن علی بن الحسین سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے گھرانے میں کوئی ایسا شخص ہوا ہے جو "مفترضۃ طاعتہ" ہو یعنی جس کی اطاعت فرض و واجب ہو۔

فقال، لا، واللہ! ما ھذا فینا من قال ھذا فھو کذّاب۔ (کتاب نسب قریش)	انہوں نے کہا نہیں قسم بخدا ہم میں ایسا کوئی نہیں ہوا اور جس نے ایسا کہا وہ جھوٹا ہے

مجوسی ایران کا حسِّ کینہ و انتقام

عرب فاتحین کے خلاف مجوسی ایرانیوں کے دلوں میں کینہ و انتقام کا جذبہ تو اسی وقت سے موجزن تھا جب سے خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروقؓ کے عہد مبارک میں ایران فتح ہوا تھا۔ "اساس تشیع در ایران" کے ذیلی عنوان سے "تجلیات روح ایران در ادوار تاریخی"[1] کے مصنف۔ حسین کاظم زادہ۔ فرماتے ہیں:۔

---

[1] اس کتاب کے اقتباسات مجلہ معارف شمارہ ۳ جلد ۱۶ سے نقل کئے گئے ہیں۔

از وقتے کہ ایران بر دست سعد بن ابی وقاص از طرف خلیفہ دوم فتح و استیلا گردید ایرانیان کینہ و حس انتقام در دل خود می پروراندند و این حس کینہ و انتقام در مواقع عدیدہ خود نمائی می کرد و از پردہ بیرون می افتاد تا آن کہ تاسیس فرقہ تشیع بکلی ظاہر گشت ارباب وقوف و اطلاع بخوبی ادراک و قبول می کنند کہ اساس ظہور تشیع علاوہ بر مسائل اعتقادی و اختلاف نظری و نقلی یک مسئلہ سیاسی نیز بود۔ ...	جس دن سے کہ سعد بن ابی وقاص نے خلیفہ دوم کی جانب سے ایران کو فتح کیا اور اس پر غلبہ پایا ایرانی اپنے دلوں کے اندر کینہ و انتقام کا جذبہ پالتے رہے۔ کینہ و انتقام کا یہ جذبہ متعدد مواقع پر ظاہر ہوتا اور پردہ سے باہر آتا رہا یہاں تک کہ فرقہ شیعہ کی بنیاد پڑ جانے سے پورے طور پر اظہار اس کا ہو گیا۔ صاحبان واقفیت و اطلاع اس بات کو بخوبی جانتے اور مانتے ہیں کہ شیعیت کی بنیاد و ظہور میں اعتقادی مسائل اور نظری و نقلی اختلافات کے علاوہ ایک سیاسی مسئلہ بھی داخل تھا۔

وہ سیاسی مسئلہ کیا تھا اس کو بھی انہی مصنف کے الفاظ میں سن لیجئے، فرماتے ہیں:۔

ایرانیان استیلائے مملکت خود از طرف اعراب بادیہ نشین و نہب و غارت خزائن این کشور باستان و قتل ہزاران نفوس بے گناہ از طرف مشتے عربہا پا برہنہ ہرگز نمی توانستند قبول و عفو و فراموش کنند۔	ایرانی ہرگز اس بات کو نہ کبھی بھول سکتے تھے نہ معاف کر سکتے اور نہ قبول کر سکتے تھے کہ مٹھی بھر ننگے پیر پھرنے والے عربوں نے جو جنگل و صحرا کے رہنے والے تھے ان کی مملکت پر تسلط کر لیا، اس قدیم ملک کے خزانوں کو لوٹ کر غارت کر دیا اور ہزاروں بے گناہ آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔

عرب فاتحین کو "بادیہ نشین" و "پا برہنہ" کا جو طعنہ مصنف مذکور نے مندرجہ بالا فقرے میں دیا ہے وہ کوئی نئی بات نہیں ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نامہائے مبارک سلاطین عالم کو تبلیغ اسلام کی خاطر بھیجے تھے ایک شاہ ایران کو بھی بھجوایا تھا، اس مغرور بادشاہ پرویز نے اس کو چاک کر دیا، گستاخانہ کلمات زبان پر لایا اور باذان کو جو یمن میں اس کا عامل تھا لکھا تھا کہ "محمدؐ کو گرفتار کر کے دربار میں لائے" اس گستاخی کا بدلہ تو اسی زمانہ میں اسے مل گیا تھا کہ اسی کے بیٹے نے اس کا خاتمہ کر دیا تھا۔ غازیان اسلام کے

پیش نظر "کشور باستان" کے خزانوں کی لوٹ کھسوٹ نہیں تھی اور نہ "تخت کیان" کے حصول کی آرزو جیسا تفیضا یہ مجوسی کہتے تھے۔

زشیر شتر خوردن و سوسمار ؎ عرب را بجائے رسید ست کار
کہ تخت کیان را کنند آرزو ؎ تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

بلکہ اعلائے کلمۃ اللہ کا جذبۂ صادق تھا اور فرمان ایزدی ھُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ وَ لَوۡ کَرِہَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ کی تعمیل تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں تو صرف خیبر و یمن کے یہود و نصاریٰ ہی پر اسلام نے غلبہ پایا تھا، آپ کے بعد آپ کے خلفاء حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ نیز حضرت معاویہؓ و امیر یزیدؒ و دیگر اموی خلفاء اور چند ابتدائی خلفائے بنی عباس کی جہادی سرگرمیوں کی بدولت اس فرمان خداوندی کی تعمیل بوجہ اتم پوری ہوئی اور ادیان عالم پر جن کی پشت پناہی شاہ ایران و قیصر روم کی سیاسی قوتیں کر رہی تھیں، اسلام نے تفوق و غلبہ حاصل کیا۔ اس میں حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کا مطلق کوئی حصہ نہ تھا مجوسی ایران کا حضرت عمر فاروق اعظم سے عداوت و نفرت کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ رضائے کرکی نے اپنے اشعار میں تو اس کا صاف اظہار کر دیا ہے۔

بشکست عمرؓ پشت ہزبران عجم را ؎ برباد فنا داد رگ و ریشۂ جم را
این عربدہ بر غصب خلافت ز علیؓ نیست ؎ با آل عمرؓ کینہ قدیم است عجم را

ایران میں شیعیت کی بنیاد پڑنے کے سلسلہ میں مصنف مذکور نے خلیفہ دوم و سوم حضرت عمرؓ و عثمانؓ سے ایرانیوں کے دلوں میں "آتش غضب و کینہ" بھڑک اٹھنے اور حضرت علیؓ اور ان کی اولاد سے ان کی از دیاد محبت کی یہ دو سبب بتاتے ہیں:۔

(۱) حضرت عمرؓ نے مدائن وغیرہ کے مفتوح ہزاروں ایرانیوں کو لونڈی غلام بنا لیا حضرت علیؓ اور حسینؓ نے اپنے اپنے حصہ میں آئے ہوئے قیدیوں کو آزاد کر دیا اور ان کی دیکھا دیکھی اور لوگوں نے بھی، چنانچہ اس طرح تمام ایرانی قیدی آزاد ہو گئے "بہ این وسیلہ امر منتہی بہ آزاد شدن تمام اسیرہا گردید"

(۲) ایک ایرانی فیروز نامی نے جسے ابو لؤلؤ بھی کہتے تھے حضرت عمرؓ کو قتل کر دیا تھا عبید اللہ بن عمرؓ نے محض اس شبہ پر ہرمزان ایرانی کو جو خوزستان کا سابق والی اور

زادگان وصاحب افسران ایران تھا، مع ایک اور شخص کے قتل کر دیا تھا، کیونکہ فیروز قاتل عمرؓ ان کے پاس آتا جاتا تھا۔ عثمانؓ نے سیاست کو عدالت پر ترجیح دے کر اور خوں بہا اپنے پاس سے ادا کر کے عبید اللہ کو آزاد کر دیا، حالانکہ حضرت علیؓ نے عبید اللہ کو قصاص میں قتل کر دینے کا مشورہ دیا تھا۔ چنانچہ مصنف مذکور فرماتے ہیں کہ:۔

این مسئلہ آتش غضب و کینہ در دل ایرانیان نسبت بعمرؓ و عثمانؓ مشعلہ ور ساخت و محبت آنان در حق حضرت علی امیر المومنین بیافزود۔ انان روزیکہ ایرانیان کہ از پادشاہ و سرپرست محروم ماندہ بودند بحضرت علیؓ بانظر حامی و پدر مہربان نگریستند و اخلاص خود در حق او و فرزندان او اظہار می کردند۔

اس معاملہ نے ایرانیوں کے دلوں میں عمرؓ و عثمانؓ کے خلاف غصہ اور کینہ کی آگ کو اور بھڑکا دیا اور حضرت علیؓ امیر المومنین کے ساتھ ان کی محبت کو اور زیادہ کر دیا۔ ایرانی جو اپنے بادشاہ و سرپرست سے محروم ہو گئے تھے۔ اس وقت سے حضرت علیؓ کو اپنے حامی و پدر مہربانی کی نظر سے دیکھنے اور ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں اپنے اخلاص و محبت کا اظہار کرنے لگے۔

.. ..

تاریخ کے زاویہ نظر سے واقعات کو پرکھا جائے تو مصنف کے بیان کی پوری تکذیب ہو جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے نہ ایرانی قیدیوں کو لونڈی غلام بنایا اور نہ سخت برتاؤ کیا۔ ایران کے ایک مقام اہواز کے باشندوں نے بغاوت کی تھی جن کا حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے قلع قمع کر کے ہزاروں آدمیوں کو لونڈی غلام کی حیثیت میں لشکریوں کو تقسیم کر دیا تھا، حضرت عمرؓ کو جب اطلاع ہوئی انہوں نے لکھ بھیجا کہ سب رہا کر دئے جائیں، چنانچہ وہ سب چھوڑ دئے گئے (الفاروق صـ۱۶۹ ج ۱) ایرانیوں کا پایہ تخت مدائن جب فتح ہوا اس کا ایک متنفس بھی قیدی نہ بنایا گیا، سب نے جزیہ دینا اور ذمی کی حیثیت سے رہنا قبول کیا وہ بدستور اپنے اپنے گھروں اور املاک پر قابض و متصرف رہے۔[1] (طبری ج ۴ صـ۱۱۳ و محاضرات تاریخ الامم اسلامی صـ۲۸ ج ۲)

---

[1] جلولاء کی جنگ میں مال غنیمت کے علاوہ غلام اور لڑکیاں مسلمان لشکریوں کے ہاتھ آئیں۔ ان میں ایرانیوں کے اعلیٰ خاندانوں کی لڑکیاں بھی تھیں جن سے بعد میں اولادیں ہوئیں حضرت عمرؓ اس سبایا الجلولیات کی اولاد کی فتنہ پردازیوں سے پناہ مانگتے تھے حضرت علیؓ کے ایام میں کابل یا نیشاپور

حضرت عثمانؓ کی معدلت گستری کا یہ واقعہ عدل و نصفت شعاری کی تاریخ میں اعلیٰ مقام رکھتا ہے کہ آپ نے زمام خلافت ہاتھ میں لینے کے بعد ہی عبید اللہ بن عمرؓ کے قضیہ کا یہ عادلانہ و منصفانہ فیصلہ کیا تھا کہ ہرمزان مقتول کے قصاص میں جو بظاہر مسلمان تھا، عبید اللہ اس کے قاتل کو ہرمزان کے بیٹے اور ولی الدم قباذان کے ہاتھ میں دیدیا کہ اپنے باپ کے قتل کا بدلا لے لو۔ قباذان سچے مسلمان تھے اور اپنے باپ کی سازش سے واقف بھی تھے۔ انہوں نے عبید اللہ کو اللہ واسطے چھوڑ دیا "فترکہ للہ" علامہ طبری نے اس روایت کو جداگانہ عنوان قائم کر کے لکھا ہے (طبری ج ۵ صـ۴۳ و ۴۴) اور جو روایت اپنے مال سے دیت ادا کر کے عبید اللہ کو چھوڑ دینے کی درج کی ہے وہ بلا سند ہے، مگر عجمی پروپگنڈے کی یہ سحر کاری ہے کہ بے سند روایت اس درجہ مشہور کی گئی کہ بعض "محققین" حضرت عثمانؓ جیسے خلیفہ راشد کی عدالت گستری پر حرف لانے کے لئے اسی کو قبول کر لیتے ہیں۔ خصوصاً مصری عالم ڈاکٹر طٰہٰ حسین!

قصہ شہر بانو

پایہ تخت مدائن کے قیدیوں کے بارے میں مصنف نے یہ سب کچھ تو اس غلط قصہ کی تمہید کے طور سے لکھا ہے کہ "آخرین پادشاہ ساسانی یزدگرد" کی دختر شہر بانو ایرانی قیدیوں کے ساتھ عمر بن الخطابؓ کے سامنے پیش ہوئی، انہوں نے اسے بھی دوسرے قیدیوں کے ساتھ بازار میں فروخت کئے جانے کا حکم دے دیا۔ حضرت علیؓ مانع آئے اور کہا کہ وہ "پادشاہ زادگان و نجباء کو ننگے سر بازار میں لے جانا" خلاف ادب ہے۔ بالآخر شہر بانو حضرت حسین فرزند علیؓ کے حصہ میں آئی۔ پھر فرماتے ہیں کہ:۔

ازاں جہت خاندان حضرت علی در نظر ایرانیان ہم از نژاد ساسانی نسب داشت و ہم حیث خویشی با رسول خدا (صلعم) صاحب شرافت و امتیاز مخصوص بود، بدین سبب تنہا این خاندان می توانست بطور مشروع جانشینی

اسی سبب سے خاندان حضرت علی ایرانیوں کی نظر میں اصل نسل کے اعتبار سے ساسانی نسب رکھتا تھا اور رسول خدا (صلعم) سے رشتہ کی بنا پر شرافت اور امتیاز سے بھی مخصوص تھا، تنہا اسی سبب سے یہ خاندان

(حاشیہ سلسلہ صفحہ گزشتہ) سے کسریٰ کے خاندان کی کوئی خاتون بنت بامان گرفتار ہو کر آئی تھی۔ آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے حسنؓ کے بارے میں اس سے کہا کہ نکاح کرے اس نے انکار کیا اور ایران کے ایک زمیندار کی زوجیت قبول کی (اخبار الطوال صـ۱۶۴)

تخت وتاج کیانی بشنود نیز ہمین نکتہ است کہ علی زین العابدین فرزند ارجمند امام حسین را کہ از شہربانو بود فخر العرب والعجم می گفتند چہ از طرف پدر بہ بزرگ ترین عرب کہ پیغمبر اکرم (صلعم) بود می رسید و از طرف مادر بہ نجیب ترین سلاطین روئے زمین یعنی پادشاہان عجم منتہی می گردید۔

جائز طور پر تخت وتاج کیانی کا مالک ہوسکتا ہے۔ نیز اسی بنا پر علی زین العابدین کو جو امام حسینؑ کے فرزند ارجمند شہربانو کے بطن سے تھے فخر العرب والعجم کہتے تھے۔ کیونکہ باپ کی طرف سے (ان کا سلسلہ نسب) بزرگ ترین عرب یعنی پیغمبر اکرم (صلعم) سے ملتا ہے اور ماں کی طرف سے روئے زمین کے نجیب ترین سلاطین یعنی عجم کے بادشاہوں پر منتہی ہوتا ہے۔

-- -- -- --

مستند ترین کتب تاریخ وانساب کی مندرجہ ذیل تصریحات اور خود یزدگرد کے حالات و واقعات سے اس قصہ کی پوری تکذیب ہوتی ہے یعنی:۔

(۱) یزدگرد بن شہریار ساسانی نسل کا آخری بادشاہ تھا۔ وہ ۱۳ھ میں تخت نشین ہوا اس وقت اس کی عمر ۱۶ برس کی تھی۔ وھو یومئذ غلام ابن ست عشرۃ سنۃ (اخبار الطوال ص۱۳۵) یعنی وہ اس وقت ۱۶ سالہ لڑکا تھا۔ گبن نے ۱۵ سال عمر بتائی ہے[1]۔ یزدگرد حضرت عمرؓ کی خلافت کے پہلے سال میں تخت نشین ہوا تھا۔

---

[1] ابو حنیفہ الدینوری نے اخبار الطوال میں شاہان ایران کے حالات بہت تفصیل سے لکھے ہیں، وہ یزدگرد کی عمر صرف سولہ سال کی بتاتے ہیں بعض مورخین نے اس سے زیادہ عمر لکھی ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ شیرویہ بن پرویز نے اپنے پندرہ بھائیوں کو قتل کر ڈالا تھا پھر وہ بھی قتل ہوا اور اس کا بیٹا اردشیر بھی۔ دربار نے ایک اور نوجوان کو جس کا نام جوان شیر تھا تخت پر بٹھایا مگر وہ ایک سال میں مر گیا۔ اب سوائے یزدگرد کے جو طلوحیا کی ایک نائن کے بطن سے تھا اور بہت صغیر السن تھا ساسانی نسل میں کوئی باقی نہ رہا تھا اس لئے پوران دخت شہزادی کو اس شرط سے تخت نشین کیا گیا کہ یزدگرد جب سن شعور کو پہنچ جائے تو تخت وتاج کا مالک ہو۔ چنانچہ سولہ سال کی عمر میں وہ پوران دخت کے بعد تخت نشین ہوا اور پوران دخت کا خاتمہ خلافت فاروقی کے شروع ایام میں ہوا تھا۔

---

(۲) یزدگرد کی تخت نشینی کے صرف دو سال بعد ہی جب اس کی عمر ۱۸ برس کی تھی۔ قادسیہ کی مشہور جنگ کے نتیجہ میں اس کا پایہ تخت مدائن حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کے ہاتھ پر فتح ہوگیا یزدگرد اسلامی فوج کی چڑھائی کی خبر سنتے ہی اپنا پایہ تخت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا اور مع اپنے اہل وعیال کے حلوان چلا گیا:۔

ومضی الی حلوان معہ رجوہ اساورتہ وحمل معہ بیت مالہ وخف متاعہ وخزانتہ والنساء والذراری۔

(کتاب فتوح البلدان بلاذری ص۲۷۱)

وہ (یزدگرد) حلوان کی جانب چلا گیا اس کے ساتھ سربرآوردہ اساورہ بھی تھے وہ اپنے ساتھ اپنا بیت المال اور سبک بار متاع اور اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی لے گیا۔

-- -- -- --

اخبار الطوال کے بیان سے بھی اس کی تائید مزید ہوتی ہے، یزدگرد کے پایہ تخت مدائن سے حلوان چلے جانے کے سلسلہ میں وہ لکھتے ہیں کہ:۔

ثم تحمل فی حرمہ وحشمہ وخاصۃ اہل بیتہ حتی اتو احلوان فنزلھا۔ (ص۱۳۳)

پھر وہ (یزدگرد) اپنی بیویوں، خادموں اور اپنے خاص اہل خاندان کو ساتھ لے کر حلوان پہنچا اور وہاں اتر پڑا۔

-- -- -- --

اسلامی لشکر نے جب ادھر کا رخ کیا وہ مع اپنے اہل وعیال کے خانقان اور قم وکاشان کو بھاگتا پھرا۔

فتحمل بحرمہ وحشمہ وما کان معہ من اموالہ وخزائنہ حتی نزل قم وقاشان۔ (ایضاً ص۱۳۶)

پھر وہ (یزدگرد) اپنی بیویوں وخادموں اور اپنے ساتھیوں اور اپنے اموال اور خزانوں کو ساتھ لیتا گیا اور قم وقاشان میں جا ٹھیرا۔

غرضیکہ اسی طرح ایک مقام سے دوسرے مقام کو مع اپنے اہل وعیال، بیوی بچوں کے بھاگتا رہا بالآخر ۲۹ھ میں خراسان پہنچا اور وہاں سے مرو جہاں ۳۰ھ میں بعہد خلافت عثمانی اس کا خاتمہ ہوگیا۔

(۳) مندرجہ بالا تصریحات سے ثابت ہے کہ یزدگرد کے اہل وعیال بیوی بچوں پر اسلامی لشکر نے کبھی قابو نہیں پایا تھا۔ علامہ شبلیؒ نے اس وضعی حکایت کے بارے میں کہ یزدگرد

کی تین بیٹیاں مدائن کی فتح کے بعد گرفتار ہو کر مدینہ آئیں حضرت عمرؓ نے عام لونڈیوں کی طرح بازار میں ان کے بیچنے کا حکم دیا لیکن حضرت علیؓ نے منع کیا کہ شاہی خاندان کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں حضرت علیؓ نے خود ان کو اپنے اہتمام میں لیا، ایک حضرت حسینؓ کو ایک محمد بن ابی بکر کو ایک حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو عنایت کی انہوں نے اپنی مشہور تالیف الفاروق (حصہ دوم ص۱۷۲) میں لکھا ہے کہ:۔

اس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمخشری نے جس کو فن تاریخ سے کچھ واسطہ نہیں ربیع الابرار میں اس کو لکھا اور ابن خلکان نے امام زین العابدین کے حال میں یہ روایت اس کے حوالے سے نقل کر دی لیکن یہ محض غلط ہے اولاً تو زمخشری کے سوا طبری، ابن الاثیر، یعقوبی، بلاذری، ابن قتیبہ وغیرہ کسی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا اور زمخشری کا فن تاریخ میں جو پایہ ہے وہ ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ تاریخی قرائن اس کے بالکل خلاف ہیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں یزدگرد اور خاندان شاہی پر مسلمانوں کو مطلق قابو نہیں حاصل ہوا۔ مدائن کے معرکہ میں یزدگرد مع تمام اہل و عیال کے دارالسلطنت سے نکلا اور حلوان پہنچا۔ جب مسلمان علوان پر بڑھے تو وہ اصفہان بھاگ گیا پھر کرمان وغیرہ ٹکراتا پھرا، مرو میں پہنچ کر ۳۰ھ میں جو حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ ہے مارا گیا۔ اس کی آل اولاد اگر گرفتار ہوئے ہوں گے تو اسی وقت گرفتار ہوتے ہوں گے[1] جو کو

[1] یزدگرد نے اپنی زندگی میں بعض اہالیان ملک کو بطور سفیر بھیج کر ملک چین کے بادشاہ سے مدد طلب کی تھی مگر ناکام رہا تھا ۳۰ھ میں اس کے مرجانے کے بعد اس کا بیٹا فیروز سیوم کے لقب سے اس کا جانشین ہوا۔ چین کے بادشاہ نے اس کو شاہ ایران کی حیثیت سے تسلیم کیا مگر فوجی امداد نہ کی تخارستان کے حکمران نے کچھ امداد کی تھی ۵۵ھ میں جو امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کا زمانہ ہے، فیروز شاہ چین کے پاس گیا تھا، اس کی خاطر تواضع بھی کی گئی اور ایرانی معبد گاہ بنانے کی بھی اجازت دی گئی۔ چینی فیروز کو پیلوسہ PI-LU-SSEH کہتے تھے اس کے مرجانے پر اس کا بیٹا نرسی جس کو چینی NI-NIE SHEH کہتے تھے جانشین ہوا۔ وہ تخارستان چلا گیا۔ سجستان کے سرحدی مقام زرنج کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنالیا عربوں کے حملہ کی تاب نہ لا کر ۸۰ھ میں چین لوٹ آیا اور بیماری سے مرگیا ۱۱۰ھ تک جو بنی امیہ کا عہد ہے۔ یزدگرد کی نسل کا کچھ حال معلوم ہوتا ہے اس کے بعد سے پتہ نہیں چلتا کہ اس نسل کا کیا ہوا، البتہ

شبہ ہے کہ زمخشری کو یہ بھی معلوم تھا یا نہیں کہ یزدگرد کا قتل کس عہد میں واقع ہوا۔"

(۴) حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں اور خاص کر مدائن کے معرکے میں قیدیوں میں یزدگرد کی تین بیٹیوں کا گرفتار ہو کر آنا اور حضرت حسینؓ و حضرت عبداللہ بن عمرؓ و محمد بن ابی بکرؓ کو ان کا دیا جانا محض لغو اور مہمل ہے۔ اولاً یہ کہ جب ان لڑکیوں کے باپ کی عمر ہی اٹھارہ بیس برس کی تھی تو اس کے کوئی اولاد اگر ہوگی بھی تو طفل شیر خوار ہوگی۔ پھر حضرت حسینؓ و محمد بن ابی بکرؓ بھی اس زمانہ میں نابالغ لڑکے تھے۔ اول الذکر کی عمر گیارہ بارہ برس کی تھی اور محمد بن ابی بکرؓ کی کوئی پانچ برس کی۔ تو کیا شیر خوار بچیوں کو نابالغ لڑکوں سے بیاہ دیا گیا تھا!

(۵) یہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اس غلط قصہ کو مشتہر کیا ہے ان سے ڈھائی تین صدی پہلے کے مورخین صراحتاً بیان کرتے ہیں کہ جناب علی بن الحسین (زین العابدین) کی والدہ ماجدہ سندھیہ خاتون تھیں۔ ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ جناب زین العابدینؒ کے حالات میں لکھتے ہیں:۔

ویقال ان امه سندیة یقال لها سلافه ویقال غزالة خلف علیها بعد الحسین زبید مولی الحسین بن علی فولدت له عبد الله بن زبید فهو اخو علی بن الحسین لامه وسوی علی بن	کہتے ہیں کہ ان کی (زین العابدینؒ کی) ماں سندھن تھیں جن کو سلافہ یا غزالہ کہتے تھے (حضرت) حسینؓ کے بعد وہ حسین بن علیؓ کے غلام زبید کے نکاح میں آئیں ان سے عبداللہ بن زبید تھے جو علی بن الحسین (زین العابدینؒ) کے مادری بھائی

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) امیر قتیبہ بن مسلم نے جب اموی عہد میں ان اطراف میں چڑھائی کی ہے تو اس خاندان کی دو لڑکیاں گرفتار ہوئیں جو یزدگرد کے بیٹے فیروز کی بیٹیاں بتائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک شاہ آفرید بنت فیروز بن یزدگرد اموی خلیفہ الولید بن عبدالملکؒ کے حرم میں داخل ہوئی، جس کے بطن سے یزید بن الولید بن عبدالملکؒ پیدا ہوئے ان کا یہ قول مشہور ہے ؎

انا ابن کسریٰ وابی مروان ٭ وقیصر جدی وجدی خاقان

کہتے ہیں کہ اس خاتون کی ماں بنت قیصر تھی اور اس کی ماں بنت خاقان۔ دوسری لڑکی ایک اور نجیبہ کو دیدی گئی۔

محمد عن عثمان بن عثمان قال زوج علی بن الحسین امہ من مولاہ و اعتق جاریۃ لہ و تزوجھا فکتب الیہ عبد الملک یعیرہ بذلک فکتب لہ علی قد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ قد اعتق رسول اللہ صلعم صفیہ بنت حی و تزوجھا و اعتق زید بن حارثۃ و زوجہ ابنۃ عمتہ زینب بنت جحش۔

(المعارف صـ۹۲)

.. ..

تھے، علی بن محمد عثمان بن عثمان سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ علی بن الحسین نے اپنی والدہ کو اپنے غلام کے عقد میں دے دیا اور ایک کنیز کو آزاد کر کے اپنے نکاح میں لے آئے۔ عبد الملک نے ان کو خط لکھا جس میں اس کے متعلق ان کو غیرت دلائی تھی اس کے جواب میں علی بن الحسین نے لکھا کہ تمہارے لئے بہترین مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی ہے آپ نے صفیہ بنت حیؓ کو آزاد کر کے اس سے نکاح کیا تھا اور اپنے غلام زید بن حارثؓ کو آزاد کر کے اپنی پھوپی کی بیٹی زینب بنت جحش کو ان کے نکاح میں دیدیا تھا۔

تقریباً یہی واقعہ مورخ طبری متوفی ۳۱۰ھ نے دو جگہ لکھا ہے۔ حضرت حسینؓ کی اولاد کے ذکر میں ان کے ان صاحبزادے علی الاصغر (زین العابدینؒ) کی اولاد کے بارے میں لکھا ہے کہ:۔

(۱) ام الاصغر ام ولد قال علی بن محمد کانت تدعی سلافۃ و یقال ان اسمھا جیدا۔

(طبری ج۱۳ صـ۱۹)

(علی اصغر (زین العابدین) کی ماں کنیز تھیں۔ علی بن محمد کہتے ہیں کہ انہیں سلافہ کہتے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا نام جیدا تھا۔

.. ..

(۲) علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب و امہ غزالۃ ام ولد خلف علیھا بعد حسین زبید مولی الحسین فولدت لہ عبد اللہ بن زبید و ھو اخو علی بن الحسین۔

(طبری ج۱۳ صـ۸۸)

علی بن الحسین بن علی بن ابی طالبؓ ان کی ماں غزالہ کنیز تھیں (حضرت) حسین کے بعد ان کے غلام زبید کے نکاح میں آئیں اور عبد اللہ بن زبید ان سے پیدا ہوئے جو علی بن الحسین کے (مادری) بھائی تھے۔

.. ..

جناب علی بن الحسین (زین العابدینؒ) نے صحیح فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اپنے اسوۂ حسنہ سے غلام اور غیر غلام کا امتیاز مٹا دیا تھا۔ آپ کے موذن حضرت بلالؓ نسباً حبشی تھے اور غلام بھی، انہوں نے جب مدینہ میں اپنا نکاح کرنا چاہا تو بڑی بڑی ناک والے قریشی بھی انکار نہ کر سکے۔ علامہ شبلیؒ نے اس واقعہ کو منظوم کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

بارگاہ نبویؐ کے جو موذن تھے بلالؓ | کر چکے تھے جو غلامی میں کئی سال بسر
جب یہ چاہا کہ کریں عقد مدینہ میں کہیں | جا کے انصار و مہاجر سے کہا یہ کھل کر
میں غلام حبشی اور حبشی زادہ بھی ہوں | یہ بھی سن لو کہ مرے پاس نہیں دولت و زر
ان فضائل پہ مجھے خواہش تزویج بھی ہے | ہے کوئی جس کو نہ ہو میری قرابت سے حذر

گردنیں جھک کے یہ کہتی تھیں کہ دل سے منظور
جس طرف اس حبشی زادہ کی اٹھتی تھی نظر

اب دیکھئے نسب پرستوں نے پہلے تو یہ روایت وضع کی کہ جناب علی بن الحسینؓ کی والدہ ماجدہ شاہ ایران کی دختر تھیں پھر ان کے عقد ثانی کو چھپانے کے لئے کبھی تو یہ کہا ہے کہ کربلا میں وہ موجود ہی نہ تھیں، اپنے فرزند کی ولادت کے بعد ہی فوت ہو گئی تھیں، کبھی یہ بیان کیا ہے کہ دریائے فرات میں ڈوب کر مر گئیں فانھا القت نفسھا فی الفرات (کتاب مناقب ابن شہر آشوب) کبھی یہ داستان سرائی کی ہے کہ گھوڑے پر سوار ہو کر رے کی طرف چلی گئیں۔ مولف "مجاہد اعظم" اس قصہ کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

ان ہی غلط موضوع اور بے بنیاد روایات میں یہ قصہ بھی نہایت مشہور ہے کہ حضرت کی شہادت کے بعد جب آپ کا گھوڑا خیمہ پر آیا تو جناب شہربانو سوار ہو کر رے کی طرف چلی گئیں۔ راستہ میں ان کا بھائی شہریار جو کمک کے واسطے لشکر لئے ہوئے آ رہا تھا بہن سے ملا اور اس وجہ سے کہ واقعات شہادت ہو چکے تھے بہن کو اپنے ساتھ لے کر واپس چلا گیا۔ (صـ۲۷۳)

چنانچہ ان ہی بے بنیاد قصوں میں یہ مہمل روایت بھی ہے جو "تاریخ ادبیات ایران" کے قابل مولف پروفیسر براؤن نے "تعزیہ غائب شدن شہربانو" کے تحت لکھی ہے اور بیان کیا ہے کہ ایران کی مجلسوں میں اس کا ڈرامہ ہوتا ہے، یہ روایت منظوم ہے جس میں شاہ ایران کی اس مصنوعی دختر شہربانو کی زبانی کہا گیا ہے کہ میں بادشاہ یزدگرد کی بیٹی نوشیروان کی نسل

سے ہوں اپنے باپ کے محل (مدائن) میں ایک رات سو رہی تھی کہ فاطمہ[1] زہرا خواب میں آئیں اور مجھ سے کہنے لگیں کہ میں حسین سے تیرا نکاح کروں گی میں نے کہا یہ بات محال ہے حسین تو مدینہ میں ہیں اور میں یہاں مدائن میں ہوں۔ حضرت زہرا نے کہا:۔

تو می گردی اسیر و بے قرینہ	برندت از مدائن در مدینہ
بفرزندم حسین پیوند سازی	مرا از نسل خود خورسند سازی
ز نسلت نہ امام آید بدوران	کہ نبود مثل شان در دار دوران

اس کے آگے کے چند شعر پروفیسر براؤن نے اس ریمارک کے ساتھ درج کئے ہیں کہ ان سے اس عداوت ونفرت کا اظہار ہوتا ہے جو (حضرت) عمرؓ سے ایرانیوں کو ہے ان اشعار میں حضرت علیؓ کے منہ سے خلیفہ وقت وامیر المومنین حضرت عمرؓ کی شان میں نہایت مکروہ کلمات کہلوائے ہیں اور وہ بھی اس وضعی وبے بنیاد روایت پر کہ مدائن کے ایرانی اسیروں کو بازار میں فروخت کرانا مناسب نہیں۔ اب ٹیپ کا بند سنئے جس میں کہا گیا ہے کہ حضرت حسینؓ نے شہر بانو کو وصیت کی تھی کہ میرے بعد تم "آل اطہار" میں نہ رہنا کہیں چلی جانا ورنہ قید ہو کر سر عریاں بازاروں میں گشت کرائی جاؤ گی، چنانچہ حضرت فاطمہؓ کی خدمت میں شہر بانو کے منہ سے یہ بھی کہلوایا گیا ہے کہ :۔

حسین کرد وصیت بر من زار	؏	نمانم در میانِ آل اطہار
اگر مانم اسیر و خوار گردم	؏	برہنہ سر بہر بازار گردم
تو ای چون ہستی امام شہریارم	؏	بدست تست، مادر، اختیارم

حضرت فاطمہؓ نے کیا ہدایت کی یہ نہیں بتایا گیا۔ "مجاہد اعظم" کے شیعہ مولف نے اس مہمل روایت کے بارے میں بجا طور سے یہ ریمارک کیا ہے کہ :۔

"شہر بانو کے ساتھ اس حکم کی کوئی خصوصیت بھی نہیں پائی جاتی۔ حضرت نے اپنی دوسری ازواج لیلیٰ ورباب وام اسحٰق کو ایسا حکم کیوں نہیں دیا بالخصوص رباب (مادر سکینہ۔ م) کو جن سے آپ سب سے زیادہ مانوس تھے (ص ۲۷۸)

---

[1] ایک غیر ملک وقوم کی مجوسی بادشاہ کی بیٹی کا خواب میں پیغمبر اسلام کی صاحبزادی کو دیکھ کر ان سے ہم کلام ہونا کیا عجائبات عالم میں کچھ کم حیثیت رکھتا ہے۔

مولف موصوف مزید غور فرماتے تو یہ حقیقت بھی منکشف ہو جاتی کہ شہر بانو نام کی کوئی خاتون جو شاہ ایران کی دختر ہوں نہ حضرت حسینؓ کی زوجیت میں تھیں اور نہ کربلا سے ان کی کوئی زوجہ اس طرح غائب ہوئیں اور نہ یزدگرد کا کوئی بیٹا شہریار نام تھا اور نہ اس کے قبضہ میں کسی علاقے کی حکومت تھی اور نہ سپاہ ولشکر ابو سعد کوئی فوج لے کر حضرت حسینؓ کی مدد کو کربلا آرہا تھا یہ سب مہمل حکایتیں طبعزاد ہیں۔

ایک اور شیعہ مورخ ونساب جو نسباً حسنی ہیں مولانا کرمانی ہیں یعنی مولف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب شہر بانو کے قصہ کے بارے میں مختلف اقوال پر محاکمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

وقد منع اکثر من النسابین والمورخین وقالوا ان بنتی یزدجرد کانتا معہ حین ذھب الی خراسان وقیل ان ام زین العابدینؑ من غیر ولدہ وقد اغنی اللہ تعالٰی علی بن الحسینؑ بما حصل لہ من ولادۃ رسول اللہؐ عن ولادۃ یزدجرد بن شہریار المجوسی المولود من غیر عقد علی ما جاوت بہ التواریخ والعرب لا تعد للعجم فضیلۃ وان کانوا ملوکاً۔

(ص ۱۸۱)

اکثر نسابین ومورخین نے اس سے انکار کیا ہے (کہ والدہ زین العابدین بنت یزدگرد تھیں) اور کہتے ہیں کہ یزدگرد جب خراسان کو گیا ہے اس کی دو بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ زین العابدین کی والدہ اس کی اولاد سے نہ تھیں۔ اللہ تعالٰی نے علی بن الحسین کو رسول اللہ کی اولاد میں ہونے کی فضیلت کے مقابلہ میں اس بات سے مستغنی رکھا کہ یزدگرد بن شہریار مجوسی کی اولاد میں ہوں جو بے نکاحی عورت سے پیدا ہوا تھا جیسا کہ کتب تاریخ میں مذکور ہے اور اہل عرب اہل عجم کی فضیلت کو خواہ وہ بادشاہ ہوں کسی شمار میں نہ لاتے تھے۔

بہر حال یہ قصہ سیاسی ضرورت سے گھڑا گیا تھا، جیسا کہ خود مصنف "تجلیات روح ایران" فرماتے ہیں کہ :۔

محبت مخصوص کہ ابتدائے اسلام ایرانیان نسبت بخاندان رسول (صلعم) وحضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب واولاد ایشاں رسانیدند غیر از اسباب معلومہ یک علت

خاندان رسول (صلعم) اور حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب اور ان کی اولاد کے ساتھ ایرانیوں نے جو مخصوص محبت ابتدائے اسلام سے بہم پہنچائی وہ اسباب معلومہ کے

سیاسی نیز داشت و گرنہ ہمہ قبائل عرب و پیشوایان اسلام برائے ایرانیان یکے بود باہیچ کدام خویشی و روابط مخصوص پیش از وقت نداشتند۔

(معارف شمارہ ۳ ج ۶ ص ۱۸۶)

علاوہ ایک سیاسی ضرورت بھی تھی ورنہ تمام عربی قبیلے اور پیشوایان اسلام ایرانیوں کے نزدیک یکساں تھے اور ان میں سے کسی سے رشتہ و مخصوص روابط اس سے پہلے وہ نہ رکھتے تھے۔

اسی سیاسی ضرورت کی تشریح کرتے ہوئے مصنف مذکور فرماتے ہیں کہ ایرانیوں کا ہمیشہ سے یہ اعتقاد رہا ہے کہ ساسانی خاندان ہی ایران پر حکومت کرنے کا جائز حقدار ہے

چنانکہ بعضے از کتب غیبت از جاماسپ نامہ نقل کردہ اند کہ پس از اسلام سلطنت ایران بہ یکے از آل قباد منتہی می گردند و شیعیان اثنا عشری این یک نفرہ ز آل قباد را امام غائب دوازدہم خود می دانند کہ از طرف شہربانو از آل قباد است۔

(ایضاً ص ۱۹۰)

چنانچہ بعض کتب غیبت میں جاماسپ نامہ سے منقول ہے کہ اسلام کے (تسلط کے) بعد آل قباد میں سے کسی کو سلطنت (ایران) پہنچ گی اور اثنا عشری شیعہ آل قباد سے بارھویں امام غائب مراد لیتے ہیں جو شہربانو کی طرف سے آل قباد میں سے ہیں۔

.. - .. ..

- - .. ..

پروفیسر براؤن نے جو طہران میں عرصہ تک مقیم رہے تھے بتایا ہے کہ شہر سے چار پانچ میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی ہے جو بی بی شہربانو سے منسوب ہو کر "کوہ بی بی" کہلاتی ہے کسی مرد کے نجس قدم تو اس پہاڑی پر نہیں جا سکتے عورتیں ہی جاتی ہیں اور امام غائب کی جناب میں جو ایرانیوں کے اعتقاد میں شہربانو کی نسل سے ہیں حاجت روائی کی التجائیں کرتی ہیں، غرضیکہ ایرانی اثنا عشریہ کے "امام غائب و مہدی" کو آخری بادشاہ ساسانی نسل کی دختر کی نسل میں جس سیاسی ضرورت سے قرار دیا گیا وہ ایرانی و مجوسی دعویداران "مہدویت" کے حالات سے ظاہر ہے جو پچھلے اوراق میں پیش کئے گئے ہیں، خصوصاً عبید اللہ بن میمون القداح کے احوال اور اس کے فاطمی نسب کے ادّعا سے۔ ورنہ اس قصہ کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں ہے۔

فاطمیت کا ادّعا

قرامطہ و اسماعیلیہ کے بیشتر لیڈر جیسا گزشتہ اوراق میں بیان ہوا ہے ایرانی مجوسی تھے، ان میں سے متعدد نے اپنے

کو "مہدی" کہا اور فاطمی نسب کا دعویٰ کیا، یحییٰ بن زکرویہ بن مہرویہ نے جس کا ذکر قرامطہ کے سلسلہ میں گزر چکا ہے، اپنے کو محمد بن عبد اللہ بن اسماعیل بن جعفر (الصادق) بتایا چنانچہ وہ اور اس کے متبعین فاطمی کہلانے لگے۔ وسموا بالفاطمتین (البدایہ ج ۱۱ ص ۸۶) اظہار نسب کے لئے فاطمیت کی یہ اصطلاح انہی اشخاص نے اختیار کی جن کا کوئی نسبی تعلق علیؓ و فاطمہؓ کی اولاد سے نہ تھا۔ یحییٰ بن زکرویہ نے چند سال تک عراق و حجاز و شام میں فتنہ و فساد مچایا، حاجیوں کو لوٹا اور کثیر تعداد میں قتل کیا، بالآخر ۲۹۴ھ میں مع اپنی جماعت کے لشکر خلافت کے ہاتھوں قتل ہوا، چند اور مدعیان مہدویت بھی وقتاً فوقتاً ظہور کرتے اور کیفر کردار کو پہنچتے رہے۔ عبید اللہ بن میمون القداح اور اس کے اخلاف نے جیسا ذکر ہو چکا مغربی افریقہ کے بربری قبیلوں کی مدد سے فوجی قوت پیدا کر لی تھی ان کا سیاسی اقتدار عرصہ دراز تک مصر میں باقی رہا۔ ان کے نسبی دعوے کے بارے میں علامہ ابن حزم جو ان کے ہمعصر تھے لکھتے ہیں کہ:۔

ان بنی عبید ولاۃ مصر الآن قد ادعوا فی اول امرھم الی عبد اللہ ابن جعفر بن محمد (بن علی بن الحسین) ثم صح عند ھم ان عبد اللہ ھذا لم یعقب الا ابنۃ واحدۃ ترکوہ وانتموا الی اسماعیل بن جعفر بن محمد۔

(جمہرۃ الانساب ص ۵۳)

عبید اللہ بن میمون القداح) کی اولاد جو اب تک مصر کے حکمران ہیں، انہوں نے اول اول تو اپنے کو جعفر (الصادق) بن محمد (الباقر) کے فرزند عبد اللہ سے منسوب کیا، جب ان کو اس بات کی صحت ہو گئی کہ ان عبد اللہ کے سوائے ایک بیٹی کے کوئی عقب نہ تھا، انہوں نے پھر اسمٰعیل بن جعفر بن محمد سے اپنے کو منسوب کر دیا۔

اسی کے ساتھ علامہ ابن حزمؒ نے لکھا ہے کہ عبیدین نے ایک مرتبہ تو یہ دعویٰ کیا کہ وہ حسین بن محمد بن اسمٰعیل بن جعفر (الصادق) کی اولاد سے ہیں، پھر کہا کہ ابو الحسن البغیض بن جعفر بن محمد بن اسمٰعیل مذکور کے بھائی کی اولاد سے ہیں یہ لکھ کر وہ فرماتے ہیں:۔

وکل ھذہ دعوی مفتضحۃ لان محمد بن اسمٰعیل بن جعفر لم یکن لہ قط ولد اسمہ الحسین وھذا

یہ کل دعویٰ شرمناک ہے کیونکہ محمد بن اسمٰعیل بن جعفر کے کوئی بیٹا حسین نام کا تھا ہی نہیں یہ تو کھلا جھوٹ ہے کیونکہ یہ سلسلہ نسب

كذب فاحش ولان مثل هذا النسب لا يخفى على من له ادنىٰ علم بالنسب (ص۵۴)

ایسا ہے کہ جس کسی کو انساب کا کچھ بھی علم ہوگا اس پر یہ مخفی نہیں رہ سکتا۔

جناب جعفر (الصادقؒ) کے جن سے عبیدین نے اپنے کو منسوب کیا تھا سات بیٹے تھے جن میں بڑے عبداللہ تھے، ان ہی کے نام سے ان کے والد کی کنیت ابو عبداللہ تھی ان کے بعد اسماعیل پھر موسیٰ و محمد و اسحٰق و علی و عباس۔ عبداللہ و اسماعیل اور ان کی بہن ام فروہ یہ تینوں فاطمہ بنت حسین بن حسن بن علی بن ابی طالب کے بطن سے حقیقی بھائی بہن تھے۔ باقی پانچ بیٹے اور چار بیٹیاں کنیزوں سے تھے۔ بڑے بیٹے عبداللہ اپنے والد ماجد کو زیادہ محبوب تھے۔ ان سے نسل ذکور نہیں چلی، ان کی بیٹی فاطمہ جو علیہ بنت الحسین بن زید بن علی زین العابدین کے بطن سے تھیں امیر المومنین ابو جعفر المنصورؒ کے بھائی موسیٰ بن محمد کے پر پوتے عباس بن موسیٰ بن عیسیٰ بن موسیٰ مذکور کو بیاہی گئیں (جمہرۃ ابن حزم ص۶۳) ان عبداللہ کے چھوٹے بھائی اسمٰعیل کا انتقال جو اسماعیل الاعرج (لنگڑے) کہلاتے تھے (عمدۃ الطالب ص۲۲۳) اپنے والد کی حیات میں ۱۳۳ھ میں ہوگیا تھا۔ ان کے دو بیٹے تھے ایک محمد جو کنیز کے بطن سے تھے اور دوسرے علی جن کی والدہ ام ابراہیم بنت ابراہیم بن ہشام مخزومیہ تھیں (جمہرۃ الانساب ابن حزم) یہ دونوں بھائی اور خاص کر محمد اپنے چچا موسیٰ بن جعفر یعنی اثنا عشریہ کے ساتویں امام موسیٰ الکاظمؒ کے سخت خلاف تھے۔ مولف عمدۃ الطالب لکھتے ہیں:۔

وقال ابن جذاع كان موسى الكاظم يخاف ابن اخيه محمد بن اسمٰعيل ويبره وهو لا يترك السعي به الى السلطان من بني العباس۔ (ص۲۲۳)

اور ابن جذاع نے کہا ہے کہ موسیٰ الکاظم اپنے بھتیجے محمد بن اسمٰعیل سے خوف کھاتے اور ان سے کنارہ کش رہتے تھے وہ بنی عباس کے سلطان (خلیفہ) سے ان کی مخبری کرنا نہ چھوڑتے تھے۔

امیر المومنین مہدی باللہ عباسیؒ (۱۵۸-۱۶۹ھ) کو موسیٰ بن جعفر (الصادقؒ) کے بارے میں جب یہ اطلاعات پہنچیں کہ وہ انقلاب حکومت کے درپے ہیں انہیں بغداد طلب کیا گیا انہوں نے صفائی پیش کر کے امیر المومنین کو مطمئن کیا تو پھر مدینہ واپس جانے کی اجازت دی گئی اور تین ہزار دینار کا گرانقدر عطیہ بھی مرحمت ہوا، اس کے چند سال بعد جب امیر المومنین

ہارون الرشیدؒ سریر آرائے خلافت ہوئے تو بقول مولف عمدۃ الطالب ان کا (موسیٰ الکاظم کا) اعزاز و اکرام کیا گیا۔

ولما ولی هارون الرشيد الخلافة اكرمه وعظمه۔ (ص۱۹۲)

جب ہارون الرشید خلافت پر فائز ہوئے انہوں نے (موسیٰ الکاظم) کا اعزاز و اکرام کیا۔

لیکن ۱۷۳ھ میں جب امیر المومنین ادائے حج و زیارت روضہ رسول مقبولؐ کے لئے حرمین شریفین تشریف لے گئے موسیٰ الکاظم کے بھتیجے محمد بن اسماعیل بن جعفر (الصادق) نے ان سے اپنے چچا کی مخبری کر دی اور ان کے سب راز بھی خلیفہ کو بتلا دئے۔

وقال ابو نصر البخاری كان محمد بن اسمٰعيل بن الصادق مع عمه موسى الكاظم يكتب له في السر الى شيعته في الآفاق فلما ورد الرشيد الحجاز سعى محمد بن اسمٰعيل بعمه الى الرشيد فقال ما علمت ان في الارض خليفتين يجبى اليهما الخراج فقال الرشيد ويلك انا ومن؟ قال موسى بن جعفر واظهر اسراره فقبض الرشيد على موسى الكاظم وحبسه وكان سبب هلاكه وحظى محمد بن اسمٰعيل عند الرشيد وخرج معه الى العراق ومات ببغداد ودعى موسى بن جعفر بدعاء استجابه الله تعالى فيه وفي اولاده (ص۱۹۳)

ابو نصر بخاری نے کہا کہ محمد بن اسمٰعیل بن الصادق اپنے چچا موسیٰ الکاظم کی خفیہ تحریرات ان کے پاس لکھا کرتے تھے جو باہر مقامات کے اپنے طرفداروں کو بھیجتے تھے جب (ہارون) الرشید حجاز آئے محمد بن اسمٰعیل نے اپنے چچا کی مخبری ان سے کر دی اور کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ دنیا میں کئی خلیفہ ہیں جن کے پاس خراج کی رقم آتی ہے (ہارون) الرشید نے کہا کہ تمہارا برا ہو میرے سوا اور کون ہے (محمد نے) کہا کہ یہ موسیٰ بن جعفر ہیں اور ان کے سب راز خلیفہ پر ظاہر کر دئے (ہارون) الرشید نے موسیٰ الکاظم کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ اور یہ سبب ان کی ہلاکت کا ہوا۔ محمد بن اسمٰعیل (ہارون) الرشید کے یہاں خوش نصیب رہے اور ان ہی کے ساتھ عراق چلے گئے اور وہیں فوت ہوئے موسیٰ بن جعفر نے ان کو اور ان کی اولاد کو بد دعا دی جو اللہ تعالیٰ کے یہاں مستجاب ہوئی۔

لہ شیعہ مورخ و نسابہ نے اس سلسلہ میں یہ بھی لکھا کہ قید کی حالت میں زہر دیا گیا تھا مگر واقعات سے

ان محمد بن اسمٰعیل کا انتقال اپنے والد کی وفات سے تقریباً نصف صدی بعد ۱۸۰ھ میں بغداد میں ہوگیا تھا، ان میں اور عبداللہ میمون القداح متوفی ۲۶۱ھ کے زمانوں میں تقریباً اسی سال کا فرق ہے، لہٰذا اس کا یہ ادعا کہ وہی محمد بن اسمٰعیل ہے محض بے بنیاد اور بقول علامہ ابن حزمؒ شرمناک دعویٰ تھا، مؤلف عمدۃ الطالب نے بھی یہ ریمارک کیا ہے کہ پہلے تو اس نے کہا کہ میں ہی محمد بن اسمٰعیل بن الصادق ہوں، مگر اس کا زمانہ اس دعوے کا متحمل نہیں ہو سکتا (ص۲۳۴) محمد مذکور کے دو بیٹے جعفر اور اسمٰعیل تھے جو کنیز کے بطن سے تھے، ان سے نسل باقی رہی۔ محمد مذکور کے دوسرے بھائی علی بن اسماعیل بھی اپنے چچا جناب موسیٰ (الکاظم) کی کارروائیوں کی اطلاعیں خلیفہ کو پہنچاتے رہتے تھے انہیں بھی حکومت نے بغداد میں ان کے چچا پر نگراں مقرر کر دیا تھا (جمہرۃ انساب ابن حزم ص۵۴) آخر الذکر کی نسل سے کچھ لوگ مصر میں بھی متوطن ہو گئے تھے۔ مگر ان دونوں بھائیوں اور ان کی اولاد کا کوئی نسبی تعلق عبیدی فاطمیوں سے نہ تھا۔ صحیح النسب فاطمیوں میں سے بیسیوں اشخاص نے عباسی خلفاء کے خلاف خروج کئے بعض نے اپنی حکومتیں بھی قائم کر لیں مگر ان میں سے کسی کے نسب کی تیح یا انکار نہیں کیا گیا۔ عبیدیوں کے اس ادعائے کاذبہ کا انکار نہ صرف عباسیوں کی جانب سے ہوا بلکہ خود صحیح النسب فاطمیوں اور اندلس کے امویوں اور افریقہ کے ادریسیوں نے بھی کیا جن کی تفصیلات کتب تاریخ میں مندرج ہیں۔ مقریزی کا تعلق چونکہ عبیدی فاطمین سے تھا اس نے اور علامہ ابن خلدون نے البتہ ان کے دعوے کی تصدیق کی ہے، مگر کوئی قوی دلیل پیش نہ کر سکے۔ عبیدین کے زمانہ میں متعدد خاندان صحیح النسب فاطمیوں کے مصر میں اقامت گزین تھے منجملہ ان کے ابو جعفر مسلم بن عبیداللہ بن طاہر تھے جو جناب علی بن الحسین (زین العابدینؒ) کے فرزند حسین الاصغر کے احفاد میں سے تھے اور المعز عبیدی کے یہاں ذی مرتبت بھی تھے۔ مؤلف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالبؒ نے یہ دلچسپ واقعہ لکھا ہے کہ

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) سے اس الزام کی تردید ہوتی ہے۔ جناب موسیٰ (الکاظم) کو سیاسی وجوہ سے بغداد لا کر نگرانی میں رکھا گیا تھا اور حکومت کی جانب سے ان کے آرام و آسائش کا ایسا انتظام تھا کہ اس مدت حراست میں ان کے دس بارہ اولادیں بھی ہوئیں ان کے کل ساٹھ اولادیں تھیں ۳۷ بیٹیاں اور ۲۳ بیٹے جو سب کنیزوں کے بطن سے تھے۔ ان کے کئی بیٹوں نے حکومت کے خلاف خروج بھی کئے جن کے تذکرے پچھلے

کسی نے یہ منظوم رقعہ المعز عبیدی کے محل میں اس کے میز پر رکھ دیا جس کا مضمون تھا کہ اگر تم اصلاً اور نسباً آل ابی طالب سے ہو تو بنی طاہر میں سے کسی کے یہاں اپنا رشتہ کرو تو لوگ جان لیں گے تم ان کے ہم کفو ہو۔ محمد بن عبید اللہ بن میمون القداح کی ماں کا نام خوزیہ تھا آخری شعر میں اسی کا اشارہ ہے وہ رقعہ یہ تھا:۔

ان کنت من آل ابی طالب ؎ فاخطب الی بعض بنی طاہر

فان راک القوم کفواً لھم ؎ فی باطن الامر و فی الظاہر

فام من خالف خوزیۃ ؎ بعض منھا البطن بالاخر

رقعہ پڑھ کر المعز اتنا متاثر ہوا کہ ابو جعفر مسلم کے یہاں پیام دید یا مگر انہوں نے منظور نہ کیا، ان کے انکار پر اس نے انہیں قید میں ڈال دیا اور ان کی اموال ضبط کر لئے، کہتے ہیں کہ وہ قید خانہ سے بھاگ کر حجاز چلے آئے جہاں ان کے ہم جد متوطن تھے، ہمارے برصغیر ہند میں محدود علی ابنائے اسمٰعیل بن جعفر (الصادقؒ) کی نسل سے بعض قدیم و حامل آثار خاندان ہیں، مثلاً خاندان حضرت اشرف جہانگیر سمنانی جن کا سلسلہ نسب ۱۷ واسطوں سے محمد بن اسمٰعیل سے متصل ہوتا ہے، بایں طریق حضرت اشرف جہانگیر بن ابراہیم بن عماد الدین بن نور بخش بن ظہیر الدین بن تاج الدین بن علی بن محمد بن کمال الدین بن مبارز الدین بن جمال الدین بن عبداللہ بن حسین بن احمد بن حمزہ بن علی الاکبر بن موسیٰ بن اسماعیل ثانی بن محمد بن اسمٰعیل بن جعفر الصادق۔ اسی طرح ابو جعفر میر ماہ بہرائچی کا سلسلہ نسب علی بن اسمٰعیل بن جعفر الصادقؒ تک۔ بچند واسطہ منتہی ہوتا ہے۔ ان خاندانوں کا کوئی واسطہ و تعلق عبیدیوں سے یا ان کے داعیوں سے جو وقتاً فوقتاً برصغیر ہند میں اپنی دعوت کے سلسلے میں آتے رہے مطلق نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ یہ سب صحیح النسب فاطمی اپنے عقائد و اعمال میں سلف صالحین کے متبع تھے۔

نام نہاد "دعوت فاطمیہ" کی خصوصیات

لاکھوں مسلم علماء و فقہاء و فضلاء و امراء و عوام اور حاجیوں کے قتل کے علاوہ جیسا مورخین نے لکھا ہے وقتلوا من المسلمین خلقاً واحماً لا یحصیھم الا اللہ (البدایہ ج۱۲ ص۲۶۷) جنہیں محض اس لئے قتل کیا گیا کہ وہ دین اسلام پر مستقیم تھے اور علاوہ اس بہتان تراشی کے جس کے ذریعہ اعیان اسلام کو طرح طرح بدنام کیا گیا اور علاوہ اس تحریف و تلبیس کے جو شریعت اسلامیہ کو مسخ کرنے کے لئے ان لوگوں نے باقاعدہ اور منظم طریقہ پر کی حسب

ذیل کارنامے "سب پر فائق ہیں:۔

(۱) حاکم اسماعیلی کہ ششم خلیفہ بنی فاطمہ مغرب بود از مدینہ علوی را بفریفت تا در شب از خانہ او نقب بروضہ رسول صلعم می زدند تا امیر المومنین ابوبکر صدیق و عمر بن خطاب رعنہما از آن روضہ بیرون آورند و ہرچہ خواہند با الشیان کنند۔
(نزہتہ القلوب حمد اللہ مستوفی قزوینی صفحہ ۱۳)

حاکم اسماعیلی نے جو مغرب (مصر) کا چھٹا خلیفہ بنی فاطمہ (عبیدی) میں سے تھا مدینہ کے ایک علوی کو اس غرض سے بہکایا کہ رات میں اس کے گھر سے روضہ رسول (اللہ) صلعم تک نقب لگائیں تاکہ امیر المومنین ابوبکر الصدیق اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کو روضہ سے باہر نکال لائیں اور ان کے (لاشوں کے ساتھ) جو دل چاہیں کریں۔

مصنف موصوف نے قاضی احمد دامغانی مولف کتاب استظہار الاخبار اور قاضی رکن الدین جوینی مولف کتاب مجمع ارباب الملک کے حوالے سے یہ واقعہ لکھا ہے کہ اس وقت مدینہ میں "گرد باد و صاعقہ" کے ساتھ تاریکی عظیم" پیدا ہو گئی۔ تفتیش میں اس علوی نے سب واقعہ حاکم مدینہ سے بیان کر دیا، ان خبیثوں کو سزائیں دی گئیں۔

اس موقع پر یہ بیان کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ یہ عبیدی فاطمی جناب جعفر (الصادق) کے فرزند اسمٰعیل سے اپنا سلسلہ نسب ملانے کے مدعی تھے، حالانکہ جناب موصوف کے جد مادری حضرت ابوبکر الصدیق رض تھے اور وہ حضرت موصوف کی اولاد دختری ہونے کا اظہار فخریہ لہجہ میں کیا کرتے تھے۔ عمدۃ الطالب کے شیعہ مصنف جناب جعفرؒ کے مادری نسب کے بارے میں کہتے ہیں:۔

"ان کی (جناب جعفر کی) والدہ ام فروہ بنت القاسم الفقیہہ تھیں اور ان (ام فروہ) کی ماں اسماء بنت عبد الرحمٰن بن ابوبکرؓ تھیں، اس لئے (جعفر) الصادق کہا کرتے تھے کہ میں ابوبکرؓ سے دو مرتبہ جنا گیا ہوں (ولدنی ابوبکر مرتین) صفحہ ۱۴۳"

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے جناب جعفرؒ کا یہ قول ایک موقع پر نقل کیا ہے:۔

أیلیسب الرجل جدّہ، ابوبکر جدّی لا تنالنی شفاعة جدّی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان لم اکن اتولاهما وا تبرا من عدوّهما۔
(ازالۃ الخفاء ج ۱ صفحہ ۱۰۸)

کیا کوئی اپنے جدِ مادری کو برا کہہ سکتا ہے ابوبکرؓ تو میرے جد (مادری) ہیں مجھے میرے (دوسرے) جد (مادری) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب نہ ہو، اگر میں ان دونوں (ابوبکر و عمرؓ) سے محبت نہ کروں اور ان کے دشمنوں سے اظہار بیزاری۔

جناب موصوف سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا جو شیخین کو برا کہتے ہیں فرمایا:۔ اولٰئک المراق یعنی یہ لوگ دین سے نکلے ہوئے ہیں (ایضاً صفحہ ۱۰۹) ایک مرتبہ کسی شخص نے پوچھا کہ تلوار کے دستہ پر نقاشی کا کام کرانا کیسا ہے فرمایا اچھا ہے ابوبکر الصدیقؓ کی تلوار کے دستہ پر بھی نقاشی کا کام تھا اس نے کہا آپ انہیں "الصدیق" کہتے ہیں یہ سن کر جناب جعفرؒ کو جلال آ گیا فرمایا ہاں: "ابوبکر الصدیق" "ابوبکر الصدیقؓ"، جو انہیں الصدیق نہ جانے اللہ نہ کرے اس کا بھلا ہو اور شفاعت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے نصیب نہ ہو (البدایہ والنہایہ) ان کے دادا جناب علی بن الحسین رض سے جب کسی نے دریافت کیا تھا کہ شیخین کی کیا منزلت تھی آپ نے روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ایسی ہی ہے جیسے اس وقت بھی ہے، یعنی آنحضورؐ کے پہلو میں یہی دونوں بزرگوار ہیں کوئی تیسرا نہیں۔ مزار اقدس کے دائیں بائیں حضور کی لیتے ہیں بلائیں۔

نہ اُس جہاں میں جدا رہیں گے نہ اِس جہاں میں جدا رہے ہیں

محبت واحترام کے ان واقعات کے ہوتے ہوئے کیا ان بزرگوں یعنی جناب علی بن الحسینؓ و محمد بن علیؒ و جعفر بن محمدؒ (الباقر) سے کوئی دور کی نسبت بھی ان عبیدیوں کو ہو سکتی ہے۔ جنہوں نے اس فعل شنیعہ کے ارتکاب کرانے کی کوشش کی تھی۔

(۲) قرامطہ نے جیسا پچھلے اوراق میں بیان ہوا عبیدی مہدی کے حکم سے حجر اسود کو اکھاڑا تھا اور مدت تک اپنے قبضہ میں رکھا تھا ۴۱۳ھ کے تحت علامہ ابن کثیرؒ نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ الحاکم عبیدی کے مصاحبین سے ایک شخص مصری حاجیوں کے زمرہ میں شامل ہو کر مکہ معظمہ پہنچا خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے اس خبیث نے حجر اسود پر ہتوڑے سے تین ضربیں لگائیں (فضربہ بدبوس کان معہ ثلاث ضربات متوالیات) (ج ۱۱ صفحہ ۱۲) ضربات مارتے وقت کہتا جاتا تھا کہ میں کعبہ کو بھی منہدم کرونگا۔ (وانی اھدم الیوم ھذا البیت) لوگوں نے پکڑ کر خود اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔

(۳) اس روایت کو دوسرے طریق پر بھی بیان کیا گیا ہے کہ اسی حاکم عبیدی نے ابو الفتوح

اپنے ایک سردار کے ساتھ ایک دستہ فوج دیگر ان ایام میں جب ان کا چند روزہ تسلط حجاز پر ہو گیا تھا مدینہ طیبہ بھیجا تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مصر لے آئے، یہ خبیث جب روضہ مبارکہ کو منہدم کرنے اور جسد اطہر کو وہاں سے منتقل کرنے کے لئے جمع ہوئے مسلمانوں میں سخت اضطراب پھیل گیا، یکایک ایک قاری نے یہ آیت بلند آواز سے تلاوت کی :-

الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانهم وهموا باخراج الرسول وهم بدءوکم اول مرة اتخشونهم فالله احق ان تخشوه (۱۳-۹)

.. .. ..

کیا تم اس گروہ سے جنگ نہیں کرتے جنہوں نے اپنے سب عہد و پیمان توڑ دئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکالنے کا ارادہ کر لیا اور شرارت کی ابتداء ان ہی کی طرف سے ہے، کیا تم ان سے ڈرتے ہو حالانکہ یہ حق اللہ کا ہے کہ تم اس سے ڈرو۔

یہ آیت مبارکہ ایسی برمحل پڑھی گئی گویا اسی موقع کے لئے نازل ہوئی تھی مسلمانوں میں بجلی سی دوڑ گئی، انہوں نے ان خبیثوں کا باوجود ان کی مسلح قوت کے مقابلہ کیا ساتھ ہی خوفناک آندھی آئی یہ خبیث خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے۔

(۴) نام نہاد "دعوت فاطمیہ" کے علمبرداروں کی خواہ اسماعیلی شاخ سے متعلق ہوں یا دوسری سے برابر یہ کوشش رہی ہے کہ اسلامی تعلیمات کے اصل منبع یعنی قرآن شریف کی فعالیت کو ختم کر دیں تاویلات باطلہ وفاسدہ کے ذریعہ یا صحیفہ آسمانی کو مبدل و محرف ثابت کر کے۔

امام ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین عن رب العالمین میں تاویلات کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ نصیریہ واسماعیلیہ و باطنیہ وقرامطہ نے ان تاویلات ہی کے ذریعہ ملت میں بار پایا اور تعلیمات اسلامی کو مسخ کرنے کی کوشش کی چنانچہ ایک اسماعیلی مصنف ڈاکٹر زاہد علی نے اپنی کتاب میں جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ آیات قرآنی کے بارے میں اپنے اماموں اور داعیوں کی تاویلات کی بہت سی مثالیں پیش کرنے کے بعد لکھا ہے:-

"کیا ہم ایسے مذہب کو اسلام کے موافق کہہ سکتے ہیں جس کی توحید میں کلمہ شہادت لا الہ الا اللہ کی تفسیر لا امام الا امام الزمان ہو جس میں لو کان فیہما آلہۃ الا اللہ لفسدتا میں اللہ سے اشارہ امام کی طرف ہو، جس میں ھو الخالق البارئ المصور سے عقل اول یا امام الزمان مراد ہوں، جس میں عالم الغیب

والشهادة سے مقصود مولانا قائم ہوں ..... وغیرہ وغیرہ (ص ۶۳۲ کتاب "ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام)

(۵) یہ جو کچھ بیان ہوا اس شاخ کے "کارنامے" ہیں جنہوں نے جناب جعفرؒ کے ایک پوتے محمد بن اسماعیل بن جعفر کو اپنا امام مہدی قرار دے لیا تھا، اب دوسری شاخ کی بات سنئے جنہوں نے جناب موصوف کے فرزند موسیٰ بن جعفرؒ کو اور ان کے بعد ان کے اخلاف کو اپنا امام کہا ہے اور امامیہ کہلائے۔

ومن قول الامامية كلها قديماً وحديثاً ان القرآن مبدل زيد فيه ماليس منه ونقص فيه كثير وبدل منه كثير۔ (الملل والنحل ج۳)

تمام امامیہ کا خواہ قدیم ہوں یا جدید یہی قول ہے کہ قرآن بدل دیا گیا، اس میں وہ چیز بڑھا دی گئی جو نہیں تھی، اس میں سے جو کم کر دیا گیا ہے وہ بھی بہت ہے جو بدل دیا گیا ہے وہ بھی بہت ہے۔[1]

چنانچہ شیعہ محدث محمد بن یعقوب الکلینی متوفی ۳۲۹ھ اپنی کتاب الصافی میں لکھتے ہیں:-

ان القرآن الذی جاء به جبرئیل الی محمد (۷۰۰۰) آیة والمشهور عندنا (۶۶۱۶) آیة۔

.. .. ..

قرآن جو جبریل فرشتہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پاس لایا تھا اس میں (۷۰۰۰) آیتیں تھیں اور ہمارے پاس مشہور (۶۶۱۶) آیات ہیں۔

گویا ان شیعہ محدث کے نزدیک جو قرآن جبریل لائے اس سے موجودہ قرآن میں (۳۸۴) آیتیں کم ہیں۔

(۶) محدث کلینی سے تقریباً ستر برس بعد بغداد کے امامیہ نے ایک قرآن پیدا کیا جسے عبداللہ

---

[1] قدمائے امامیہ میں علی بن حسن بن موسیٰ بن ابراہیم بن موسیٰ بن جعفرؒ (الصادق) تحریف قرآن کے منکر تھے اور اس کے قائل کی تکفیر کرتے تھے۔ اسی طرح ان کے دو شاگرد ابو یعلی طوسی اور ابو القاسم الرازی بھی تحریف قرآن کے قائل نہ تھے۔
(الملل والنحل ابن حزم)

بن مسعودؓ کا مصحف بتایا اور اس قرآن سے مختلف ظاہر کیا جو مسلمانوں میں متداول ہے اس واقعہ پر سخت ہنگامہ و فساد برپا ہوا۔ یہ امیر المومنین القادر باللہ عباسیؒ کا عہد امامت تھا انہوں نے علماء و فقہاء و قضاۃ کا اجلاس طلب کیا اور متفقہ فیصلہ کے مطابق قاضی ابو محمد اکفانیؒ و شیخ ابو حامد اسفرائنیؒ نے خود کھڑے ہو کر اس مصنوعی قرآن کو نذر آتش کردیا۔ (البدایہ ج ۱۱ ص ۳۳ و طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۲۶)

(۷) الکلینی نے ایک اور کتاب کے نزول کی روایت اپنے ایک امام ابو عبداللہ سے معاذ بن کثیر کی سند سے نقل کی ہے یعنی :-

ان اللہ عز وجل انزل علی نبیہ کتاباً فقال جبریل: یا محمد ھذہ وصیتک الی النجباء فقال ومن النجباء یا جبریل؟ فقال علی بن ابی طالب و ولدہ وکان علی الکتاب خواتم من الذھب فدفعہ رسول اللہ الی علی وامرہ ان یفک خاتماً منہ فیعمل بما فیہ۔ (الی آخرہ)

اللہ بزرگ و برتر نے اپنے نبی پر ایک کتاب اتاری جسے جبریل نے (یہ کہہ کر) پیش کیا کہ اے محمد! یہ آپ کا وصیت نامہ ہے نجباء[1] کے لئے (رسول اللہ نے) پوچھا نجباء کون لوگ ہیں (جبریل نے) کہا علی بن ابی طالب اور ان کی اولاد[2]۔ اس کتاب میں سونے کی مہریں لگی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ نے وہ کتاب علی کو دیدی اور ہدایت کی کہ مہر توڑ کر جو حکم تحریر ہے اس پر عمل کرو۔

کتاب میں حضرت علیؓ کے لئے کیا حکم تھا روایت میں اس کی تصریح نہیں اور نہ حضرت حسنؓ کے بارے میں ہے، شاید اس لئے کہ یہ حضرات اپنے اپنے زمانہ کے خلفاء کی بیعت میں داخل تھے۔ حضرت حسینؓ نے جب اپنی مہر توڑی تو یہ حکم لکھا پایا :-

تم شہادت حاصل کرنے کے لئے نکلو تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی شہادت کے سوا کسی کی بھی شہادت نہیں اور تم اپنی جان اللہ کے واسطے دے ڈالو (واشتر

۱؎ یعنی بہترین اشخاص۔

۲؎ ان کے سترہ اٹھارہ بیٹوں میں سے صرف دو یعنی حسنین اور ان کی نسل والوں سے اللہ تعالیٰ نے مراد لی ہے۔

نفسک للہ) جب ان کے صاحبزادہ کو یہ کتاب پہنچی انہوں نے مہر توڑ کر دیکھا تو یہ حکم لکھا پایا :-

"بیشک تم چپ سادھے رہو اور خاموش اپنے گھر کے اندر بیٹھے رہو اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہو"

پھر ان کے فرزند محمدؒ اور پوتے جعفر بن محمدؒ نے جب اپنی اپنی مہریں اپنے وقتوں میں توڑیں تو دونوں کو یہی ہدایت تھی کہ :-

لوگوں کو حدیثیں سناؤ، فتوے دو اور اپنے اہل بیت کے علوم کی اشاعت کرو سوائے اللہ کے کسی سے خوف نہ کھاؤ، تمہارے اوپر کسی کو دست رس نہ ہوگا۔"

جب جعفر بن محمد کے فرزند جناب موسیٰ بن جعفر کی نوبت آئی، کوئی حکم تحریر نہ تھا اور نہ ان کے اخلاف میں سے کسی اور کی بابت، شاید یہ اس وجہ سے ہو کہ جناب موسیٰ کو ان کے بھتیجے محمد بن اسمٰعیل کی لوٹ پر جیسا پہلے بیان ہو چکا کہ وہ انقلاب حکومت کے درپے ہیں اور اپنے طرفداروں سے مراسلت کرتے اور ان سے روپیہ حاصل کرتے ہیں، خلیفہ وقت نے نظر بند کر دیا تھا اور ان کے بیٹے پوتے خلیفہ عباسی کے داماد تھے۔ بہرحال جو وجہ بھی ہو، مجلد کتاب کا نزول جس پر سونے کی مہریں ثبت ہوں خالص عجمی ذہنیت کی اہمل اختراع ہے اسی سے "مصحف فاطمہ" و "مصحف علیؓ" کا بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔

کلام اللہ کی آیات کی تاویلات باطلہ، تحریف قرآن کی روایتیں، سونے کی مہریں لگی ہوئی مجلد کتاب کا نزول، ائمہ کا منصوص من اللہ اور معصوم عن الخطا قرار دینا اور امام کو یہ اختیار ہونا کہ وہ قرآن پر حکم ہو اور شریعت کو بھی معطل کر سکے۔ یہ اور اس قسم کی باتیں آخر کس بات کا ثبوت ہیں۔ اسماعیلی مصنف نے تو اس تحریک کے سیاسی مقصد کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے :-

"سیدنا عبداللہ[1] نے اسماعیلی دعوت قائم کی جس سے آپ کا مقصد ایک مذہبی تحریک پیدا کرنا تھا جو خلافت عباسیہ کا مقابلہ کر سکے جو اس زمانے میں برسر حکومت تھی اس غرض کی تکمیل کے لئے ایک انجمن بنائی جس میں ایسے افراد شریک کئے جو بالطبع معتزلیوں کے خیالات اور فلسفیوں کی رایوں کی طرف مائل تھے۔ اس تحریک کی کامیابی کے لئے اہل بیت کی مدد لینا پڑی تا کہ"

۱؎ یعنی عبداللہ بن میمون القداح۔

شیعہ جن کو اہل بیت سے محبت تھی اسے جلد قبول کرلیں، تاریخ میں اس قسم کی تحریکوں کی متعدد نظیریں ملیں گی۔۔۔۔ شیعہ جو اس زمانے کی موجودہ حکومتوں یعنی حکومت عباسیہ اور حکومت اُمویہ اندلس سے ناراض تھے، اہل بیت کے کسی نہ کسی فرد کو اپنا حق لینے کے لئے ابھارتے اور اسے حکومت کی ترغیب دلاکر اپنا امام بناتے اور اس کی قیادت میں عباسیوں اور امویوں کا مقابلہ کرتے، بعض وقت تو صرف اس کے نام سے فائدہ اٹھاتے تھے. حالانکہ وہ خود ایسی تحریک پسند نہ کرتا تھا چنانچہ مولانا علی کے فرزند مولانا محمد بن الحنفیہ کے نام سے دعوت کی جاتی تھی اور آپ خود اس سے انکار فرماتے رہے، اسی طرح سیدنا عبد اللہ بن میمون القداح نے ایک ایسی دعوت قائم کی جو مولانا جعفر صادق کے حکم کے خلاف تھی" (صـ۶۱)

اسماعیلی مصنف کے اس اعتراف سے نہ صرف عبیدی فاطمی دعوت کی اصل حقیقت منکشف ہوجاتی ہے بلکہ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ سیاسی پارٹیاں حصول مقصد کیلئے بعض صحیح النسب فاطمیوں کو اپنا امام قرار دیکر سیاسی مقاصد پر مذہب کی ملمع کاری کرتی رہتی تھیں جناب علی بن الحسینؓ کے فرزند عمر بن علی بن الحسینؓ سے کسی نے دریافت کیا تھا کہ آپ کے خاندان میں کوئی ایسے فرد ہوئے ہیں جن کی اطاعت فرض ہو انھوں نے صاف انکار کیا تھا کہ ہمارے یہاں ایسا کوئی شخص نہیں جو کوئی ایسا کہتا ہے وہ کذاب ہے اور میرے والد نے مرتے وقت کسی کو وصیت بھی نہیں کی (طبقات ابن سعد ج۵ صـ۲۳۶ و کتاب نسب قریش صـ۶۲) یہ بیان جناب محمد بن علی بن الحسینؓ کے بھائی کا ہے۔ یہ سب دس یا گیارہ بھائی تھے۔ سب سے بڑے حسین الاکبر تھے وہ اور ان کے چھوٹے بھائی محمد دونوں اپنے والدین کے ساتھ کربلا میں تھے۔ یہ جناب محمدؒ (الباقر) علمی ذوق رکھتے تھے، سیاسیات سے کوئی تعلق نہ تھا اور نہ وہ اپنے حقیقی بھائیوں سے یا چچازاد بھائیوں سے یا ہاشمی خاندان کے دوسرے افراد سے علم و عمل میں کوئی برتری و فضیلت رکھتے تھے۔ امامیہ کے اس دعوے کی تردید میں کہ ان کے امام کے پاس شریعت کا کل علم ہوتا ہے۔ علامہ ابن حزمؒ نے اپنی کتاب الملل و النحل میں جو استدلال کیا ہے اسے اس موقع پر نقل کرنا نامناسب نہ ہوگا، وہ فرماتے ہیں:-

"اسی طرح یہ لوگ (یعنی امامیہ) علی بن الحسینؓ کی علم و عمل میں کوئی برتری و فضیلت سعید بن المسیبؒ، قاسم بن محمد (بن ابی بکرؓ) سالم بن عبد اللہ بن عمرؓ، عروہ بن الزبیرؓ ابوبکر بن عبد الرحمٰن بن الحارث بن ہشام اور ان کے (علی بن الحسین کے) چچازاد بھائی حسن بن حسنؓ پر نہیں پائیں گے، یہ لوگ علم و تقویٰ میں محمد بن علی بن الحسینؓ کی برتری

و فضیلت عبد الرحمٰن بن قاسم بن محمد (بن ابی بکرؓ) پر اور نہ محمد بن عمرو بن ابی بکر بن المنکدر پر یا ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوفؓ پر یا ان کے بھائی زید بن علی بن الحسینؓ پر یا عبد اللہ بن حسن بن حسنؓ پر نہیں پائیں گے۔ اسی طرح یہ لوگ جعفر بن محمدؒ (بن علی بن الحسین) کی کوئی برتری و فضیلت علم میں، دین میں، عمل میں محمد بن مسلم الزہریؒ پر، ابن ابی ذئب پر، عبد اللہ بن عبد العزیز بن عبد اللہ بن عمرؓ پر، عبید اللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمرؓ پر اور خود اپنے دونوں چچازاد بھائی محمد بن عبد اللہ بن حسن بن حسنؓ اور علی بن حسن بن حسنؓ پر نہ پائیں گے بلکہ جن لوگوں کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ علم و زہد میں ان سے برتر تھے اور یہ سب کے سب فقہ و حدیث میں بہت بلند مرتبہ رکھتے تھے جس کا کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ ابن عباسؓ نے اپنی فقہ بیس کتابوں میں جمع کی ہے اور اگر تلاش کی جائے تو ان کی حدیث بھی قریب قریب اسی حد تک پہنچے گی۔ حالانکہ حسن و حسینؓ کی فقہ دو ورق تک بھی نہیں پہنچتی اور ان دونوں کی حدیث ایک آدھ ورق تک پہنچتی ہے، یہی حال علی بن الحسینؓ کا بھی ہے۔ محمد بن علی (بن حسینؓ) کی حدیث و فقہ ایک چھوٹے سے جزو تک پہنچتی ہے، اسی طرح جعفر بن محمدؒ کی حالانکہ روافض کا دعویٰ یہ ہے کہ امام کے پاس شریعت کا کل علم ہوتا ہے۔۔۔۔ جعفر بن محمدؒ کے بعد تو ہمیں ان ائمہ کے علم کا بالکل پتہ نہ چلا، نہ حدیث میں نہ فقہ میں باوجودیکہ ان لوگوں کا زمانہ ہمارے زمانے کے قریب ہے اگر ان لوگوں کے پاس اس میں سے کچھ ہوتا تو وہ ضرور مشہور و معروف ہوتا، جیسے محمد بن علیؒ اور ان کے بیٹے جعفرؒ وغیرہ سے جو ان کے ائمہ میں سے ہیں مشہور و معروف ہے" (الملل و النحل ابن حزم)

علمی فضیلت کا اکتساب جناب علی بن الحسینؓ کے صرف ایک ہی صاحبزادے اور ان کے عہد اخلاف تک محدود نہ تھا، کیونکہ پہلی صدی ہجری کا وہ زمانہ ہے جب عرب خصوصاً قریش کے نوجوانوں کے دلوں میں فضائل و کمالات کے اکتساب کا ولولہ و جوش موجزن تھا۔ فضائل کی بھی بہت سی نوعیتیں ہیں، جن میں علم بھی ہے، زہد و تقویٰ بھی، پاک دامنی و عفت بھی، حلم و کرم بھی ہے، صبر و استقامت بھی وہیچنان۔ بنو عبد مناف کی دونوں شاخوں ہاشمی و اموی ہی کے نہیں صدیقی و فاروقی و انصاری و اسدی و زہری اور دوسرے خاندانوں و قبیلوں

کے ہزاروں اشخاص کے حالات کتب و سیر میں محفوظ ہیں، ان سے ثابت ہے کہ فضائل و کمالات میں ایک سے ایک بڑھ کر تھا، عجمیوں نے تو اپنے سیاسی مقاصد سے چند اشخاص کو خصوصاً حضرت حسینؓ کے تقریباً سو اخلاف میں سے آٹھ افراد کو "امام معصوم" قرار دیکر ان کی امامت کا اور اپنے سیاسی مخالفوں خصوصاً بنی امیہ کی بے دینی و ضلالت کا پروپگنڈا اس شدت اور اس عیاری سے کیا کہ بہت سے غیر شیعہ مسلمانوں کے اذہان و قلوب بھی اس سے متاثر ہیں ان کی زبانوں پر بھی غیر شعوری و غیر ارادی طور سے "امام" اور "علیہ السلام" کے الفاظ ان حضرات کے ناموں کے ساتھ ادا ہوتے ہیں، حالانکہ ملت کے تعمیری کاموں میں ان حضرات کا کوئی حصہ نہیں رہا۔ اور نہ انہوں نے کبھی "امام معصوم" ہونے کا دعویٰ کیا اور نہ کوئی شخص اسلامی حکومت میں ایسا دعویٰ کرنے کی جسارت کر سکتا تھا اور اگر کرتا تو بغیر تعزیر کے نہیں بچ سکتا تھا۔ پہلی صدی ہجری اور اس کے تیس برس بعد تک اموی خلفاء اور ان کے عزیزوں نے اسلام کی جو عظیم الشان خدمات انجام دیں وہ ان کے بعد کسی اور خاندان کے افراد نے اس درجہ پر نہیں کیں۔ مغربی پاکستان کے علاقہ سندھ میں جو اس زمانہ میں بلوچستان و سرحدی اضلاع وغیرہ پر مشتمل تھا، دین اسلام کی ترویج امویوں ہی کے زمانہ میں ہوئی اور آج بھی کراچی سے صرف تیس میل کے فاصلہ پر محکمہ آثار قدیمہ کی بدولت اسی عہد کی معمرہ مسجد اور غازیوں کی قبریں برآمد ہوئی ہیں اور ایک عباسی خلیفہ کے کچھ سکے بھی، ابھی شاید یہ بات طے شدہ نہیں کہ آیا یہ مقام دیبل ہے یا کوئی اور مقام، بہر حال یہ ایک نشانی ہے مجاہدین اسلام کے سرفروشانہ تبلیغ دین متین کی۔

ذیل میں امامیہ کے ائمہ کی فہرست اور اس کے ساتھ ان بزرگوں کی فہرست بھی جمع کی جاتی ہے جنہوں نے اسلام کے اہم رکن یعنی اقامت حج کی خدمات انجام دیں اور مختلف سنین میں امیر حج رہے، جس سے اس وقت کے احوال کا قدرے اندازہ ہو سکتا ہے۔ ایک طرف امویوں اور ان کے بعد عباسیوں کے کارنامے تعمیر ملت کے ہیں اور دوسری جانب سبائیوں کے پھیلائے ہوئے عقیدہ موروثی امامت کی کرشمہ سازیاں ہیں جس کو ایک مستشرق۔ محقق ہنری لامن کے الفاظ میں سنئے کیونکہ مسلمانوں کے سیاسی اختلافات کے بارے میں مستشرقین کی تحقیق غیر جانبدار تحقیق ہو سکتی ہے۔ ہمارے سبائیت زدہ ملا صاحبان مستشرقین کی اس بے لاگ تحقیق کے بھی مخالف ہیں جو تاریخی واقعات و حالات کے بارے میں ہو اور مذہب اسلام کے

معتقدات یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے اس تحقیق کا کوئی تعلق نہ ہو۔ محقق لامن نے اپنی کتاب میں جس کا حوالہ پہلے گذر چکا ہے، لکھا ہے کہ:

"اہل تشیع کے اعتدال پسند طبقے میں بھی اہل بیت کی عقیدتمندی کا جو مسلک اختیار کیا گیا ہے اس سے اس احترام کو مزید پہنچا ہے جو اسلام میں اس کے پیغمبر کا ہے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی علی (رضؓ) کے آگے ماند سے ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح علی (رضؓ) بھی حسین (رضؓ) کے سامنے دھندلکے میں پڑ جاتے ہیں۔ کربلا کے مایوس و غمگین ہیرو نے اپنے برادر بزرگ حسن (رضؓ) کو گویا ان کے مقام سے ہٹا کر ان کی جگہ لے لی ہے کیونکہ شیعہ کبھی اس بات کو معاف نہیں کر سکتے کہ معاویہ (رضؓ) کے ساتھ انہوں نے صلح مصالحت کر لی تھی۔ حسین (رضؓ) کے بارے میں یہ باور کیا جاتا ہے کہ اپنی خوشی و مرضی سے انہوں نے اپنی ذات کو اس غرض سے قربان کر دیا کہ بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کریں اور اس طرح گویا باعث نجات ہوں۔ محمد (صلعم) علی (رضؓ) اور حسین (رضؓ) سے ایک شیعہ تثلیث کی بنا ڈالی گئی اول الذکر سے مراد وحی سے لی گئی۔ علی سے تاویل و تفسیر قرآن اور حسین سے شفاعت و کفارہ"

(اسلام۔ معتقدات و آئین مولفہ ہنری لامن صفحہ ۱۴۲)

اللہ تعالیٰ نے ان تحریکات کے وجود میں آنے کی اطلاع جو قرآن حکیم کی فعالیت ختم کرنے کے درپے ہوں اس کی حفاظت کے خدائی وعدہ انا لہ لحافظون کے خلاف اسے مبدل و محرف بتائیں اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں پہلے سے دیدی تھی مگر اس بشارت کے ساتھ کہ بالآخر حق غالب ہو کر رہے گا۔

وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم آیتہ۔	ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول کوئی نبی نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس نے جب اپنے مقاصد بروئے کار لانے چاہے تو شیطان نے اس کے عزائم کی راہ میں رکاوٹیں

ڈالیں پس اللہ تعالیٰ اس چیز کو منسوخ کرتا رہتا ہے جو شیطان نے ڈالیں اور پھر اپنی آیات کو ثبات بخشتا ہے

اہل عالم کی تاریخ میں نزول قرآن سے بڑھ کر کوئی واقعہ نہیں اور دعوت محمدیہ سے عظیم تر کوئی تحریک نہیں اس لئے اس تحریک کے مقابلے میں جو تحریکیں اٹھیں وہ بھی طاقتور ہونی چاہیں۔ اب چونکہ کوئی نبی نے والا نہیں اور قرآن مجید کی صورت میں مسلمانوں کا نبی ہر وقت موجود ہے لہذا تحکیم آیات باللہ

اور تنسیخ ما یلقی الشیطان کا کام نام نہاد مسلمانوں ہی کے ذریعہ جو رشد و ہدایت کے دعویدار ہوتے ہیں پورا ہوتا رہا ہے۔ جو طرح طرح کے بدعات و محدثات کے باعث ہیں۔

صحیح النسب فاطمی جنہیں امام معصوم قرار دے لیا ہے
علی بن ابی طالب اور

نمبر شمار	نام و نسب	سنہ ولادت	سنہ وفات	عمر	سبب موت	امامیہ کے اختراعی القاب	کس کس خلیفہ کی بیعت میں داخل تھے!
۱	علیؓ بن ابی طالب بن عبدالمطلب	۶۰۵ء	۴۰ھ	۵۸ سال	مقتول	اسد اللہ حیدر	ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ
۲	حسن بن علیؓ بن ابی طالب	۳ھ	۴۹ھ	۴۷ سال	بعارضہ ذیابطیس	مجتبیٰ	عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ و معاویہؓ
۳	حسین بن علیؓ بن ابی طالب	۴ھ	محرم ۶۱ھ	۵۶ سال	مقتول	سید الشہداء	ایضاً
۴	علی بن الحسینؒ	۳۷ھ	۹۵ھ	۵۸ سال	طبعی موت	سجاد و زین العابدین	معاویہؓ و یزید و مروانؒ عبدالملک و ولید اموی
۵	محمد بن علی بن الحسینؒ	۵۷ھ	۱۱۷ھ	۶۰ سال	"	الباقر	عبدالملک و ولید و سلیمانؒ
۶	جعفر بن محمد بن علی بن الحسینؒ	۸۰ھ	۱۴۸ھ	۶۸ سال	"	الصادق	عمر بن عبدالعزیز اموی و بقیہ اموی خلفاء و عبداللہ السفاح و ابوجعفر المنصور عباسیؒ
۷	موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسینؒ	۱۲۸ھ	۱۸۳ھ	۵۵ سال	"	الکاظم	المہدی و ہارون الرشید عباسیؒ
۸	علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسینؒ	۱۵۳ھ	۲۰۳ھ	۵۵ سال	"	الرضا	ہارون الرشید و مامون الرشیدؒ
۹	محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفرؒ	۱۹۵ھ	۲۲۰ھ	۲۵ سال	"	الجواد	مامون الرشید و المعتصم باللہ عباسیؒ
۱۰	علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفرؒ	۲۱۲ھ	۲۵۴ھ	۴۲ سال	"	النقی	الواثق باللہ و المتوکل علی اللہ عباسیؒ
۱۱	حسن بن علی بن محمد بن علی بن موسیٰؒ	۲۳۲ھ	۲۶۰ھ	۲۹ سال	"	العسکری	المستعین و المعتز و المعتمد علی اللہ عباسیؒ

آخر الذکر لاولد فوت ہو گئے۔

علامہ ابن حزمؒ لکھتے ہیں:۔

"حسنؒ بغیر کوئی عقب چھوڑے مر گئے تو روافض کے چند فرقے ہو گئے۔ ان کے جمہور اکثر اس پر قائم ہیں کہ حسن بن علی (بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر) کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا مگر انہوں نے اسے پوشیدہ رکھا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ حسنؒ کی وفات کے بعد ان کے یہاں ان کی کنیز سے جس کا نام صقیل تھا ایک لڑکا پیدا ہوا اور یہ بہت مشہور ہے، بعض روافض نے کہا ہے کہ صقیل سے نہیں بلکہ ان کی ایک اور کنیز سے پیدا ہوا جس کا نام سوسن تھا، زیادہ ظاہر یہی ہے کہ اس کا نام صقیل تھا، اس لئے کہ اسی صقیل نے اپنے آقا حسن بن علیؒ کی وفات کے بعد حمل کا دعویٰ کیا تھا، اسی وجہ سے سات برس تک حسنؒ کی میراث کو روکا گیا اس معاملہ میں اس کنیز سے حسنؒ کے بھائی جعفر بن علیؒ نے جھگڑا کیا تھا اور ارباب دولت کی ایک جماعت اس کنیز کی مددگار تھی اور دوسرے لوگ جعفرؒ کے مددگار تھے اس کے بعد وہ حمل پچک گیا اور جھوٹا ہو گیا اور حسنؒ کے بھائی جعفر نے میراث لے لی۔" (الملل والنحل)

اقامت و امارت حج

ماہ رمضان ۸ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں جہاں سے آٹھ سال قبل آپ نے مدینہ کو ہجرت فرمائی تھی دس ہزار پیروان اسلام کی معیت میں تشریف فرما ہوئے حضرت ابوسفیانؓ کے حسن تدبیر سے جو چند یوم پہلے اسلام قبول کر چکے تھے! اسلام کا یہ مرکزی مقام بغیر قتال جدال کے مسلمانوں کے زیر تسلط آ گیا، آپ نے حضرت ابوسفیانؓ کے گھر کو کعبہ کی طرح دارالامان قرار دیا اور ایک اموی نوجوان حضرت عتاب بن اسید بن ابو العیص بن امیہ کو وہاں کا عامل مقرر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی اموی عامل نے چند ماہ بعد اسلام کے اولین حج کی امامت کی اور لوگوں کو حج کرایا۔

دوسرے سال ۹ھ میں حضرت ابوبکر الصدیقؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر حج مقرر کیا، تیسرے سال یعنی ۱۰ھ میں خود جناب رسالت مآبؐ نے حج کیا اور لوگوں کو حج کرایا۔ فتح مکہ کے بعد آپ کا یہ پہلا اور حیات طیبہ کا آخری حج تھا جو اس اعتبار سے کہ آپ نے کعبہ معظمہ کو آخری بار دیکھا اور امت کو وداع کیا حجۃ الوداع کہلاتا ہے، اسے حجۃ البلاغ بھی کہتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبۂ[1] حج میں جسے بجا طور پر انسانیت کا منشور اعظم کہا گیا ہے اپنی امت کو بہت سی نصیحتیں اور وصیتیں کیں۔ حجۃ الاسلام بھی کہتے ہیں اس لئے کہ اسی زمانہ میں یہ آخری آیت (سورۃ المائدہ آیت ۳) نازل ہوئی تھی:۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ (المائدہ ۳)

آج ہم نے مکمل کر دیا تمہارے لئے تمہارا دین اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔

مدینہ واپس تشریف آوری کے تقریباً دو ماہ بعد چند روزہ بیماری سے واصل بحق ہوئے، آپ کی رحلت کے بعد آپ کے خلفاء یا ان کے نائبین امیر حج ہوتے اور لوگوں کو حج کراتے رہے سوائے حضرت علیؓ کے جنہوں نے مدینہ چھوڑ کر کوفہ کو اپنا مستقر بنا لیا تھا اس لئے انہوں نے اپنے ایام میں نہ حج کیا اور نہ لوگوں کو حج کرایا اور نہ ان کے اخلاف میں سے چوتھی صدی ہجری تک کوئی امیر حج ہوا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے یہ بیان کرتے ہوئے کہ اقامت حج تو ضمیمہ خلافت ہے اور خلیفہ اسلام کے خواص میں سے تھا، لکھا ہے کہ:۔

"حضرت مرتضیٰ اقامت حج بذات خود نتوانست نمود بلکہ در بعض سنین نائب ہم نتوانست فرستاد" (ازالۃ الخفاء ص ۱۳۲)

فریضۂ حج کو اسلام میں خاص اہمیت ہے، مناسک حج و اعمال مذہبی کی ادائیگی کے ساتھ مسلمانان عالم کا یہ اجتماع عظیم بین الاقوامی پارلیمان و اسمبلی کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ مسلمانوں کا قائد و امام یعنی خلیفہ وقت پیش آمدہ حالات و واقعات کے اعتبار سے امت محمدیہ کے سیاسی و ملی امور کے بارے میں حاضرین کو خطاب کرتا، ان کے حوائج و ضروریات معلوم کرتا، اپنے خطبہ میں

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطبہ میں منجملہ بہت سی نصیحتوں کے فرمایا تھا کہ الا لا ترجعون بعدی ضلالا یضرب بعضکم رقاب بعض (خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو) یہ بھی ارشاد ہوا تھا کہ سب مسلمان ایک ہی برادری ہیں، نسب و خاندان کے اعتبار سے ایک کو دوسرے پر کوئی تفوق و فضیلت نہیں نہ گورے کو کالے پر نہ عرب کو عجم پر سب انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم کا خمیر مٹی سے تھا۔

ان امور کے بارے میں بھی قوم کو ہدایت کرتا تھا۔ چنانچہ خلفائے ثلاثہ اپنے اپنے زمانوں میں پابندی کے ساتھ امیر حج ہوتے رہے، اسی طرح اموی یا عباسی خلفاء یا ان کے نائبین جیسا ذیل کی فہرست سے واضح ہے جو سنہ ۱۳۲ھ تک مرتب کی گئی جن اموی خلفاء کی بے دینی کا جھوٹا پروپگنڈہ صدیوں سے جاری ہے۔ فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے بھی اندازہ ہو سکتا کہ وہ اس اہم فریضہ مذہبی کی ادائیگی کا کیا کچھ اہتمام کرتے، وسیع مملکت کے انتظامی امور کی مصروفیات کے اور جہادوں اور فتوحات میں بیشتر خود یا اپنے بھائیوں بیٹوں کو بھیجنے کے باوجود ملک شام سے حجاز کا سفر کرتے، علماء و صلحاء کی جماعتیں ساتھ ہوتیں، حاجیوں کے راستوں میں کنوئیں و حوض کھدوانے؛ اماکن مقدسہ یعنی مسجد و روضہ نبوی کی تزئین کعبہ معظمہ کی زیب و زینت کے لئے کثیر دولت صرف کرتے امیر المومنین یزیدؒ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے کعبہ کے خدام مقرر کئے تھے۔ (اخبار مکہ الازرقی ص ۱۶۹) اور یہی وہ پہلے امیر المومنین جنہوں نے کعبہ پر دیبائے خسروانی کا غلاف چڑھایا اور بقول مورخ الازرقی حضرت ابن زبیرؓ نے اس کی تقلید کی۔ امیر معاویہؓ نے دو مرتبہ امیر یزیدؒ نے تین مرتبہ امیر حج کے فرائض ادا کئے۔ امیر المومنین مروانؒ نے اس زمانہ میں جب مکہ و مدینہ کے عامل تھے چھ مرتبہ لوگوں کو حج کرایا تھا ان کے فرزند امیر المومنین عبد الملکؒ سنہ ۶۵ھ میں سریر آرائے خلافت ہوئے۔ پانچ چھ سال کے بعد حجاز کی طوائف الملوکی ختم ہوئی تو سنہ ۷۵ھ میں اور اس کے بعد ایک اور سال انہوں نے حج کیا و حج عبد الملک فی خلافتہ سنتین احدھما سنۃ خمس و سبعین (ص ۲۸ کتاب المسبوک) پھر ان کے فرزند امیر المومنین الولیدؒ سنہ ۸۶ھ میں خلافت پر فائز ہوئے، انہوں نے اپنے والد ماجد کے ایام خلافت میں ایک مرتبہ سنہ ۷۸ھ میں امیر حج کی حیثیت سے حج کیا تھا اور دوسری مرتبہ سنہ ۹۱ھ میں اپنے ایام خلافت میں۔ یوں تو اس اموی خلیفہ نے مملکت اسلامی کے متعدد مقامات پر کنوئیں اور حوض کھدوائے مسجدیں تعمیر کرائیں اور اس کام پر کثیر رقوم صرف کیں خصوصاً جامع دمشق حسن تعمیر کا بہترین نمونہ ہے کروڑوں روپیہ تعمیر پر صرف کیا مگر دمشق و حجاز کے راستے میں مسافروں کے پانی کے انتظامات پر خاص توجہ کی، مسجد نبوی میں حوض بنوایا، اہل مدینہ کو مال و دولت دیکر نہال کر دیا۔

وقسم الولید بالمدینۃ اموالا کثیرۃ وصلی بھا الجمعۃ و خطب الناس خطبہ اولی جالسا ثم

اور الولیدؒ نے مدینہ میں بڑا مال تقسیم کیا اور وہاں نماز جمعہ ادا کی اور خطبہ اولی بیٹھ کر دیا پھر کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا لوگ

قام فخطب الناس قائماً۔ | بیٹھے رہے۔

(صـ۱۳۱ کتاب المسبوک)

اسی طرح ان کے بھائی امیر المومنین سلیمان بن عبدالملکؒ نے جو ۹۶ھ میں خلیفہ ہوئے اگلے سال ۹۷ھ میں حج کیا اور لوگوں کو حج کرایا۔ امیر المومنین الولیدؒ کے تین بیٹے عبد العزیز وعباس ولبشر مختلف سنین میں حج کرنے آئے اور لوگوں کو حج کراتے۔ امیر المومنین ہشام بن عبد الملکؒ نے ۱۰۶ھ میں حج کیا اور لوگوں کو حج کرایا۔ ان کے بعد خلفاء کے تابعین جن میں ان کے بیٹے پوتے شامل تھے امیر حج ہوتے رہے۔ ۱۳۲ھ میں اموی خلافت کے خاتمہ کے بعد خلفائے بنی عباسؒ کا بھی یہی عمل رہا۔ امیر المومنین ابو جعفر المنصورؒ نے چھ مرتبہ حج کئے اور امیر حج رہے اور اسی طرح ان کے بیٹے پوتے اپنے وقت میں حج کرتے اور امیر حج ہوئے۔ امیر المومنین ہارون الرشیدؒ نے اپنے ایام خلافت میں آٹھ مرتبہ حج کئے اور اسی امامت میں حج کرائے، مگر وضعی روایتوں میں ان خلفاء کو جو اکثر وبیشتر فضائل علمیہ سے بہرہ وافر رکھتے تھے نیک خصلت اور اعمال مذہبی کے پابند تھے، محض سیاسی اختلاف کی بناء پر طرح طرح مطعون کیا گیا ہے۔

امراء حج

۸ھ لغایت ۱۳۱ھ

سنہ	عہد	نام نسب	
۸ھ	عہد رسالت	عتاب بن اسید بن ابی العیص اموی	بہ نیابت رسالتمآب
۹ھ	〃	ابوبکر الصدیقؓ تیمی	بہ نیابت 〃
۱۰ھ	〃	حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	
۱۱ھ	خلافت صدیقی	عمر بن الخطاب فاروق اعظمؓ عدوی	بہ نیابت امیر المومنین ابوبکر الصدیقؓ
۱۲ھ	〃	ابوبکر الصدیقؓ تیمی	
۱۳ھ	فاروقی	عبد الرحمن بن عوفؓ الزہری	〃

سنہ	عہد	نام نسب	
۱۴ھ لغایت ۲۳ھ	فاروقی	عمر بن الخطاب فاروق اعظمؓ عدوی (دس سال متواتر)	
۲۴ھ	خلافت عثمانی	عبد الرحمن بن عوفؓ الزہری	بہ نیابت امیر المومنین
۲۵ھ لغایت ۳۴ھ	〃	عثمان بن عفانؓ اموی (گیارہ سال متواتر)	
۳۵ھ	〃	عبد اللہ بن عباسؓ ہاشمی	بہ نیابت امیر المومنین
۳۶ھ و ۳۷ھ	خلافت علوی	〃	〃
۳۸ھ	〃	قثم بن عباسؓ ہاشمی	〃
۳۹ھ	—	شیبہ بن عثمان الحجبیؓ	—
۴۰ھ	—	مغیرہ بن شعبہؓ ثقفی	—
۴۱ھ	خلافت امیر معاویہؓ	عتبہ بن ابو سفیانؓ اموی	بہ نیابت امیر المومنین
۴۲ھ	〃 〃 〃	مروان بن الحکمؓ اموی	〃 〃 〃
۴۳ھ	〃 〃 〃	〃 〃 〃	〃 〃 〃
۴۴ھ	〃 〃 〃	امیر المومنین معاویہؓ اموی	
۴۵ھ	〃 〃 〃	مروان بن الحکمؓ اموی	〃 〃 〃
۴۶ھ	〃 〃 〃	عتبہ بن ابو سفیانؓ اموی	〃 〃 〃
۴۷ھ	〃 〃 〃	〃 〃 〃	〃 〃 〃
۴۸ھ	〃 〃 〃	مروان بن الحکمؓ اموی	〃 〃 〃
۴۹ھ	〃 〃 〃	سعید بن العاص اموی	〃 〃 〃
۵۰ھ	〃 〃 〃	امیر یزید بن امیر معاویہؓ اموی	〃 〃 〃
۵۱ھ	〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃	〃 〃 〃
۵۲ھ	〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃	〃 〃 〃

سنہ	عہد	نام نسب	
سنہ ۵۳ھ	خلافت امیر معاویہؓ	سعید بن العاص اموی	بہ نیابت امیر المومنین
سنہ ۵۴ھ	"	مروان بن الحکم اموی	"
سنہ ۵۵ھ	"	"	"
سنہ ۵۶ھ	"	الولید بن عتبہ بن ابوسفیانؓ اموی	"
سنہ ۵۷ھ	"	"	"
سنہ ۵۸ھ	"	"	"
سنہ ۵۹ھ	"	عثمان بن محمد بن ابوسفیانؓ اموی	"
سنہ ۶۰ھ	امیر یزید اموی	عمرو بن سعید بن العاص اموی	"
سنہ ۶۱ھ	"	الولید بن عتبہ بن ابوسفیانؓ اموی	"
سنہ ۶۲ھ	"	"	"
سنہ ۶۳ھ	"	"	"
سنہ ۶۴ھ لغایت سنہ ۷۱ھ		عبداللہ بن زبیرؓ اسدی	
سنہ ۷۲ھ	خلافت امیر المومنین عبدالملکؒ اموی	امیر حجاج بن یوسف ثقفی	
سنہ ۷۳ھ	"	"	
سنہ ۷۴ھ	"	"	امیر المومنین عبدالملکؒ نے عمرہ کیا
سنہ ۷۵ھ	"	امیر المومنین عبدالملکؒ اموی	
سنہ ۷۶ھ	"	ابان بن عثمان ذی النورین اموی	بہ نیابت امیر المومنین
سنہ ۷۷ھ	"	"	"
سنہ ۷۸ھ	"	"	"
سنہ ۷۹ھ	"	"	"
سنہ ۸۰ھ	"	سلیمان بن امیر المومنین عبدالملکؒ اموی	"

سنہ	عہد	نام نسب	
سنہ ۸۱ھ	خلافت امیر المومنین عبدالملکؒ اموی	اسحٰق بن عیسٰی	بہ نیابت امیر المومنین
سنہ ۸۲ھ	"	ابان بن عثمان ذی النورین اموی	"
سنہ ۸۳ھ	"	"	"
سنہ ۸۴ھ	"	ہشام بن اسمٰعیل مخزومی	"
سنہ ۸۵ھ	"	"	"
سنہ ۸۶ھ	خلافت الولید اموی	"	"
سنہ ۸۷ھ	"	عمر بن عبد العزیز اموی	"
سنہ ۸۸ھ	"	"	"
سنہ ۸۹ھ	"	"	"
سنہ ۹۰ھ	"	"	"
سنہ ۹۱ھ	"	امیر المومنین الولید بن عبدالملک اموی	
سنہ ۹۲ھ	"	عمر بن عبد العزیز اموی	"
سنہ ۹۳ھ	"	عبدالعزیز بن امیر المومنین الولید اموی	"
سنہ ۹۴ھ	"	عباس بن امیر المومنین الولید اموی	"
سنہ ۹۵ھ	"	البشیر بن "	"
سنہ ۹۶ھ	خلافت امیر المومنین سلیمان اموی	ابوبکر محمد بن عمرو بن حزم انصاری	"
سنہ ۹۷ھ	"	امیر المومنین سلیمان بن عبدالملک اموی	
سنہ ۹۸ھ	"	ابوبکر محمد بن عمرو بن حزم انصاری	"
سنہ ۹۹ھ	خلافت امیر المومنین عمرؒ اموی	"	"
سنہ ۱۰۰ھ	"	"	"
سنہ ۱۰۱ھ	خلافت امیر المومنین	عبدالرحمٰن بن ضحاک بن قیس	
سنہ ۱۰۳ھ	یزید بن عبدالملک اموی	الفہری	"

سنہ	عہد	نام ونسب	
سنہ ۱۰۴ھ	خلافت امیر المومنین یزید بن عبدالملک اموی	عبدالواحد بن عبداللہ النضری	بہ نیابت امیر المومنین
سنہ ۱۰۵ھ	خلافت امیر المومنین ہشام بن عبدالملک اموی	ابراہیم بن ہشام بن عبدالملک اموی	〃 〃 〃
سنہ ۱۰۶ھ	〃 〃 〃	امیر المومنین ہشام بن عبدالملک اموی	〃 〃 〃
سنہ ۱۰۷ لغایت ۱۱۲ھ	〃 〃 〃	ابراہیم بن ہشام مخزومی	〃 〃 〃
سنہ ۱۱۳ھ	〃 〃 〃	سلیمان بن ہشام بن عبدالملک اموی	〃 〃 〃
سنہ ۱۱۴ھ	〃 〃 〃	خالد بن عبدالملک بن مروان اموی	〃 〃 〃
سنہ ۱۱۵ھ	〃 〃 〃	الولید بن عبدالملک بن الحارث اموی	〃 〃 〃
سنہ ۱۱۶ھ	〃 〃 〃	الولید بن یزید بن عبدالملک اموی	〃 〃 〃
سنہ ۱۱۷ھ	〃 〃 〃	محمد بن ہشام بن اسمٰعیل مخزومی	
سنہ ۱۱۸ھ	〃 〃 〃	〃 〃 〃	
سنہ ۱۱۹ھ	〃 〃 〃	ابوشاکر مسلمہ بن امیر المومنین ہشام اموی	〃 〃 〃
سنہ ۱۲۰ھ	〃 〃 〃	〃 〃 سلیمان	〃 〃 〃
سنہ ۱۲۱ لغایت ۱۲۴ھ	〃 〃 〃	محمد بن ہشام بن اسماعیل مخزومی	〃 〃 〃
سنہ ۱۲۵ھ	الولید بن یزید بن عبدالملک	یوسف بن محمد بن یوسف ثقفی	
سنہ ۱۲۶ھ	یزید بن الولید الناقص	عمر بن عبداللہ بن عبدالملک اموی	
سنہ ۱۲۷ھ	ابراہیم بن الولید	عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز اموی	
سنہ ۱۲۸ھ	مروان بن محمد	〃 〃 〃	
سنہ ۱۲۹ھ	〃	عبدالواحد بن سلیمان بن عبدالملک اموی	
سنہ ۱۳۰ھ	〃	محمد بن عبدالملک بن عطیہ ہوازنی	
سنہ ۱۳۱ھ	〃	الولید بن عروہ السعدی	

توضیحات و تنقیدات

تاریخوں کے دن معلوم کرنیکا کلّیہ

"خلافت معاویہؓ ویزیدؒ" میں بعض ان تاریخوں کے دن معلوم کرنے کے لئے جو مورخین برابر غلط لکھتے رہے ہیں ایک کلیہ حساب کا پیش کیا گیا تھا، چونکہ ان تاریخوں کے صحیح دن تقویم سے نکال کر بھی لکھ دئے تھے اس لئے کلیہ کے بیان کرنے میں اختصار برتا گیا تھا۔ شاید اس اختصار بیانی کی وجہ سے بعض حضرات غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے اور بعض کو کج بحثی کا موقع مل گیا اور کچھ لوگ صحت کے طالب ہوئے ان امور کے پیش نظر اس کلّیہ کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے اور بعض ان تاریخوں کے دن بھی کلّیہ کی مدد سے نکال کر بتا دئے گئے ہیں جن کے صحیح دن پہلے سے معلوم ہیں:۔

عیسوی سنہ کی کسی تاریخ کا دن معلوم کرنے کے لئے دو کلیے وضع کئے گئے ہیں ایک کلیہ ان سنین کے لئے ہے جو ١٧٥٢ء سے پہلے کے ہیں دوسرا اس کے بعد کے سنین کے لئے ہے یہ دونوں کلّیے پروفیسر دل محمد مرحوم کی دلس نیو ارتھمیٹک (انگریزی ایڈیشن) میں دئے گئے ہیں۔ اردو ایڈیشن میں صرف دوسرا کلیہ درج ہے، پہلا نہ معلوم کس غلطی سے ترک ہو گیا۔ بعض حضرات جن کو یہ حقیقت معلوم نہیں اردو ایڈیشن میں پہلا کلّیہ نہ پا کر تشویش میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور جو لوگ اپنی مصلحتوں کی بنا پر کتاب کی تردید پر تلے ہیں وہ دوسروں کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے ایک جزء پہلے کلّیہ کا اور ایک دوسرے کلیہ کا لے لیتے ہیں اور کھینچ تان کر غلط کو صحیح ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں۔

اب یہ دونوں کلّیے ملاحظہ ہوں:۔

پہلا کلّیہ جو ١٧٥٢ء سے پہلے کی کسی تاریخ کا دن معلوم کرنے کے لئے کام میں لایا جاتا ہے یہ ہے:۔ س + ل + د (س سے مراد زیر بحث سنہ سے قبل کا سنہ ل سے ان تمام سالوں میں لیپ ایر (لوند) کے سالوں کی تعداد اور د سے یکم جنوری سے اس تاریخ تک کے دنوں کی تعداد ہے جس کا دن معلوم کرنا مقصود ہے)

اس کلّیہ میں ٧ پر تقسیم کرنے کے بعد جو عدد باقی بچتا ہے اس کی مدد سے ہفتہ کا مطلوبہ دن نکالتے ہیں لیکن شمار (شنبہ) سنیچر سے کرتے ہیں۔ چنانچہ س + ل + د کے مجموعہ کو ٧ پر تقسیم کرنیکے

بعد اگر باقی ١ بچتا ہے تو مطلوبہ دن شنبہ (سنیچر) ہے۔
" " ٢ " " یکشنبہ (اتوار) ہے
" " ٣ " " دوشنبہ (پیر) ہے
" " ٤ " " سہ شنبہ (منگل) ہے
" " ٥ " " چہارشنبہ (بدھ) ہے
" " ٦ " " پنجشنبہ (جمعرات) ہے
مجموعہ پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے تو جمعہ ہے

دوسرا کلّیہ جو ١٧٥٢ء کے بعد کی کسی تاریخ کا دن معلوم کرنے کے لئے کام میں لایا جاتا ہے حسب ذیل ہے:۔

س + ل – ص + د
٧

اس کلّیہ میں بھی س، ل اور د سے وہی مراد ہے جو پہلے کلّیہ میں ہے البتہ یہاں ص ایک زائد رقم ہے اور اس سے مراد وہ صدیاں ہیں جو ٤٠٠ پر پوری تقسیم نہیں ہوتیں۔ س، ل اور د کے مجموعہ میں سے ص کو منہا کر کے فرق کو ٧ پر تقسیم کیا جاتا ہے اور جو عدد باقی بچتا ہے اس کی مدد سے ہفتہ کا دن معلوم کیا جاتا ہے لیکن اس کلّیہ میں دنوں کا شمار شنبہ (سنیچر) کے بجائے دوشنبہ (پیر) سے کرتے ہیں۔ دونوں کلّیوں اور شنبہ (سنیچر) اور دوشنبہ (پیر) سے دنوں کے شمار کرنے کے فرق کو واضح کرنے کے لئے سنہ عیسوی کی پوری تاریخ دہرانی ہو گی جو موجب طوالت ہے۔ مختصراً اتنا بتا دینا کافی ہے کہ سنہ عیسوی کی نظر ثانی جولیس سیزر نے کی تھی اسی لئے عیسوی تقویم کو جولین کلینڈر کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا اس ابتدائی شکل میں لوند کے سال (لیپ ایر) وہ تمام سال سمجھے جاتے تھے جو چار پر تقسیم ہو جاتے تھے لیکن اس سے ہر چار صدی کے بعد تین دن کا فرق رونما ہوتا تھا۔ پوپ گریگوری سیزدہم (سنہ ١٥٧٢ء تا سنہ ١٥٨٢ء) نے اس کی اصلاح کی طرف توجہ کی اور کافی غور و خوض کے بعد تصفیہ کیا کہ معمولی سالوں میں تو لوند کے سال کے لئے سنہ کا چار پر پورا پورا تقسیم ہو جانا کافی سمجھا جائے لیکن صدی کے لئے اس اصول کو بدل دیا جائے اور صرف وہ صدیاں (لیپ ایر) لوند کے سال سمجھی جائیں جو ٤٠٠ پر پوری پوری تقسیم ہو سکیں چنانچہ پہلے کلّیہ میں جو جولیس کلینڈر کے مطابق ہے۔ ان صدیوں کو جو ٤٠٠ پر تقسیم نہیں ہوتیں مجموعہ میں سے منہا نہیں کیا گیا، لیکن دوسرے کلیہ میں جو اسی کلینڈر کی اصلاح شدہ شکل یعنی گریگورین کلینڈر کے مطابق ہے ان صدیوں کو منہا کر دیا جاتا ہے اس وقت تک ایسی ١٥ صدیاں گزر چکی

ہیں جو گریگورین کلینڈر کے مطابق لیپ کے سال نہیں ہیں لہٰذا دوسرے کلیہ میں ص کی قیمت ۱۵ درج کردی جاتی ہے ۱۷۵۲ء تک جب سے دوسرا کلیہ رائج ہوا ایسی صدیوں کی تعداد ۱۳ ہو چکی تھی گویا اس وقت ص کی قیمت ۱۳ درج کرنی پڑتی تھی۔ دوسرے کلیہ کے مطابق ل اور د کے مجموعہ میں سے ۱۳ گھٹانے کے بعد ضروری ہوا کہ شمار کے لئے معیاری دن کو بھی ۱۳ دن پیچھے کی طرف ہٹا دیا جائے اس تصحیح کے پیش نظر دوسرے کلیہ میں شمار کے لئے شنبہ (سینچر) کے بجائے پیر (دوشنبہ) کا دن مقرر کر دیا گیا۔

جولین اور گریگورین کلینڈر اور دونوں کلیوں کے اس فرق کو مجملاً بیان کرنے کے بعد اب چند مثالوں کو (جن میں ۱۷۵۲ء سے پہلے کی تاریخیں لی گئی ہیں) حل کر کے پہلے کلیہ کی مزید وضاحت اور تصدیق کی جاتی ہے پہلی مثال پروفیسر ولی محمد مرحوم کی "دلس نیو ارتھمیٹک" سے لی گئی ہے دوسری تاریخ ابن خلدون سے تیسری اور چوتھی سفرنامہ ابن جبیر سے اور پانچویں اور چھٹی فوائد الفواد (ملفوظات حضرت نظام الدین اولیاء دہلویؒ) سے

مثال ۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت ۲۰ اپریل ۵۷۱ء اور یوم ولادت متفقہ طور پر پیر ہے۔

کلیہ کی مدد سے ہم ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کا دن حسب ذیل طریقہ سے معلوم کرتے ہیں :-

چونکہ یہ تاریخ ۱۷۵۲ء سے پہلے کی ہے اس لئے پہلا کلیہ کام میں لایا جائے گا۔

اس مثال میں س = ۵۷۰ د (= دن) جنوری ۳۱

ل = ۱۴۲ فروری ۲۸

د = ۱۱۰ مارچ ۳۱

مجموعہ ۸۲۲ اپریل ۲۰

مجموعہ = ۱۱۰ دن

گویا س + ل + د = ۸۲۲

∴ (س + ل + د) / ۷ = ۸۲۲ / ۷

۸۲۲ ÷ ۷ = ۱۱۷
۷
۱۲
۷
۵۲
۴۹
باقی ۳

مجموعہ کو ۷ پر تقسیم کرنے سے ۳ باقی بچتا ہے۔

اور سینچر سے دنوں کے شمار کرنے کے کلیہ کے تحت ہم نے جو جدول دیا ہے اس کے مطابق پیر کا دن آتا ہے

مثال ۲۔ ابن خلدون نے حضرت عمرؓ کی شہادت کی تاریخ ۲۷ ذی الحجہ ۲۳ھ اور دن بدھ لکھا ہے، قطع نظر اس سے کہ حضرت عمرؓ کی شہادت کی تاریخ میں اختلاف ہے ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ ۲۷ ذی الحجہ ۲۳ھ کو واقعی بدھ کا دن تھا یا نہیں۔

عیسوی سنہ کے مطابق ۲۷ ذی الحجہ ۲۳ھ، ۴ نومبر ۶۴۴ء کو پڑتی ہے۔

پہلے کلیہ کو کام میں لائیں تو س = ۶۴۳ جنوری ۳۱

ل = ۱۶۰ فروری ۲۸

د = ۳۰۸ مارچ ۳۱

مجموعہ = ۱۱۱۱ ÷ ۷ اپریل ۳۰

باقی ۵ — ۱۵۸ مئی ۳۱

مجموعہ کو ۷ پر تقسیم کرنے سے ۵ باقی بچتا ہے۔ جون ۳۰

دنوں کا شمار سینچر سے کیا جائے تو بدھ کا دن آتا ہے۔ جولائی ۳۱

اگست ۳۱

ستمبر ۳۰

اکتوبر ۳۱

نومبر ۴

۳۰۸ دن

مثال ۳۔ محمد ابن جبیر اندلسی اپنی غرناطہ سے روانگی کی تاریخ ۸ شوال ۵۷۸ھ اور دن جمعرات بتاتا ہے۔

عیسوی سنہ کے مطابق یہ تاریخ ۳ فروری ۱۱۸۳ء کو ہوتی ہے۔

کلیہ میں دئے ہوئے نشانات میں س = ۱۱۸۲

ل = ۲۹۵ جنوری ۳۱

د = ۳۴ فروری ۳

مجموعہ = ۱۵۱۱ ÷ ۷ ۳۴ دن

باقی ۶ — ۲۱۵

مجموعہ کو سات پر تقسیم کیا جائے تو ۶ باقی بچتا ہے۔

سنیچر سے دنوں کا شمار کیا جائے تو مطلوبہ دن جمعرات آتا ہے۔

علامہ ابن جبیر نے بھی یہی دن بتایا ہے۔

مثال ۴۔ ۵ جمادی الاخر ۵۸۰ھ کو ابن جبیر نے جمعرات کا دن لکھا ہے۔

۵ جمادی الآخر ۵۸۰ھ ۱۳ ستمبر ۱۱۸۴ء کے مطابق ہے۔ اب پہلے کلیہ کو کام میں لائیں تو اس مثال میں:

س =	۱۱۸۳
ل =	۲۹۵
د =	۲۵۷
مجموعہ =	۱۷۳۵ ÷ ۷
باقی ۶ —	۲۴۷

جنوری	۳۱
فروری*	۲۹
مارچ	۳۱
اپریل	۳۰
مئی	۳۱
جون	۳۰
جولائی	۳۱
اگست	۳۱
ستمبر	۱۳
	۲۵۷ دن

مثال ۳ کی طرح یہاں بھی ۶ باقی بچتا ہے اس لئے مطلوبہ دن جمعرات ہے۔

مثال ۵۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید حضرت امیر حسن سنجری اپنے مرشد کے ملفوظات فوائد الفواد میں یہ طاعت یہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اتوار کے روز تیسری ماہ محرم ۷۰۸ھ کو قدمبوسی کا شرف حاصل ہوا"۔

عیسوی تقویم سے مطابقت کرنے پر ۳ محرم ۷۰۸ھ ۲۳ جون ۱۳۰۸ء کو واقع ہوتی ہے۔

اب کلیہ کے مطابق

س =	۱۳۰۷
ل =	۳۲۶
د =	۱۷۵
مجموعہ =	۱۸۰۸ ÷ ۷
باقی ۲ —	۲۵۸

جنوری	۳۱
فروری	۲۹
مارچ	۳۱
اپریل	۳۰
مئی	۳۱
جون	۲۳
	۱۷۵ دن

---

* ۱۱۸۴ء جس کے یکم جنوری سے ۱۳ ستمبر تک کے دنوں کا مجموعہ معلوم کیا گیا لیپ کا سال ہے اس لئے فروری ۲۹ دن کا شمار کیا گیا ہے۔

۷ پر تقسیم کرنے سے ۲ باقی بچتا ہے۔

دنوں کا شمار سنیچر سے کرنے پر یکشنبہ یعنی اتوار آتا ہے۔

مثال ۶۔ مختلف گفتگوؤں کے ذیلی عنوان کے تحت خواجہ امیر حسن سنجریؒ لکھتے ہیں، جمعرات کے روز بارھویں ماہ شعبان ۷۱۷ھ کو آٹھ ماہ بعد قدمبوسی کی دولت نصیب ہوتی۔

عیسوی سنہ کے مطابق ۱۲ شعبان ۷۱۷ھ، ۲۰ اکتوبر ۱۳۱۷ء کے مساوی ہے۔

کلیہ کی رو سے

س =	۱۳۱۶
ل =	۳۲۹
د =	۲۹۳
مجموعہ =	۱۹۳۸ ÷ ۷
باقی ۶ —	۲۷۶

جنوری	۳۱
فروری	۲۸
مارچ	۳۱
اپریل	۳۰
مئی	۳۱
جون	۳۰
جولائی	۳۱
اگست	۳۱
ستمبر	۳۰
اکتوبر	۲۰
	۲۹۳ دن

سنیچر سے شمار کرکے جمعرات کا دن آتا ہے۔

اختصار کے خیال سے محض ۶ مثالوں پر اکتفا کی گئی ہے ورنہ سفرنامہ ابن جبیر اور فوائد الفواد میں دی ہوئی تقریباً تمام تاریخوں کے دن اسی کلیہ سے نکال کر تصدیق کرلی گئی ہے شاذ و نادر کہیں فرق پڑتا ہے تو رویت ہلال کے اختلاف کے سبب ہجری اور عیسوی تاریخوں میں صحیح مطابقت نہ ہونے کی وجہ محض ایک دن کا لیکن وہ بھی اگلے مہینہ میں ختم ہوجاتا ہے۔

قارئین چاہیں تو وہ بھی اپنے اطمینان کے لئے محولہ بالا کتابوں میں دی ہوئی تمام تاریخوں کے دن نکال کر دیکھ لیں یہ حقیقت آشکارہ ہو جائیگی کہ تاریخوں کے دن معلوم کرنے کا یہ کلیہ کس قدر صحیح اور کارآمد کلیہ ہے۔

شیعوں کے امام جعفر (الصادقؒ) اور شیعہ مورخ کی تصدیق

" یوم عاشورہ سے عیسوی تاریخ کی مطابقت " کے جلی عنوان سے " مجاہد اعظم " کے شیعہ مولف نے اپنی کتاب کے پانچ صفحات پر سنہ ہجری سے سنہ عیسوی کی مطابقت کے لئے ماہرین علم ریاضی کے قاعدے تفصیل کے ساتھ بیان کرنے اور جولین کلینڈر اور پوپ گریگوری سیزدہم کی تصحیح کے تذکرہ کرنے کے بعد یہ تسلیم کیا ہے کہ :-

۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کو ۱۰ اکتوبر سنہ ۶۸۰ء سے مطابق ماننا پڑتا ہے، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۳ طبع یازدہم میں بھی اسی تاریخ کو تسلیم کیا گیا ہے (مجاہد اعظم ص ۴۰۲)

۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کا ۱۰ اکتوبر سنہ ۶۸۰ء کے مطابق ہونا جب مولف موصوف کو تسلیم ہے تو انہیں یہ بھی مان لینا چاہئے تھا کہ ۱۰ اکتوبر سنہ ۶۸۰ء کو جمعہ کا دن نہیں بلکہ چہارشنبہ تھا انہوں نے صرف تاریخوں کی مطابقت بیان کردی۔ عاشورہ کا دن چونکہ حساب کی رو سے جمعہ نہیں بلکہ بدھ آتا ہے اسے ظاہر کرنا مناسب نہ جانا لیکن مولف ناسخ التواریخ نے اپنے چھٹے امام جناب جعفر بن محمد بن علی بن الحسینؓ کی جو روایت " صوم عاشورہ " کے سلسلہ میں درج کی ہے اس میں عاشورہ کا دن صراحتاً یوم الاربعہ یعنی بدھ (چہارشنبہ) بیان کیا ہے اور یہی دن جدول مندرجہ کتاب " خلافت معاویہ ویزیدؓ " میں درج ہے جو ۱۰ اکتوبر سنہ ۶۸۰ء مطابق ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کو تھا۔ جناب جعفر (الصادقؒ) کی روایت یہ بیان کی گئی ہے :-

ان اللہ عزوجل لما خلق النور خلقہ یوم الجمعۃ فی تقدیرہ فی اول یوم من شھر رمضان وخلق الظلمۃ فی یوم الاربعا یوم عاشورا فی مثل ذالک الیوم یعنی العاشر من شھر المحرم فی تقدیرہ۔	اللہ تعالے نے اپنی قدرت سے جب نور کو جمعہ کے دن پیدا کیا کہ وہ دن ماہ رمضان کا پہلا دن تھا اور اسی طرح ظلمت کو چہارشنبہ (بدھ) عاشورہ کے دن پیدا کیا یعنی ماہ محرم کی دسویں تاریخ کو۔

" خلافت معاویہ ویزید " کی جدول میں دسویں محرم کا یہی بدھ کا دن درج ہے جو شیعہ امام کی اس روایت میں صراحتاً بیان ہوا ہے۔

— (✻) —

نوائے حق

(منقول از ماہنامہ تجلی دیوبند شمارہ ماہ جولائی ۱۹۶۰ء)

(۱)

(از محمود احمد عباسی)

عباسی صاحب کی کتاب کو تحریف و بد دیانتی کا شاہکار ثابت کرنے کے لئے جناب عزیز احمد قاسمی کا ایک مضمون " خلافت معاویہ ویزید پر ایک طائرانہ نظر " کے عنوان سے شائع ہوا تھا جسے بعض اور رسائل نے بھی نقل کیا۔ ایک ایسا ہی رسالہ ہم نے عباسی صاحب کی خدمت میں ارسال کر دیا تھا کہ وہ اس کا مناسب جواب عطا فرمائیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جواب ہم بھی دے سکتے تھے کیونکہ قاسمی صاحب نے اپنی دانست میں جس عمل تحقیق کو تحریف وغیرہ کا نام دیا تھا وہ کسی عنوان بھی واقعۃً تحریف میں نہ آتا تھا، لیکن صاحب کتاب بفضلہ زندہ ہوں تو جواب کی ذمہ داری ہم کیوں اٹھائیں اتفاق دیکھئے عباسی صاحب ان دنوں اپنے مستقر پر موجود نہیں تھے۔ کافی دنوں بعد سفر سے لوٹے تو ہمارا ارسال کردہ رسالہ ملاحظہ فرما کر ذیل کا مضمون ارسال کیا اور تجلی کی تنگ دامنی کا لحاظ کرتے ہوئے اسے دو قسطوں میں تقسیم کر دیا۔ دیر تو پہلے ہی ہو چکی تھی، مزید تاخیر قانونی مشورہ کے باعث پیدا ہوئی۔ پایان کار ہدیۂ ناظرین کیا ہی جا رہا ہے۔ (تجلی)

جناب عزیز احمد قاسمی صاحب رقمطراز ہیں :-

کتاب " خلافت معاویہ ویزید " کے مصنف جناب محمود احمد عباسی صاحب نے حوالہ جات میں بیجا تصرف اور تلبیس کرکے صحافی دیانت کو مجروح فرمایا ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ مصنف نے پہلے ایک نظریہ قائم کر لیا کہ نعوذ باللہ حضرت حسینؓ نے خروج کیا اور یزید نہایت متقی و پرہیزگار تھا۔ پھر اس

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نظریہ کے ماتحت کتابوں کا مطالعہ شروع کیا اور کتابوں میں جہاں کہیں یزید کی تعریف میں کوئی جملہ نظر آیا اسے لے لیا اور اسی عبارت میں جو جملہ یزید یا عمرو بن سعد (؟) کے نقائص میں ہے ان کو حذف کر دیا۔ نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں:۔

"جناب محمود عباسی صاحب نے جہاں جہاں عمداً و دانستہ حوالہ جات اصل ان کے تراجم میں تصرف کیا ہے۔ ان میں سے چند بطور نمونہ پیش کئے جا رہے ہیں، اس سے موصوف کی ریسرچ کا اندازہ ہوگا"۔ پھر آگے چل کر علامہ ابن کثیرؒ کی کتاب "البدایہ والنہایہ" کی عبارتیں نقل کر کے ارشاد فرماتے ہیں: "غور کیجئے عباسی صاحب نے عبارت میں قطع و برید کر کے کس طرح دھوکا دیا ہے"۔ اس کے ساتھ لکھتے ہیں کہ "روز روشن میں لوگوں کی آنکھوں میں خاک جھونک دی اور ڈھنڈورا یہ پیٹا جاتا ہے کہ حقیقت پر جو پردے پڑے ہوئے تھے انہیں ریسرچ نے چاک کر دیا"۔

ان کا پورا مضمون پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دل و دماغ میں بیٹھی ہوئی "دیزید دشمنی" کے تحت انہوں نے صاف و سادہ عبارتوں کو توڑنے مروڑنے کا فن خوب خوب آزمایا ہے۔ مقصد احقاق حق نہیں الزام تراشی ہے[1]۔

حوالہ جات میں بے جا تصرف اور تلبیس" اور البدایۃ والنہایۃ کی عبارت میں قطع و برید کر کے دھوکہ

(حاشیہ بسلسلہ صفحہ گزشتہ)

[1] ہم بار بار کہہ چکے ہیں مسلسل شیعی پروپیگنڈے نے اہل سنت کے دل و دماغ میں بھی تشیع اور رفض کا زہر اس طرح اتار دیا ہے کہ بے شمار مواقع پر اچھے خاصے سنیوں کے ذہن میں شیعوں کی زبان حرکت کرتی نظر آتی ہے۔ یہی دیکھئے کہ مولانا محمد قاسمؒ، شاہ عبدالعزیزؒ، ملا علی قاری، ابن تیمیہ، امام غزالی اور متعدد دیگر اساطین امت کے علاوہ رسول اللہؐ کے متعدد عالی مرتبہ صحابی مثلاً حضرت ابو سعید الخدری، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابو واقد اللیثی اور بعض اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تو بلا تکلف، برملا اور صاف اقدام حسینؓ کو "خروج" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن آج ہمارے قاسمی دوست اور ان جیسے بے شمار سنی حضرات اس لفظ کے ساتھ "نعوذ باللہ" لگاتے ہیں اور اسے من گھڑت نظریہ قرار دیتے ہیں۔ یہ فساد قلب و نظر نہیں تو اور کیا ہے۔

[2] "طائرانہ نظروں" سے احقاق حق وہ بھی نہیں کرتا۔ جو شخص اُڑتے اُڑتے سمندر کی تہہ میں پڑے ہوئے موتیوں اور گھونگوں کا اربعہ ستہ بیان کرنا چاہے، اسے محقق کی بجائے ستم ظریف کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔

(تجلی)

دینے کا جو الزام عائد کیا ہے اور "صحافتی دیانت کے مجروح کرنے" کا جو اتہام لگایا ہے پہلے اس کی حقیقت ملاحظہ ہو:۔

"خلافت معاویہؓ و یزیدؒ" کا کوئی نسخہ موجود ہو تو اس کا صفحہ ۲۰ کھول کر "کردار خلیفہ یزید" کی ذیلی سرخی کے تحت اول یہ فقرہ پڑھ لیجئے:۔

"ہم عصر حضرات کو جن میں کثیر تعداد صحابۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ اور تابعین کرام کی شامل تھی، امیر یزیدؒ کی سیرت اور کردار میں کوئی خامی ایسی نظر نہ آتی تھی جس کی بناء پر عقد بیعت خلافت نا جائز ٹھیرے یا بعد بیعت ان کے خلاف خروج و بغاوت کا جواز نکالا جاسکے"۔

سب سے پہلے تو امیر یزیدؒ کے صالح و نیکوکار، پابند نماز ہوتے، نیک کاموں میں سرگرم اور سنت کا اتباع کرنے کے بارے میں دو بزرگوں کے اقوال پیش کئے گئے تھے۔ یہ دونوں بزرگ حضرت حسینؓ کے عزیز قریب ہیں ایک صحابی وابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے بڑے عالم (حبر الامت) و ترجمان القرآن یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں اور دوسرے تابعی و برادر حسینؓ یعنی حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) ہیں، جو واسع العلم و متقی و شجیع تھے اپنے دونوں بھائیوں حسنؓ و حسینؓ سے علم میں بلند تھے۔ خود فرماتے ہیں الحسن والحسین افضل منی وانا اعلم منہما (ص ۱۵۲ ج الاعلام قاموس التراجم خیر الدین الزرکلی) یعنی حسنؓ و حسینؓ مجھ سے افضل ہیں (حضرت فاطمہؓ بنت رسول اللہؐ کی فرزندیت کی بناء پر) لیکن میں ان دونوں سے علم میں بڑھ کر ہوں) ان دونوں بزرگوں نے امیر یزیدؒ کی بیعت خلافت بطیب خاطر و بلا تامل کی تھی اور اس پر اس درجہ مستقیم رہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی دھمکیوں کے باوجود بیعت فسخ نہیں کی اور حضرت حسینؓ کو خروج سے باز رکھنے کی طرح طرح کوششیں کیں، نہ خود ان کا ساتھ دیا اور نہ اپنے بیٹوں میں سے کسی کو ان کے خروج میں ساتھ دینے کو بھیجا، حالانکہ حضرت حسینؓ نے اس بارے میں اصرار بھی کیا تھا۔

دو بلند پایہ مورخین بلاذری[1] اور ابن کثیرؒ کی کتابوں یعنی انساب الاشراف اور البدایہ والنہایہ سے

---

[1] بلاذری اور ابن کثیر بلند پایہ مورخ ہیں۔ ان کی عظمت کا انکار روز روشن میں سورج کا انکار ہوگا لیکن یہ حقیقت بھی نہ فراموش کرنی چاہئے کہ تحقیق و تنقیح کی بجائے ان حضرات پر روایت دوستی کا جذبہ زیادہ طاری رہا ہے۔ ان کی تاریخوں میں صریح متضاد روایات اور بعض واضح البطلان کہانیوں کا پایا جانا ثبوت ہے اس بات کا کہ ان کی خداداد صلاحیتیں اور علمی ترکتازیاں تاریخی حقائق کی چھان پھٹک کے عوض اسی کوشش میں صرف ہوئیں کہ زیادہ سے زیادہ روایات محفوظ کر دیں۔ بے شک دیگر مورخین کے مقابلہ میں ان کا معیار قدرے بلند ہے لیکن ایسا بھی (بقیہ نوٹ اگلے صفحہ پر)

یہ روایتیں اخذ کی گئی ہیں۔ بلاذری نے اپنے استاد المدائنی متوفی ۲۲۵ھ کی سند سے روایت درج کی ہے المدائنی بڑے ثقہ و معتبر مورخ ہیں۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ (اردو) میں ان کی تصانیف کے بارے میں یہ فقرہ ملتا ہے :۔

یہ اس کی تصانیف کو معتبر و مستند ہونے کی حیثیت سے ایسی شہرت حاصل ہوئی کہ وہ بعد کے زمانہ کی تالیفوں کے لئے اہم ترین کتب ماخذ متصور ہونے لگیں اور موجودہ تحقیق و تدقیق (ریسرچ) نے بھی انہیں عام طور سے صحیح پایا۔" (ص۹۵۳)۔ المدائنی کی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ امیرالمومنین سیدنا معاویہؓ کی خبر وفات سنکر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تھا :۔

"یا الٰہی معاویہ پر اپنی رحمت وسیع کیجیو، قسم بخدا وہ ان حضرات کی مثل تو نہ تھے جو ان سے پہلے گزر گئے مگر ان کے بعد ان جیسا بھی کوئی آنے والا نہیں ؛"

یہ کہہ کر حاضرین کو مخاطب کیا اور فرمایا :۔

وان ابنه يزيد لمن صالحى اهله فالزموا مجالسكم واعطوا طاعتكم وبيعتكم۔ (ص۲ج۴ انساب الاشراف)	اور ان کا فرزند یزید اپنے خاندان کے نیکو کاروں میں سے ہے۔ تم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہنا اطاعت کرنا اور بیعت کرنا۔

المدائنی کی اسی روایت کو الامامة والسیاسة کے مولف نے بھی بہ تغیر الفاظ نقل کرتے ہوئے امیر یزیدؒ کی نیکی کے بارے میں صحابی رسولؐ حضرت ابن عباسؓ کے یہ الفاظ درج کئے ہیں۔

وو اللّٰه ان ابنه لخير اهله	اور قسم بخدا ان کا (معاویہؓ کا) بیٹا اپنے خاندان کا نیک اور اچھا فرد ہے۔

قاسمی صاحب نے کتاب کے صفحات ۱۴۱ و ۱۴۲ پر ان روایتوں کے تفصیلی بیان کو ضرور پڑھا ہوگا پھر صفحہ ۳۴۲

(نوٹ بسلسلہ صفحہ گزشتہ) بھی نہیں کہ آنکھیں بند کرکے ان پر اعتماد کرلیا جائے۔ بلاذری کے استاد المدائنی بے شک کافی ثقہ سمجھے جاتے ہیں۔ مگر ان کے بہت سے مراسیل بے حد قابل نظر ہیں اور جن روایتوں کا انہوں نے پورا سلسلۂ سند بیان کیا ہے ان پر بھی پورا بھروسہ مشکل ہے کہ غیر ثقہ یا مجہول راویوں سے ان کے بعض اسناد خالی نہیں ہیں۔ یہ حاشیہ بظاہر عباسی صاحب کے ارشاد پر اعتراض محسوس ہوگا، لیکن حقیقت میں یہی ان کی متنازع فیہ کتاب کے دفاع میں سب سے کارآمد اور حقیقی ہتھیار ہے۔ اسی کی بنیاد پر ہم ان روایات سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں، جنہیں معترضین بلاذری اور ابن کثیر ہی کی کتابوں سے نقل کرکے شور مچاتے ہیں کہ دیکھئے یہ تو آپ کے موقف اور دعوے کے خلاف ہیں، انہیں نظر انداز کرکے آپ نے بددیانتی کی ہے وغیرہ۔ خود عباسی صاحب نے بھی اس حقیقت کو قدرے مختلف الفاظ میں اپنی کتاب میں بھی اور پیش نظر مضمون

پر یہ الفاظ بھی ملاحظہ فرمائے ہوں گے۔

"یہ تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ مع دیگر اعیان بنی ہاشم سالہا سال تک بلاناغہ دمشق جاتے امیرالمومنین حضرت معاویہؓ کے پاس مہینوں مقیم رہتے۔ اس طرح امیر یزیدؒ کے حالات اور کردار سے بخوبی واقف تھے اور اپنی اسی ذاتی واقفیت سے انہوں نے امیر موصوف کو صالح و نیکو کار بتایا بلا تامل و لطیب خاطر خود بیعت کی اور دوسروں کو بھی اطاعت اور بیعت کی ترغیب دی۔"

کسی شخص کے ہم عصر کا بیان دوسروں کے مقابلے میں زیادہ مستند و قابل ترجیح ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ تو امیر یزیدؒ کے عنفوان شباب ہی سے ان کے حالات سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے اور قسطنطنیہ کے غزوہ میں چار پانچ مہینوں تک شب و روز ساتھ رہے تھے۔ امیر یزیدؒ کی صلاحیتوں اور علمی فضیلت کے معترف تھے جس کا ذکر صفحہ ۳۴۸ پر کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ حضرت حسینؓ کے بھائی حضرت محمد بن علی (الحنفیہ) نے باغیان مدینہ کی جب وہ امیر یزیدؒ کی عیب جوئی کرنے لگے کیسی کچھ خبر لی تھی ان کے مکالمہ کو انساب الاشراف بلاذری سے صفحہ ۴۰۴ پر درج کیا گیا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے بھی صفحہ ۲۳۳ ج ۸ پر اس مکالمہ کو درج کیا ہے[1]۔ یعنی ابن مطیع نے جب امیرالمومنین یزیدؒ کے بارے میں یہ کذب بیانی کی کہ یزید شراب پیتا ہے۔ نماز ترک کردی اور کتاب اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے، تو حضرت محمد ابن الحنفیہؒ نے اور باتوں کے علاوہ فرمایا تھا کہ :۔

وقد حضرته واقمت عنده فرايته مواظبا على الصلواة متحريا للخير يسأل عن الفقة ملازما للسنة۔ (ص۲۳۳ ج۸ البداية والنهاية)	میں تو ان کے (یزید کے) پاس گیا ہوں۔ ان کے پاس مقیم رہا ہوں، میں نے ان کو دیکھا ہے کہ وہ نماز کی پابندی کرتے ہیں، نیک کاموں میں سرگرم رہتے ہیں۔ مسائل فقہ پر گفتگو کرتے ہیں اور سنت نبوی کی پیروی کرنے والے ہیں

اب دیکھئے یہ بیان نہ صرف امیرالمومنین یزیدؒ کے ایک ہم عصر کا ہے بلکہ ایسے بزرگ کا ہے جنہوں نے اپنی آنکھ سے ان کی دینداری کے حالات دیکھے تھے اور اسی بنا پر بدگویوں اور دروغ بافوں کے اتہامات کی تردید کی تھی۔ باغیان مدینہ تو حضرت ابن زبیرؓ کی خلافت قائم کرنے کا پروپگنڈہ ہی کر رہے تھے، انہوں نے تو اپنے حریف کی بدگوئی کرنا ہی اپنے پروپگنڈے کے لئے ضروری سمجھا۔ کتاب کے صفحہ ۴۴ پر قاسمی صاحب نے البدایہ والنہایہ کی یہ عبارت ملاحظہ کی ہوگی، جو فسخ بیعت کے مطالبہ کے جواب میں حضرت ابن الحنفیہؒ کے

[1] یہ پورا مکالمہ گزشتہ تجلی میں بھی نقل ہو چکا ہے۔ (تجلی)

انکار کے بارے میں درج ہے:۔

وقد سئل محمد بن الحنفیۃ فی ذلک فامتنع من ذلک اشد الامتناع وناظرھم وجادلھم فی یزید ورد علیھم ما اتھموا من شرب الخمر وترکہ بعض الصلوات (ص۲۱۲ ج۸ البدایہ والنہایۃ)	اور جب (باغیان مدینہ نے) محمد بن الحنفیہ (برادر حسینؓ) سے یزیدؒ کی بیعت فسخ کرنے کے بارے میں کہا تو انہوں نے بہت سختی سے انکار کیا اور امیر یزید کی موافقت میں ان لوگوں سے بحث و مباحثہ کیا، ان سے لڑے جھگڑے اور جو اتہامات شراب نوشی اور بعض وقت نمازوں کے ترک کرنے کے یہ لوگ ان پر لگاتے تھے ان کی تردید کی۔

عث۲ کے مکالمے میں حضرت ابن الحنفیہؒ نے امیر یزیدؒ کے دفاع میں اتہامات کی پرزور تردید کی تھی وہ کتاب کے مطالعہ کرنے والے کو فراموش نہ ہوگی، خصوصاً اس وجہ سے کہ جب یہ لوگ حضرت موصوف کی دلیلوں سے عاجز ہو گئے تو رشوت پیش کرنے لگے اور کہنے لگے کہ:۔

"اچھا ہم تمہاری بیعت کرتے ہیں اور تمہیں خلیفہ بنانے کو تیار ہیں اگر تم ابن الزبیرؓ کی بیعت کے لئے تیار نہیں ہو"

لیکن حضرت موصوف نے یہ پیش کش حقارت سے ٹھکرا دی اور امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت پر قائم رہے اور اس میں طرح طرح کی تکالیف برداشت کیں۔

تحقیق و ریسرچ

یہ تمہیدی فقرات طویل تو ہو گئے لیکن جس مقصد سے پیش کر رہا ہوں اس کی وضاحت کے لئے نیز مضمون نگار نے حوالہ جات کے بے جا تصرف و تلبیس، اور ردو عبارتوں میں قطع و برید، کرنے کے بارے میں جو افترا پردازی کی ہے اس کے اظہار شناعت کے لئے ضروری ہے کہ ناظرین کو بتایا جائے کہ امیر یزیدؒ کی ... کردار کے بارے میں تحقیق و تدقیق (ریسرچ) کا کتاب "خلافت معاویہؓ و یزیدؒ" میں جو پلان و طریق کار اختیار کیا گیا وہ یہ ہے:۔

۱۔ روایت مستند ماخذ سے لی جائے۔	(بلاذری متوفی ۲۷۹ھ و علامہ ابن کثیر کی کتب تاریخ مستند ماخذ ہیں)
۲۔ روایت بیان کرنے والا ثقہ و معتبر ہو	(علی بن محمد المدائنی نہایت معتبر و ثقہ سمجھے جاتے ہیں)
۳۔ ایسے لوگوں کے اقوال پیش کئے جائیں جنہیں امیر یزیدؒ کے حالات سے ذاتی واقفیت ہو۔	(جیسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت محمد بن علی (الحنفیہؒ) کو ذاتی واقفیت تھی اس لئے ان کے چشم دید حالات بیان کئے گئے۔

قدیم مورخین کی اس خصوصیت کے پیش نظر کہ ایک ہی بات اور ایک ہی واقعہ کے متعلق متضاد روایتیں درج کر دینے میں تامل نہیں کرتے راقم الحروف نے عرض مولف کی ابتداہی میں یہ بھی جتا دیا تھا کہ،

"روایت پرستی کی اس زمانہ میں ایسی وبا پھیلی کہ متاخرین بیشتر اپنے پیش رو مورخین سے نقل در نقل کرنے پر اکتفا کرتے رہے، علامہ ابن کثیرؒ نے تو بعض ایسی روایتوں کو جنہیں وہ صحیح نہ سمجھتے تھے طبری سے نقل کرتے ہوئے یہ کہہ کر اپنی روایت پرستانہ ذہنیت کا معذرتاً اعتراف بھی کیا ہے کہ:۔

ولولا ابن جریر وغیرہ من الحفاظ والائمۃ ذکروہ ما سقتہ۔ (ص۲۰۲ ج۸ البدایہ والنہایۃ)	اور اگر ابن جریر (طبری) وغیرہ جو حفاظ (روایات) اور ائمہ میں سے ہیں ان کو بیان نہ کرتے تو ہم بھی ترک کر دیتے۔

تحقیق و تدقیق کا طریق کار اور ریسرچ کا جو اصول عملاً اختیار کیا گیا یعنی معاصرین کے اقوال اور چشم دید حالات کے بیانات کو جو مستند و معتبر ماخذ اور ثقہ راویوں کی روایت پر مبنی ہوں اعتبار کا درجہ حاصل ہوگا۔ متاخرین کے بیانات خصوصاً وہ بیانات اور اقوال جو بلا کسی سند کے پیش کئے گئے ہوں قابل اعتنا نہ ہوں گے اور اگر ایک ہی مورخ نے متضاد روایتیں درج کی ہوں ترجیح انہی روایتوں اور بیانات کو دی جائے گی جو سنداً معتبر اور درایتاً قابل قبول ہوں ان کے مخالف روایت کو ترک و حذف کر دیا جائے گا۔ خصوصاً علامہ ابن کثیرؒ کے مندرجہ بالا قول کے مطابق البدایہ والنہایہ کے کسی ایسے بیان یا روایت کو جو دوسرے مستند بیان یا روایت کے متضاد ہو۔ ریسرچ کا یہی اصول اور یہی طریق کار ہے جو ہر سمجھدار اور پڑھے لکھے شخص کو مطالعہ کتاب کے وقت ہی بادنیٰ تامل معلوم و محسوس ہوگا۔

اب ملاحظہ ہو قاسمی صاحب کی شرمناک بہتان تراشی "کردار خلیفہ یزید" کی ذیلی سرخی کے تحت ص۳۴ کی آخری سطر سے ص۴۹ کی آخری سطر تک یعنی بیس صفحات پر مستند کتب تاریخ وغیرہ کے پندرہ حوالہ جات درج ہیں جن میں پانچ البدایۃ والنہایہ کے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک حوالہ میں لفظ تو کجا کسی شوشے کا بھی "نہ بیجا تصرف" ہے اور نہ کسی نوعیت کی کوئی تلبیس"

ص۳۴ سے ص۴۴ تک امیر یزید کی دینداری، پاکبازی و نیکوکاری کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) کے اقوال و بیانات بسند و بحوالہ جات معتبر درج ہیں اور یہ مضمون کہ امیر موصوف مذہبی اعمال کے پابند تھے، نماز پابندی سے پڑھتے تھے۔ سنت نبوی کے پیرو تھے، نیک کاموں میں سرگرم رہتے تھے ص۴۴ پر ختم ہو جاتا ہے، پھر آخر ص۴۴ سے ص۴۶ تک ان کی علمی فضیلت کا بیان ہے، ص۴۷ و

مثا میں ان کی خطیبانہ اہلیت کا تذکرہ ہے اور ایک خطبے کے فقرات بھی درج ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے اعلم اہل زمانہ و حبر امت نے امیر یزیدؒ کی علمی قابلیت کا جن الفاظ میں اعتراف کیا ہے اس کا اظہار بھی ہے۔ مثلاً ۲۹ کی چوتھی سطر میں اس امر کا اظہار کرنے کے بعد کہ "وہ علم وفضل، تقوٰی و پرہیزگاری، پابندی صوم و صلوٰۃ کے ساتھ یہ (جن کی تفصیلات گزشتہ اوراق میں پیش کی گئی ہیں) "وہ امیر یزیدؒ بدرجہ کریم النفس حلیم الطبع، سنجیدہ و متین تھے"۔ ایک عیسائی رومی مورخ نے ان کی سیرت کے بارے میں ان کے ہم عصر کا بیان جن الفاظ میں پیش کیا ان کو درج کیا گیا ہے یعنی یہ "وہ (یزید) بدرجہ حلیم و کریم، سنجیدہ و متین، غرور و خود بینی سے مبرا، اپنی زیردست رعایا کے محبوب، تزک و احتشام شاہی سے متنفر تھے، عام شہریوں کی طرح سادہ معاشرت سے زندگی بسر کرنے والے اور مہذب تھے"۔

اس کے بعد یہ فقرہ درج کیے کہ:۔

"علامہ ابن کثیرؒ نے ان کے بارے میں اسی قسم کے الفاظ تحریر کئے ہیں"، البدایہ والنہایہ کی وہی عبارت نقل کی ہے جن سے ان کے خصائل محمودہ حلم و کرم اور فصاحت وغیرہ اور حسن معاشرت کا اظہار ہوتا ہے جن کا تذکرہ رومی مورخ کے مندرجہ بالا فقرے میں کیا گیا ہے۔ اس موقع پر نہ امیر یزیدؒ کی دینداری و نیکوکاری کے بیان کے اعادہ کا کوئی محل تھا، کیونکہ یہ ذکر جیسا کہ ابھی بحوالہ صفحات بیان کیا گیا پہلے ہی ہو چکا تھا اور نہ ان کی بے نمازی یا نماز کے بعض اوقات ترک کر دینے کی کسی بے سند اور غیر معتبر روایت کی تردید و تکذیب کی ضرورت تھی کیونکہ حضرت ابن الحنفیہؒ کے بیان سے اس کی پہلے ہی تکذیب ہو چکی تھی۔ مندرجہ بالا فقرے میں تو صاف لکھا گیا ہے کہ علامہ ابن کثیرؒ نے رومی مورخ کے بیان یعنی ان کے حلم و کرم وغیرہ کے "بارے میں اسی قسم کے الفاظ تحریر کئے ہیں چنانچہ وہ الفاظ یہ ہیں:۔

وقد کان یزید فیه خصال محمودة من الکرم والحلم والفصاحة والشعر والشجاعة وحسن الرای فی الملك (ص۲۳۰ ج البدایة والنهایة)	اور یزید کی ذات میں قابل ستائش صفات حلم و کرم فصاحت و شعر گوئی اور شجاعت و بہادری کی تھیں نیز معاملات حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے اور معاشرت کی خوبی و عمدگی بھی ان میں تھی۔

ان ہی الفاظ کو علامہ ذہبی نے اپنی تالیف تاریخ الاسلام وطبقات المشاہیر و اعلام کی ج ۳ ص ۹۳ پر درج کیا ہے جس کا حوالہ بھی کتاب میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں یہی الفاظ صرف اتنے سے تغیر کے ساتھ کہ "خصال محمودہ" کے بجائے "خصال حمیدہ" لکھا گیا ہے۔ عینی (تاریخ) میں بھی موجود ہیں (مخطوطہ پیرس بحوالہ خلیفہ یزید ص ۴۸۲ لامنس) دیگر مورخین نے بھی ان ہی کلمات کے نقل کرنے پر اکتفا کیا اور وہ کلمات ترک کر دئے جن میں کہا گیا ہے "اور نیز اس میں (یزید) میں خواہشات نفسانیہ میں انہماک اور بعض اوقات بعض نمازوں کا ترک کر دینا بھی پایا جاتا تھا اور ان کو وقت بے وقت بھی اکثر پڑھتا تھا"۔ مضمون نگار فرماتے ہیں کہ اس عبارت کو "عباسی صاحب نے ریسرچ کا پورا حق ادا کرنے کے لئے چھوڑ دیا"۔ ان صاحب کی خواہش کے مطابق اس عبارت کو ترک و حذف نہ کیا جاتا تو تحقیق و تدقیق و ریسرچ کی صورت کچھ اس طرح ہوتی:۔

قول ابن عباسؓ

(۱) وان ابنه یزید لمن صالحی اهله

(اور ان کا (معاویہؓ کا) فرزند اپنے خاندان کے نیکو کاروں میں ہے۔)

(۲) وو اللہ ان ابنه لخیر اهله

(اور قسم بخدا ان کا (معاویہ کا) بیٹا اپنے خاندان کا نیک شخص ہے)

قول بے سند

وکان فیه ایضاً اقبال علی الشهوات

(اور نیز اس میں (یزید میں) خواہشات نفسانیہ کا انہماک تھا)

قول ابن الحنفیہؒ

(۱) وقد حضرته واقمت عنده فرایته مواظباً علی الصلوٰة۔

(اور میں ان کے (یزید کے) پاس گیا ہوں، ان کے پاس مقیم رہا ہوں ان کو نماز کا پابند پایا ہے۔

قول بے سند

(۱) وترك الصلوٰت فی بعض الاوقات اماتتها فی غالب الاوقات۔

(اور بعض اوقات بعض نمازوں کا ترک بھی کر دیتا تھا اور نمازوں کو بے وقت بھی اکثر اوقات پڑھتا تھا۔

قاسمی صاحب کی خواہش کے مطابق کیا "ریسرچ کا پورا حق" اس نوعیت سے ادا کیا جاتا جس کا خاکہ اوپر پیش کیا گیا ہے کہ ایک ہی شخص کو ایک ہی سانس میں نیکوکار بھی بتایا جاتا اور بدکار بھی، نماز کا پابند جاتا ہے اور تارک بھی، نیک کاموں میں سرگرم بھی ظاہر کیا جاتا اور شہوات نفسانیہ کا ملوث بھی، سنت کا پیرو بھی کہا جاتا اور بے وقت کی نمازیں ٹرخانے والا بھی۔ اس قول بے سند کو ترک و حذف کرنا تھا تو اسی قبیل کے اور متعدد اقوال اور روایات واہیہ کو بھی جو ان ہی کتب میں درج ہیں کیوں ترک کیا جائے، ایسا ہے تو پھر تحقیق و تدقیق اور ریسرچ ہی پر کیوں وقت و محنت صرف کی جائے نقل روایت بند کر کے ہر رطب و یابس کو ٹانک دیا جائے۔ کون صحیح العقل اس قسم کی خرافات کو ریسرچ کا نام دے جس کسی میں حق پسندی کا ادنٰی سے شائبہ بھی ہو گا وہ حضرت ابن عباسؓ و حضرت ابن الحنفیہؒ کے اقوال (حاشیہ اگلے

میں قول بے سند کو کیسے مان سکتا ہے۔ یہ اقوال مستند ترین ماخذ اور ثقہ و معتبر ترین راویوں کی سند اور حوالہ جات سے پیش کئے گئے ہیں اور ان اقوال کی تائید مزید خود ان کے موقف اور طرز عمل سے ہوتی ہے کہ امیر یزیدؒ کی بیعت خلافت پر کس استقلال و استقامت سے قائم رہے، چونکہ امیر موصوف کی بیعت پہلے ہو چکی تھی احکام شریعت کے مطابق حضرت ابن زبیرؓ کے اقدام کو غلط قرار دیا، حالانکہ وہ صحابی ہونے کا امتیاز بھی رکھتے تھے۔ ایسی روشن مثالوں کے ہوتے ہوئے کسی قول بے سند کو اتنی اہمیت دی جائے کہ اس کے ترک و حذف پر دھوکہ دہی، تلبیس اور لوگوں کی آنکھ میں خاک جھونکنے کے ذلیل الزامات عائد کئے جائیں۔ کیا کسی ریسرچ اسکالر اور محقق کا یہ اولین اور اہم ترین فرض نہیں کہ قوی و ضعیف، صحیح و سقیم روایتوں اور بیانات کی چھان بین کر کے صحیح اور قوی کو اختیار کرے اور ضعیف و سقیم کو ترک و حذف کرے آخر تحقیق و ریسرچ کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہے۔ "یزید دشمنی" کا پردہ فہم و ادراک پر حائل ہو تو ریسرچ کا کیا قصور ہے

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

لہ حضرت ابن عباسؓ، ابو سعید الخدریؓ اور حضرت ابن الحنفیہؒ کے جن فرمودات کو عباسی صاحب بجا طور پر اس کا مستحق سمجھتے ہیں کہ ان کے خلاف ہر روایت کو کوڑے پر پھینک دیں ان کی بعض سندیں تو عام طور پر بیان ہوتی رہی ہیں جو کافی مضبوط ہیں، لیکن اگر قاسمی صاحب یا کوئی اور بزرگوار ان سندوں میں کلام کرتے ہوئے انہیں ضعیف ثابت کرنے کی سعی فرمائیں تو یہ عاجز پانچ سندیں اور ایسی پیش کر سکتا ہے جو عام طور پر بیان نہیں ہو رہی ہیں اور جن کے کسی بھی راوی کو کتب رجال میں ساقط الاعتبار یا غیر ثقہ نہیں کہا گیا ہے۔ اس کے برعکس یزید کے فسق و فجور پر دلالت کرنے والی ایک بھی روایت معرض ہستی پر ایسی نہیں پائی جاتی جو جرح و تعدیل کی سان پر چڑھ کر کھیل کھیل نہ ہو جائے۔ چہ جائے کہ بقول مولانا محمد طیب صاحب فسق یزید تواتر معنوی رکھتا ہو، تواتر اور اجماع کی مقدس اصطلاحوں کا جو حلیہ مولانا موصوف نے ردِّ عباسی میں بنایا ہے قابل دید ہے ؛ (تجلی)

———— (۲) ————

البدایہ والنہایہ کی ایک اور مختصر سی عبارت کے بارے میں جو "جہاد قسطنطینیہ و بشارت مغفرت" کے ذیلی عنوان کے تحت "خلافت معاویہؓ و یزیدؒ" میں نقل ہوئی ہے اور دس بارہ لفظوں سے زائد نہیں، عزیز احمد قاسمی فرماتے ہیں کہ "مذکورہ بالا عبارت ہی کے آخر میں" ایک اور عبارت بھی ہے۔ جسے عباسی صاحب نے دیدہ و دانستہ ترک کر دیا تاکہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں مگر لطف یہ ہے کہ غلط فہمی میں مبتلا کرنے کا یہ ارتکاب تو خود قاسمی صاحب ہی کے قلم سے ہوا ہے جیسا کہ ابھی آئندہ سطور میں صحیح صورت حال پیش ہونے پر آپ بخوبی اندازہ کر سکیں گے۔

کتاب "خلافت معاویہؓ و یزیدؒ" کے صفحات ۲۱ تا ۳۰ پر مندرجہ بالا عنوان سے اس تاریخی حقیقت کا چند جملوں میں اظہار کرنے کے بعد کہ روم و ایران جیسی دشمن اسلام شہنشاہیتوں کے خلاف خلیفہ رسول اللہؐ و امام اول حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ سے جو جہادی سرگرمیاں شروع ہوئیں اور زبردست کامیابیوں کے ساتھ برابر ہوتی رہیں ان کا سلسلہ حضرت علیؓ کے ایام میں بوجہ متاسفانہ خانہ جنگیوں کے بالکلیہ منقطع ہو گیا تھا، اور صفین کے افسوسناک نتائج میں یہ جہادی سرگرمیاں حضرت معاویہؓ کو عارضی طور سے ملتوی کر دینی پڑی تھیں بیان کیا گیا تھا کہ زمام خلافت اپنے ہاتھ میں لینے کے کچھ عرصہ بعد سے انہوں نے رومی عیسائیوں کے خلاف از سر نو یہ جہاد شروع کئے۔ چنانچہ ۴۹ھ میں قیصر روم کے مستقر قسطنطنیہ پر جو اسلامی فوج بھیجی تھی اس کے قائد و سپہ سالار امیر یزیدؒ تھے اور ان ہی کی اس فوج میں حضرت حسینؓ بھی موجود تھے۔ نیز صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت بھی تھی جس میں حضرت ابوب انصاریؓ بھی شامل تھے یہی وہ پہلی اسلامی فوج تھی جو مدینہ قیصر ما پر حملہ آور ہوئی تھی اور جس کی بشارت مغفرت لسان نبوی سے یوں دی گئی ہے کہ "اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم۔ (صحیح بخاری) یعنی

میری امت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر غزاد جہاد کرے گی اس کے لئے مغفرت ہے

اس حدیث کو نقل کرنے کے ساتھ مختلف کتب تاریخ وغیرہ کے حوالہ جات سے بتایا گیا تھا کہ اس پہلی اسلامی فوج میں کون کون صحابۂ شامل تھے، کیا کیا حالات پیش آئے یعنی میزبان رسول و محترم صحابی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی جب موت کا وقت آ پہنچا، آپ نے قائد عسکر امیر یزید کو کیا وصیت کی اور ان کی تدفین کے بارے میں کیا واقعات پیش آئے۔ ان سب حالات کو اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہوئے لکھا تھا کہ :-

"اسی جہاد کے دوران حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی وفات ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر اسی سال سے متجاوز تھی۔ اس کبر سنی میں آپ نے اتنے دور دراز مقام پر جہاد میں شرکت حدیث نبوی کی بشارت مغفرت کی وجہ سے کی تھی۔ جب آپ کا آخری وقت آ پہنچا آپ نے امیر عسکر، امیر یزیدؒ کو وصیت کی کہ میرا جنازہ سرزمین عدو میں

جتنی دور لے جاسکو لے جاکر دفن کرنا اور میرا سلام اور یہ حدیث مسلمانوں کو پہنچانا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنی ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

من مات ولا یشرک باللہ شیئاً جعلہ اللہ فی الجنۃ۔

یعنی جو شخص اس حالت میں فوت ہوا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا تھا اسے جنت نصیب کریں گے

امیر یزیدؒ نے ان محترم صحابی و میزبان رسول کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حسب وصیت قسطنطنیہ کی فصیل کے پاس جہاں اب آپ کا عالی شان مزار اور اس کے متصل مسجد واقع ہے، دفن کیا۔

وکان (ابو ایوب الانصاریؓ) فی جیش یزید بن معاویۃ والیہ اوصی وھو الذی صلی علیہ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۵۹)

اور (ابو ایوب انصاریؓ) یزید بن معاویہؓ کے لشکر میں شامل تھے، انہوں نے اسی (یزید) کو وصیت کی اور اسی (یزید) نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔

ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں نے جو امیر یزیدؒ کے لشکر میں شامل تھے بشمول حضرت حسینؓ جنازے کی نماز میں بامامت امیر یزیدؒ شرکت کی اور میزبان رسول کی تدفین میں شریک رہے۔ طبری جیسے شیعی مورخ کا بھی یہ بیان ہے کہ وہ ابو ایوب انصاریؓ کی وفات اس سال ہوئی جب یزید بن معاویہؓ نے اپنے والد کی خلافت کے زمانہ میں قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔ (ج ۶ ص ۱۳) الی آخرہ۔

ترک مکررات

یہ ہیں وہ فقرات جو "جہاد قسطنطنیہ و بشارت مغفرت" کے تحت عنوان اس جہاد کے تاریخی حالات کے سلسلہ میں ضبط تحریر میں لائے گئے اور اسی سلسلے میں البدایہ والنہایہ کی مندرجہ بالا عبارت بھی اس غرض میں درج کی گئی کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ جیسے بلند پایہ صحابی امیر یزیدؒ کے لشکر میں شامل تھے انہوں نے مرتے وقت امیر موصوف ہی کو وصیت کی اور انہوں نے ہی ان محترم صحابی کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ اب ذرا البدایہ والنہایہ کی وہ عبارت ملاحظہ ہو جس کے متعلق قاسمی صاحب فرماتے ہیں کہ "مذکورہ بالا عبارت ہی کے آخر" کی عبارت اس لئے ترک کر دی گئی کہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں۔ یہ دونوں عبارتیں جس طرح البدایہ والنہایہ کے صفحات ۵۸ و ۵۹ پر بذیل تذکرہ حضرت خالد بن زید بن کلیب یعنی حضرت ابو ایوب انصاریؓ درج ہیں ملاحظہ ہو۔ وہ یہ ہیں:۔

وکان ابو ایوب الانصاریؓ فی جیش یزید بن معاویۃ والیہ اوصی، وھو الذی صلی علیہ۔ وقد قال الامام احمد حدثنا عثمان ثنا ھمام ثنا ابو عاصم عن رجل من اھل مکۃ ان یزید بن معاویۃ کان امیرا علی الجیش الذی غزا فیہ ابو ایوب فدخل علیہ عند الموت فقال لہ اذا انا مت فاقرأوا علی الناس منی السلام واخبروھم انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من مات ولا یشرک باللہ شیئاً جعلہ اللہ فی الجنۃ ولینطلقوا فیبعدوا بی فی ارض الروم ما استطاعوا قال فحدث الناس لما مات ابو ایوب فاسلم الناس وانطلقوا بجنازتہ (ص ۵۸ و ۵۹)

اور ابو ایوب انصاریؓ یزید بن معاویہؓ کے لشکر میں تھے۔ اسی (یزید) کو انہوں نے وصیت کی اور اسی یزید نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ اور امام احمد (بن حنبلؒ) نے فرمایا کہ ہم سے عثمان نے ان سے ہمام نے ان سے ابو عاصم نے اہل مکہ کے ایک شخص نے یہ روایت بیان کی کہ یزید بن معاویہؓ اس فوج کے سردار تھے جس میں شامل ہو کر ابو ایوب (انصاریؓ) نے جہاد کیا تھا۔ ان کے مرنے کے وقت (یزید) ان کے پاس گئے تھے، سو انہوں نے ان سے (یزید سے) فرمایا کہ میں جب مرجاؤں میرا سلام لوگوں کو پہنچا دینا اور بتا دینا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص اس حالت میں مرجائے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ جانتا تھا اللہ تعالیٰ اس کو جنت نصیب کریں گے اور میرا جنازہ سرزمین روم میں جہاں تک تم لیجا سکو لے جاکر دفن کر دینا۔ (امام) احمدؒ نے کہا کہ جب ابو ایوب انصاریؓ کی وفات ہو گئی یزید نے لوگوں سے وصیت مرحوم کی بتائی لوگوں نے اسے قبول کیا اور ان کے جنازے کو لے گئے۔"

صرف خط کشیدہ الفاظ کتاب "خلافت معاویہؓ و یزیدؒ" میں نقل ہوئے ہیں اور ان کے آخری مندرجہ الائق عبارت کا ترجمہ و مضمون کتاب میں شامل ہے اور اس غرض سے شامل ہے کہ جہاد قسطنطنیہ میں شریک ہونے والے ایک محترم صحابی کے وفات پانے اور وفات سے پہلے امیر عسکر امیر یزیدؒ کے ان کی عیادت کے لئے ان کے پاس جانے، مرحوم کی مرتے وقت انہیں وصیت کرنے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنانے اور اس حدیث کو مسلمانوں کو پہنچا دینے کی وصیت کرنے نیز سرزمین روم میں ان کی تدفین کرنے کا یہ سب واقعہ اس میں مذکور ہے چنانچہ اس اقتباس میں یہ حدیث من مات ولا یشرک باللہ شیئاً جعلہ اللہ فی الجنۃ نہ صرف اس لئے درج کی گئی کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے اس کے روایت کرنے کی وصیت امیر یزیدؒ کو کی تھی، بلکہ یہ حدیث آیت قرآنی إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ (النساء) کے بھی مطابق ہے۔ اب آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ البدایہ سے کتاب کے ذیلی عنوان "جہاد قسطنطنیہ و بشارت مغفرت" کے تحت جو مضمون بیان ہو سکتا تھا وہ اسی اخذ کیا گیا۔ مکررات یا وہ حدیث جس کی روایت کی وصیت نہ امیر یزید کو کی گئی اور نہ ان سے بیان کی گئی ترک و حذف کر دی گئی یعنی البدایہ والنہایہ کی مندرجہ بالا عبارت کے بعد حسب ذیل مکررات ہیں جو حذف کرنے مناسب اور ضروری تھے حذف کئے گئے۔

وقال احمد۔ حدثنا اسود بن عامر ثنا

امام احمد (بن حنبلؒ) نے اپنے اسناد سے بیان کیا

ابوبکر عن الاعمش عن ابی ظبیان قال! غزا ابو ایوب مع یزید بن معاویة قال! فقال اذا مت فادخلونی فی ارض العدو و فادفنونی تحت اقدامکم حیث تلقون العدو قال۔ ثم قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من مات ولا یشرک باللہ شیئاً دخل الجنۃ

کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے یزید بن معاویہ کے ساتھ جہاد کیا تھا۔ امام صاحب نے یہ بھی کہا کہ انہوں نے (ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ) نے فرمایا تھا کہ میں جب مر جاؤں میرے جنازے کو سرزمین عدو میں پہنچا دینا اور جہاں دشمن سے مڈبھیڑ ہو وہاں اپنے قدموں تلے دفن کر دینا پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا تھا وہ جنت میں داخل ہو گا۔

اس عبارت میں بھی اسی مضمون کا اعادہ ہے، جو پہلے درج ہو چکا، حدیث کے الفاظ میں صرف اتنا فرق ہے کہ بجائے جعله الله فی الجنة کے دخل الجنة بیان گیا ہے۔

اب اس کے بعد کا دوسرا فقرہ ملاحظہ ہو کہ وہ بھی سابقہ مضمون کا اعادہ ہے۔

ورواہ احمد عن ابن نمیر و یعلی بن عبید عن الاعمش سمعت ابا ظبیان فذکرہ وقال فیہ سأحدثکم حدیثا سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لولا حالی هذا ما حدثتکموه سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من مات ولا یشرک باللہ شیئاً دخل الجنة۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اس کو روایت کیا ہے۔ ابن نمیر اور یعلی بن عبید سے انہوں نے الاعمش سے انہوں نے کہا کہ میں نے ابو ظبیان کو (ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ) کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا ہے، جس میں انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ میں اب تم لوگوں سے وہ حدیث بیان کرتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اور اگر میرا یہ حال نہ ہوتا تو میں تم سے نہ بیان کرتا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص اس حالت میں فوت ہو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا تھا وہ جنت میں داخل ہو گا۔"

یہ دونوں عبارتیں جو اسی ایک بات کا اعادہ کرتی ہیں جو بیان ہو چکی حذف کی گئیں اور کی جانی چاہئیں تھیں۔ اب دیکھئے تیسری مرتبہ پھر یہی بات ایک اور عبارت میں جس کے ترک کر دینے کا شکوہ قاسمی صاحب کو ہے دہرائی جاتی ہے اور برخلاف اس حدیث کے جو تین مختلف سلسلہ اسناد سے اوپر کی عبارتوں میں بیان ہو چکی ہے اور جس کے روایت کرنے کی وصیت حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے مرتے وقت امیر یزید رحمہ اللہ

کو کی تھی، اس کے علاوہ ایک نئی حدیث بیان کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ ان مرحوم نے مرتے وقت یہ کہہ کر لوگوں کو سنائی تھی کہ اب تک یہ حدیث میں تم لوگوں سے چھپائے ہوئے تھا اب بیان کئے دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ ضرور ایسی قوم پیدا کر دیتا جو گناہ کا ارتکاب کرے تا کہ اللہ ان کی مغفرت کرے"۔ روایت کے اصل لفظ یہ ہیں:۔

عن ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ انہ قال حین حضرته الوفاة۔ قد کنت کتمت عنکم شیئاً سمعته من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمعته یقول "لولا انکم تذنبون یخلق اللہ قوماً یذنبون فیغفر لهم

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے مرتے وقت فرمایا کہ میں تم لوگوں سے ایک حدیث چھپائے ہوئے تھا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی، آپ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ ضرور ایسی قوم پیدا کرتا جو گناہ کا ارتکاب کرتی تاکہ وہ ان کی مغفرت کرے۔

قطع نظر ان شبہات کے جو ایسی روایت کے سننے یا پڑھنے سے ہر سمجھدار شخص کے دل میں پیدا ہوں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کیا لوگوں سے چھپانے کے لئے تھے یا بیان کرنے کے لئے۔ ایک محترم صحابی نے آخر آپ کے ارشاد کو تمام عمر کیوں چھپائے رکھا بیان کیا تو مرتے وقت! پھر یہ قول جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کیا جاتا ہے کہ اللہ کی یہ مرضی ہے کہ لوگ گناہ کرتے رہیں۔ سئیات و ذنوب میں مبتلا ہوتے رہیں تاکہ۔ بقول قاسمی صاحب "اللہ کی صفت مغفرت ظہور پذیر اور کارفرما ہو"! کیا یہ قول اور اللہ تعالےٰ کے بارے میں یہ تصور اسلامی عقائد و تعلیمات سے کچھ مطابقت رکھتا ہے یا نہیں قطع نظر ان باتوں کے غور طلب یہ امر تھا کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے وقت وفات کیا دو مختلف حدیثیں سنائی تھیں جو معنی و مطالب کے اعتبار سے متضاد تھیں، ایک حدیث تو جیسا بیان ہو چکا، کلام اللہ کی آیت کے مضمون کے مطابق ہے اور اس کے روایت کرنے کی وصیت امیر یزید رحمہ اللہ کو کی تھی، اس لئے وہ کتاب کے مذکورہ بالا عنوان کے تحت درج کی گئی اور دوسری جو نہ ان کو سنائی تھی اور نہ اس کی وصیت کی تھی اور نہ آیات بینات کے کسی مضمون سے وہ مطابقت رکھتی ہے اور نہ یہ جہاد قسطنطنیہ و بشارت مغفرت" کے تحت بیان کئے جانے سے اس کا کوئی واسطہ و تعلق تھا یا ہو سکتا تھا وہ مع الفاظ روایت ترک و حذف کی گئی اور دیدہ و دانستہ ترک کی گئی تاکہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ مندرجہ بالا عنوان کے تحت جہاد قسطنطنیہ کے سلسلے میں صرف وہی واقعات بیان کئے جا سکتے تھے اور کئے گئے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

موضوع روایتیں

امیر یزید رحمہ اللہ کے کیرکٹر کے متعلق کچھ ذکر کرنے یا کسی اتہام کی تردید و تکذیب کا مندرجہ بالا عنوان کے تحت کوئی موقع و محل نہ تھا۔ قاسمی صاحب نے پُر فریب

الفاظ ہیں یہ ذکر اس موقع پر چھیڑ دیا ہے اس لئے عرض کر دینا پڑا کہ البدایہ والنہایہ کے مصنف کا سنہ وفات ۷۷۴ھ ہے، یعنی امیر یزیدؒ کے زمانے سے سات سو برس بعد۔ ان صدیوں میں بنی امیہ اور امیر معاویہؓ و امیر یزیدؒ کی منقصت میں طرح طرح کی روایات کا طومار اکٹھا ہوا اور ان تک پہنچا۔ لہٰذا غنیمت ہے کہ اپنی تالیف میں انہوں نے جا بجا اس کی تکذیب بھی کر دی ہے۔ مثلاً امیر یزیدؒ کے ترجمہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:۔

وقد اورد ابن عساکر احادیث فی ذم یزید بن معاویہ کلھا موضوعۃ لا یصح شیٴ منھا۔	اور ابن عساکر جو احادیث یزید بن معاویہ کی مذمت میں لاتے ہیں وہ سب کی سب موضوع ہیں ان میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں۔

بایں ہمہ علامہ ابن کثیرؒ نے اس حدیث پر کہ "اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ ضرور ایسی قوم پیدا کرتا جو گناہ کا ارتکاب کرے اور اللہ ان کی مغفرت کرے" حاشیاً نظر ڈالنے کے بجائے ایک ریمارک کر دیا ہے اگرچہ ساتھ ہی "واللہ تعالیٰ اعلم" لکھ کر یہ بھی جتا دیا ہے کہ اپنے قول پر ان کو پورا وثوق و اعتماد بھی نہیں ہے فرماتے ہیں کہ:۔

"میرے نزدیک اس حدیث اور اس سے قبل کی حدیث نے یزید بن معاویہؓ کو امید مغفرت دلا کر عمل میں سست کر دیا جس کے سبب بہت سے ایسے افعال پر آمادہ کر دیا جس کو ناپسند کیا گیا جیسا کہ ہم ان کے تذکرہ میں بیان کریں گے واللہ تعالےٰ اعلم" "تذکرۂ یزید" میں تو ایسا کوئی بیان نہیں ہے۔ قاسمی صاحب نے جو ترجمہ علامہ موصوف کی اس مختصر سی عبارت کا کیا ہے، ذرا ملاحظہ ہو کہ تحریف و تلبیس سے صحافی دیانت کو کس طرح مجروح کیا ہے۔

عندی ان ھذا الحدیث والذی قبلہ حمل یزید بن معاویۃ علی طرف من الارجاء ورکب بسببہ افعالاً کثیرۃ انکرت علیہ کما سنذکرہ فی ترجمتہ واللہ تعالےٰ اعلم۔	میرا خیال یہ ہے کہ یہ حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث (جس کے اصل منشاء کے برخلاف ان کے ظاہری مفہوم) نے یزید بن معاویہؓ کو اس پر آمادہ کر دیا کہ گویا اس کا یہ اعتقاد ہو گیا کہ عمل کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں جو چاہو کرو ایمان بہر حال قائم رہے گا اور بظاہر اس اعتقاد نے اس کو ایسے بہت سے افعال پر آمادہ کر دیا جن کو سب ہی نے برا سمجھا اور اس پر اعتراض کیا جن کی تفصیل یزید کے تذکرے کے وقت بیان کریں گے۔

معمولی عربی داں سمجھ سکتا ہے کہ خط کشیدہ فقرے اور الفاظ قاسمی صاحب کے طبع زاد اور من گھڑت ہیں۔ عربی عبارت کے کسی لفظ اور فقرے کا نہ یہ ترجمہ ہے اور نہ مفہوم۔ اردو ترجمہ میں "واللہ تعالیٰ اعلم" کو ترک کر دیا، حالانکہ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنے خیال پر پورا وثوق نہ ہونے کے اظہار کی غرض سے اس کو خاتمہ عبارت پر لکھ دیا تھا صاف ظاہر ہے کہ یہ حرکت لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لئے کی گئی ہے، پھر البدایہ کی اس عبارت کے ترجمہ میں تحریف و تلبیس کا ارتکاب کرنے اور اپنے "معہود ذہنی" کے مطابق غلط مطلب نکالنے کے بعد تبرائی انداز میں فرماتے ہیں کہ:۔

"اسلامی احکام سے لاپرواہ، من مانی کارروائیاں کرنے والا، ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو غلط معنی پہنانے والا، ایسے افعال قبیحہ کا مرتکب تھا جن کو امت نے برا سمجھا اور اس پر اعتراض کیا۔"

مگر صاحب البدایہ نے تو یہ باتیں کہیں بھی نہیں کہیں۔ یہ تو جامد و مغلوج ذہنیت کے سبائیت زدہ اشخاص کی سی خرافات ہے، جس کی کامل تردید حضرت حسینؓ کے بھائی حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) جیسے بلند پایہ عالم کے اس ارشاد سے ہو جاتی ہے جو خود ان ہی علامہ ابن کثیرؒ نے تذکرہ یزید کے سلسلے میں درج کیا ہے۔ یعنی باغیان مدینہ کا وفد جب حضرت موصوف کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوا کہ وہ خلیفۂ وقت کے خلاف بغاوت میں مدد کریں اور اہل وفد نے امیر یزیدؒ پر فسق و فجور کا بہتان تراشا آپ نے اس کی پرزور تردید و تکذیب کی اور اپنی ذاتی واقفیت کی بناء پر یہ الفاظ فرمائے جو اس مضمون کی پہلی قسط میں بھی نقل ہو چکے ہیں:۔

وقد حضرتہ واقمت عندہ فرأیتہ مواظبا علی الصلوٰۃ متحریا للخیر یسأل عن الفقہ ملازما للسنۃ۔ (ص ۲۳۳ ج ۸)	میں تو ان کے (امیر یزیدؒ کے) پاس گیا ہوں، ان کے پاس ہی مقیم رہا ہوں۔ میں نے تو دیکھا ہے کہ وہ نماز کی پابندی کرتے ہیں، نیک کاموں میں سرگرم رہتے ہیں، مسائل فقہ پر گفتگو کرتے ہیں اور سنت نبوی کی پیروی کرنے والے ہیں۔

مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ قاسمی صاحب کا اعتراض ترک عبارت کا کس درجہ فضول اور لایعنی ہے۔

امیر المجاہدین

قاسمی صاحب کو یہ جسارت تو نہ ہو سکی کہ جہاد قسطنطنیہ میں امیر یزیدؒ کے امیر لشکر ہونے کا انکار کر سکتے۔ البتہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب و معتمد خاص کا ذکر جس انداز سے کیا ہے

وہ ضرور محل نظر ہے۔ فرماتے ہیں :۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ موتہ میں اپنے غلام زید بن حارثہؓ کو امیر لشکر مقرر فرمایا تھا اور ان کی ماتحتی میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ جیسے بڑے بڑے صحابہؓ تھے"

حضرت زیدؓ یوں کہنے کو غلام تھے مگر ہزار آزاد شخصوں سے برتر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنیٰ تھے، زید بن محمد کہلاتے تھے، آپؐ نے اپنی پھوپی زاد بہن کو ان کے نکاح میں دیا پھر جدائی ہو گئی جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے اور انبیاء علیہم السلام کے اسماء کے سوا ان ہی کا نام ہے جو کلام پاک میں ہے سات مرتبہ مہمات سریہ کی قیادت کا شرف ان کو حاصل ہوا سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں ہیں۔

ام المومنین حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ ہی تو سب سے پہلے اسلام لائے تھے، قاسمی صاحب کو امیر یزیدؒ کے اس امتیازی شرف سے کہ وہ مجاہدین کے لشکر کی کمان پر رہے تھے ایسی اذیت ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے قیادت غزوہ موتہ کے ذکر میں حضرت موصوف کا اسم گرامی احترام صحابیت کے ساتھ نہ لکھا۔ "غلام زید" اور "حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ" لکھا اس طرز سے سبائیت زدہ ذہنیت کے لوگ ہی لکھا کرتے ہیں، لیکن مجاہدین کے شرف وفضیلت کو مٹا دینا نہ قاسمی صاحب کے بس کی بات ہے اور نہ کسی اور کے۔ کلام پاک اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مجاہدین کی کیسی کچھ فضیلت آئی ہے اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (سورۂ صف)	اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھکر (اس جاؤ سے) لڑتے ہیں گویا وہ ایک دیوار ہے اینٹ سے اینٹ ملی ہوئی۔

پھر اسی سورت کی گیارھویں آیت ان مجاہدین کے بارے میں ہے جو دشمنان دین کے مقابلہ میں اپنی جانوں مالوں سے جہاد کرتے ہیں جیسا امیر یزیدؒ اور ان کے ساتھی کر رہے تھے اس میں فرمایا کہ یہ وہ عمل ہے جس کے کرنے کے بعد تمام گناہ بخش دئے جاتے ہیں، جنت کا اور ابدی نجات کا دروازہ کھل جاتا ہے يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ہ کلام پاک کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے جہاد اور مجاہدین کی کیا کچھ فضیلت ثابت ہے۔ فرمایا گیا ہے :۔

ما اغبرت قدما عبد فی سبیل اللہ فتمسہ النار۔ (بخاری)	ایسا نہیں ہو سکتا کہ جس بندے کے پاؤں جہاد کی راہ میں غبار آلود ہوئے ان کو جہنم کی آگ چھو سکے۔

اور فرمایا:۔

حرمت النار علی عین دمعت من خشیۃ اللہ وحرمت النار علی عین سہرت فی سبیل اللہ۔ (رواہ احمد)	"وہ جو آنکھ اللہ کے خوف سے اشکبار ہو یا جہاد میں جاگے اس پر نار دوزخ حرام ہے"

جہاد قسطنطنیہ کے علاوہ اور متعدد جہادوں میں اس قرشی نوجوان، امیر یزیدؒ نے نہ صرف اپنے پاؤں غبار آلود کئے، راتوں کی نیندیں دشمنوں کے انتظار میں حرام کیں، بلکہ کارہائے نمایاں بھی انجام دئے خود دار العلوم دیوبند کے جید عالم اور مقدس بزرگ حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ کے ایک مکتوب کے یہ فقرات اس کے شاہد ہیں۔ فرماتے ہیں :۔

"یزید کو متعدد معارک جہاد میں بھیجے اور جزائر بحر ابیض اور بلاد ہائے ایشائے کوچک کے فتح کرنے حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی فوج کے ساتھ حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جا چکا تھا تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دئے تھے"

(مکتوبات ج ۱)

مسلم وغیر مسلم مورخین کی تصریحات سے مولانا موصوف کے بیان کی تائید ہوتی ہے کہ متعدد معارک عظیمہ میں امیر یزیدؒ نے کارہائے نمایاں انجام دئے تھے۔ حضرت معاویہؓ نے ۱۶ مرتبہ جہادی مہیں رومی عیسائیوں کے خلاف مختلف سنین میں اور مختلف سپہ سالاروں اور امرائے بحر کی قیادت میں بھیجی تھیں اور چار سال تک رومیوں کے مستقر کا محاصرہ جاری رہا تھا۔ بزنطینی شہنشاہیت THE BYSANTINE EMPIRE کے غیر مسلم مؤلف نے لکھا ہے کہ :۔

"رومی شہنشاہ قسطنطین چہارم کے عہد سلطنت کا آغاز ہی تباہی کے ساتھ ہوا خلیفۂ معاویہؓ کی افواج اور بیڑہ جہازات نے افریقہ، سسلی اور ایشیائے کوچک پر بیک وقت حملے شروع کئے جو بطور پیش خیمہ کے تھے ۶۷۲ء میں خلیفہ موصوف نے ایک ایسی بری و بحری مہم کی تیاری کی جس کے مثل اس وقت تک عربوں کی جانب سے کوئی مہم معرکہ آرائی کی نہیں ہوئی تھی۔ یہ عظیم الشان بیڑہ جہازات

اور بری افواج تھیں جو قسطنطنیہ کے محاصرے کے لئے شام سے روانہ ہوئیں اور یہ ایسی زبردست مہم تھی کہ اب تک مسلمانوں کی جانب سے نہیں ہوئی تھی، جنرل عبدالرحمٰن کی معیت میں خلیفہ کے فرزند اور ولیعہد یزید بھی متعین تھے۔ اسلامی بیڑے جہازات نے رومی شاہی بیڑے کو شکست دے کر درہ دانیال میں اپنا راستہ نکال لیا اور شہر سائزیکس پر قبضہ کرکے اس کو اپنا فوجی کیمپ بنالیا اور باسفورس کی ناکہ بندی کردی۔ چار سال تک قسطنطنیہ کا محاصرہ جاری رہا۔ محصور فوج نے زبردست مقاومت کرکے اور کچھ نہیں تو روز بد کو کچھ عرصہ تک ٹالے رکھا۔[1]

یہ بیان تو ۶۷۲ھ کی مہم کے ذکر کا اب اس سے ایک سال پہلے امیر یزیدؒ کے جہاد قسطنطنیہ کی کیفیت ایک مسلم مورخ کی زبانی سنیئے:۔

ان السنة التی حاصر فیها یزید بن معاویة القسطنطنیه کانت سنة ۵۱ للهجرة وافق ۶۷۲ مسیحیة وقبل جاءها یزید براً وکان بُسر بن ارطاة ماسکاً البحر وقد انتشرت السفن الحربیة العربیة علی طول ساحل بحر مرمرة وهاجم العرب القسطنطنیة بین شهری ابریل وستمبر۔

جس سنہ میں یزید بن معاویہؓ نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا وہ ۵۱ھ مطابق ۶۷۲ء تھا یزید بری راستہ سے پہنچے تھے اور بُسر بن ارطاة سمندری راستہ لے کر کے عربوں کے حربی جہازات ساحل بحر مرمرہ پر پھیل گئے تھے، عربوں نے اپریل اور ستمبر کے مہینوں کے مابین قسطنطنیہ پر حملے جاری رکھے۔

(حاضر العالم اسلامی ص۲۲۳)

امیر یزیدؒ کی قیادت لشکر اسلامی کے بارے میں شبہ کا اظہار دیوبند کے بعض اشخاص کی جانب سے کیا جارہا ہے، مگر جو بات مستند تاریخی روایات سے بالتواتر ثابت ہو اس کے بارے میں اپنی کسی سیاسی مصلحت سے شبہات وارد کرنا گھٹیا ذہنیت کا ثبوت ہے۔ مدارس اسلامیہ میں جو کتب موجود بلکہ متداول ہیں ان میں بھی کہیں نہ کہیں اس بات کا ثبوت مل ہی جاتا ہے۔ مثلاً الاستیعاب میں بذیل تذکرہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ یہ فقرہ دیکھا جاسکتا ہے "وتوفی (ابوایوبؓ) بالقسطنطنیہ من ارض الروم سنة

---

[1] اس غیر مسلم مورخ نے کسی غلط فہمی سے یہ بات لکھ دی ہے ۱۲

خمسین وقیل احدی وخمسین فی خلافة معاویة تحت یزید" (الاستیعاب ص۔ حاشیہ الاصابہ ج۱ خط کشیدہ الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ امیر یزیدؒ ہی امیر عسکر تھے۔ اسی تذکرہ میں یہ تصریح بھی ہے کہ جب حضرت معاویہؓ نے امیر یزیدؒ کو فوج کی قیادت سپرد کی "فلما ولی معاویة یزید علی الجیش الی قسطنطنیه" تو غالباً کسی کے معترض ہونے پر حضرت ابوایوب انصاریؓ نے فرمایا ہمیں اس سے کیا بحث کہ ہم پر ایک جوان العمر کو امیر مقرر کیا جاتا ہے "وما علیّ ان أمر علینا شاب" اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک امیر یزیدؒ کی نااہلیت کا خیال تک کسی مخالف کے دماغ میں ہی نہ آیا تھا۔ اس جہاد کے لئے بڑے اہتمام سے تیاریاں کی گئی تھیں۔ حجاز کے مختلف قبائل قریش کے اکابرین کے پاس قاصد اور تحریریں بھیجی گئیں کہ وہ امیر یزیدؒ کے ساتھ اس جہاد میں شرکت کریں۔ چنانچہ کسی نے بھی شرکت جہاد و قیادت یزیدؒ سے اختلاف نہیں کیا۔ ولم یختلف عنه احد حتی کان فیمن خرج ابوایوب الانصاری صاحب النبی صلی الله علیه وسلم (العقد الفرید ج۳ ص۱۳۲)

امیر یزیدؒ کو اس جہاد اور دوسرے جہادوں میں جو امتیاز و شرف حاصل ہوا اور ملت نے فتی العرب (عرب کے سورما) کا خطاب دیا ان میں یہ سعادت سب سے بڑھ کر نصیب ہوئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیش گوئی حضرت ابوایوب انصاریؓ کے جسم کی حراست و محافظت کی فرمائی تھی وہ کس خوبی کے ساتھ امیر یزیدؒ ہی کے جوش ایمانی کی بدولت پوری ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بعد ہجرت مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابوایوب انصاریؓ نے شب میں آپ کے استراحت فرماتے وقت پہرہ دیا تھا، جس پر آپ نے فرمایا تھا "حرسك الله یا ابا ایوب کما بت تحرس نبیه" صاحب کتاب الروض الانف شرح السیرة النبویه لابن ہشام بجا طور سے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا سے ابوایوبؓ کے جسم کی رومیوں ہی سے حراست کرائی پھر انہوں نے اس سب واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ قیصر روم کے اس گستاخانہ کلام پر کہ تم لوگ جب یہاں سے چلے جاؤ گے ہم قبر کھود کر ان کی ہڈیاں پھینک دیں گے۔ امیر یزیدؒ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں، جس سے متاثر ہو کر حضرت موصوف کی قبر کا کھود ڈالنا تو کجا الٹی ان ہی رومیوں سے اس کی حفاظت وحراست کرائی گئی۔

واقسم لهم یزید لئن فعلوا ذلك لنهدمن کل کنیسة بارض الروم ولننبش قبورهم فحینئذ احلفوا لهم

(امیر یزید نے قسم کھا کر ان (عیسائیوں) سے کہا کہ ایسی کوئی حرکت تم نے کی تو سرزمین عرب میں جتنے گرجا ہیں سب کو منہدم کردیا جائے گا، اور

لدینهم لیکرمن قبرہ ولیحرسنه ما استطاعوا (ص ۴۳۶)

(عیسائیوں) کی قبروں کو اکھاڑ پھینکا جائے گا تب تو اس دھمکی کے نتیجے میں ان کے دین کے مطابق حلف لے لیا کہ وہ ان کی قبر کا اکرام اور اس کی حفاظت وحراست کریں گے۔

ایسے پُرجوش مجاہد اور حرمت صحابہ کے جاں نثار پر سبائی راویوں کی خرافات سے متاثر ہو کر سب و شتم کرنا کیا سبائیت زدہ ذہنیت کا ثبوت نہیں۔ اسی دارالعلوم دیوبند کے اکابر میں حضرت مولانا مدنی علیہ الرحمۃ نے محولہ بالا مکتوب میں فرمایا تھا کہ :-

"خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں"

امیر یزیدؒ کا زمانہ تو خیر القرون کا قرن اول تھا۔

نبعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قرن وکان آخرہ موت یزید بن معاویہ (البدایہ والنہایہ ص ۲۲۹)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس قرن میں ہوئی جس کا آخر موت یزید بن معاویہؓ تھا۔

اور اسی قرن ہی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مشہور ہے کہ میرے زمانے کے لوگ سب سے اچھے پھر اس کے جو اس سے ملا ہوا پھر اس کے جو اس سے ملا ہوا ہو۔

"خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم"

یہ زمانے صحابہ وتابعین وتبع تابعین کے زمانے تھے۔ قرن اول وثانی میں خاص کر شجاعان اسلام نے اسلام دشمن قوتوں کا استیصال کیا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں :-

پیغمبر مارا وعدہ فتح بلاد شام وبلاد عجم متحقق شد قال اللہ تعالیٰ لیظهره علی الدین کله و این وعدہ بنابر حکمت الٰہی در زمان آنحضرت بظهور نہ رسید لاجرم خلفاء را بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منصوب ساخت تا آں موعود منجز گردد (ازالۃ الخفاء ۱ ص ۲)

ممالک شام وعجم کے فتح ہونے کا وعدہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے متحقق ہوا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تمام ادیان پر (اس دین کو) غلبہ دیں گے "اور یہ وعدہ حکمت الٰہی کی بنا پر آنحضرت کے زمانہ میں ظہور میں نہ آیا (پوری طرح) بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلا شبہ خلفاء کو مقرر و متعین کیا گیا تاکہ وہ وعدہ عملاً پورا ہو۔

خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کے مبارک زمانوں میں فتح بلاد شام وعجم کے وعدہ خداوندی کا جو عملی ظہور ہوا تاریخ سے ثابت ہے۔ خلیفۂ چہارم کے ایام اس سے خالی رہے، پھر حضرت معاویہؓ کے عہد میں اور اس کے بعد خلفائے بنی اُمیّہ کے زمانہ میں اس کا عملی ظہور ہوا۔

اقوام وملل کے عروج وزوال کے رمز شناس جانتے ہیں جو قومیں اور ملتیں بام عروج کی جانب گامزن ہوتی ہیں ان کے افراد کو عظائم امور کے حصول کے لئے کوئی سد راہ نہیں ہوتی۔ امیر یزیدؓ کا زمانہ پہلی صدی ہجری کا وسطی زمانہ تھا اصاغر صحابہ اور ان کی اولاد نے دین وملت کی سرفرازی کے لئے مہالک وخطرات کی پرواہ کئے بغیر جہادی سرگرمیوں میں اس جوش وولولہ سے دنیا کو کھونڈ ڈالا تھا کہ ان کی زبان حال سے کہا جا سکتا تھا۔ ؎

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دئے گھوڑے ہم نے

اس فضا میں یزیدؒ جیسے شجیع شہسوار دشمنان دین پر غلبہ حاصل کرنے کی مہمات کی شرکت سے کیسے باز رہ سکتے تھے۔ مہمات کی قیادت اکثر وبیشتر اموی وثقفی جواں مردوں کے ہاتھ میں تھی جن کے زیر قیادت ہاشمی وقریشی اکابر بخوشی شرکت کرتے۔ ۳۰ھ میں بزمانہ خلافت عثمانی ایک اموی مجاہد حضرت سعید بن العاص جب خراسان پر جہاد کیا حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے علاوہ حضرت حسنؓ اور حسینؓ بھی ان کی فوج میں شامل تھے (طبری ج ۵ ص ۵۷)

ان سے تقریباً انیس برس بعد ۴۹ھ میں جیسا ذکر ہو چکا ان ہاشمی وقریشی اکابر نے ایک دوسرے اموی مجاہد امیر یزیدؒ کی سرکردگی میں شرکت جہاد کی اس وقت حضرت حسنؓ تو طویل علالت کے بعد فوت ہو چکے تھے، مگر حضرت حسینؓ وحضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے ہاشمی اکابر اموی قائد کے زیر قیادت برابر برابر شریک رہے۔ تاریخ کے ان ٹھوس واقعات کو نہ قاسمی صاحب کسی تاویل باطلہ سے جھٹلا سکتے ہیں اور نہ دارالعلوم دیوبند کے کوئی اور بزرگوار۔

روایات کے مبالغات اور آپس کے تخالف کا جو اشارہ مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ نے اپنے مکتوب میں کیا ہے، جتنا زمانہ گزرتا گیا ایک فرقہ نے اکاذیب کا وہ انبار در انبار اکٹھا کر کے پھیلا دیا جس کے زبوں اثرات عوام کے اذہان پر اس درجہ غالب آتے گئے کہ آج کا تو ذکر کیا اب سے چھ سو برس پہلے کا ایک واقعہ صاحب النجوم الزاہرہ (ج ۱ ص ۱۳۴) وصاحب مرآۃ الزمان (ج ۸ ص ۴۹۶) نے مختصراً بیان کیا ہے کہ بغداد کے دارالعلوم نظامیہ میں امام ابوالخیر احمد بن اسمٰعیل الشافعی سے جو مفسر وفقیہ اور عابد وزاہد

بزرگ تھے کسی نے دسویں محرم کو «یزید» پر لعن کرنے کو کہا آپ نے فرمایا ذالک امام مجاھد او مجتھد «وہ امام مجاہد یا مجتہد تھے» سبائیۃ زدہ ذہنیت کے لوگوں کو اتنا سننے کی تاب کہاں تھی امام صاحب کو جان بچانی مشکل پڑ گئی۔ جب چھ سو برس پہلے یہ حال تھا تو آج کے دور انحطاط میں اس بحث کی بے لاگ تحقیق و ریسرچ پر قاسمی صاحب غیظ و غضب میں جامہ سے باہر ہو کر فضول اور لایعنی اعتراضات کی بھرمار شروع کر دیں یا دار العلوم سے پھر اس قسم کی آوازیں سنائی دینے لگیں جو لکھنؤ کے «امام باڑہ غفران مآب» کے کسی ذاکر کی زبان سے نکلتی ہیں تو کیا جائے تعجب۔

کاش یہ حضرات آپس کے تخالف یا اقتصادی مصلحتوں کی پرواہ کئے بغیر ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ جس امام المجاہدین و امیر المومنین کی مغفرت حدیث نبوی سے ثابت ہو جس کے جوش ایمانی، غیرت ملی، حب رسولؐ و صحابۂ رسول کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی عملاً ظہور پذیر ہو کر «یدفن عند سور القسطنطنیۃ رجل صالح» (العقد الفرید ج ۳ ص ۱۳۳) یعنی قسطنطنیہ کی فصیل کے پاس ایک مرد صالح دفن ہوگا پھر اسی مرد صالح کی تدفین اور اس کی قبر کی حراست جس مجاہد کے دلیرانہ و شجاعانہ حملے کے نتیجے میں دشمنوں ہی سے کرائی گئی ہو، اس پر اس طرح سب و شتم کرنا جس طرح قاسمی صاحب نے کیا ہے کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔

---

(۳)

فضل یزیدؒ

کتاب «خلافت معاویہؓ و یزیدؒ» کے ص ۲۱۵ و ص ۲۱۶ پر امیر یزیدؒ کی سیرت کے سلسلے میں پہلے تو ائمہ اسلام و اساطین علم و فضل یعنی امام احمد بن حنبلؒ و امام غزالیؒ کے اقوال پیش کئے گئے تھے کہ اول الذکر نے امیر موصوف کو ان زہاد صحابہ و تابعین کے زمرہ میں شامل کیا ہے جن کے مواعظ سے ہدایت حاصل کی جاتی تھی، ساتھ ہی ان کا ایک قول مثالاً نقل بھی کیا ہے۔ امام غزالیؒ نے تو اس شخص کو پرلے درجہ کا احمق بتایا ہے جو یہ گمان کرتا ہو کہ یزیدؒ نے قتل حسینؓ کا حکم دیا تھا یا اس سے رضامندی کا اظہار کیا تھا حتیٰ کہ امام صاحب نے ان کے نام پر «رحمۃ اللہ علیہ» کہنے کو نہ صرف جائز بلکہ مستحب قرار دیا ہے، ان حضرات کے اقوال پیش کرنے کے بعد ہی حنبلی بزرگ شیخ عبد المغیثؒ کی تصنیف «فضل یزیدؒ» کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا تھا کہ بنی امیہ اور امیر یزیدؒ کے مخالفانہ پروپگنڈے کی فضا میں یہ کتاب لکھی گئی تھی۔ چنانچہ بیان ہوا تھا کہ:-

> «پانچویں صدی ہجری کا وہ زمانہ ہے جب بنی امیہ اور خاص کر امیر یزیدؒ کے مخالفانہ پروپگنڈے نے شدت اختیار کر لی تھی، کذب و افتراء سے طرح طرح کے بہتان تراشے گئے تھے۔ بعض علمائے امت احقاق کی خاطر انکشاف حقیقت پر کمر بستہ ہوئے۔ منجملہ ان کے شیخ عبد المغیث بن زہیر الحربی تھے»

چنانچہ شیخ موصوف کی کتاب کے تعارف میں علامہ ابن کثیرؒ کے یہ الفاظ بھی نقل کئے گئے تھے۔

ولہ مصنف فی فضل یزید بن معاویۃ اتی فیہ بالغرائب والعجائب	اور ان کی (شیخ عبد المغیث کی) تصنیف (سے ایک کتاب) فضل یزید بن معاویہ پر ہے جس میں عجیب و غریب حالات بیان کئے گئے۔

ذکر محض اس واقعہ کا تھا کہ شیخ عبد المغیثؒ نے جن کو ابن کثیرؒ نے بتایا ہے کہ «وہ حنبلی صالحین میں مرجع عوام تھے» اس فضا میں جس کا ذکر سطور بالا میں کیا گیا ہے فضل یزیدؒ پر کتاب تصنیف کی تھی لہذا مصنف اور کتاب کا ذکر کرتے ہوئے ابن کثیرؒ کی بیان کردہ یہ حکایت بھی انکے الفاظ میں مختصراً درج کر دی گئی تھی کہ جب اس کتاب کا چرچا ہوا تو خلیفہ الناصر بہ تبدیل ہیئت شیخ موصوف سے ملے اور پوچھا کہ یزید پر لعن کیا جائے کہ شیخ نے کہا کہ لعن جائز نہیں کیونکہ لعن کا دروازہ کھول دیا جائے

تو لوگ ہمارے زمانہ کے خلیفہ پر بھی لعن کرنے لگ جائیں گے کہ ان سے بھی منکرات سرزد ہوتے ہیں یہ حکایت بطور لطیفہ بیان ہوتی تھی۔ اس روایت کے خلاف جو روایت دوسری کتاب میں ہے۔ بنظر اختصار ترک کی گئی تھی اور ابن کثیرؒ کا یہ فقرہ بھی جو موقع و محل اور سیاق و سباق عبارت کے اعتبار سے غیر ضروری تھا حذف کیا گیا تھا جس ابن الجوزی نے شیخ کی کتاب کا رد لکھا تھا۔ اور وہ اچھا نہ تھا؟ ابن الجوزی نے اپنی کتاب کا نام رکھا تھا "الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید" یعنی "اس ضدی متعصب کا ردجو یزید کی مذمت کا مانع ہے"! قاسمی صاحب کو یہی ضد ہے کہ "فضل یزید" کے ساتھ ساتھ "ذم یزید" کا تذکرہ کیوں ترک کیا گیا۔ بالفاظ دیگر وہ اس پر ناراض ہیں کہ یزید کو اچھا کہنے کے ساتھ اسے برا کیوں نہ کہا گیا، مدح کی گئی تھی، اور مدح کی کتاب کا ذکر کیا گیا تھا تو لعنت بھی کی جاتی اور لعنتی کتاب کا تذکرہ بھی ساتھ ہی ہوتا، چونکہ اس "حماقت" کا ارتکاب نہیں کیا گیا اس کو وہ جرم قرار دیتے ہوئے "حوالہ جات اور تراجم میں تصرف" کہنے اور "ابن کثیر کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر ان پر بہتان باندھنے" کا الزام عائد کرتے ہیں۔ مزہ لطف تو یہ ہے کہ "یہ کارنامہ" بھی خود ان ہی کے قلم "فریب رقم" نے انجام دیا ہے۔ ابن کثیرؒ نے تو ابن الجوزی کا ایسا کوئی قول نقل نہیں کیا تھا جس میں یزید پر لعن کا جواز ہو۔ قاسمی صاحب نے ابن کثیر پر بہتان باندھتے ہوئے "اور جواز لعن" کا فقرہ دوسری کتاب سے بے موقع نقل کرتے ہوئے یہ بھی فرما دیا ہے کہ شیخ عبد المغیث اور ابن الجوزی دونوں حنبلی ہیں۔ یعنی ان کے زعم باطل میں حنبلیوں کے یہاں شخص معین پر لعن جائز ہے۔ مگر یہ تو بہتان ہے، شیخ الحنابلہ امام احمد بن حنبلؒ پر جن کا مذہب و مسلک اس بارے میں بالکل واضح ہے "وکلام احمد انما فیہ لعن الظالمین جملہ لیس فیہ تصریح بجواز لعن یزید معینا" (کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ لابن رجب ۳۵۶ھ) امام صاحب نے تو اپنے رسالہ میں صاف صاف لکھا ہے کہ:۔

"امام وقت اور خلیفہ قائم کی خواہ وہ فاسق و فاجر ہو یا نیکوکار اور پرہیزگار اطاعت واجب ہے اور جب مسند خلافت پر اس طرح متمکن ہوا کہ لوگ اس کی امامت پر جمع ہو گئے ہوں اور اس سے راضی ہوں، یا وہ بزور شمشیر خلیفہ بن بیٹھا ہو اور لوگ اسے امیر المومنین کہنے لگے ہوں کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ان ائمہ اور خلفاء پر طعن کرے یا اس بارے میں منازعت کرے.... جس نے امام المسلمین کے ساتھ خروج کیا۔ جس پر لوگ جمع ہو گئے ہوں اور جس کی خلافت ماننے لگے ہوں خواہ یہ اقرار برضا و رغبت ہو یا بہ جبر و کراہ ـــــ تو اس شخص نے سلمانوں کی قوت کو پارہ پارہ کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کے خلاف کیا اور اگر اس خروج کی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی تو یہ شخص جاہلیت کی موت مرا"
(المناقب لابن الجوزی بحوالہ حیات امام احمد بن حنبلؒ)

قاسمی صاحب کی اس کذب بیانی سے کہ حنابلہ کے یہاں لعن یزید کا جواز ہے، بات کہاں سے کہاں جا پہنچی۔ یزید بن معاویہؓ کے خلیفہ و امیر المومنین ہونے سے کسی کو بھی مجال انکار نہیں ہو سکتی۔ خود علامہ ابن کثیرؒ جن پر قاسمی صاحب بہتان باندھ رہے ہیں، امیر موصوف کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:۔

هو يزيد بن معاوية ......امير المومنين ......بويع له بالخلافة فى حياة ابيه ......ثم اكد ذلك بعد موت ابيه۔ (البدایہ ج ۸ ص ۲۲۹)	(وہ یزید بن معاویہ ...... امیر المومنین (تھے) اپنے والد کی حیات میں خلافت کی بیعت ان کے لئے لی گئی..... پھر بعد وفات ان کے والد کے اس (بیعت) کی توکید کی گئی۔

لہٰذا امیر المومنین یزیدؒ کے خلاف جس کسی نے خروج کیا یا ان پر طعن کیا، امام احمد بن حنبلؒ کی مندرجہ بالا تصریحات کے اعتبار سے اس کے بارے میں قاسمی صاحب کیا کہتے ہیں ـــــ راقم الحروف نے تو واضح الفاظ میں لکھ دیا ہے کہ "حضرت حسینؓ کی طہارت طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے موقف سے رجوع کر لیا" اسی بات کو بہ تغیر الفاظ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے جن کو قاسمی صاحب اور دوسرے دیوبندی ہم خیال "امام الہند" کہنے میں تامل نہ کرتے ہوں گے۔ یوں لکھا ہے کہ:۔

"جب وہ حضرت حسینؓ کوفہ پہنچے تو یکایک نظر آیا کہ حالت بالکل بدل چکی ہے۔ تمام اہل کوفہ ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں.... یہ حال دیکھ وہ معاملہ خلافت سے دستبردار ہو گئے اور فیصلہ کر لیا کہ مدینہ واپس چلے جائیں" (ص ۴۴ مسئلہ خلافت)

بہر حال، یہ توجملہ معترضہ کے طور سے یہاں یوں زبان قلم پر آگیا ہے کہ حنبلیوں کا نام جواز لعن کے سلسلہ میں لیا گیا تھا۔ ذکر تھا شیخ عبد المغیث بن زہیر بن علوی الحربی کی کتاب اور ان کی شخصیت کا۔ سو ان کے نام کے ساتھ صاحب کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ "المحدث الزاہد" کے الفاظ لکھ کر بتلاتے ہیں کہ وہ صالح تھے، متدین تھے، راست گفتار، امین، جمیل السیرت تھے، حمید الاخلاق تھے، اتباع سنت و آثار میں سرگرم تھے اور دیانت و امانت میں معروف" ان صفات کے بزرگ نے خلیفہ یزیدؒ پر لعن طعن سے منع کیا، کتاب لکھی، ابن الجوزی نے اس کا رد لکھا۔ ان کی کتاب کا نام ہی بتا دیتا ہے کہ کن خرافات کا مجموعہ ہوگی یعنی "ضدی، متعصب کا رد جو مذمت یزید کا مانع ہے"۔ ابن الجوزی کی ذہنیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ شیخ موصوف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابو بکر الصدیقؓ کے پیچھے نماز ادا فرمانے کے ثبوت میں جو تصنیف کی تھی ابن الجوزی نے ان کا رد بھی لکھ مارا تھا، اور نام رکھا تھا "آفۃ اصحاب الحدیث الرد علی عبد المغیث" غرض ان دونوں بزرگواروں میں بحث و مباحثہ برابر قائم رہا۔ حتیٰ کہ شیخ کی ۵۸۳ھ میں وفات ہو گئی "مات عبد المغیث وھما متھاجران" (ص ۳۵۶) اس زمانہ میں

امیر المومنین احمد الناصر لدین اللہ عباسیؒ خلیفہ تھے اور یہ ایسے خلیفہ تھے کہ خلفائے اسلام میں ان سے زیادہ یا ان کے برابر کسی کی بھی مدت خلافت نہیں رہی یعنی انچاس برس۔ وہ خود بھی بلند پایہ عالم تھے اور علم کے بڑے قدردان، مدرسہ نظامیہ بغداد میں دار الکتب تعمیر کرایا۔ دس ہزار کتابیں اپنے صرفہ سے مہیا کیں (مرآۃ الزمان ج ۸ ص ۶۴۲) مختلف شیوخ و محدثین سے اجازہ حاصل کیا۔ فن حدیث میں ان کی کتاب روح العارفین ہے۔ کان لہ اشتغال بالحدیث (اعلام زرکلی ج ۱)

شیخ عبد المغیث سے خلیفہ موصوف کی اچانک ملاقات کا حال صاحب کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ نے یحییٰ بن الصیرفی الفقیہ کی روایت سے لکھا ہے، وہ علامہ ابن کثیرؒ کی بیان کردہ روایت سے قطعاً مختلف ہے۔ یحییٰ کہتے ہیں خلیفہ موصوف کی ملاقات شیخ عبد المغیث سے اچانک امام احمد بن حنبلؒ کے مزار پر ہوگئی تھی۔ خلیفہ الناصر لدین اللہؒ کی ان سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ شیخ سے پوچھا کیا آپ ہی وہ عبد المغیث ہیں جنہوں نے "مناقب یزید" پر کتاب لکھی ہے۔ شیخ نے جواب میں کہا کہ مناقب پر تو نہیں لکھی لیکن میرا مذہب و مسلک یہ ہے کہ وہ (یزید) خلیفۃ المسلمین تھے اگر ان پر فسق کا الزام بھی ثابت ہو جائے تب بھی ان کی بیعت توڑ ڈالنے کا جواز نہیں ہوگا۔ یہ جواب سن کر خلیفہ موصوف بہت خوش ہوئے اور کہا "احسنت یا حنبلی" خلیفہ موصوف خود بھی مسلکاً حنبلی تھے اور ان کے والد ماجد امیر المومنین المستضی باللہ عباسیؒ جنہوں نے امام احمد بن حنبلؒ کے مزار کی درستی کرا کے لوح نصب کرائی تھی۔ امام صاحب کے بڑے معتقد تھے، غیر الخلیفہ کے لئے "امام" کا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے، مگر امام صاحب کے لئے کیا گیا (ص ۴۰۵)

ان تصریحات سے ابن کثیرؒ کی روایت پر جو روشنی پڑتی ہے اس سے بخوبی واضح ہے کہ قاسمی صاحب نے امیر المومنین یزیدؒ اموی اور امیر المومنین الناصر لدین اللہ عباسیؒ پر تبرائیوں کے لہجہ میں جو بہتان باندھا ہے کہ یہ یزید جن منکرات پر عمل کرتا تھا خلیفہ ناصر بھی ان ہی منکرات پر عمل کرتا تھا، وہ کس درجہ غلط اور سوقیانہ ہے اور یہیں سے یہ بات بھی بیّن طور سے ثابت ہو جاتی ہے کہ قاسمی صاحب نے "ولا اسوغ" کا ترجمہ کیسا غلط کیا ہے۔ صحیح ترجمہ اس موقع پر وہی ہے جو راقم الحروف نے کیا ہے۔ ساغ وسوغ الامر۔ جاز فعلہ وجورہ (المنجد ص ۳۶۹)

خیر یہ تو سات آٹھ صدی پہلے کی اور دوسرے اسلامی ملکوں کے علماء کی باتیں تھیں، اب قاسمی صاحب اور ان کے دیوبندی احباب یہ بھی سن لیں کہ انہیں کے موجودہ "اتر پردیش" میں الشیخ الفاضل نور الدین بن اسماعیل الحنفی الرمفوسی متوفی ۱۲۶۰ھ کی اسی مبحث پر "خلیفۃ الرحمٰن" اور "الفاروق بین الحق والباطل" دو تالیفات ہیں۔ اپنی کتاب "خلیفۃ الرحمٰن" میں یہ کہتے ہوئے کہ "ان یزید کان شاعراً، عالماً دبیراً

احسن الوجیہ" لکھتے ہیں کہ ان کی پھوپی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ تھیں۔ رسول اللہ صلعم کے قرابت داروں کا احترام واجب ہے "الصحبۃ سبب القرابۃ نسباً وحسباً جمیعاً" پھر کہتے ہیں کہ ان کی خلافت کی بیعت صحابہ نے کی تھی، صحابہ کا اتباع واجب ہے تو ان کا استخلاف بھی اسی طرح واجب ہے۔

واذا عرفت ھذا فنسبۃ الفسق والکفر الی یزید بن معاویۃ حرام واستحلال کفر۔	ان امور کے جان لینے کے بعد فسق اور کفر کی نسبت یزید بن معاویہ سے کرنا حرام ہے اور اس کا جائز رکھنا کفر ہے۔

جو بہتان شراب نوشی لگائے جاتے ہیں ان کے بارے میں کہتے ہیں:۔

فھذا کلہ بھتان عظیم لا یجوز سمعہ	پس یہ سب کچھ بہتان عظیم ہے اس کا سننا بھی جائز نہیں۔
آخر میں کہتے ہیں:۔ یزید بن معاویۃ کان خیراً من جمیع الناس فی زماننا لانہ رای اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا یذکروا الا بالخیر۔	یزید بن معاویہ ہمارے زمانہ کے سب ہی لوگوں سے بہتر و برتر ہے۔ کیونکہ انہوں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا (بلکہ ان کی صحبت سے مستفیض تھے) پس ان کا ذکر اچھائی کے ساتھ کرو۔

کردار ابن سعدؓ

معلوم نہیں اکابرین دیوبند میں سے کسی نے "ان الشیخ الفاضل" کی مصنفات کا رد لکھا تھا یا نہیں۔ خیر اس قصہ کو چھوڑئے اور یہ دیکھئے کہ عمر بن سعدؓ کے سلسلہ میں قاسمی صاحب نے کیسی شرمناک کذب بیانی کی ہے فرماتے ہیں کہ:۔

"جناب عباسی صاحب نے عمر بن سعد کے بارے میں تہذیب التہذیب کی حسب ذیل عبارت نقل کر کے یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ عمر بن سعد کا کردار ویسا ہی بے داغ ثابت ہوتا ہے جیسا ان جیسے ثقہ و بلند پایہ تابعی کے حالات سے توقع کی جاتی ہے"

کتاب "خلافت معاویہؓ و یزیدؒ" کے تقریباً ۲۸ صفحات یعنی ص ۱۹۹ تا ص ۲۲۶ میں بدلائل و براہین قاطعہ سے اس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ صوبہ عراق کے امیر عسکر عمر بن سعدؓ کے کردار کے بارے میں سبائی راویوں نے جو انبار جھوٹی روایتوں کا کتابوں میں اکٹھا کیا ہے پر کاہ کے برابر بھی ان کی اصلیت و حقیقت نہیں حضرت حسینؓ سے ان کی قرابت قریبہ کا تفصیلاً ذکر کرنے کے بعد عرض کیا تھا کہ:۔

"ان حالات کے پیش نظر حضرت حسینؓ یا ان کے کسی عزیز کے خلاف امیر عسکر عمر بن سعدؓ کی موجودگی

ہیں جابرانہ و متشددانہ فعل تو کجا کوئی سخت رویہ بھی نہیں برتا جاسکتا تھا۔ ایسی صورت میں وضاعین کو اس شکل کا سامنا تھا کہ وحشیانہ مظالم اور معرکہ آرائیوں کی وضعی داستانوں کو کس طرز پر مرتب کریں اور کیا وجہ اور سبب ایک ایسے امیر عسکر کی موجودگی اور شمولیت کا بتائیں جن کے یہ حالات ہوں، جس کی یہ خاندانی اور آبائی وابستگی خاندان نبوت سے ہو، جس کے یہ تعلقات قرابت ہاشمی خاندان سے ہوں، جس کی کسی مخالفت خاندانی کا یا جس کے ذاتی کردار کی کمزوری کا کوئی ادنیٰ ثبوت بھی دستیاب نہ تھا۔ وضاعین نے چنانچہ یہ روایت وضع کر ڈالی کہ عبیداللہ عارضی گورنر کوفہ نے ملک رے کی حکومت کا فرمان عمر بن سعد کے لئے لکھ دیا؎ پھر اس لغو اور جھوٹی روایت کی اور اسی طرح کے دوسرے اکاذیب کی قلعی کتب تاریخ و جغرافیہ کے حوالہ جات سے کھول دینے کے بعد لکھا گیا تھا کہ :۔

دلندیزی محقق دے خوتے نے صحیح کہا ہے کہ جب اس حادثہ کے بیانات نے افسانہ کی سی نوعیت اختیار کر لی ابن سعدؓ کو بھی قاتل کہا جانے لگا، اسی غرض سے یہ چند امور پیش کئے گئے کہ ایک طرف تو یہ راوی بیان کرتے ہیں کہ یہ قتل حسینؓ پر ابن سعدؓ کو ایسا رنج و قلق ہوتا ہے کہ زار و قطار رونے لگتے ہیں، رخسار اور داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتے ہیں، خواتین اور پس ماندگان کو عزت و حرمت سے سوار کرا کے بھیجتے ہیں۔ دوسری طرف یہی راوی وہ بھیانک تصویر ان کے وحشیانہ مظالم کی کھینچتے ہیں جن کے تصور سے بھی دل لرز جاتا ہے۔ مگر ان حقائق کو جب پیش نظر رکھا جائے جو بُعد مسافت (مکہ و کربلا) تعداد منازل و مراحل، روانگی سفر کی صحیح تاریخ کربلا کے محل وقوع وغیرہ کے بارے میں مستند کتب، جغرافیہ و بلدان وغیرہ کے حوالہ جات سے پیش کئے گئے ہیں تو یہ سب وضعی روایات، اختراعی داستانیں اور مبالغات ہباءً منثورا ہو جاتے ہیں۔ اور عمر بن سعدؓ کا کردار ویسا ہی بے داغ ثابت ہوتا جیسا ان جیسے ثقہ و بلند پایہ تابعی کے حالات سے توقع کی جا سکتی ہے۔ طبقات ابن سعد میں بذیل الطبقۃ الاولیٰ من اھل المدینۃ من التابعین کے زمرہ میں ان کا ذکر ہے اور شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں مندرجہ ذیل عبارت میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ کیسے کیسے لوگوں نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے؟

خط کشیدہ فقرات کے بیک نظر دیکھنے ہی سے بیّن طور سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جناب قاسمی صاحب نے صحافی دیانت کو کس شرمناک طریقہ سے مجروح کیا ہے۔ تہذیب التہذیب کی عبارت عمر بن سعدؓ کے کردار کو بے داغ

ثابت کرنے کے لئے نقل نہیں ہوئی۔ جیسا کہ جناب قاسمی صاحب نے صریحاً کذب بیانی کی ہے، بلکہ محض اس لئے نقل ہوئی ہے، کہ وہ تابعی راوی حدیث ہیں اور کن کن حضرات نے ان سے روایت کی ہے اس سلسلہ میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ وہ عمر بن سعدؓ کو "قتل حسین" سے جب متہم کیا جانے لگا۔ متاخرین میں سے بعض کو ان کی مروی احادیث لینے میں تامل ہوا" یہ کہہ کر متاخرین کے طرز عمل کی غلطی کو بھی واضح کیا گیا ہے اب آپ خود ہی غور فرمائیں کہ معترض کے اعتراض کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے۔

امیر یزید کی ثقاہت

جناب قاسمی صاحب نے تہذیب التہذیب کے ایک اور حوالہ کی غلطی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے بڑی تفصیل اور شد و مد کے ساتھ راقم الحروف کے "دھوکہ دینے کی سعی" کو ثابت کرنا چاہا ہے، مگر ان کو اور دوسرے معترضین کو اصل حال معلوم ہو جانے کے بعد بشرطیکہ اعتراض و نکتہ چینی خلوص نیت سے کئے گئے ہوں، اپنے وار کے خالی جانے پر ندامت کا احساس نہ بھی ہو تو افسوس تو ضرور ہونا چاہئے ص۴۵؟ پر جو عبارت ان الفاظ سے شروع ہوتی :۔

"تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر رواۃ حدیث میں کرتے ہوئے محدث یحیٰ بن عبد الملک بن عتبہ الکوفی کا یہ قول نقل کیا ہے......"

اصل مسودہ میں عبارت حسب ذیل تھی۔ مگر کاتب کی غلطی سے یہ عبارت جو ایک صفحہ کتاب پر آتی اسی طرح ترک ہو گئی جو اس کتاب میں ص۳۲۵ پر باوجود اس حاشیہ کے درج ہو جانے کے کہ "یہ نہر یزید کا تفصیلی حال آئندہ صفحات پر ملاحظہ ہو" ترک ہو گئی تھی۔ سب کو معلوم ہے اور "عرض مولف" میں اس کا ذکر بھی ہے کہ رسالہ تذکرہ کراچی کے بارہ شماروں میں جو مضامین راقم الحروف کے شائع ہوتے تھے ان کے مطالعہ پر عام خواہش کا اظہار خطوں میں کیا گیا کہ ان کو جلد کتابی صورت میں لایا جائے مطبوعہ اوراق میں ترمیم و اضافے اس طرح کئے گئے کہ بعض عبارتیں حاشیہ پر چسپاں کر دی گئیں۔ کاپی نویسی کی کاپیاں دیکھنے کی زحمت بعض عزیزوں، دوستوں نے گوارا کی۔ ترک عبارت کا حال بعد میں کھلا جب تصحیح و طباعت کا موقع ہی نہ رہا تھا۔ وہ اصل عبارت یہ ہے[1] :۔

تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث یحیٰ بن عبد الملک بن عتبہ الکوفی کا جن کو وہ "احد الثقات" یعنی ثقہ راویوں

---

[1] کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں یہ عبارت جہاں ترک ہو گئی تھی درج ہو گئی ہے۔

میں شمار کرتے ہیں۔ یہ قول اپنے ہی طرح کے ایک اور ثقہ " راوی نوفل بن ابی عقرب کی سند سے نقل کیا ہے کہ اموی خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ نے محض اتنی سی بات پر کہ وہ کوئی شرعی جرم نہیں ایک شخص کے بیس کوڑے لگوائے تھے کہ امیر یزید کا ذکر اس نے "امیر المومنین" کہہ کر کیا تھا۔ مگر ان "ثقہ" راویوں کی روایت کا جو سب کے سب مجہول الحال ہیں اندازہ خلیفہ موصوف ہی کے عمل اور قول سے ہوجاتا ہے۔ جو ان ہی ابن حجر عسقلانی نے اپنی دوسری تالیف لسان المیزان میں نقل کیا ہے یعنی :-

وقال ابن شوذب سمعت ابراهيم بن ابي عبلة يقول سمعت عمر بن عبد العزيز يترحم على يزيد بن معاوية (لسان المیزان ج ۶ ص ۲۹۴)	اور ابن شوذب نے بیان کیا کہ میں نے ابراہیم بن ابی عبلہ سے یہ بات سنی ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے (خلیفہ) عمر بن عبد العزیز کو یزید بن معاویہ پر رحمۃ اللہ علیہ کہتے سنا ہے۔

ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن شوذب الخراسانی متوفی ۱۵۶ھ جو عام طور سے ابن شوذب کہلاتے تھے۔ بڑے پایہ کے ثقہ راوی ہیں۔ بخاری میں ان سے روایت لی گئی ہے۔ ابن معین و نسائی و ابن حبان سب ہی نے ان کو ثقہ و صدوق بتایا ہے۔ برخلاف وضعی روایت کے راویوں یحییٰ بن عبد الملک و نوفل بن ابی عقرب کے جو مجہول الحال ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ نے الصارم المسلول علی شاتم الرسول (۵۶۹) میں ابراہیم بن میسرہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ میں نے (خلیفہ) عمر بن عبد العزیزؒ کو کسی انسان کو مارتے پیٹتے نہیں دیکھا سوائے ایک شخص کے جس نے (حضرت) معاویہؓ کی بدگوئی کی تھی۔ اس کے خلیفہ موصوف نے کوڑے لگوائے تھے۔ بات کیا تھی، کذابین نے کیا سے کیا بنا دی۔ تہذیب التہذیب میں ان ہی ابن حجر نے امیر موصوف کے فرزند عبد الرحمٰن کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث ابن حبان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ ان کو فی الثقات یعنی ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں۔ ابن حجر یہ بھی لکھتے ہیں کہ عبد الرحمٰن نے اپنے والد امیر یزیدؒ سے روایت حدیث کی ہے۔ بیٹا تو ثقہ اور باپ جس سے روایت لے وہ غیر ثقہ۔ "این چہ بوالعجبی است"

متاعِ دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خوں ریز ہے ساقی

یزید! جسے خدا نے بخشا
مگر بندوں نے نہیں بخشا

(منقول از ماہنامہ تجلی دیوبند۔ جولائی ۱۹۶۰ء)

مہینوں سے متعدد حضرات ہمیں لکھے جا رہے ہیں کہ محمود احمد عباسی صاحب کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کے رد میں جو کتابیں شائع ہوئی ہیں تم ان پر نقد کیوں نہیں کرتے جبکہ تم نے تائیدی تبصرہ کیا تھا۔ ہم جواب عرض کریں گے کہ تبصرہ بے شک کیا تھا اور ہمیں اس پر نہ شرمندگی ہے نہ بے اطمینانی۔ لیکن اول تو کتاب کے مصنف ماشاء اللہ حیات ہیں۔ معترضین کی جواب دہی ان ہی کے ذمہ ہے ہم سارے موضوعات کو چھوڑ کر اسی کے لیے ہو رہیں۔ دوسری بڑی اور اہلی معذوری یہ ہے کہ عباسی صاحب کی کتاب کی ضبطی کے حکم پر ہائیکورٹ میں اپیل دائر ہے۔ گویا قانونی زبان میں مقدمہ زیر سماعت ہے۔ وکلاء کا کہنا ہے کہ اس دوران میں کتاب کے موافق و مخالف کچھ بھی لکھنا توہین عدالت کے مرادف ہوگا۔ ہم نے اعتراض کیا کہ اور لوگ تو دھڑلے سے خلاف لکھے جا رہے ہیں۔ جواب ملا کہ وہ بھی ارتکاب جرم کر رہے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ بعض اپنی خان بہادری کی وجہ سے اور بعض نظر انداز کئے جانے کے سبب اب تک بچے ہوئے ہیں کون جانے کب قانون ان سے بازپرس کرے۔ یہ جواب مدلل تھا، لہٰذا ہم نے قلم روک دیا اور اب بھی رکے رہیں گے جب تک عدالت فیصلہ صادر نہ کر دے۔

تاہم آج اس کتاب سے ہٹ کر ایک تماشائے عبرت یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ عباسی صاحب کا رد لکھنے کے جوش میں ہمارے ایک محترم بزرگ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند علوم و

معارف کی کن بے انداز بلندیوں پر پہنچ گئے ہیں، آپ کی ایک کتاب عباسی صاحب کی کتاب کے رد میں ابھی شائع ہوئی ہے، جس پر تفصیلی گفتگو تو ہم انشاء اللہ اگلی کسی صحبت میں کریں گے کیونکہ تجلی کا دامن ابھی بعض اور مباحث سے گرانبار ہو رہا ہے۔ فی الوقت اس کے ایک خاص جز پر لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ اس لئے کیا ہے کہ دوران مطالعہ ہم اپنی بیتابی نہ دبا سکے اور بے اختیار جی چاہا کہ جو عبرت ہمیں نصیب ہو رہی ہے اس میں قارئین تجلی کو بھی شریک کرلیں۔

ویسے اس دوران میں دو کتابیں اور بھی سامنے آئی ہیں۔ جن میں سے ایک تو سامرؔ کے ایک بزرگ کی ہے جو کافی سن رسیدہ ہونے کے باوجود جذبات کی دوڑ میں جوانوں کو بھی مات کرتے ہیں۔ انہوں نے عباسی صاحب کے ساتھ ہمیں بھی ناپا ہے۔ مزا یہ ہے کہ ان کا گز دیسی ہے عربی نہیں۔ اب ہم ان سے کیا کہیں کہ آپ کے جگر لخت لخت کے سارے ڈھیر کو ابن تیمیہ کی منہاج السنۃ کے صرف چند صفحے گرد کی طرح اڑا دے سکتے ہیں۔ کاش انہیں موقع ملے کہ کسی عربی دان سے منہاج السنۃ کے متعلقہ مباحث سبقاً سبقاً پڑھیں اور دل و دماغ کو خون کے غیر ضروری دباؤ سے بچا کر اعتدال و توازن کے ساتھ غور کریں۔

دوسری کتاب ایک علی بہادر خان صاحب کی ہے۔ اسے پڑھ کر ہمیں گمان ہوا کہ کسی شیعہ بزرگ نے تقیہ کی مسند پر بیٹھکر صادر کردی ہے۔ کوئی عیب نہیں جس سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو متصف نہ کیا گیا ہو اور کوئی خوبی نہیں جو اس صحابی رسول کو چھو کر گئی ہو۔ امت کے سواد اعظم کا مسلک تو امیر معاویہؓ کے بارے میں یہ ہے نہیں لہٰذا سوائے شیعہ حضرات کے کس سے توقع ہوسکتی تھی کہ یہ آن بان دکھلائے گا۔ یہ ضرور ہے کہ جگہ جگہ شیعی مسلک کا بھی خلاف نظر آتا ہے لیکن جب شیعہ بزرگوں کی دانست میں حضرت علیؓ تک تقیہ کرسکتے تھے تو دوسرا کون ہے جسے پیدائشی حقِ تقیہ نہ ہو اور تقیہ کی جھولی سے ہر کذب و منافقت کا جواز بلکہ استحسان نہ نکالا جائے۔

تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ہم نے غلط سمجھا تھا۔ مصنف شیعہ نہیں خیر سے سنی ہیں۔ تعجب پھر بھی نہیں ہوا، ہم جانتے ہیں کہ تشیع کسی نسلی و پیدائشی وصف کا نام نہیں یہ تو ذہن کے ایک خاص رجحان اور کیفیت کا نام ہے پہلے بھی کتنے ہی بزرگ ایسے ہو گزرے ہیں جو باوجود سنی ہونے کے ذہنی طور پر شیعہ یا لفضی شیعہ ہی تھے۔ آج بھی بے شمار سنی ہیں جو پوری معصومیت کے ساتھ فکری اعتبار سے تشیع کے زندانی ہیں۔ بہادر صاحب نے اپنی دانست میں ممکن ہے کوئی کارنامہ انجام دیا ہو لیکن جو اہل علم ہیں وہ جانتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ کو جہنم پہنچانے کے یہ سارے حربے پرانے ہیں اور ابن تیمیہ کی ایک ہی کتاب منہاج السنۃ نے انہیں قیامت کے لئے کند کر کے رکھدیا ہے۔ جنہیں منہاج السنۃ تک دسترس نہ وہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" دیکھ لیں یا مولانا عبدالشکور کے رسالہ جات ملاحظہ فرمالیں، آج جو شخص ان چبائے ہوئے لقموں کو نان گرم بنا کے پیش کرتا ہے وہ ادارۂ دعوت (دہلی) اور رام نگری بزرگ اور کم علم عوام کو تو دھوکہ دے سکتا ہے پڑھے لکھوں کو مرعوب نہیں کرسکتا۔ فی الوقت ہماری بحث چونکہ شیعوں سے نہیں اس لئے اس کتاب سے تعارض نہیں کرنا، البتہ بہادر صاحب کی تحریر فرمودہ تمہید سے ایک دو نمونے اس کے پیش کئے دیتے ہیں کہ پوری کتاب میں روایتوں کے انبار نکالنے والے یہ بزرگ فن حدیث سے کس حد تک مس رکھتے ہیں اور سواد اعظم کے مسلک سے ان کے زاویۂ نظر کا فاصلہ کتنا ہے۔

ایک روایت کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ:۔

"مگر ہمارے نزدیک یہ روایت کسی حد تک مشتبہ ہے کیونکہ اس میں تواتر نہیں پایا جاتا" ص۹

فن حدیث کا کوئی بھی جاننے والا ان الفاظ کو پڑھ کر ہنس دے گا۔ جو شخص فن حدیث کی اصطلاح "متواتر" کا مطلب سمجھتا ہو وہ کبھی ایسی بچکانی بات نہیں کہہ سکتا۔ جن احادیث کو ناقدین فن نے صحیح مان کر واجب القبول بتایا ہے ان میں سے بہت تھوڑی سی ہیں جنہیں "تواتر" کا فنی درجہ حاصل ہو۔ یہ تو روایت کا آخری درجہ ہے اس سے نیچے کئی مدارج ہیں، ان سب مدارج میں حدیث صحیح کو غیر مشتبہ خیال کیا جاتا ہے۔ اگر تواتر ہی ازالۂ شبہ کے لئے لازم ہو تو پھر تو بخاری و مسلم تک کی اکثر و بیشتر حدیثیں مشتبہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ حالانکہ فن حدیث میں "مشتبہ" کا لفظ "ظنی" کے معنی میں نہیں بولا جاتا بلکہ اس کا درجہ بہت گرا ہوا ہے اور جو شخص "تواتر" نہ پائے جانے کے سبب روایت کو مشتبہ کہے وہ اس شخص کی مانند ہے جو یوں کہہ رہا ہو کہ فلاں چیز سونا نہیں لہٰذا بے قیمت ہے! —— حالانکہ تانبہ اور پیتل بھی ایک قیمت رکھتے ہیں[1]۔

جن حدیثوں میں آیا ہے کہ میرے صحابیوں کو برا مت کہو، ان کے حق میں زبان کو محتاط رکھو ان کے بارے میں بہادر صاحب کا ارشاد یہ ہے کہ: "ان کا اطلاق صرف بحیثیت مجموعی تمام جماعت صحابہ پر ہوتا ہے۔ نہ کہ افراد پر جہاں تک انفرادی حیثیت کا تعلق ہے بعض صحابہ سے کبیرہ گناہ بھی سرزد ہوتے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو قتل بھی کیا ہے اور ہر قسم کی غیر اسلامی حرکات ان سے سرزد ہوئی ہیں"

جزاک اللہ، آپ نے صرف حضرت معاویہؓ ہی کو نہیں جملہ صحابہ کو صلواتیں سنانے کا راستہ صاف کردیا۔ رسول اللہ اگر سن پائیں کہ میری نصیحت کو میرے بعض امتی کیا معنی پہنا رہے ہیں تو خدا ہی جانے کس قدر ملول ہوں۔ میرے محترم! صحابہ کو صلواتیں سنانے سے روکنے کا یہ منشاء نہیں تھا کہ ان سے خطا ہی نہیں ہوگی۔

---

[1] ہمارا مشورہ ہے یہ بہادر خان صاحب پہلی فرصت میں اصول حدیث کا مطالعہ فرمائیں۔

آپ اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ میں جتنے یہاں استعمال کئے ہیں ان کی خطاؤں کا یقین دلائیں تب بھی رسول اللہؐ کی نصیحت معطل نہیں ہو جاتی۔ صحابہ سے کچھ بھی سرزد ہوا ہو اللہ تعالےٰ اس کا حساب کرلے گا ہم اگر ان کے بارے میں گفتگو پر آمادہ ہی ہوں تو احتیاط و ادب کی کچھ تو لاج رکھنی چاہئے۔ ان کے افعال سے گزر کر نیتوں پر یلغار کرنا بہادری نہیں سنگدلی ہے اور سعادت نہیں شقاوت ہے۔

بہادر صاحب نے اصحابی کالنجوم والی حدیث کو من گھڑت بتایا ہے۔ پناہ بخدا۔ جس نے علم حدیث پڑھا ہو وہ حیران رہ جائے گا کہ یہ آواز کیسی آئی کیوں آئی۔ کاش بہادر صاحب کو معلوم ہوتا کہ حدیث صحیح اور حدیث موضوع میں کتنا طویل فاصلہ ہے اور جب تک فنی دلائل سامنے نہ لائے جائیں کسی مقبول روایت کو من گھڑت کہہ دینا کیسی سخت جرأت ہے۔ ہم تو نہیں پوچھیں گے مگر ان کی کتاب پڑھنے والوں کو ضرور پوچھنا چاہئے کہ ناقدینِ حدیث میں سے کون ہے جس نے اس روایت کو من گھڑت کہا ہو۔ جو ہو اس کا نام لو اور نہ ہو تو خود ان دلائل کو واشگاف کرو جو اسے من گھڑت ثابت کرتے ہوں۔

یہ ہے نمونہ جناب بہادر صاحب کے تبحر علمی کا۔ امید نہیں کہ کوئی صاحبِ علم ان کی کتاب کو منہ لگائیگا یہی وہ بات کہ ــــ [illegible] (دہلی) نے یا بعض اور لوگوں نے اس کی توصیف کردی ہے تو جس کا جی چاہے تحقیق کرلے یہ بھولے توصیف نگار وہی لوگ نکلیں گے جن کے متعلق شاعر نے کہا ہے۔

زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم!

زیر بحث مسائل کے تمام مصادر و مآخذ عربی زبان میں ہیں۔ پھر روایات کی جانچ پرکھ کا فن بھی عربی جانے بغیر نہیں آسکتا۔ ان توصیف نگار حضرات نے ساختہ پرداختہ تصورات و عقائد اس باب میں پالے ہیں وہی ان کا کل سرمایہ ہیں۔ بعد میں منتشر مطالعہ کے ذریعہ جو معلومات انہوں نے حاصل کی ہوں گی ان کا تاثر اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ تشیع کا جو زہر داہی روایات ــــ سلم کے شاعروں نے ملت کے حلق میں اتار دیا ہے۔ اسی کو وہ بھی امرت سمجھیں اور ماحول کے سُر سے سُر ملاتے رہیں۔ اس طرح کے لوگ اگر کسی عباسی یا عثمانی کی تردید میں ہزار صفحات کی کتاب بھی پیش کر رہے ہیں تو اس کی حیثیت اس ایک صفحے کے برابر بھی نہیں جو ابن تیمیہ جیسے بے مثال مفکرین و محققین نے اصل مآخذ و مصادر کو چھان پھٹک کر پیش کیا ہے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ کسی شخص کی دلیل خواہش کی پیدا کردہ ہے اور کس کی خواہش دلیل کی نمائندہ۔ جن لوگوں کے حلق میں ہوش سنبھالتے ہی واقعات کربلا اور معاویہ و یزید کے بارے میں مشہور و مقبول تصورات کا زہر اتر چکا ہو اور بلا تحقیق وہ رائے قائم کر چکے ہوں انہیں اگر کبھی اس رائے کے خلاف آواز سننے کا موقع ملا اور ان کے جذبات کو ٹھیس لگی تو اس کے سوا کیا ہو گا کہ وہ جلدی جلدی کتابوں کو الٹیں اور اس طرح کے کٹنگ جمع کرتے چلے جائیں جو ان کی سابقہ

اور جذبات سے ہم آہنگ ہوں۔ اسی کا نام ہے خواہش کی کوکھ سے دلیل کا جنم لینا۔ لیکن کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو بہ بازماند ستیزہ کی اسپرٹ سے مسائل کے سرچشموں اور مرکزوں تک پہنچتے ہیں اور اپنے فیصلہ و خواہش کو دلیل کے تابع بناتے ہیں۔ پھر جو کچھ دلیل کہتی ہے اسی کو لومت لائم کا خوف کئے بغیر برملا بیان کرا ٹھتے ہیں۔ یہی ہیں جن کی دلیل دلیل اور بات بات ہے۔ یہی ہیں جن کی شاگردی میں امن اور بری میں فلاح ہے۔ یہ بہت کم ہوتے ہیں مگر ہوتے ہیں اور اہل اخلاص کے لئے مشعل کا کام دیتے ہیں۔

خیر ذکر مہتمم صاحب کی کتاب کے ایک جز کا تھا۔ معاملہ یہ ہے کہ قرآن کے بعد سب سے سچی کتاب بخاری میں ایک صریح و محکم روایت آئی ہے جس میں مخبر صادق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مجاہدین کے لئے مغفرت کی بشارت دی ہے جنہوں نے پہلی بار قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور تاریخ قطعی طور پر بتاتی ہے کہ یزید نہ صرف ان مجاہدین میں شامل تھا بلکہ ان کا سپہ سالار تھا۔ چنانچہ جملہ معتبر شارحین بخاری اسے تسلیم کرتے ہیں اس حدیث سے متعلق لکھا ہوا ہمارا اکتوبر ۱۹۵۸ء کا اداریہ اور اسی سے متعلق کچھ اور مواد اسی شمارے میں کسی جگہ ملاحظہ فرمالیں۔

عباسی صاحب نے بھی اپنی کتاب میں اس حدیث کا ذکر کیا تھا تو حضرت مہتمم صاحب نے جس طرح اس کا جواب دیا ہے وہ خاصے کی چیز ہے۔ غور سے پڑھئے اور سوچئے کہ قادیانی علم کلام اور حضرت موصوف کی منطق میں کیا فرق ہے۔ یہ بھی سوچئے کہ کیا ہم حامیانِ حدیث کی ایسی ہی سخن سنجیاں تو نہیں جو فتنۂ انکارِ حدیث کا ایک قوی محرک بن گئی ہوں۔

دراصل آدمی جب تضادات پالتا ہے تو بڑی مشکل میں پھنس جاتا ہے۔ تضاد اس سے بڑھ کر کیا ہو گا کہ ایک طرف تو مہتمم صاحب اس بخاری کو معتبر مانتے ہیں جس میں اللہ کے رسول نے مغفرت یزید کی خبر دی ہے اور دوسری طرف ان روایات کو بھی سینے سے لگائے ہوئے ہیں جو خبر رسول کی تکذیب و تردید کرنے والی ہیں اس اجتماع ضدین کا معنوی خلل عام حالات میں منکشف نہ ہوتا لیکن اس وقت منکشف ہو کر رہا جب انہیں یزید کو واصلِ جہنم کرنے کے لئے بشارت رسول سے دامن چھڑانے کی ضرورت پڑی۔ ظاہر ہے وہ بڑی مشکل میں تھے۔ بخاری کو جھٹلائیں تو امت پیچھا نہ چھوڑے اور جھٹلائیں نہیں تو منقبت یزید کا قوی مینار جوں کا توں قائم رہے۔ عجیب مشکل آئی۔ مگر نہیں۔ سب جانتے ہیں کہ وہ ڈنکے کی چوٹ حکیم الاسلام ہیں اور ناممکن ہے کہ حکیم دانا کی حکمت بلیغہ کسی مرحلے میں مات کھا جائے۔ انہوں نے شارحین حدیث کا جائزہ لیا کہ دیکھیں وہ کس طرح اس مرحلۂ سخت سے گزرے ہیں۔ ان سے کمک حاصل کر کے جواب کا خمیر اٹھایا اور پھر اپنے قلم گوہر رقم سے اس کا ایک ایسا لفظی پتلا بنا کر پیش کر دیا جسے ان کی صلاحیتِ تخلیق کا ایک اچھوتا

نمونہ کہا جا سکتا ہے۔

ہم قدرے لمبے اقتباسات پیش کرتے ہیں تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ کسی فقرے کو اس کی جگہ سے اکھیڑ کر پیش کر دیا ہے۔ اس کے بعد انہی سے مخاطب ہو کر کچھ عرض کریں گے۔ فرماتے ہیں:۔

"عباسی صاحب نے بہت بلند بانگ ہو کر غزوۂ قسطنطنیہ میں یزید کی شرکت بلکہ قیادت اور اس غزوہ کے شرکاء کے لئے نصِ حدیث کے مطابق بشارت مغفرت میں اسے شامل کر کے اس کی فضیلت اور مقبولیت عنداللہ پر کافی زور لگایا ہے اور اس حدیث کے تحت مہلب کے استدلال کو نقل کیا ہے جو یزید کی فضیلت بلکہ خلافت کے اثبات کے لئے کیا گیا ہے۔

ہمیں نہ اس حدیث سے انکار ہے اور نہ اس سے کہ یزید اس کے عموم میں داخل ہے۔ اگر وہ اس غزوہ میں شامل تھا، لیکن ساتھ ہی اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جیسے اس حدیث کا عموم اسے مقبولین میں داخل کر رہا ہے ویسے ہی بخاری وغیرہ کی دوسری احادیث کا عموم اسے اس مقبولیت سے خارج بھی کر رہا ہے جو ہم نے ابھی پیش کی ہیں جن میں خبر دی گئی ہے کہ میری امت کی ہلاکت چند قریشی لڑکوں کے ہاتھوں پر ہوگی۔ امارت صبیان قائم ہوگی جو امت کے برگزیدہ لوگوں کے جان و مال اور آبرو کو تلف کرے گی اور یہ کہ یہ سنہ ٦٠ھ کا دور ہوگا جس میں یزید کی امارت قائم ہوئی اور اس کے افعال سے علماء نے متعین کر دیا کہ حدیث کی اس عمومی خبر کا مصداق یزید ہے۔ پس عباسی کی پیش کردہ روایت کے عموم نے اگر یزید کو وعدۂ مغفرت میں شامل کیا تھا تو ہماری پیش کردہ روایات کے عموم نے اسے اس وعدہ سے خارج کر کے وعید میں شامل کر دیا۔ اور حدیث کے عموم نے حدیث کے عموم کی تخصیص کر دی۔ وہاں اگر مہلب نے یزید کو شخص کر کے اسے حدیث بشارت کا مصداق ٹھیرایا اور اس کی فضیلت پر استدلال کیا تو یہاں احادیث بخاری وغیرہ سے ابن حجر اور علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری نے یزید کو متشخص کر کے فسق پر استدلال کیا ہے، وہاں صرف حدیث کا عموم اور اس سے استدلال ہے، یہاں حدیثوں کے عموم کے ساتھ صحابہ کے اقوال اور تاریخی واقعات بھی ہیں جو یزید کی تعیین اور تشخیص کے مؤیدات ہیں۔" (ص ١٥٥ و ص ١٥٦۔)

اقتباس کو غور سے ٹھیر ٹھیر کر پڑھئے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ غزوۂ قسطنطنیہ میں یزید کی جو شرکت اس حد تک ناقابلِ تردید کہ خود مہتمم صاحب بھی اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہیں لیکن اسے بھی وہ حرف شرط کے ساتھ بیان فرما رہے ہیں کہ:۔

"اگر وہ اس غزوے میں شامل تھا"

کیا اس سے صاف ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ ایک طرف رسول اللہ کی اس پیشین گوئی سے خفا ہیں جو بخاری میں محفوظ ہو گئی ہے اور دوسری طرف اللہ کی اس تقدیر سے دلبرداشتہ ہیں کہ کیوں یزید کو اس غزوے میں شرکت کا موقعہ ملا۔ آفت یہ ہے کہ اس غزوے میں یزید کی شرکت ایسی اٹل تاریخی حقیقت ہے کہ اس کی تکذیب خاص قسم کے دیدہ دلیروں کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ مہتمم صاحب بھی تکذیب نہیں فرما رہے ہیں مگر جملہ شرطیہ لکھ کر یہ تاثر عوام کو دینا چاہتے ہیں کہ یزید کی شرکت تاریخی حیثیت سے ایسی مسلم نہیں کہ اگر مگر کی گنجائش ہی نہ ہو۔ ایسا خلاف واقعہ تاثر دینے کو ممکن ہے کھرے قسم کے کج بد دیانتی اور فریب دہی قرار دیں لیکن ہم نیاز مندوں کو کہاں جرأت ہو سکتی ہے کہ حکمتِ بلیغہ و لطیفہ کے سوا اسے کچھ بھی کہہ سکیں۔

بنیادی سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں کیا حیثیت رکھتی ہیں؟ کیا وہ نجومیوں اور قیافہ شناسوں کی پیشین گوئیوں کے مماثل ہیں کہ زیادہ تر درست ثابت ہوں تو کبھی غلط بھی ہو جائیں۔ کیا انہیں مرزا غلام احمد قادیانی کی پیشین گوئیوں جیسا سمجھا جاتے اور تاویل کی بھی گنجائش نہ نکلے تو کہہ دیا جائے کہ فلاں پیشین گوئی دراصل فلاں شرط پر منحصر تھی وہی شرط معدوم رہی تو پیشین گوئی بھی معلق رہ گئی حالانکہ خود مرزا صاحب نے پیشین گوئی کرتے وقت ایسی کوئی شرط نہ لگائی ہو۔

ہم ہزار بار پناہ مانگتے ہیں ان لوگوں سے جو ایسا تصور کریں یا تصور نہ کریں مگر ایسی باتیں کہیں جن کا لازمی ثمرہ یہی نکلتا ہو۔ ہمارا تو ایمان ہے کہ اللہ کے رسول نے کوئی پیشین گوئی اٹکل پچو نہیں کی۔ کوئی فیصلہ کن خبر بلا وحی آسمانی نہیں دی۔ آئندہ کے لئے جو بھی صریح و محکم خبر آپ کی زبان صداقت نظام سے نکلی وہ اللہ کے دیئے ہوئے علم یقینی کی روشنی میں نکلی اور پہاڑ ٹل سکتا ہے مگر حضور کی دی ہوئی صریح و محکم خبر نہیں ٹل سکتی۔

حضرت محترم! یہی ایمان آپ کا بھی ہوگا۔ اور ان اسلاف کا بھی ہوگا جنہوں نے بخاری والی پیشین گوئی کو نہ جانے کس کس وقت کی روایات سے محدود و مقید کرنا چاہا ہے۔ لیکن اس تحدید و تقیید کا منطقی نتیجہ اس کے سوا کیا ہے کہ پیشین گوئی نعوذ باللہ برباد ہو کر رہ جائے اور جو بات آپ یزید کے بارے میں کہہ رہے ہیں وہی بات شیعہ حضرات بھی کہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ خلفائے ثلاثہ مبشر بالجنۃ ہیں تو یہ بشارت یقیناً اس پر منحصر ہوگی کہ ان سے بعد میں لائق وعید حرکات سرزد نہ ہوں۔ بعد میں انہوں نے اہل بیت کا حق چھینا دنیا میں پھنسے اور نہایت مجرمانہ حرکات کیں اس لئے بشارت کالعدم ہو گئی۔

ہم نے اسی دارالعلوم کی چٹائی پر بیٹھ کر جس کے مہتمم آج آپ ہیں یہ پڑھا تھا کہ جن صحابہ کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا

ہے کہ ان کی مغفرت تو یقینی ہے کیونکہ اللہ کے رسول مغفرت کی بشارت یونہی نہیں دے دیا کرتے بلکہ اللہ کے عطا فرمودہ علم صحیح و قطعیہ کی روشنی میں دیتے ہیں جو غلط ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر کسی مبشر بالجنۃ سے کچھ افعال ایسے بھی سرزد ہو جائیں جو بظاہر معصیت معلوم دیں تو دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور ہوگی۔ یا تو یہ ظاہری حالت محض مغالطہ ہوگی اور حقیقتاً یہ افعال معصیت نہ ہوں گے۔ یا بہر معصیت ہونے کے باوجود ان برائیوں میں شامل ہوں گے، جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (نیک بھلائیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں) اس طرح بشارت مغفرت اٹل رہے گی اور اللہ کے سچے نبی کا فرمودہ غلط نہ ہو سکے گا۔

عقلی و منطقی اعتبار سے بھی صاف سی بات ہے کہ اللہ کے علم میں تو سب کچھ ہے کہ فلاں شخص یا گروہ زندگی بھر کیا کیا کرے گا۔ اگر وہ اپنے نبی کو کسی بھی طرز کی وحی کے ذریعہ خبر دیتا ہے کہ فلاں شخص یا گروہ مغفور ہے تو ناممکن ہے کہ وہ مغفور نہ ہو۔ اگر اس سے بھی بعض بدنما افعال کا صدور ہوتا ہے تو وہی دو توجیہوں کی گنجائش جو ابھی عرض کیں۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس سے کسی ایسے فعل کا ارتکاب ہو جائے جو اللہ کے حضور ناقابلِ معافی ہو اور مغفرت کی بشارت استحکام کی بھٹی میں خاک ہو کر رہ جائے۔ اللہ بے خبر نہیں تھا کہ فلاں شخص یا گروہ زندگی بھر کیا کیا کرے گا۔ اگر وہ ایسی ہی حرکات کرنے والا ہوتا کہ جہنم جائے بغیر باز نہ آتا تو اللہ تعالیٰ بشارت مغفرت ہی نہ دیتے۔ وحی تو ثابت ہوا کہ اس کی حرکات لائق عفو ہیں۔

اس معارضے کا جواب بھی آپ نے اگلی سطروں میں دینے کی سعی کی ہے، مگر اسے ہم ایک فاحش قسم کا مغالطہ تصور کرتے ہیں۔

آپ نے فرمایا:۔

"دوسرے یہ کہ یہ حدیث عام ہے اور بلاشبہ اس کا وعدۂ مغفرت بھی جہاد قسطنطنیہ کے ہر شریک کے لئے عام ہے جن میں یزید بھی داخل ہے مگر انہی قدرتی شرائط کے ساتھ جو طبعاً ایسے مواقع پر قواعد شرعیہ کے تحت ملحوظ ہوتی ہیں مثلاً حدیث نبوی میں ارشاد ہے اُمتی اُمۃ مرحومۃ میری امت امت مرحومہ ہے (جس کے تمام افراد کے لئے جو قیامت تک آنے والے ہیں رحمت اور مغفرت موعود ہے) مگر اسی شرط کے ساتھ کہ وہ امت اجابت میں شامل رہیں۔ اگر معاذ اللہ کوئی مرتد ہو کر امت دعوت میں چلا جائے تو دوسری نصوص سے اس حدیث کی تخصیص ہو جائے گی اور وہ فرد اس وعدہ سے خارج ہو جائے گا۔ اس لئے اس حدیث کا یہ وعدہ قدرتی طور پر بشرط بقاء اجابت ہوگا مطلقاً نہ ہوگا۔ اسی طرح یہاں بھی جہاد قسطنطنیہ

کے سب شرکاء کے لئے وعدۂ مغفرت عام ہے، مگر اسی طبعی شرط کے ساتھ کہ یہ لوگ اپنی قلبی کیفیات و اعمال اور باطنی نیات و جذبات پر باقی رہیں جن کے ساتھ انہوں نے اس وقت جہاد کیا تھا، لیکن بعد میں اگر کسی کے قلبی احوال بگڑ جائیں اور تقویٰ کے وہ مقامات باقی نہ رہیں جو بوقت جہاد تھے تو طبعاً وہ حکم مغفرت بھی اس خاص فرد کے حق میں باقی نہ رہے گا۔ مثال کے طور پر مسلم و بخاری ہی کی ایک روایت کو لے لیجئے کہ آدمی اہل جنت کا عمل کرتے کرتے جنت سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ اس میں اور جنت میں بالشت بھر کا فصل رہ جاتا ہے۔ مگر نوشتۂ تقدیر سامنے آجاتا ہے اور وہ جہنم میں چلا جاتا ہے اور ایسے ہی برعکس ظاہر ہے کہ جنت و نار کی انجام کار تبدیلی اعمال کی تبدیلی ہی پر دائر ہے، اور عین صورت اس شخص کی نیکی کرتے رہنے کے دور میں ہر شخص اسے یہی کہے گا کہ فلاں آدمی تو جنتی ہے۔ لیکن غور کیا جائے تو جنتی درحقیقت اس آدمی کو نہیں کہا جاتا بلکہ اس کے احوال و اعمال کو کہا جاتا ہے وہ جب بھی بدل کر جہنمی ہو جائیں گے جب ہی پہلا حکم بدل جائے گا۔

ٹھیک اسی طرح جہاد قسطنطنیہ والی حدیث بشارت مغفرت کے عموم میں یزید بھی شامل تھا۔ جس کے معنی یہ تھے کہ اس کے اس وقت کے احوال و اعمال مقبول یا مغفور تھے۔ الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ جب وہ بدلے تو طبعاً وہ بشارت بھی اس کے حق میں باقی نہ رہی۔ اب اگر بدلے ہوئے حالات میں بھی کوئی پہلے ہی حکم کی رٹ لگائے جائے تو یہ شریعت کے اصول و قوانین کا معارضہ ہے، پس جب یزید کا اچھا حال تھا بشارت قائم تھی جب بدل گیا تو بشارت بھی اٹھ گئی۔"

(ص ۱۵۶ و ص ۱۵۷)

یہ آپ کے فرمودات ایسے بے اساس مطالب پر مشتمل ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ آنجناب خوب جانتے ہیں کہ قرآن و حدیث کی بشارتیں دو طرح کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ بعض اعمال و افعال کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول خبر دیتے ہیں کہ جس نے فلاں عمل کیا وہ جنت میں گیا اور فلاں عمل کیا تو جہنم میں گیا۔ قرآن و حدیث میں اس کی مثالیں اتنی کثرت سے ہیں کہ یہاں نقل کی ضرورت نہیں۔ یہ بشارتیں کسی ایسے فعل و عمل کے لئے نہیں ہوتیں جو کسی خاص وقت اور زمانے میں محدود ہو بلکہ ان کی حیثیت دائمی ہوتی ہے اور حشر تک ان کا دائرہ وسیع ہے۔ مثلاً اپنے مسلمان بھائی کو اچانک غیر متوقع مسرت بہم پہنچانا یا ہمسائے کی مدد کرنا یا مقروض کی گردن چھڑانا وغیرہ ایسے اعمال ہیں جن پر قرآن و حدیث میں جنت کی بشارتیں دی گئی ہیں اور ظالم کا ساتھ دینا، یتیموں کا مال کھا جانا، ہمسائے کو ستانا وغیرہ ایسی حرکات ہیں جن پر جہنم کی وعیدیں آئی ہیں۔ ظاہر ہے یہ اعمال کی حرکات کسی خاص زمانے تک محدود نہیں بلکہ قیامت تک کے لئے ہیں۔ ان سے متعلق

بشارتوں اور وعیدوں میں کسی خاص فرد یا گروہ کا بھی ذکر نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان ہر زمانے میں ان کا مصداق و مورد ہے، ان کے بارے میں بیشک علمائے معتبر کا یہ اندازِ نظر ہے اور ہونا چاہئے کہ ان کا منشاء صرف ترغیب و تنذیر ہے اور صرف نمایاں کرنا ہے کہ فلاں عمل لائق التزام ہے اور فلاں حرکت قابلِ اجتناب۔ ان کی مثال ان مفید و مضر جڑی بوٹیوں کی سی ہے جن کے اثرات و خواص محققین نے قرابادین میں لکھ دئے ہوں، ان جڑی بوٹیوں میں سے چند کا انتخاب کر کے حکیم مریض کے لئے نسخہ لکھتا ہے تو واقعتاً یہ تحقیق شدہ اثر کی حامل ہوتی ہیں لیکن مریض کے نظامِ بدن میں کوئی اور ایسا فساد پایا جاتا رہا ہو جس سے یہ اثر کالعدم ہو جائے یا وہ بعد میں ایسی مضر اشیاء استعمال کرے جو اس اثر کو ملیامیٹ کرنے والی ہوں تو یقیناً وہ نسخے سے فیض یاب نہ ہو سکے گا اسی طرح جن اعمال و افعال کے نتیجے میں جنت یا جہنم کی بشارت فرد یا گروہ کی تعین کے بغیر حشر تک کے لئے دیدی گئی ان کا نتیجہ اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے کہ آدمی خود ہی اس کے نتیجہ کو مخالف اعمال سے برباد نہ کر دے۔ ایک شخص ہمسائے کی مدد کرتا ہے تو یقیناً یہ فعل حسب بشارت جنت میں لے جانے کا ذریعہ ہے لیکن یہی شخص سود کھاتا ہے، جوا کھیلتا ہے تو یہ بشارت اس کے کام نہ آئے گی اور جس طرح بد پرہیزی کے سبب نسخے کا فائدہ نہ ہونا خود نسخے کی اثر انگیزی اور افادیت کا انکار نہیں کرتا اسی طرح اس شخص کا جہنم رسید ہو جانا مذکورہ بشارت کی اثر انگیزی اور افادیت کو غلط قرار نہیں دے گا۔

لیکن قرآن و حدیث نے ایک اور انداز کی بشارتیں بھی دی ہیں جو بعض افراد یا گروہوں کے لئے مخصوص ہیں اور ان کا پھیلاؤ تمام زمانوں پر نہیں بلکہ خاص زمانے پر ہے۔ مثلاً ابولہب کا نام لے کر جہنم کی خبر دی یا رسول اللہ نے متعین کر کے کسی شخص کو جہنمی کہا جیسے کہ ایک مجاہد کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ یہ جہنمی ہے۔ حالانکہ وہ نہایت پامردی کے ساتھ اہلِ کفر سے لڑ رہا تھا لیکن اللہ نے رسول کو خبر دی تھی کہ یہ دین کی حمایت میں نہیں بلکہ قومی عصبیت میں لڑ رہا ہے اور خودکشی کر کے مرے گا۔ ایسا ہی ہوا۔

اس طرح کی بشارتوں اور وعیدوں کا وہ معاملہ نہیں جو پہلی طرز کی بشارتوں کا ہے۔ ان میں نہ چون و چرا کی گنجائش ہے نہ استثناء کی۔ یزید کے بارے میں جس بشارت پر گفتگو ہے وہ دوسری ہی قسم میں داخل ہے۔ قسطنطنیہ پہ پہلا غزوہ ظاہر ہے کہ ایک خاص وقت کا قصہ ہے اور بشارت نے ان تمام افراد کو نامزد کر دیا ہے جو اس غزوے میں شریک ہوئے ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک بادشاہ اعلان کرے کہ فلاں میدان میں جو لوگ پہلی بار پہنچیں گے انہیں دس دس ہزار اشرفیاں انعام دی جائیں گی۔ کھلی بات

ہے کہ جو گروہ پہلی بار اس میدان میں پہنچ گیا۔ اس کا ہر ہر فرد انعام کا مستحق ہو گیا۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ نہیں۔ اگر ایک قاتل ڈاکو یا بدکردار باغی وہاں پہنچا ہے تو اسے انعام نہیں دیا جائے گا، ہم کہیں گے کہ اول تو شاہی آن اور آئینی تقاضے کے تحت یہ بھی لازماً مستحق انعام ہو گا۔ دوسرے یہ اتفاق ایک عام انسانی اعلان میں پیش آ سکتا ہے۔ لیکن کیا اس بادشاہ کے اعلان میں بھی پیش آئے گا جسے پہلے ہی معلوم ہے کہ کون کون شخص میدان میں پہنچے گا۔؟

ہمیں تو نظر آ رہا ہے کہ تردید کے جوش میں آپ نے قصداً یا سہواً یہ باور کر لیا ہے کہ رسول اللہ کی پیشین گوئیاں بھی عام انسانوں جیسی تھیں یا پھر نجومیوں کی سی اٹکل پچو۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ حالانکہ رسول اللہ کی ذات گرامی اس پستی سے بلند تھی کہ آپ یونہی بلا اشارۂ غیبی بشارتیں دیتے پھریں، اللہ نے آپ کو اطلاع دی کہ قسطنطنیہ (مدینۃ قیصر) پر پہلا غزوہ کرنے والے گروہ کی مغفرت کی جاتے گی جبھی آپ نے زبان سے خوش خبری نکالی۔ کیا اللہ تعالیٰ کو وہ بات معلوم نہ تھی جو آج آپ کو معلوم ہے کہ یزید بعد میں اس حد تک بدکردار ہو جائے گا کہ بشارت ہی لنگڑی ہو کر رہ جائے گی۔ اگر واقعی یزید اس بشارت سے مستثناء ہو سکتا تو اللہ سے زیادہ کسے خبر ہو سکتی تھی کہ جس گروہ کو زبانِ رسول سے مغفور کہلا رہے ہیں ان میں یزید بھی مع اپنے قافیہ "پلید" کے موجود ہو گا اور اسے جنت بھیجنا ہمارے لئے ممکن نہ ہو گا۔ اس خبر کے ہوتے ہوئے لازماً وہ کوئی جملہ، لفظ، حرف بشارت کے ساتھ ساتھ ہی ایسا ضرور کہلوا دیتے کہ استثناء کی گنجائش نکل آتی۔ نہیں کہلوایا۔ تو یہ کہاں کی حق پسندی ہے کہ استثناء کا یہ طبعزاد کارنامہ آپ یا ہم انجام دیں۔

آپ اگر کوئی مثال دے سکتے ہیں تو دیں کہ کسی مؤقت اور محدود پیشین گوئی میں بھی وہ استثنائی منطق ظہور میں آئی ہو جس کا زیر بحث پیشین گوئی میں شوشہ نکالا گیا ہے۔ یہ کیا آپ عوام کو مغالطہ میں ڈالنے والی باتیں کر رہے ہیں۔ ذرا اپنی اس مثال کو دیکھئے۔

امتی امۃ مرحومۃ۔ ظاہر ہے یہ کسی قسم کی محدود مؤقت بشارت نہیں بلکہ ایک دائمی اور ہمہ گیر اعلان ہے اس لئے اسے غزوہ قسطنطنیہ کی نظیر میں نہیں لایا جا سکتا پھر اس کی تشریح کرنے میں آپ نے جو انداز اختیار فرمایا ہے اس سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ جوشِ تحریر میں آپ فکر و بصیرت سے بالکل کام نہیں لے سکے ہیں۔ ذرا انصاف کیجئے اگر کوئی مرتد ہو جائے تو دوسری نصوص کو ڈھونڈنے کی کیا ضرورت پیش آئی گی جبکہ خود یہی حدیث کافی و شافی ہے۔ یہ شخص تو خود ہی ارتداد کے راستے امتِ محمدیہ کے دائرے سے نکل گیا پھر "مرحومۃ" کے زمرے میں شامل رہنے کا کیا سوال جو خواہ مخواہ اور روایات تلاش کی جائیں۔ بشارت امتِ محمدیہ کے لئے ہے نہ کہ خارجین امت کے لئے۔

رہا یہ کہنا کہ "اس حدیث کا وعدہ قدرتی طور پر بشرط بقائے اجابت ہوگا مطلقاً نہ ہوگا" تو یہ بھی طول لاطائل سے کم نہیں۔ بے ضرورت نکتہ سنجیاں کبھی کبھی بات کا بتنگڑ بنا دیتی ہیں۔ اس حدیث کا صاف سا مطلب یہ ہے کہ امت محمدیہ کا کوئی بھی فرد اس بشارت سے مستثنیٰ نہیں اور "بقائے اجابت" وغیرہ کی شرطیں لگانا نقمہ دینے کے مرادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی آدمی چاہے کتنا ہی گناہ گار رہا ہو لیکن اگر بظاہر مسلمان مرا ہے تو اسے "مرحوم" کہا جاتا ہے۔ رحم یا رحمت کیا آپ اسی کو سمجھتے ہیں کہ مجرم یکسر معاف کر دیا جائے؟ اگر ایسا ہے تو اس غلط خیال کی اصلاح فرمائیے۔ رحم یا رحمت یہ بھی ہے کہ مجرم جتنی سزا کا مستحق تھا اس میں کچھ تخفیف کر دی جائے۔ پھانسی کا مستوجب قرار دیا ہوا مجرم جب اقتدارِ اعلیٰ کو رحم کی درخواست پیش کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا ہے کہ وہ جیل سے بھی رہا کئے جانے کی درخواست دے رہا ہے۔ پھر جب یہ اقتدار اعلیٰ اس کی پھانسی معاف کر کے عمر قید باقی رہنے دیتا ہے تو یہی کہا اور سمجھا جاتا ہے کہ درخواست رحم منظور ہو گئی۔ حالانکہ عمر قید ابھی باقی ہوتی ہے۔ یہی معاملہ امت محمدیہ کا ہے کہ کوئی بھی مسلمان جو گناہ کرے گا اس کی سزا دینے میں اللہ تعالیٰ نرمی، درگزر اور رعایت سے کام لے گا۔ کتنے ہی یونہی بخش دئے جائیں گے۔ کتنے ہی آنحضورؐ کی شفاعت سے فیض یاب ہوں گے اور بعض کو عذاب تو دیا جائیگا مگر اس سے کچھ یا کافی کم جتنے کے وہ اپنے اعمال قبیحہ کے باعث سزاوار تھے۔ یہی وہ رحم و رحمت جس کی نوید اس حدیث میں دی گئی ہے اور کوئی معقولیت نہیں ہے کہ آپ زیر بحث بشارت سے یزید کو خارج کرنے کے لئے اسے پیش کریں۔ پھر تماشا ہے کہ بات کو گول کرنے کے لئے آپ نے اچانک تصوف کی زبان بولنی شروع کر دی: "قلبی احوال کا بننا بگڑنا" یہاں چہ معنی دارد اور "مقامات" کا تذکرہ کس لئے؟ کیا آپ کہنا چاہتے ہیں کہ جن لوگوں کو اللہ اور رسول نے مغفور کہا ہو انہیں طریقت و تصوف کی زبان میں "صاحب مقامات" اور صاحب دل بھی ہونا چاہئے؟ نہیں ہوں گے تو ہم محض مسلمان ہونے کو کافی نہ سمجھتے ہوئے اللہ اور رسول کی دی ہوئی مغفرت تسلیم نہیں کریں گے۔ یوں تو آپ قسطنطنیہ کے جس شریک کو چاہے بڑے اطمینان سے خارج از بشارت کر سکتے ہیں۔ چند معمولی لغزشیں بیان فرما دیجئے اور کہہ دیجئے کہ "قلبی احوال و باطنی نیات و جذبات" بگڑ گئے اور "تقویٰ کے مقامات" سے یہ شخص گر گیا لہٰذا مغفرت ضبط۔ اے حضرت! یہ کیا سلوک ہے جو آپ بشارت رسول سے کر رہے ہیں، حالانکہ جن عبارتوں کو آپ نے قسطلانی اور عینی وغیرہ سے نقل کیا ہے ان میں بھی زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ جو شخص مغفرت کا اہل ہی نہ رہے یعنی مرتد ہو جائے وہ بشارت سے خارج ہو جائے گا۔

تو کیا آپ یزید کو کافر و مرتد کہتے ہیں؟ ——— اگر کہتے ہیں تو اقرار کیجئے۔ نہیں کہتے تو یہ قلبی

احوال اور مقامات تقویٰ کی کیا بحث؟ افسوس آپ جوش تردید میں یہ بھی بھول گئے کہ آنجناب مشہور واعظ ہیں۔ آپ ہی کی زبان سے ہزاروں سامعین نے بارہا اس طرح کے قصے سنے ہیں کہ فلاں شخص اتنا بدکار ایسا بدنہاد اور شرابی کبابی تھا مگر اللہ کے یہاں اس کی فلاں نیکی مقبول ہو گئی اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔ اس طرح فلاں شخص نہایت زاہد و متقی تھا مگر اس کی ایک ہی لغزش اسے اللہ کے یہاں مبغوض بنا گئی اور جہنم میں پھینک دیا گیا۔ لیکن یزید کے معاملہ میں آپ کے زاویۂ نظر کا یہ حال ہے کہ پوری تعلیت کے ساتھ فرماتے ہیں:—

> "مغفورٌ لھم کا ایسا حکم سمجھنا کہ یزید کے مرتے دم تک کے تمام فسق و فجور کی مغفرت ہو گئی یا وہ ہمیشہ کے لئے سیات سے محفوظ اور معصوم بنا دیا گیا محض ذہنی اختراع ہے حدیث کا مدلول نہیں۔"

کمال ہے ایک ہی عمل نیک پر بعض بدترین گناہگاروں کی مغفرت بس منہ و عظ ہی تک تھی۔ یزید کا معاملہ آیا تو اللہ کی شان غفاری اوجھل ہو گئی۔ کس نے کہا ہے کہ یزید ہر طرح کے گناہ سے معصوم و محفوظ تھا۔ یہ دعویٰ تو سوائے انبیاء کے کسی کے لئے بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مانے لیتے ہیں کہ یزید اتنا ہی بڑا معصیت کیش تھا جتنا آپ اور صدیوں کا شیعی پروپگنڈہ باور کرانا چاہتا ہے، لیکن ان لوگوں کے گناہوں کا نقشہ بھی تو آپ اسی ہولناک انداز میں کھینچتے ہیں جنہیں اللہ کی نکتہ نوازی نے ایک ہی عمل کے بدلے بخش دیا۔ پھر یہ یزید کیا کسی اور اللہ کا بندہ تھا جسے اس کی نکتہ نوازی سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔

حدیث رسول پر اگر قلبی ایمان ہو اور جذباتی لگاوٹیں آڑے نہ آئیں تو یہ یقین کر لینے میں کوئی دقت نہیں کہ جن لوگوں کی مغفرت کا مژدہ اللہ کی طرف سے بزبان رسول سنا دیا گیا انہیں چاہے بظاہر ہمالیہ جیسی برائیاں ہوں تو بھی ان سے مغفرت الٰہی کا وعدہ منسوخ نہ ہو سکے گا۔ آپ کے اور ہمارے بنیادی عقائد بھی اس کی تردید نہیں تائید ہی کرتے ہیں۔ دیکھ لیجئے امام اعظم ابو حنیفہؒ اپنی الفقہ الاکبر میں صاف فرماتے ہیں:—

وما کان من السیئات دون الشرک والکفر ولم یتب عنھا صاحبھا حتی مات مومنا فانہ فی مشیئۃ اللہ تعالیٰ ان شاء عذبہ وان شاء عفا عنہ ولم یعذبہ بالنار اصلا (ص۱۸۶ متن)	اور شرک و کفر کے علاوہ چاہے جو بھی گناہ آدمی سے سرزد ہوئے ہوں اور اس نے توبہ بھی نہیں کی۔ ہاں مرتے دم تک مومن ہی رہا کافر مرتد نہ ہوا تو اس کا معاملہ اللہ کی مرضی پر ہے چاہے وہ عذاب دیں چاہے معاف کر دیں اور آگ سے دور رکھیں۔

یہی بات اللہ نے قرآن میں کہی ہے کہ شرک و کفر کے علاوہ ہم ہر گناہ معاف کر سکتے ہیں۔ ملا علی قاری حنفی کی شرح فقہ اکبر دیکھئے۔ انہوں نے مزید صراحت کر دی ہے کہ وما کان السیئات کا مطلب یہ ہے کہ کفر و شرک کے علاوہ چاہے کوئی بھی کیسا ہی گناہ ہو اور لم یتب عنھا سے مراد یہ ہے کہ چاہے وہ شخص کسی بھی صغیرہ و کبیرہ گناہ سے توبہ کئے بغیر مر گیا ہو۔

تو حضرت محترم! اس بنیادی عقیدے کے باوجود آپ کیوں اس کے درپے ہیں کہ رسول اللہ کی صریح و محکم بشارت کے بعد بھی یزید کو جہنم ہی میں پہنچا کر دم لیں ——————

—— اور ایک ایسے یقین کو جو اللہ کے سچے رسول کی بشارت پر سر تسلیم خم کر دینے کا ثمرہ ہے "ذہنی اختراع" کے طنزیہ الفاظ سے تعبیر کریں جبکہ کافر و مشرک ہونا آپ خود بھی نہیں مانتے کون دعوٰی سے کہہ سکتا ہے کہ یزید اگر ایسا ہی برا تھا جیسا مشہور ہے تب بھی اس نے مرتے وقت تک توبہ نہیں کی ہو سکتا ہے اس اللہ کے بندے کو بھی کسی وقت اپنے رب کے حضور توبہ و استغفار کی توفیق ہو گئی ہو تب تو اور بھی امکان مغفرت بڑھ جاتا ہے۔ لیکن یہ سیدھی سی بات سمجھ میں نہیں آتی تو چلئے چھوڑ دیجئے۔ امام اعظم تو یہی فرما رہے ہیں کہ کفر و شرک کے علاوہ چاہے دنیا بھر کے گناہ کئے ہوں اور کبھی توبہ کی بھی توفیق نہ ہوئی ہو لیکن کافر و مشرک ہوئے بغیر مرا ہے تو مغفرت کا اہل ہے اور اللہ چاہے تو بلا عذاب جنت میں بھیج سکتا ہے ——

رسول اللہ کی پیشین گوئیاں اگر اللہ ہی کے عطا فرمودہ علم پر مبنی تھیں تو یزید کے بارے میں اللہ کی مشیت بخاری والی روایت سے بلا ابہام معلوم ہو گئی۔ پھر آخر کیوں یزید کی مغفرت آپ کو ہضم نہیں ہوتی۔ کیا ایسا تو نہیں کہ قرآن کی آیات اور امام اعظم کے بیان فرمودہ بنیادی عقیدے پر سے آپ کا بھروسہ اٹھ گیا؟

جن روایات و اجتہادات سے آپ نے یزید کو خارج از بشارت کیا ہے ان کی داخلی قوت و ضعف اور حیثیت کا تو ہم اس وقت جائزہ لیں گے جب پوری کتاب پر تفصیلی گفتگو کا موقع آئے گا۔ فی الوقت اتنا ہی عرض کرنا کافی ہو گا کہ اپنی لائی ہوئی روایات کی جو تشریح آپ نے پیش فرمائی ہے اسے اگر جوں کا توں بھی مان لیا جائے تب بھی ان سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ یزید بہت گناہگار تھا۔ یہ تو ثابت نہیں ہوتا اور نہیں ہو سکتا کہ وہ کافر و مشرک تھا یا مرتد ہو کے مرا۔ پھر اسے آپ کس بنیاد پر بشارت سے خارج کئے دے رہے ہیں جبکہ قرآن کا متفق علیہ عقیدہ جو ابھی ہم نے امام اعظم کی زبان سے بیان کیا ہے۔ آپ کا بھی عقیدہ ہے۔ کیا ضرورت لاحق ہو رہی تھی یزید کے فسق و فجور کی روایات ڈھونڈ کر لانے اور ان کے

ذریعہ بخاری کی مستحکم حدیث کو تختۂ مشق بنانے کی جبکہ بنیادی عقیدے کی رو سے فسق و فجور مغفرت کے منافی نہیں ہے اور یزید کا فاسق و بدکار ہونا بخاری والی بشارت میں استثناء کا آرا چلانے پر مجبور نہیں کرتا۔ ایسی کوششیں تو جب ہوتی ہیں جب روایات باہم متعارض ہوں۔ تعارض نہیں تو یہ اکھاڑ پچھاڑ کیسی؟

ہم کہتے ہیں کہ اصولاً اگرچہ یہ بات درست ہے کہ مرتد کی مغفرت نہیں ہو سکتی لیکن ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے رسول کے ذریعہ کسی فرد یا مخصوص افراد کی مغفرت کا اعلان فرما دیں تو آپ سے آپ طے ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ مومن ہی مریں گے مرتد نہ ہوں گے۔ آخر اللہ کے علم میں تو ہے ہی کون کیا کرے گا کس انجام کو پہنچے گا۔ وہ اگر کسی کے مقدمہ میں ارتداد تقدیر فرما دیں تو ناممکن ہے کہ اس کی مغفرت کی بشارت بھی دیں، مغفرت کی بشارت اسی تقدیر پر دی جا سکتی ہے کہ مبشر افراد کا خاتمہ ایمان ہی پر ہونا ہے۔ جب یہ بات ہے تو انصاف کیجئے کہ جن اسلاف نے بخاری والی بشارت صریحہ کے ذیل میں مرتد کی مغفرت نہ ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے انہوں نے کہاں تک برمحل بات کہی ہے۔ آخر کیا جوڑ ہے۔ اس بشارت سے ارتداد کی نکتہ آفرینی کا جبکہ یہ حضرات خود بھی یزید کو مرتد نہیں کہتے۔ سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ شیعی پروپگنڈے کے تحت یزید کو فاسق و فاجر اور قاتلِ حسینؓ یقین کر لینے کے بعد ان لوگوں کا جی کسی طرح نہیں چاہتا کہ یزید کی مغفرت کا فیصلۂ خداوندی ٹھنڈے دل سے تسلیم کریں بس کوئی نہ کوئی شق نکالتے ہیں چاہے بات بنے یا نہ بنے۔

ہمارا دعوٰی ہے کہ پہلے غزوۂ قسطنطنیہ کے مجاہدین میں سے ایک بھی مرتد نہیں ہوا۔ ہوتا کیسے، جن کے لئے خود عالم الغیب والشہادہ نے ہی مغفرت طے کر دی ہو وہ کیوں کر مشرک و کافر ہو کر دنیا سے جا سکتے ہیں۔ اللہ کو پورا علم تھا کہ اس گروہ مومنین میں کوئی مرتد ہونے والا نہیں۔ اگر ہونے والا ہوتا تو ضرور وہ رسول کی زبانی دی ہوئی بشارت صریحہ میں کوئی ایسا لفظ لکھوا دیتے جو استثناء کی گنجائش دیتا۔ پھر آخر لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ہر مومن کے لئے چاہے وہ کتنا ہی بڑا گناہگار ہو امکان مغفرت کا عقیدہ رکھنے کے باوجود وہ رسول اللہ کی بشارت سے یزید کو نکالنے کی زبردستی کر رہے ہیں اور انکل بے جوڑ طریقے پر ارتداد کا حکم بیان فرما رہے ہیں۔ جرأت ہے تو کہو یزید مرتد تھا تب بے شک بشارتِ رسول کے ذیل میں ارتداد کی بحث کھڑی کرنا۔ یہ کیا بوالفضولی ہے کہ یزید کو مرتد بھی نہیں کہتے اور ارتداد کی بحث بھی بیچ میں لاتے ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یزید کی حد تک تم نے خوارج و معتزلہ کا عقیدہ اختیار کر لیا ہو کہ معصیت کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے!

اور آپ نے بخاری و مسلم کی روایت کو جو بطور مثال پیش کیا ہے تو اس کا حاصل کاغذ سیاہ کرنے کے سوا کیا ہے (ناظرین ورق الٹ کر صفحہ ۳۵۵ کے اقتباس کو پھر پڑھ لیں) بھلا جس شخص کی تقدیر ہی اللہ نے یہ بنائی ہو کہ عمر کا بڑا حصہ نیکیوں میں گزارتے ہوئے جنت کے قریب ہی قریب ہوتا چلا جائے اور پھر اچانک کوئی انتہائی مبغوض عمل کر کے جہنم میں جا پڑے تو اس میں اور حدیث بشارت میں کیا جوڑ؟ اس حدیث میں تو بعض غیر معین افراد کی حالت کا بیان ہے، کیا قسطنطنیہ کے غزوۂ اولیٰ کے محدود و متعین شرکاء میں سے بھی کسی کے بارے میں اللہ یا رسول نے یہ بتایا ہے کہ وہ جنت سے قریب تو ہو گیا تھا مگر جہنم میں ڈال دیا گیا۔ یزید کو آپ جہنمی کہتے رہیں مگر جس حدیث میں اللہ کے سچے رسول نے بشارت دی ہے اس میں تو یہ نہیں کہا گیا کہ یزید جہنم میں گیا اور دوسری جو ادھر ادھر کی روایات آپ یزید کو پہلے سرے کا گناہ گار ثابت کرنے کے لئے لاتے ہیں تو ان سے بھی خود آپ ہی کے عقیدے کے مطابق یزید کا ناقابل مغفرت ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ زندگی بھر گناہ کرتے رہنے کے باوجود کوئی شخص مرتد نہیں ہو جاتا اور مرتد نہ ہو تو علی الاتفاق مغفرت کا اہل رہتا ہے، پھر بھی آپ یزید کو جہنم رسید کرتے ہی رہیں تو یہ بشارت رسول کے ساتھ گستاخی آمیز سلوک نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا اور سلطان الانبیاء کی پیشین گوئیوں کو من جانب اللہ ماننے والے اور اللہ کے علم کو خطا سے پاک سمجھنے والے کلیجہ مسوس کر نہ رہ جائیں گے تو کیا کریں گے۔

ایک اور مغالطہ ہے جو یہاں یا تو خود آپ ہی کو ہوا ہے یا پھر آپ نے عوام کو دینا چاہا ہے۔ بخاری و مسلم کی پیش فرمودہ روایت میں مغفرت کا ذکر نہیں ہے بلکہ جنت کے قریب پہنچنے کا ذکر ہے۔ مغفرت قرب جنت کو نہیں دخولِ جنت کو کہتے ہیں۔ مغفور وہی ہے جو جنت میں داخل کر دیا جائے نہ کہ ابھی باہر ہی ہو۔ اللہ اور رسول نے تعلیم دی ہے کہ آخر دم تک اللہ سے ڈرتے رہو۔ مغفرت طلب کرتے رہو۔ زندگی بھر کے اعمال حسنہ پر پھولو نہیں۔ زعم مت کرو۔ اسی تعلیم کی بنیاد پر امت مسلمہ میں یہ دعا عام ہے کہ اے اللہ ایمان پر خاتمہ کرنا۔ لہٰذا اگر بخاری و مسلم کی روایت میں بعض لوگوں کے اچانک انقلاب حال کا ذکر آیا ہے تو اس میں تعجب کیا اور بحث کیسی اسے آپ اس گروہ کی مزاج پرسی میں کیوں پیش کر رہے ہیں جسے مغفور کہہ دیا گیا یعنی داخل جنت۔ کیا یزید کو جنت میں سے بھی گھسیٹ کر دوزخ میں ڈالیں گے۔

آپ فرماتے ہیں:۔

"اندریں صورت اس شخص کی نیکی کرتے رہنے کے دور میں ہر شخص اسے یہی کہے گا کہ فلاں آدمی تو جنتی ہے لیکن غور کیا جائے تو جنتی درحقیقت اس آدمی کو نہیں کہا جاتا بلکہ اس کے احوال و اعمال کو کہا جاتا ہے۔ وہ جب بھی بدل کر جہنمی ہو جائیں گے جب ہی پہلا حکم بدل جائے گا اور یہ شخص بھی جہنمی کہلانے لگا۔"

دیکھ لیجئے ہم نہ کہتے تھے آپ رسول اللہ کی بشارت کو عام آدمی کی بشارت سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ محترم! عام آدمی کا تو بیشک یہی حال ہے کہ وہ ظاہرہ اور موجودہ احوال کو دیکھ سکتا ہے اسے نہیں معلوم کل کیا ہونا ہے یا کسی کے دل کا کیا حال ہے، ہو سکتا ہے جو شخص آج نیک ہے وہ کل بد ہو جائے یا وہ آج بھی بد ہی ہو لیکن نیک بن رہا ہو لیکن اللہ اور رسول کی شان میں تو یہ جرأت نہ فرمائیے کہ انہوں نے یزید کے اس وقت تک کے ظاہری اعمال کا لحاظ کر کے مغفور لھم کہہ دیا یعنی دخول جنت کی بشارت دیدی اور بعد میں اچانک اس سے بدکاریوں کا اظہار ہوا تو وہ چونکے کہ ارے ہم نے کس مردود کو مغفور بنانے کا اعلان کر دیا تھا، یہ تو بدمعاش نکلا، جھونکو جہنم میں۔

آپ خدا کے لئے غور کیجئے یہ مطلب نہیں نکلتا تو اور کیا مطلب نکلتا ہے۔ اول تو آپ کی تقریر یوں مضحکہ خیز ہے کہ رسول اللہ کی یہ پیشین گوئی ایسے افراد کے بارے میں نہیں ہے جو اس وقت سامنے موجود احوال کو دیکھ کر عام آدمیوں کی طرح رسول اللہ نے ان کے جنتی ہونے کا گمان کر لیا ہو۔ یزید اچھا برا جو کچھ بھی تھا اس وقت آپ کے سامنے نہیں تھا کہ اس کے مجموعی اعمال و افعال کے نشیب و فراز پر پیشین گوئی کا مدار ہوتا۔ دوسرے یوں افسوسناک ہے کہ رسول اللہ کو بھی آپ علم و خبر کے معاملے میں باقی انسانوں پر قیاس کر رہے ہیں کہ ظاہر میں نکوکار دیکھا تو جنتی کہہ دیا اور بدکار دیکھا تو جہنمی ٹھیرا دیا۔ حالانکہ اللہ کا آخری پیغمبر نہ مرزا غلام احمد جیسا تخمین کار تھا نہ عام آدمیوں کی طرح ظاہر بیں۔ اس نے غیبی معاملات میں جو بھی صحیح فیصلہ دیا ہے وہ اس علم یقینی کے تحت دیا ہے جو اللہ کا بخشا ہوا تھا اور ناممکن ہے کہ وہ غلط ہو جائے۔ یزید کی دشمنی میں کم سے کم حرمت رسول سے تو نہ کھیلئے یہ کیا کفر آمیز کلام ہے کہ اللہ کے رسول تو مجاہدین قسطنطنیہ کو پیشگی بشارتِ مغفرت دیں اور آپ اس بشارت کا حلیہ اس انداز میں بگاڑیں کہ گویا اللہ کے رسول کی پیشین گوئی اٹکل کا تیر تھی جو کہیں نشانے پر بیٹھا کہیں چوک گیا۔ بڑا قہر ہے کہ یزید دشمنی اور تردید عباسی کے جوش میں آپ مغفرت کے معروف و مسلّم مفہوم کو بھی ملیامیٹ کر گئے ہیں۔ آپ نے مغفرت کو کوئی ایسا ہی حاضر انعام ظاہر کرنا چاہا ہے جیسے دنیا کے نقد انعام ہوتے ہیں۔ چنانچہ عواقب پر غور کئے بغیر آگے اسی باطل خیال کو آپ نے یوں الفاظ پیش فرمایا ہے۔

"اس سے بھی زیادہ اقرب اسی حدیث کی تشریح یہ ہے کہ جہاد قسطنطنیہ سے یزید کی سابقہ سیئات کی مغفرت کر دی گئی تو وہ مغفور لھم میں حقیقتاً داخل ہو گیا، لیکن بعد کی

سیئات کی مغفرت کا اس میں کوئی وعدہ نہیں تھا، اس لئے آئندہ کے فسق کا حکم دوسرا ہوگا۔

آپ خیال کرتے ہونگے کہ یہ نکتہ میں نے نہایت بلیغ پیدا کیا، بیشک بلیغ تو ہے مگر اس کی بلاغت کا زہری نشتر اس متفق علیہ عقیدے کا سینہ چاک کرگیا ہے جو امت مسلمہ عشرہ مبشرہ کے بارے میں رکھتی ہے۔ ہم تو آپ ہی کے مدرسے میں یہ پڑھا تھا کہ عشرہ مبشرین ان صحابیوں کو کہتے ہیں جن کی مغفرت کا اللہ نے فیصلہ فرما دیا۔ اب یہ سوچنا بھی جرم ہے کہ بعد کی کسی لغزش سے یہ جہنم میں جا سکتے ہیں۔ اگر وہی بات سچ ہو جو آپ فرما رہے ہیں تو کسی بھی مبشر بالجنۃ کے بارے میں اطمینان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ سچ مچ جنت میں گیا کیونکہ اللہ کے سوا کون یقینی فیصلہ دے سکتا ہے کہ وعدۂ مغفرت کے بعد کی زندگی میں اس نے کوئی عمل ایسا نہیں کیا جو داخل گناہ ہو۔ پھر تو اللہ کے وعدۂ مغفرت کی کوئی قیمت ہی نہ رہی۔

اگر مغفرت کوئی ایسا نقد انعام ہوتا جو فوراً مل جایا کرتا تب تو یہ کہنا کچھ معنی رکھتا تھا کہ جس وقت تک یزید کے احوال و اعمال مقبول یا مغفور تھے وہ بشارت مغفرت میں شامل تھا، لیکن جب مغفرت حاضر انعام نہیں بلکہ مرنے کے بعد والا صلہ ہے تو آخر کیا فائدہ ہو سکتا ہے اس بات کا کہ آج اللہ بشارت مغفرت دے اور کل جہنم میں ڈال دے۔ حدیث رسول کی رو سے پہلا غزوۂ قسطنطنیہ ایک عظیم تر اور محمود ترین کارنامہ ثابت ہوتا ہے جس کا انکار خود آپ بھی نہیں کرسکتے، اس کارنامہ کا انعام اگر آپ کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے یہی دیا ہے کہ پہلے وعدۂ مغفرت فرمایا پھر اسے منسوخ کر دیا تو پھر یوں کہئے کہ نعوذ باللہ اللہ میاں بھی مذاق ہی کرتے ہیں! بھلا یہ عارضی وعدۂ مغفرت کے کوڑی قیمت رکھتا ہے، سوائے تمسخر کے کیا حاصل ہو سکتا ہے اس کا؟ خالی الفاظ جو صابن کے جھاگوں سے بھی زیادہ بے حقیقت ہیں۔ ہم تو کسی طرح بھی خزائن ارض و سماء کے جواد و کریم مالک سے یہ توقع نہیں رکھ سکتے کہ وہ ایک عظیم لائق انعام کارنامے کے بدلے خالی الفاظ پکڑا دے گا جن کا رتی برابر فائدہ نہ ہو۔

شاید آپ کہیں گے کہ اس بشارت کا فائدہ یہ تو ہوا کہ سابقہ خطائیں معاف ہوگئیں، ہم عرض کریں گے کہ تب آپ اس تعریف کو بدل دیجئے جو آج تک عشرہ مبشرہ صحابیوں کے سلسلے میں بشارت مغفرت کی ہوتی آئی ہے۔ یعنی وہاں بھی یوں کہئے ان اصحاب کا مغفور ہونا طے نہیں بلکہ صرف یہ طے ہے کہ جس وقت بشارت دی گئی اس وقت تک کے قصور معاف ہوگئے، بعد کے اعمال میں یہ بشارت مفید نہ ہوگی۔ جس وقت یہ تبدیلی آپ فرمالیں گے اس وقت ہم ضرور جھانک کر دیکھیں گے کہ یزید جہنم کے کس طبقے میں ہے اور ساتھ ہی آپ کے سامنے اللہ کے رسول کے وہ ارشادات اور علمائے امت کے وہ فرمودات

پیش کریں گے جن سے بلا ریب و شک واضح ہوتا ہے کہ مبشر بالجنۃ کا مطلب صرف سابقہ گناہ معاف ہونا نہیں بلکہ طے شدہ مغفرت ہے اور مبشر ہستیاں کسی بھی گناہ کے باعث دوزخ میں نہیں ڈالی جائیں گی چاہے وہ گناہ وقت بشارت سے قبل ہوا ہو یا بعد میں۔

ہم جانتے ہیں شعوری طور پر آپ بھی اسی کے قائل ہیں چنانچہ دیکھ لیجئے آپ نے تحریر فرمایا:

"پس جب یزید کا اچھا حال تھا بشارت قائم تھی جب بدل گیا تو بشارت بھی اٹھ گئی۔"

اگر بشارت کا مطلب آپ یہی سمجھتے کہ سابقہ گناہ معاف ہو گئے تو بشارت قائم رہنے اور اٹھنے کا کیا سوال باقی رہ جاتا تھا۔ آپ قدرتی طور پر یہ لکھتے کہ بشارت درست ہے پچھلے گناہ معاف ہوئے، اب اگلے گناہوں کے سبب یزید دوزخ میں ڈالا جائے گا، نیز یہ زحمت نہ اٹھانی پڑتی کہ دور دراز روایات سے حدیث بخاری میں استثناء نکالیں بلکہ اس کھٹراگ کے بغیر ہی آپ کہہ دیتے کہ ہاں بخاری والی بشارت ٹھیک ہے۔ یزید کے غزوۂ قسطنطنیہ تک کے گناہ بخشے گئے۔ اب آگے کو جو گناہ اس نے کئے ہیں ان کے سبب ہم اسے دوزخ میں دھکیلیں گے۔ بشارت قائم رہنے اور اٹھنے کا ذکر کرنا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ خود آپ کے نزدیک بھی بشارت مغفرت کا عمل صرف سابقہ گناہوں کی مغفرت پر ختم نہیں ہوجاتا اور حدیث بخاری میں استثناء نکالنے کے لئے صفحے کے صفحے سیاہ کرنا ہی اس حقیقت کی شہادت ہے کہ خود آپ بھی بشارت مغفرت کا منشا یہی سمجھتے ہیں کہ وہ ایک حقیقی انعام ہے جو مل کر رہتا ہے یہ نہیں کہ لفظی وعدہ ہو اور حقیقتاً کچھ بھی نہ ملتا ہو۔ تب آخر یزید ہی سے اتنا عناد و بغض کیوں ہے کہ اپنے عقیدہ و خیال کے برعکس بشارت مغفرت کے ایک طے شدہ معنی بھلانے کی سعی فرما رہے ہیں۔ آپ لوٹ پھر کر زیادہ سے زیادہ وہی کہہ سکتے ہیں جو پہلے اقتباس میں کہا ہے، یعنی کہ ہم نے تو دیگر روایات و اقوال ہی سے یزید کو خارج از بشارت کر کے شامل وعید کیا ہے تو ہم وہی معارضہ پیش کریں گے کہ آپ کی جمع فرمودہ تمام منطق کا زیادہ سے زیادہ حاصل یہی نکلتا ہے کہ یزید بہت بڑا گناہگار تھا اسے لوگوں نے فاسق و فاجر کہا ہے لیکن فاسق و فاجر کی مغفرت کا امکان تو آپ بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں پھر کیوں نہیں سرکار دو عالم کی دی ہوئی بشارت پر سر جھکاتے کیوں اس بات کو ناممکن تصور فرماتے ہیں کہ پہلا غزوۂ قسطنطنیہ اللہ اور رسول کے نزدیک اجر و جزا کے اعتبار سے ایسا ہی عظیم تر عمل خیر ہو جس کے آگے سارے گناہ ہیچ ہوں۔ آخر کیا آپ کو نہیں معلوم کہ سابقون الاولون کا انفاق کیا ہوا۔ ایک رتی سونا بعد میں انفاق کئے ہوئے احد پہاڑ کے برابر.... سونے سے زیادہ وزنی مانا گیا ہے۔ اس سے یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے کہ بعض اعمال بظاہر معمولی ہوتے ہوئے بھی اللہ کے نزدیک بہت محبوب ہوتے ہیں۔ تو کیوں آپ یہ باور نہیں کرتے کہ غزوۂ قسطنطنیہ بھی ایسا

ہی محبوب ترین عمل ہوگا۔ رسول اللہ کا خصوصیت سے اس کے بارے میں بشارت دینا آخر کھیل تو نہیں تھا۔ کسی عام آدمی کی قیاسی اپج تو نہیں تھی۔ کوئی غیبی اہمیت ہی تھی جو زبان رسول پر یہ بشارت آئی۔ اگر مجاہدین قسطنطنیہ کی مغفرت کا مدار ظاہری اعمال خیر ہی پر ہوتا جیسا کہ آپ ثابت کرنا چاہتے ہیں تو اس بشارت کا آخر حاصل کیا تھا، اعمال خیر کے حاملین تو عام قانون شریعت ہی کے تحت مغفرت پالیں گے یہ خصوصی بشارت چہ معنی دارد؟

بڑا رنج ہے کہ آپ جیسا حلیم وضابطہ اللسان یزید دشمنی میں اس قدر آگے بڑھ گیا ہے کہ ذہنی توازن ہی کا سراغ نہیں ملتا۔ ذرا سی روایت کو دیکھئے جو آپ نے بخاری ومسلم سے اپنے حق میں نقل فرمائی ہے اول تو آپ نے اس کی ترجمانی درست نہیں کی دوسرے یہ تو الٹی یزید کے حق میں جارہی ہے۔

"وہ آدمی اہل جنت کا عمل کرتے کرتے جنت سے اتنا قریب ہوجاتا ہے کہ اس میں اور جنت میں بالشت بھر کا فصل رہ جاتا ہے مگر نوشتۂ تقدیر سامنے آجاتا ہے اور وہ جہنم میں چلا جاتا ہے اور ایسے ہی برعکس" (ص ۱۵۶)

ترجمانی تو یوں غلط ہے کہ اردو میں جب نوشتۂ تقدیر پر بات رکھ دیتے ہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم نے تو کوشش میں کوئی کوتاہی نہیں کی تھی، لیکن تقدیر ہی ساتھ نہ دے سکی۔ دن رات بولتے ہیں کہ ہم نے تو سب کچھ کرلیا مگر تقدیر ہی میں ناکامی تھی تو کیا کریں۔

لیکن جنت دوزخ میں جانے کا معاملہ ایسا نہیں کہ تقدیر کو الزام دیا جائے۔ اللہ تعالےٰ کا واضح قانون ہے کہ ہر شخص اعمال کا بدلہ پائے گا نہ یہ کہ کسی کو باوجود نکوکار ہونے کے اس لئے جہنم میں جھونک دیا جائے گا کہ اس کی تقدیر میں جہنم لکھ دیا گیا تھا۔ اللہ کی تقدیر ایسی بے قاعدہ نہیں۔ وہ جس کے لئے جنت یا جہنم لکھے گا۔ لازماً کچھ اعمال بھی ایسے لکھے گا جن کا ارتکاب کرکے وہ جہنم یا جنت کا حقدار بنے۔ ایک شخص زندگی بھر نیکیاں کرتا رہے تو نا ممکن ہے کہ وہ جہنم میں بھیج دیا جائے، جہنم ہی اس کی تقدیر ہے تو لازماً کوئی ایسا فعل بھی اس کے لئے مقدر ہوگا جس کی معنوی قباحت اس کے سارے اعمال نیک پر فوقیت لے جائے گی اور اس کی سزا میں وہ جہنم رسید ہوگا۔ اسی طرح برعکس۔ تو آنجناب نے جس انداز سے حدیث کی ترجمانی کی ہے وہ سہو پر مبنی ہے۔ اس سے تو اللہ کے انصاف کے بارے میں غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔

رہا اس حدیث کا یزید کے حق میں جانا تو یہ بھی سامنے کی بات ہے۔ آخر اس حدیث سے یہی تو ظاہر ہوتا کہ اچھے یا برے کسی ایک طرح کے بے شمار اعمال کا بہت بڑا انبار بھی یہ قطعی فیصلہ کرنے کے

لئے کافی نہیں کہ یہ شخص لازماً اسی جزا کا مستحق ہوگا جسے یہ انبار متعین کررہا ہے، ساری عمر نیک عمل کئے مگر آخر میں کوئی ایسا عمل کر گزرا جو معنوی گراوٹ میں بد سے بدتر تھا تو اس توقع کے بالکل برخلاف جو ساری عمر کے نیک اعمال سے کی جاسکتی تھی۔ وہ دوزخ میں جھونک دیا جائے گا اور اسی طرح برعکس۔

یہی تو ہے مفہوم اور منشاء اس حدیث کا۔ پھر یہ سمجھنے میں کیا دشواری رہی کہ یزید کی بداعمالیوں کا جو فلک بوس انبار نظر آرہا ہے وہ جہنمی ہونے کے فیصلۂ قطعی کا ضامن نہیں بلکہ حدیث ہی کے مطابق ممکن ایک وزن دار عمل یا چند اعمال صالحہ اسے داخل جنت بھی کرسکتے ہیں۔ بشارت رسول کو تاویل کا تختۂ مشق بنانے کے بجائے آپ غیر جانبدار ہوکر سمجھنے کی سعی کیوں نہیں کرتے۔ اچھی طرح سوچئے کیا یہ آپ کی بیان کردہ روایت حدیث بشارت کو مجروح کرنے کی بجائے اس کی تائید مزید نہیں کرتی؟

یہ کیا کہا کہ

"بدبختی درحقیقت اس آدمی کو نہیں کہا جاتا بلکہ اس کے احوال و اعمال کو کہا جاتا ہے"

مجلس وعظ میں تو اس طرح کے نکتے داد لے سکتے ہیں۔ لیکن علمی مباحث میں ان کا کوئی وزن نہیں احوال واعمال تو انسانی خواص واوصاف ہیں جن کا انسان سے ہٹ کر کوئی ٹھوس وجود نہیں۔ جنت اور دوزخ میں آدمی کا جسم جاتا ہے نہ کہ افعال واعمال۔ پھر اس منطق سے فائدہ؟ یہ تو ایسی ہی منطق ہے جیسے ہم ابوجہل کو برا کہنے لگیں تو آپ ٹوکیں کہ نہیں بھئی اسے برا مت کہو اس کے اعمال وافعال کو کہو۔ اس کے بعد ایک قدم بڑھ کر آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ نہیں بھئی اعمال وافعال کو بھی برا مت کہو کہ اللہ کی مرضی بغیر ذرہ ادھر سے ادھر نہیں ہوسکتا اور جو کچھ ابوجہل نے کیا وہ تو تقدیر الٰہی تھا، تقدیر الٰہی کو برا کہنا سخت گستاخی ہے! منطق کو غلط استعمال کیا جائے تو وہ گھنگھرو بن جاتی ہے۔

بے شک اعمال وافعال ہی کی وجہ سے کسی شخص کو اچھا یا برا کہتے ہیں لیکن اعمال وافعال انسان سے ہٹ کر کوئی مستقل بالذات وجود نہیں رکھتے کہ ان کی رسی بٹ کر یزید کے لئے پھانسی لٹکا دی جائے۔

پھر چلئے مان لیا اعمال وافعال ہی کو اچھا برا کہنا بنیادی حقیقت ہے، لیکن کیا رسول اللہ کی صریح بشارت کے بعد بھی یہ سمجھنے میں کوئی دقت باقی رہ جاتی ہے کہ یزید کا ایک ہی فعل جہاد اس کے تمام اعمال بد سے بڑھ گیا اور اللہ نے اسے جنت دینے کا فیصلہ فرما دیا۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ جنت کی بشارت اگر اعمال ظاہرہ ہی سے متعلق ہوتی تو محض دس ہی صحابیوں کو اس کا شرف نصیب نہ ہوتا بلکہ بے شمار صحابی تھے جن اعمال ظاہری اس بشارت کے مستحق تھے اللہ کا خصوصیت سے دس کو نامزد کرنا واضح کرتا ہے کہ ان دس کی خاص اہمیت و پذیرائی منظور ہے، ان

نے بعض اعمال ایسی خصوصیت سے مقبول بارگاہ ہوئے ہیں کہ اب ان کا کوئی عمل اس مقبولیت کو بدل نہیں سکتا۔ تب آخر غزوۂ قسطنطنیہ والی بشارت ہی اعمال ظاہرہ سے کیوں متعلق کی جارہی ہے، کیوں نہیں سوچا جاتا کہ یہ غزوہ اپنے شرکاء کے لئے ناقابل تنسیخ مقبولیت کا باعث بنا ہے اور یہی تنہا تمام معاصی کا کفارہ ہے جیسا کہ ابھی چند روایات پیش کرتے ہیں۔

کوئی جاہل ہو تو صبر کر لیا جائے کہ کسی ایک عمل کی اتنی بڑی قدر و قیمت اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ اس سے سارے گناہ دھل جائیں لیکن آپ جیسے عالم بھی ایسی ہی بے خبری کا مظاہرہ کرنے لگیں تو دل خون ہوتا ہے حضور جبکہ خود ہی ایک ایسی حدیث بھی بیان فرما رہے ہیں جو ایک ہی عمل سے متقابل اعمال کے بھرے ڈھیر کو بے اثر بنا دینے کا ثبوت لا رہی ہے۔ قرآن و حدیث سے ایسی ایک نہیں ہزار نصوص پیش کی جا سکتی ہیں جن سے بعض اعمال کی بے انداز عظمت و رفعت کا پتہ چلتا ہے، ہم صرف کتاب الجہاد ہی کی چند حدیثیں پیش کرتے ہیں کہ بخاری والی بشارت سے متعلق ہے۔ بخاری و مسلم کی روایت ہے:-

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رِبَاطُ یَوْمٍ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا عَلَیْہَا۔

رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں ایک دن چوکیداری کرنا تمام دنیا اور اس کی ہر شے سے بہتر ہے۔

اللہ اکبر! مقاتلہ نہیں صرف چوکیداری کی یہ شان ہے کہ محض ایک دن کی چوکیداری تمام دنیا و مافیہا سے بڑھ کر ہو گئی۔ اور بخاری اور مسلم ہی میں ہے:-

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لَغَدْوَۃٌ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْ رَوْحَۃٌ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْہَا

حضور نے فرمایا کہ جہاد کے رستے ایک صبح یا ایک شام جانا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

اور بخاری میں ہے:-

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مَا اغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَمَسَّہُ النَّارُ۔

حضور نے فرمایا جس بندے کے قدم جہاد کی راہ میں گرد آلود ہوئے انہیں جہنم کی آگ چھو ہی نہیں سکتی۔

اور مسلم میں ہے:-

اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قَالَ الْقَتْلُ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ یُکَفِّرُ کُلَّ شَیْءٍ اِلَّا الدَّیْنَ۔

حضور نے فرمایا، اللہ کی راہ میں قتل ہو جانا سوائے قرض کے جملہ معاصی و مثالب کو معدوم کر دیتا ہے

یہ چند مثالیں ہیں اس بات کی کہ بعض اعمال جو کیفیت و کمیت کے لحاظ سے بظاہر معمولی ہیں اللہ

کے نزدیک کس قدر محبوب ہیں ان کے مقدس قدموں میں گناہوں کے ہمالیہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کی مثالوں کے لئے تلاش کی ضرورت نہیں۔ حدیث کے جس باب کو کھول لیجئے بلا دقت کئی مثالیں مل جائیں گی۔ صحابیت ہی کو دیکھ لیجئے کہ تنہا ایک شرف ہے مگر کیا غیر صحابی کی عمر بھر کی عبادتیں بھی اس کی برابری کر سکتی ہیں؟ پھر آخر ان لوگوں کے ایمان کو کیا ہو گیا ہے جو یزید کے معاملہ میں لوہے کے باٹ ترازو اٹھا لاتے ہیں اور اس کے اعمال و افعال کو سیروں کے حساب سے تول کر فیصلہ دیتے کہ برے اعمال کا وزن کئی سیر زیادہ ہو گیا لہٰذا جہنم میں ڈالو۔ وہ لوگ حق شناسی کی کس منزل میں ہیں جو اللہ کے رسول کی دی ہوئی بشارت مغفرت کو یزید کے لئے اس لئے تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ ان کی نگاہ میں وہ بہت بڑا گنہگار تھا حالانکہ خود ان کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ کفر و شرک کے علاوہ ہر معصیت معاف ہو سکتی ہے اور ہر مومن بہرحال مغفرت کا اہل ہے۔ گناہ و ثواب کو اپنے ترازو سے مت تولو۔ اللہ کے ترازو پر نظر کرو۔

سچ کہتے ہیں بشارت رسول سے یزید کو خارج کرنے کی کوشش جس انداز سے آپ نے کی ہے، اس سے کچھ ایسا منظر سامنے آتا ہے کہ جیسے اللہ کا معصوم رسول نیازمندوں کے جھرمٹ میں بیٹھا ہے اور کہہ رہا ہے کہ سن لو اے لوگو! قسطنطنیہ پر جو لوگ پہلا جہاد کریں گے ان کے لئے اللہ نے مغفرت لکھ دی۔

اس پر کچھ لوگ اٹھتے ہیں اور ناک بھوں چڑھا کے کہتے ہیں کہ نہیں یا رسول اللہ! ان لوگوں میں تو یزید بھی شامل ہے اسے جنت میں داخل ہوتا ہم کیسے دیکھ سکیں گے۔ یہ دیکھئے آپ نے تو فلاں وقت یہ فرمایا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یزید پہلے سرے کا بدکار تھا۔ پھر آپ کو یا اللہ میاں کو کیا حق ہے کہ اسے مغفرت سے نوازیں! ہم تو اسے خارج کریں گے۔

کیسا ہولناک منظر ہے یہ! گستاخی اور گمراہی سے لبریز حالانکہ جتنی بھی روایتوں میں رسول اللہ کی زبان سے صراحتاً یزید کا فسق و فجور دکھلا دیا گیا ہے وہ سب بلا استثناء جھوٹی اور گندی ہیں، ان کے بعض راوی ائمہ فن کی تصریحات کے مطابق اتنے لئیم ہیں کہ ان کے نفس کی گراوٹ شاید یزید کی شہرت یافتہ گراوٹوں سے بھی بڑھ کر ہو۔ اس شخص کی پستی کیا ٹھکانا ہو گا جو رسول اللہ پر بہتان باندھے اور اپنے دل کی گھڑی ہوئی بات ان کی طرف منسوب کرے۔ رہیں وہ روایتیں جن سے صراحتاً نہیں بلکہ اجتہاداً اور استنباطاً یزید کا فسق و فجور ظاہر ہوتا ہے تو وہ بھی اپنے متن اور اسلوب کے اعتبار سے اس کی گنجائش رکھتی ہیں کہ یزید ان کی زد میں نہ آئے۔ تاہم چلئے ساری روایتیں تسلیم اور یزید کا فسق و فجور بجا لیکن جب فسق و فجور آدمی کو کافر نہیں بناتے اور اللہ ہر گناہ سوائے شرک و کفر کے معاف کر سکتا ہے تو ان ذکاوت حس کے مریضوں کا کیا حشر ہو گا جو اللہ کے رسول سے بے بنیاد معارضہ کریں اور بے محابا کہیں کہ یزید کو ہم

نہیں بخشے دیں گے۔ پھر حضورؐ ہی کے ارشاد صریح کو مجروح کرنے کی کوشش فرمائیں۔ ہزار بار پناہ اس بہادری سے اور لاکھ بار توبہ اس بے دانشی سے کہ برائے شگون میں آدمی اپنی ہی ناک کاٹ لے۔

خود را فضیحت

آپ عباسی صاحب پر منہ بھر کے الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے کتابوں سے اپنے مطلب کی روایتیں لے لیں اور باقی چھوڑ دیں۔ یہ الزام کس حد تک درست ہے اسے ہم اگلی صحبت میں دیکھیں گے۔ فی الوقت صرف ایک نمونہ اس حقیقت کا دکھلانا چاہتے ہیں کہ ع

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

ان کتابوں اور مضمونوں کو چھوڑئیے جن میں جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کا رد کرتے ہوئے آپ اور آپ کے ہم نواؤں نے ان کے لٹریچر سے ایسا چھچھورا کھیل کھیلا ہے کہ جس آنکھ والے نے آپ کے نقل فرمودہ اقتباسات کو اصل سے ملا کر دیکھ لیا سر پیٹ لیا۔ خود اسی بحث کے سلسلہ میں دیکھئے کہ "میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھو" کا فن خود آپ نے بھی برتا ہے۔ تفصیل پوری کتاب کے جائزے میں عرض کریں گے۔ اس وقت صرف اسی بحث کا ایک نمونہ حاضر خدمت ہے۔

جس غزوۂ قسطنطنیہ کے شرکاء کی خبر مغفرت اللہ کے سچے رسول نے دی ہے۔ تقدیر دیکھئے کہ صرف شرکت ہی نہیں اس کی سربراہی اور سالاری کی سعادت بھی یزید ہی کے حصے میں آئی۔ تمام تاریخیں اور بخاری کی شرحیں اس پر متفق ہیں۔ لیکن شیعوں کی فن کاری قابل داد ہے کہ انہوں نے سنیوں تک میں حب حسینؓ اور بغض یزید کو اتنا اہم الاہم بنا دیا کہ سنی عوام ہی نہیں خواص ــــ اور آپ جیسے خواص رسول اللہ کی پیشین گوئی اور اللہ کی تقدیر تک سے کبیدہ خاطر ہیں۔ وہ دشمنی ہی کیا جو حریف کی ہر خوبی پر سیاہی نہ پھیر دے آپ کو یہ اچھا نہیں لگا کہ مذکورہ غزوے میں یزید کی امارت و سالاری صبر سے برداشت کریں چنانچہ کوشش فرماتے ہیں کہ اس طے شدہ حقیقت کو بھی مشکوک بنا دیں۔ حالانکہ یہ کوشش فی نفسہ لایعنی ہے کیونکہ حدیث کی بشارت جملہ شرکاء کے لئے ہے۔ یزید امیر نہ ہوتا تب بھی محض شرکت کافی تھی۔ لیکن رونا تو یہ ہے کہ یہ لایعنی کوشش بھی آپ نے دیانت و فراست کے ساتھ نہیں کی۔

آپ اس کوشش کی بنیاد علامہ عینی کی تحریر پر رکھتے ہیں۔

"بہر حال علامہ عینی کے کلام سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اس زیر بحث غزوۂ قسطنطنیہ میں یزید کی امارت و قیادت کا دعویٰ یقینی طور پر ثابت شدہ نہیں بلکہ عینی کے نزدیک اقوال میں اصح قول یہی ہے کہ یزید کی شرکت اس غزوے میں ہوئی مگر قیادت نہیں ہوئی یہ اکابر صحابہ اس کی ماتحتی میں دیئے گئے ہوں۔" (صفحہ ۱۶۸)

اگر تنہا علامہ عینی کسی ایسی بات کو اصح کہنے لگیں جو تمام مستند مورخین و شارحین کے نزدیک اصح نہ ہو تو تنہا ان کا کہنا حجت نہیں ہو سکتا، لیکن یہاں تو لطف یہ ہے کہ علامہ عینی پر بھی آپ نے صریح بہتان تراش دیا ہے ورنہ وہ آپ کے علی الرغم یزید ہی کو غیر مشتبہ طور پر سالار و امیر مانتے ہیں، لیجئے جو ان کی عبارت بطور شہادت آپ نے نقل کی اسی کو دیکھئے اور سوچئے کہ فرط جوش میں آپ کیا کر گزرے ہیں۔ آپ نے عینی عبارت کا جو ترجمہ دیا ہے وہ یہ ہے:۔

"اور ذکر کیا گیا ہے کہ یزید بن معاویہ نے بلاد روم میں جہاد کیا یہاں تک کہ وہ قسطنطنیہ تک پہنچا اور اس کے ساتھ سادات صحابہ کی ایک جماعت تھی جس میں سے ابن عمر ابن عباس ابن الزبیر اور ابو ایوب انصاری بھی تھے جن کی وفات قسطنطنیہ کی دیوار کے قریب ہوئی اور وہیں ان کی قبر بنائی گئی جس سے قحط کے وقت لوگ توسل کر کے دعائیں مانگتے ہیں اور صاحب مرآۃ کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ یزید بن معاویہ نے قسطنطنیہ کا غزوہ ۵۲ھ میں کیا اور کہا گیا ہے کہ حضرت معاویہ نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کے لئے ایک لشکر بھیجا جس کے امیر سفیان بن عوف تھے جنہوں نے لشدۃ تمام روم کے علاقوں پر حملہ کیا اس لشکر میں ابن عباس ابن عمر ابن الزبیر اور ابو ایوب انصاری تھے اور ابو ایوب اسی زمانہ میں قسطنطنیہ میں وہیں وفات پا گئے۔"

میں کہتا ہوں (صاحب المرآۃ) کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ یہ اکابر صحابہ اس سفیان بن عوف کے ساتھ تھے یزید کی ساتھ نہ تھے کیونکہ یزید اس کا اہل نہ تھا کہ یہ بڑے بڑے اکابر اس کی خدمت میں (ماتحت کی حیثیت سے) رہیں۔ مہلب نے کہا کہ اس حدیث سے حضرت معاویہ کی منقبت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے ہی سب سے پہلے دریائی جنگ لڑی اور ان کے بیٹے یزید کی منقبت بھی نکلتی ہے۔ کیونکہ اسی نے سب سے پہلے قیصر کے اس شہر (قسطنطنیہ) پر دھاوا کیا۔ میں کہتا ہوں (صاحب مرآۃ) یزید کی وہ کونسی منقبت تھی (جو قابل ذکر ہوتی) جبکہ اس کا حال (فسق و فجور) مشہور ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کے حق میں مغفور لہم فرمایا ہے تو میں یہ کہوں گا کہ اس عموم میں یزید کے داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی دوسری دلیل سے اس سے خارج بھی نہ ہو سکے۔ کیونکہ اس میں تو علماء کا کوئی اختلاف ہی نہیں کہ حضورؐ کے مغفور لہم میں وہی داخل ہیں جو مغفرت کے اہل ہیں حتیٰ کہ

"اگر ان غزوہ کنندوں میں سے بعد میں کوئی شخص مرتد ہو جاتا تو یقیناً اس بشارت کے عموم میں داخل نہ رہتا تو اس سے صاف واضح ہے کہ مراد حضور کی یہ ہے کہ مجاہدین روم کی مغفرت کی گئی اس شرط کے ساتھ کہ ان میں مغفرت کی شرط پائی جائے۔"

آپ بھی دیکھیں اور تمام آنکھ والے بھی کہ اس اقتباس سے علامہ عینی کی کس رائے کا پتہ چلا۔ تجزیہ یہ کرتا ہے کہ اس میں خود علامہ عینی کا اپنا قول کیا ہے اور صاحب المرآۃ کا قول کیا۔ صاف ظاہر ہے کہ عینی اپنے طور پر تو یہ فرماتے ہیں کہ :۔

"یزید بن معاویہ نے بلاد روم میں جہاد کیا یہاں تک کہ وہ قسطنطنیہ تک پہنچا اور اس کے ساتھ سادات صحابہ کی ایک جماعت تھی..... (تا دعا مانگتے ہیں")

اس کے بعد

"اور صاحب مرآۃ کہتے ہیں"

سے وہ اپنا نہیں صاحب المرآۃ کا قول نقل کر رہے ہیں جو آخر تک چلا گیا ہے۔ تو زبان و ادب کا کوئی مبتدی بھی کیا عینی کے اپنے قول کا مفہوم اس کے سوا کچھ سمجھ سکتا ہے کہ یزید ہی سالار و امیر تھا۔ اگر کوئی اور سالار ہوتا تو عینی اسی کا نام لے کر بقیہ شرکاء کا ذکر کرتے۔ جہاد کرنے اور قسطنطنیہ تک پہنچنے کی نسبت یزید کی طرف کرنا ہی صاف طور پر بتاتا ہے کہ یزید عینی کی نگاہ میں امیر لشکر ہی تھا۔ تاریخیں اٹھا کر دیکھئے، کتابیں اخبار پڑھئے بے شمار جگہ اس طرح کی عبارتیں آپ کو ملیں گی۔

"خالد بن ولید نے فلاں شہر فتح کر کے فلاں شہر پر حملہ کیا اور ان کے ساتھ فلاں اشخاص تھے۔"

"نپولین فلاں جگہ سے فلاں جگہ پہنچا اور اس کے ساتھ مختلف ملکوں کے سپاہی تھے۔"

کیا اس انداز بیان کا مطلب اس کے سوا بھی کچھ ہوتا ہے کہ حضرت خالد یا نپولین کا نام بطور کمانڈر آیا ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی کہے کہ یزید کا کمانڈر نہ ہونا عینی کے نزدیک "اصح قول" ہے تو اس کے سوا کیا سمجھا جائے کہ یزید دشمنی نے اس کے ہوش و حواس سلب کر لئے ہیں۔

ہاں سالار نہ ہونے کا قول صاحب المرآۃ نے کیا ہے نہ کہ عینی نے اور آخر تک انہی کے قول کا بیان ہے نہ کہ عینی کے ذاتی خیال کا۔ اس سے ثابت ہوا کہ عینی پر آپ نے بہتان باندھا۔

پھر قدسا صاحب المرآۃ کی دلیل پر بھی تو نظر ڈالئے۔ یزید کے امیر نہ ہونے پر انہوں نے کوئی تاریخی شہادت پیش نہیں کی حالانکہ تاریخی واقعات میں منطق کم اور روایتی شہادتیں زیادہ ضروری ہوتی ہیں۔ پھر

ان کی دلیل جتنی سطحی ہے وہ بھی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ ہم تجلی میں بہ تفصیل لکھ چکے ہیں اور ہر باعلم آدمی خوب جانتا ہے کہ فوجوں کی سالاری کے لئے زہد و تقویٰ مدارِ انتخاب نہیں ہوا کرتے بلکہ وہ صلاحیتیں معیارِ انتخاب ہوتی ہیں جن کے ذریعہ فوجوں کو خوش اسلوبی سے لڑایا جاتا ہے۔ کیا یاد نہیں کہ حضرت ابوذر جیسے عابد و زاہد صحابی سے اللہ کے رسول نے فرمایا تھا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ تمہیں چند آدمیوں پر بھی افسر بنایا جائے۔ یہ یاد نہیں تو امارت و سالاری پر قرآن و حدیث کی دیگر تصریحات اور ائمہ سلف کے فرمودات دیکھ لیجئے یہی ملے گا کہ جیسا کام ہو ویسی ہی صلاحیتوں کا آدمی منتخب کیا جائے، یزید بہادر تھا، جنگ کے نشیب و فراز سمجھتا تھا۔ صاحب حرب و ضرب تھا، ان صفات کو خود آپ نے بھی اپنی اسی کتاب میں گو بادل ناخواستہ مانا ہے مگر مانا ہے اور ماننے کی مجبوری یہ تھی کہ اس کے جہنمی ہونے کا فیصلہ دینے والے بھی ان صفات کا اعتراف کر گئے ہیں۔ تب صاحب المرآۃ کی اس منطق میں کیا جان رہی کہ یزید سالاری کا اہل نہ تھا۔ مستزاد یہ کہ آپ حضرات ایک سانس میں تو یہ کہتے ہیں کہ معاویہ نے یزید کو ولیعہد بنایا تو انہیں اس کی بدکرداریوں کا علم نہیں تھا، یا اس وقت تک وہ ایسا بدکردار نہیں ہوا تھا اور دوسرے سانس میں اس کے برعکس باتیں منوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ذرا بتائیے اگر یہی بات تھی کہ ولی عہدی کے وقت تک یزید بدکردار نہیں تھا یا تھا تو ڈھکا چھپا تو غزوۂ قسطنطنیہ کے وقت اس کے عیوب اور بھی مخفی رہے ہوں گے، کیونکہ یہ ولیعہدی سے کافی پہلے پیش آیا ہے۔ تب نگاہ صحابہ میں اس کی نااہلی ثابت کرنے کی طبع زاد منطق کیا وزن رکھتی ہے۔ اگر گناہوں کا ارتکاب فوجی کمانداری کے منافی ہو تب بھی یہ اسی وقت زیر بحث آسکتا ہے جب لوگوں کو علم ہو جائے یہ کیا طریقہ ہے کہ جو نام نہاد علم صاحب المرآۃ کو بعد کے فلک شگاف پروپگنڈے نے دیا ہے اسے صحابیوں کے دماغ میں بھی ٹھونسنے کی سعی کر رہے ہیں۔ واقعات کی ترتیب، درایت اور سوجھ بوجھ اس سے ابا کرتی ہے۔

رہی صاحب المرآۃ کی یہ چرب زبانی کہ "میں کہتا ہوں یزید کی وہ کونسی منقبت تھی جبکہ اس کا حال مشہور ہے" الی آخرہ۔ تو یہ سوال انہیں اللہ کے رسول سے کرنا چاہئے جنہوں نے مجاہدین قسطنطنیہ کے پورے گروہ کو مغفور کہہ کر صاحب المرآۃ جیسا زاویۂ نظر رکھنے والوں کو خفا کر دیا اور اس اللہ سے کرنا چاہئے جس نے بشارت کی وحی کرتے ہوئے یہ نہ دیکھا کہ اس مبشر بالجنۃ گروہ میں یزید بھی موجود ہے۔

جس کو میرے بندے دوزخ میں جھونکے بغیر دم نہ لیں گے!

لوگ یک رخے جذبوں کی رو میں تو اذن کھو بیٹھتے ہیں اور نہیں دیکھتے کہ ان کا تیر کس کس کا کلیجہ چھید گیا! اچھا تو بات اس الزام کی ہو رہی تھی جو عباسی صاحب پر لگایا جا رہا ہے۔ یعنی کڑوا کڑوا تھو میٹھا

میٹھا ہپ۔ ذرا دیکھئے خود آپ بھی تو میٹھا ہی میٹھا چھانٹ رہے ہیں۔ بخاری کے سب سے بڑے اور مانے ہوئے شارح علامہ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری سے آپ نے اپنے مطلب کی تو خوب عبارتیں نقل کر دیں لیکن وہ الفاظ چھوڑ گئے جو کڑوے تھے۔ کتاب اٹھا لیجئے۔ اسی حدیث (لیغزون مدینۃ قیصر) کے تحت کیا ابن حجر نے ابن التین کا رد کرتے ہوئے یہ نہیں کہا کہ اگر ان کی مراد یہ ہے کہ یزید غزوے میں شریک ہی نہ تھا تو یہ "قول مردود" ہے، اور پھر صریح الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

فانه کان امیر ذالك الجیش بالاتفاق۔ | پس وہ یزید اس لشکر کا سپہ سالار تھا بالاتفاق

ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ کسی صاحب المرآۃ کا بے دلیل فرمودہ تو آپ کو اتنا اہم نظر آیا کہ پورے دو صفحے پر نقل کر کے نتائج اخذ کر لئے اور امارت یزید کے مسلّم واقعے کو مجروح کرنا شروع کر دیا لیکن ابن حجر کا یہ فرمودہ چھپانے ہی کے قابل محسوس ہوا کہ:۔

"یزید کی امارت تو بالاتفاق مسلّم ہے"

ابن حجر جیسا وسیع المطالعہ "بالاتفاق" کے الفاظ نہیں کہہ سکتا تھا، اگر تاریخی شواہد یزید کی سالاری کو غیر یقینی بتاتے۔ عسقلانی، عینی، قسطلانی تینوں مشہور شارحین بخاری یزید کو سالار بتا رہے ہیں مگر آپ ہیں کہ ہوائی دلیلوں سے اس سعادت کو بھی مشکوک بنانے میں ساعی ہیں، یہ حق پرستی نہیں تعصب ہے، حکمت نہیں دھاندلی ہے۔ ابن حجر کی اپنے حسب منشا عبارتیں نقل کر دینا اور مذکورہ فقرہ دبا جانا ویسی ہی خیانت ہے جیسی عباسی صاحب کے سر مڑھی جا رہی ہے۔ عینی کی نقل شدہ تحریر سے الٹا مطلب نکالنا اور کسی صاحب المرآۃ کے نقطۂ نظر کو سر چپکنا دیانت نہیں کہلا سکتا۔

تلبیس | تلبیس کا لفظ ہم نے ہلکا بولا، جن روایتوں کو محققین و ناقدین نے یکسر من گھڑت اور مردود قرار دیدیا ہے۔ انہیں رسول اللہ کی طرف منسوب کر کے نقل کرنا اس سے سخت لفظ کا مستحق ہے۔ آپ کہتے ہیں:۔

"ابو عبیدہ نے رسول اللہ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت کا امر و حکم عدل کے ساتھ قائم رہے گا یہاں تک کہ پہلا وہ شخص اسے تباہ کرے گا جو بنی امیہ میں سے ہوگا جسے یزید کہا جائے گا" ص١٥١

پھر معصومیت سے فرماتے ہیں:۔

"لیکن ہم نے اس قسم کی روایتوں کو اس لئے پیش نہیں کیا کہ ان کی سندوں میں کلام

کیا گیا ہے"

واحسرتا! اتنا مشہور حکیم الاسلام اور ایسے حربے! جنہیں اور کوئی استعمال کرے تو ادچھے کہلائیں غیر بھرتا ہے ترے خط کو لئے یوں کہ اگر کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے بیان بھی فرمائے جاتے ہیں اور پیش نہ کرنے کا بھی دعویٰ ہے۔ دل غمگین ہو جاتا ہے یہ دیکھ کر کہ جن روایتوں کا موضوع و جعلی ہونا فن اور درایت ہر لحاظ سے کھلا ہوا ہے انہیں بھی آپ جیسے ممتاز مسلمان بلا تکلف اسی طرح بیان کر دیں کہ:۔

"ابو عبیدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی"

اور آپ کا دل نہ کانپے کہ کس کذب و افترا کو خیر البشر سرور کونین فداہ امی و ابی سے منسوب کر رہے ہیں۔ مزید یہ بے انصافی کہ سیر کو تولہ بنا کر پیش کریں یعنی

"ان کی سندوں میں کلام کیا گیا ہے"

اسے کلام تو بخاری تک کی بعض سندوں میں کیا گیا ہے، کیا آپ کی علمی دیانت یہی کہتی ہے کہ جو روایات مردود موضوع ہوں ان کے لئے ایسے ہلکے اور پھیکے الفاظ استعمال کریں تاکہ عوام اصل کیفیت سے بے خبر رہیں اور یہی سمجھیں کہ چلو کلام تو بھی کتب حدیث کی بعض روایات پر کیا گیا ہے یہ ایسا اہم معاملہ نہیں کہ روایت کو بالکل ہی نظر انداز کیا جائے۔

..... نے طلحہ کے سینے میں خنجر بھونک دیا۔ اس کی جائداد دبا لی اس کے عیال کو جھوٹے مقدموں میں پھنسا دیا۔ اب ذرا اس شخص کے حسن بیان کو داد دیجئے جو ان ہولناک مظالم کا بیان ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"زید سے طلحہ کے حق میں لغزش ہوئی"

کیا کہتے ہیں اس سے بھی ہلکا کوئی لفظ لائے ہوتے ہم کہتے ہیں بددیانتی صرف روپیہ ہضم کرنا نہیں یہ بھی بددیانتی ہی ہے کہ سیر بھر کی چیز کا بیان اس انداز میں کیا جائے کہ سننے والے کو تولہ بھر محسوس ہو۔ گھڑی ہوئی واہی روایتوں پر صرف یہ ریمارک کہ ان کی سندوں میں کلام کیا گیا ہے، فن حدیث سے مذاق اور علمی دیانت سے فریب مبین ہے۔

رہیں وہ روایتیں جن سے آپ نے بخاری کی زیر تذکرہ بشارت کو ڈائنامیٹ کیا ہے تو ان سے بحث ہم ضرور کریں گے۔ مگر اس وقت جب پوری کتاب پر گفتگو ہوگی۔ اب تو صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ہزار متشابہات ایک محکم نص کو مسترد نہیں کر سکتے۔ آپ نے جتنی بھی روایات پیش کی ہیں سب اپنے مصداق و مفہوم کے

اعتبار سے مجمل بھی ہیں اور ایسی بھی کہ ان کے محمل و تعبیر میں اختلاف کیا جا سکے وہ حدیث بشارت کی طرح صریح و محکم اور صاف شفاف نہیں ہیں۔

دوسرا نمونہ

عباسی صاحب نے کہیں یہ لکھ دیا تھا کہ بعض ائمہ نے عدم بلوغ کے سبب حسین و حسن رضی اللہ عنہما کی صحابیت نہیں مانی بلکہ انہیں تابعین میں شامل کیا ہے۔

یہ لکھنا غضب ہو گیا۔ اسے آپ نے عباسی صاحب کا بدترین جرم قرار دیکر پچاس کے قریب صفحات سیاہ کر ڈالے ہیں۔ ان صفحات کی معنوی قدر و قیمت کیا ہے اس کا تو ہم پوری کتاب کے نقد میں جائزہ لیں گے فی الحال آپ کا سب کہا درست مان کر عرض کرتے ہیں کہ بجا فرمایا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ صحابی تھے۔ صحیح مسلک یہی ہے کہ بلوغ کو شرط نہ مانا جائے اور حسین رضی اللہ عنہ کی صحابیت تسلیم کی جائے، لیکن سوال یہ ہے کہ خود عباسی صاحب بھی ان کی صحابیت کے منکر ہیں۔ ہم اس سوال کا واضح جواب دیتے ہیں کہ وہ ہرگز منکر نہیں جس کا جی چاہے ان کا اپنا چھاپا ہوا ایڈیشن دیکھ لے وہ برملا اور بالاستقلال حسین رضی اللہ عنہ کو صحابی ہی مانتے ہیں۔ بس ان کا قصور یہ ہے کہ انہوں نے بعض ائمہ کا خیال نقل کر دیا۔ تو کیا یہ جھوٹ نقل کیا ہے؟ کیا آپ یہ کہیں گے کہ کسی عالم و امام نے ایسا نہیں کہا تھا عباسی صاحب نے جھوٹ موٹ لکھ دیا؟ اگر ایسا کہہ سکتے ہیں تو کہہ کے دیکھئے ہم اس وقت بتائیں گے کہ کتنے ارباب علم نے واقعۃً یہ کہا ہے اور بلوغ کو شرط صحابیت ٹھیرایا ہے مگر آپ نہیں کہہ سکتے لہٰذا عباسی صاحب کا جرم صرف یہ رہا کہ انہوں نے بعض ائمہ کا ایسا قول نقل کر دیا جسے امت کی اکثریت نے پسند نہیں کیا ہے اور وہ اس کے برخلاف حسین کی صحابیت تسلیم کرتی ہے۔

اچھا اب ذرا دیکھئے بالکل اسی نوعیت کا ایک جرم خود آپ بھی تو ہاتھوں ہاتھ کر گزرے ہیں جو نوعیت کی حد تک ایسا ہی ہے مگر معنوی قباحت اور اثرات بد کے لحاظ سے اس سے کہیں زیادہ ہولناک ہے۔

جس طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صحابیت بعض علماء نے تسلیم نہیں کی، حالانکہ زیادہ علماء اسے تسلیم کرتے ہیں، اسی طرح بعض لوگوں نے یزید کو کافر تک کہہ دیا، حالانکہ سواد اعظم اور علمائے حق کی غالب ترین اکثریت اسے کافر نہیں کہتی۔ بلکہ حق یہ ہے کہ اسے کافر کہنا خوفِ خدا سے بے پرواہ ہونے کی بدترین علامت ہے ——

تو لازم تھا کہ آپ بھی یزید کی تکفیر کا تذکرہ نہ کرتے لیکن آپ تو دھڑلے سے کہہ رہے ہیں کہ:۔

وہ بعض ائمہ کے یہاں تو یزید کی تکفیر تک کا مسئلہ بھی زیر بحث آ گیا، یعنی جن کو اس کے قلبی دماوی اور اندرونی جذبات کھلنے پر ان کی اطلاع ہوتی تو انہوں نے اس پر کفر

تک کا حکم لگا دیا۔" صـ۱۲۶

پھر آپ نے ابن ہمام کے بھی کچھ فقرے نقل کئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض لوگوں نے یزید کو کافر کہہ دیا۔ آخر عباسی صاحب کے اور آپ کے فعل میں کیا فرق رہا؟ انہوں نے اگر بعض ائمہ کا قول نقل کر کے آپ کے بقول حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تخفیف کرنی چاہی حالانکہ اکثر علماء حسین رضی اللہ عنہ کو صحابی ہی مانتے ہیں تو آنجناب نے بھی تکفیر یزید کا قول نقل کر کے یزید کو ذلیل کرنا چاہا، حالانکہ اکثر علماء اسے مسلمان ہی مانتے ہیں، خود آپ بھی کافر نہیں کہتے۔

یہ تو رہی آپ کے اور عباسی صاحب کے جرم میں مساوات و یک جہتی۔ اب دیکھئے کہ معنوی قباحت میں آپ کتنے آگے گئے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر ایک شخص حسین رضی اللہ عنہ کی صحابیت مشکوک کر رہا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ انہیں نعوذ باللہ جہنمی قرار دے رہا ہے۔ "صحابیت" ایک اصطلاح ہے جس کے مفہوم میں بعض لوگوں نے بلوغ کو بھی بطور شرط شامل کیا ہے۔ حضرت حسین چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں بالغ نہیں ہوئے تھے، اس لئے ان لوگوں کا خیال ہے کہ صحابی کی اصطلاح ان پر صادق نہیں آتی، یہ خیال غلط سہی لیکن کیا یہ بھی اس کا لازمی مفہوم نکلتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں نے محاسن اور مناقب سے خالی اور عذاب الٰہی کا مستحق قرار دے دیا؟ ظاہر ہے کہ نہیں اور بالکل نہیں، تابعین بھی بڑی مرتبت والے رہے ہیں اور ہر زمانے میں اللہ کے ایسے نیک بندے ہو گزرے ہیں جو صحابی نہ ہوتے ہوئے بھی جنتی تھے۔ تو ثابت ہوا کہ عباسی صاحب اگر صحابیت حسین کو مشکوک بھی بنا رہے ہیں تو اس سے کوئی بڑا نقصان لازم نہیں آتا اور ذات حسین رضی اللہ عنہ سے صرف ایک ایسے وصف کا انکار ہوتا ہے جو اگرچہ بجائے خود بہت بڑا ہے لیکن جنتی ہونے کی شرط لازم نہیں ہے۔

لیکن جو شخص کسی مومن کا ایمان مشکوک کر کے اس کے کفر و ارتداد کا رجحان پیدا کر رہا ہے وہ تو بڑا بھیانک مجرم ہے کہ ایک مومن کی مغفرت کا امکان ہی ختم کئے دے رہا ہے اسے ڈرنا چاہئے کہ ایسا نہ ہو یہ کفر اسی کی طرف لوٹ جائے، کیا قہر ہے کہ عباسی صاحب آپ کے ممدوح کا صرف ایسا وصف مشکوک کرنا چاہیں جو محض فضائل کے درجہ کا ہو مغفرت و نجات کا مدار نہ ہو تو وہ مجرم، گستاخ اور بدنیت لیکن آپ ان کے ممدوح کے تمام ہی اوصاف یکسر ملیامیٹ کر دینا چاہیں اور بلا غل و غش اسے دوزخ میں دھکیلنے کا ارادہ کریں تو آپ دیانت دار اور حکیم الاسلام۔

آواز دو انصاف کو انصاف کہاں ہے

خدا اور بندوں کی شرم چاہئے اس شخص کو جو دوسروں کی معمولی تلخ گفتاری کو بھی گردن زدنی قرار

دے لیکن خود بر ملا دوسروں کو ماں بہن کی گالیاں دے جائے۔ ہم کہتے ہیں ماں بہن کی گالی کیا چیز ہے۔ قتل کر دینا بھی اس سے کم جرم ہے کہ آدمی کسی مومن کو کافر بنائے یا بنانے کی جرأت نہ پائے تو کم سے کم شک ہی پھیلائے۔ مومن کے لئے کفر سے بڑی گالی دنیا میں کوئی نہیں۔ صحابیتِ حسین کا پچاس بار بھی انکار کرنا یزید کو ایک بار کافر کہنے سے ہزار درجہ کم قبیح ہے۔

جرم در جرم آپ کا یہ ہے کہ یزید پر لعنت بھیجنے کو صحیح مسلک نہ سمجھتے ہوئے اور اس سے کلیتہً پرہیز کرتے ہوئے بھی آپ نے صفحے کے صفحے یہ دکھانے میں صرف کر دئے ہیں کہ وہ مستحق لعنت تھا اور اس کے ملعون ہونے کے فلاں فلاں دلائل ہیں۔ عبرت ہوتی ہے یہ دیکھ کر کہ جواز لعنت کے سلسلہ میں تو آپ کو کئی عالموں کے نام یاد آئے اور ان کی کتابیں جھانکیں لیکن عدم جواز کے لئے جبل علم و فراست علامہ ابن تیمیہؒ یاد نہ آئے اور ان کی "منہاج السنۃ" کو دیکھا کہ دلائل سے آنکھیں چار کرتے اور جامد تقلید کے بجائے شعور و ادراک کی روشنی میں کسی فیصلے پر پہنچتے۔ اگر آپ کو فرصت نہ ہو تو ہم شاگردوں سے کہتے ابن تیمیہ کے دلائل پیش کر دیں۔ ہمیں یقین ہے آپ نے منہاج السنۃ نہیں پڑھی ہے ورنہ کبھی یہ بے دلیل دعویٰ نہ کرتے کہ یزید نے حضرت حسین کے دانتوں پر چھڑی ماری تھی۔

لعنت بھیجو، گالیاں دو، جو چاہے کرو، اللہ کا رسول تو کہہ چکا ہے کہ اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم اور اللہ کا رسول اٹکل پچو نہیں کہتا اللہ کی طرف سے کہتا ہے سارا عالم مل کر زور لگا لو اللہ کی مشیت اٹل ہے۔

وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ۔	اور اگر اللہ ارادہ کرے تیرے لئے خیر کا تو کوئی اس کے فضل کو لوٹا نہیں سکتا۔

نصیبہ ور تھے وہ لوگ جنہیں قسطنطنیہ کے غزوۂ اولیٰ کی شرکت نصیب ہوئی اور اللہ نے انہیں بخش دیا، کمال ہے کہ جو بدعتی حضرات رسول اللہ کا درجہ دینے کے لئے انہیں عالم الغیب اور حاضر و ناظر اور نہ جانے کیا کیا کہا کرتے ہیں وہ بھی یزید دشمنی میں اتنے ڈھیٹ ہو گئے ہیں کہ رسول اللہ کا فرمودہ تاویل کی خراد پر چڑھ جائے تو چڑھ جائے مگر یزید جنت میں نہ جانے پائے، مبارک ہو شیعوں کو کہ انہوں نے خود تو حضرت حسینؓ کو کوفے بلایا اور بدترین بزدلی اور عہد شکنی کے مرتکب ہو کر ان کی مظلومانہ موت کو دعوت دی لیکن الزام سارا ڈال دیا یزید کے سر اور حبِ حسین کا ڈھونگ رچا کر بعض یزید کی وہ ڈفلی بجائی کہ اہل سنت بھی رقص کر گئے۔ کتنا کامیاب فریب ہے کہ اصلی قاتل تو سرخرو ہوتے اور سیاہی

مل گئی اس یزید کے منہ پر جو اپنی حکومت کی حفاظت کرنے میں اسی طرح حق بجانب تھا جس طرح دنیا کا کوئی بھی حکمراں ہوتا ہے۔ ہم انسانی تاریخ میں کسی ایسے حکمراں کو نہیں جانتے جس نے بوقت ضرورت اپنے تحفظ کے لئے ممکنہ تدابیر سے کام نہ لیا ہو۔ یزید ہی نے حضرت حسینؓ کو باز رکھنے کے لئے افسروں کو اقدام و انصرام کا حکم دیا تو یہ کوئی انوکھا فعل نہ تھا ہاں اس نے یہ ہرگز نہیں کہا تھا کہ انہیں مار ڈالنا۔ جو کچھ پیش آیا بہت برا سہی مگر یزید قاتل نہ تھا نہ قتل کا آرڈر دینے والا۔ پھر بھی قتل کی ذمہ داری اس پر ڈالتے ہو تو اس میں سے کچھ حصہ بہت بڑا حصہ ان بد نہاد کوفیوں کو بھی تو دو جنہوں نے خطوں کے پلندے بھیج بھیج کر حضرت حسینؓ کو بلایا اور وقت آیا تو رسول اللہ کے نواسے کو ہجوم آفات میں چھوڑ کر نو دو گیارہ ہو گئے۔ یہ سب شیعہ تھے پرلے سرے کے بوالفضول اور عہد شکن۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو بھی ناک چنے چبوائے، میدانِ وفا میں ہیچ بن گئے، اسد اللہ کی خیبر شکن تلوار کو کند کر کے رکھ دیا اور پھر انہی کے عالی مقام بیٹے حسینؓ کو سبز باغ دکھا کر مروا دیا۔ آج یہ ناٹک کھیلتے ہیں کہ ہم حسین کے فدائی ہیں اور اسی ناٹک میں کتنے ہی سنی حضرات بھی بطور ایکسٹرا شامل ہو گئے ہیں۔ واہ رے کمال فن! ہو سکے تو یزید دشمنی میں حد سے آگے جانے والے اہل سنت غور کریں کہ وہ کس معصومیت سے دھوکا کھا گئے ہیں۔ کیسا جادو کا ڈنڈا ان کے سر پر پھیرا گیا ہے اور صحابہ کے دشمنوں نے کس طرح یزید کی آڑ میں نہ صرف حضرت معاویہؓ بلکہ یزید کی بیعت کرنے والے متعدد جلیل القدر صحابہ کو سب و شتم کرنے کا راستہ نکالا ہے۔

شہید کربلا اور یزید

تمہید ——————— از مولانا عامر عثمانی
جائزہ ——————— از ابو صہیب رومی پھلی شہری

گزشتہ ماہ حضرت مہتمم صاحب کی کتاب پر جزئی نقد کرتے ہوئے ہم نے ارادہ ظاہر کیا تھا کہ آئندہ پوری کتاب کا جائزہ لیں گے لیکن خوشی کی بات ہے کہ ہماری بجائے یہ کام ایک ذی علم بزرگ مولانا ابو صہیب رومی نے کافی خوش اسلوبی سے انجام دیدیا ہے۔

حسین رضؓ کی مفروضہ صحابیت

مہتمم صاحب نے "صحابیت" کی بحث میں حافظ ابن حجر کا یہ فرمودہ تو فتح الباری سے نقل کردیا۔

"اور ان میں سے بعض نے یہ بھی شرط لگائی ہے کہ آدمی حضورؐ کی ساتھ جمع ہونے کے وقت بالغ بھی ہو اور یہ قید مردود ہے کیونکہ یہ حسنؓ جیسے کمسن افراد کو (جو حضورؐ کے ساتھ جمع ہونے کے وقت کمسن تھے) صحابیت سے خارج کر دیتی ہے" ص۳

لیکن انہی حافظ ابن حجر کی جو مستقل کتاب "الاصابہ فی تمیز الصحابہ" کے نام سے صحابہ ہی کے بارے میں ہے اسے اٹھاکر نہیں دیکھا۔ حالانکہ صحابیت کے لئے "بلوغ" کی جس شرط کا ذکر عباسی صاحب نے کیا تھا اور مہتمم صاحب نے اسے جرم عظیم قرار دے کر پچاس صفحے لکھ ڈالے تھے اسی شرط کے بارے میں حافظ ابن حجر جلد اوّل ص۸ پر رقمطراز ہیں:-

واطلق جماعة ان من رأى النبي صلى الله عليه وسلم فهو صحابي وهو محمول على من بلغ سن التمييز اذ من لم يميز لا تصح نسبة الرؤية اليه نعم يصدق ان النبي صلى الله عليه وسلم رأٰه فيكون صحابيا من هذه الحيثية ومن حيث الرواية يكون تابعيا۔

اور ایک جماعت نے صحابیت کی تعریف کو اس درجہ عام اور وسیع کردیا ہے کہ وہ کہتی ہے جس نے بھی رسول اللہؐ کو دیکھا وہ صحابی ہوا۔ تو یہ عموم واطلاق دراصل محمول ہوگا اس بات پر کہ وہ دیکھنے والا سن تمیز کو پہنچ گیا ہو، اس وجہ سے کہ اگر سن تمیز ہی کو نہ پہنچا ہو تو رویت کی نسبت اسکی طرف درست نہیں ہو سکتی۔ ہاں یہ ضرور تصدیق کی جا سکتی ہے کہ اس نے رسول اللہ صلعم کو دیکھا پس اس دیکھنے کی نسبت سے اسے صحابی کہا جائے گا مگر روایت کے معاملہ میں اس کا درجہ مقام تابعی کا ہوگا۔

اب کہئے۔ یہ ابن حجر تو اس ارشاد میں سن تمیز کو کم سے کم روایت کی حد تک شرط لازم قرار دے رہے ہیں، اہل علم اس فرق کو خوب سمجھتے ہیں: تابعین کا مقام یہ ہے کہ ان کی روایتیں نہ تو "مرفوع" سمجھی جاتی ہیں نہ وہ الاصحاب کلھم عدول کے دائرے میں آتے ہیں۔ علمائے سلف میں کتنے ہی ائمہ فن ہیں جو تابعین کے مراسیل کو حجت قاطعہ نہیں مانتے۔

رہیں وہ گل افشانیاں جو تقریباً پانچ سال کے حسینؓ کو اعلیٰ درجہ کا ذی شعور، دانا، معاملہ فہم، نکتہ شناس اور سراپا آئینہ کامل و اکمل ثابت کرنے کے لئے مہتمم صاحب نے کی ہیں تو انہیں وہ تیر کے مرثیوں پر جھومنے والے تو ان کی داد دے سکیں گے، مگر عقل و علم اور نفسیات۔ عامہ کی بارگاہ میں ان کا کوئی مقام نہیں۔ اگر پانچ چھ سال کا لڑکا بھی سن تمیز کا حامل اور ذی شعور و نکتہ شناس کہا جا سکتا ہے تو مان لینا چاہئے کہ ماں کا دودھ چھوٹتے ہی ابن آدم ذی شعور و صاحب تمیز ہو جاتا ہے اور اس کی نقل و اقتباس پر اعتماد کرلینا چاہئے۔ خدا ہی جانے حضرت حسینؓ کی بے نہایت ذکاوت و فراست اور تدبیر و تدبر کے وہ جلوے مہتمم صاحب کو تاریخ کی کس دوربین سے نظر آتے جن کے اظہار کا صرف ایک ہی موقع حضرت حسینؓ کو ملا تھا اور اسی موقع پر ان کی سیاست، ان کی مردم شناسی، ان کے تدبر اور ان کی قائدانہ صلاحیتوں کا تار و پود حالات کے بے رحم ہاتھوں نے بکھیر کے رکھ دیا تھا۔ شاعری الگ چیز ہے۔ اس کا بھی ایک مقام ہے، مگر ٹھوس علمی و تاریخی بحثوں میں شاعرانہ خیال آفرینیاں ہزیمت اور فرار کے مرادف ہوا کرتی ہیں۔

اب غور کیا جائے کہ حافظ ابن حجر جب اپنی الاصابہ میں وہ کچھ لکھ گئے ہیں جو ابھی نقل ہوا تو آخر فتح الباری میں وہ بات کیوں کہی جو مہتمم صاحب نے نقل کی۔ اس کے جواب میں جو کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں وہ "چھوٹا منہ بڑی بات" کے مساوی ہوگا، لیکن اس کے بغیر چارہ بھی نہیں ہے جذباتی عصبیت بلا ہی ایسی ہے کہ ابن حجر تو کیا ان سے بہت بڑے لوگ بھی اس کی دسیسہ کاری سے بچ نہیں سکے ہیں۔ ہر صاحب علم جانتا ہے کہ اصول و قواعد شخصیتوں کے غلام نہیں ہوا کرتے۔ شخصیتیں اصول

قواعد کی میزان میں تولی جاتی ہیں ایسی صورت میں کیا یہ کوئی دلیل ہے کہ :۔

"چونکہ حسنؓ و حسینؓ جیسے کمسن افراد اصطلاحی صحابیت کے دائرے سے خارج ہوئے جاتے ہیں اس لئے صحابیت کی تعریف میں بلوغ کی شرط مردود ہے۔"

اگر اہل بیت کی عقیدت میں جذباتی غلو کی آمیزش نہ ہوتی تو ابن حجر کو اس جگہ کم سے کم "مردود" کا لفظ نہیں لکھنا چاہئے تھا کیونکہ یہ "قول مردود" تو ان سعید بن المسیب کا بھی تھا جن کی جلالت شان عظمت عالمانہ اور بصیرت مومنانہ کے حافظ ابن حجر ہی نہیں تمام سلف و خلف قائل ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے فتح الباری جلد ۷ میں صفحہ ۳ پر ابن حجر ہی رقمطراز ہیں :۔

کذا اروی عن سعید بن المسیب انہ کان لا یعد فی الصحابۃ الا من اقام مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم سنۃ فصاعدا او غزا معہ غزوۃ فصاعدا

ایسے ہی سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ وہ ان لوگوں کو صحابی شمار نہیں کرتے تھے جنہوں نے کم سے کم ایک سال یا کچھ زائد حضورؐ کی صحبت نہ اٹھائی ہو یا حضور کے ساتھ ایک یا زیادہ غزوے نہ کئے ہوں۔

گویا بلوغ تو کجا وہ دو چار دس پانچ دن کی صحبت و قربت کو بھی اصطلاحی صحابیت کے لئے کافی نہیں سمجھتے۔

سعید بن المسیب ہی نہیں ابن حجر کے جذباتی تحکم کی زد میں ایک بہت بڑے صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی آ گئے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے فتح الباری کی وہ پوری عبارت جس سے ایک ٹکڑا لے کر مہتمم صاحب نے مطلب برآری کی ہے۔

ومن اشترط الصحبۃ العرفیۃ اخرج من لہ رؤیۃ او من اجتمع بہ لکن فارقہ عن قرب کما جاء عن انس انہ قیل لہ ھل بقی من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیرک قال لا مع انہ کان فی ذلک الوقت عدد کثیر ممن لقیہ من الاعراب ومنھم من اشترط فی ذالک ان یکون حین اجتماعہ بالغا وھو مردود ایضا لانہ یخرج مثل الحسین بن علی ونحوہ من احداث الصحابۃ

اور جنہوں نے صحبت عرفیہ کو مشروط کیا ہے انہوں نے ان لوگوں کو صحابیت کے دائرے سے خارج کر دیا ہے، جنہیں حضورؐ کا صرف دیدار نصیب ہوا یا جو حضورؐ کے ساتھ تو رہے مگر جلد ہی جدا ہو گئے جیسا کہ حضرت انسؓ کے بارے میں منقول ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا کیا اس وقت آپ کے علاوہ بھی کوئی صحابی زندہ ہے۔ انہوں نے جواب دیا، نہیں حالانکہ اس وقت ایسے دیہاتی کثیر تعداد میں زندہ تھے جنہوں نے رسول اللہؐ سے ملاقات کی تھی اور انہی میں سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے بلوغ کو صحابیت کی شرط قرار دیا ہے۔ یہ شرط بھی مردود ہے کیونکہ اس کی وجہ سے تو حسین ابن علیؓ جیسے لوگ صحابیت سے نکل جاتے ہیں۔

(فتح الباری جلد ۷، صفحہ ۳ مصری)

ذرا خط کشیدہ لفظ "ایضاً" (بھی) پر غور کیجئے۔ اس کا صاف مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ ماقبل کا قول بھی مردود تھا اور یہ قول بھی مردود ہے۔ ماقبل کا قول کس کا تھا؟ — جلیل القدر صحابی رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ کا۔ انہوں نے صرف دیدار رسول یا مختصر ملاقات کو اصطلاحی صحابیت کے لئے کافی نہیں سمجھا تو چاہے ابن حجر کو علمی حیثیت سے اس سے اختلاف ہوتا، لیکن یہ تو نہ کہنا چاہئے تھا کہ یہ قول مردود ہے — ایک کثیر الروایت اور عظیم المرتبت صحابی کا قول مردود! انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسی کا نام ہے جذباتیت کہ آدمی طوفان میں تنکے کی طرح بہہ جاتا ہے۔ خوب ہے یہ حبِّ اہل بیت کہ بڑے سے بڑے صحابیؓ کی آبرو بھی مجروح ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

(حضرت سعید بن المسیبؒ کا جو قول اوپر نقل ہوا یہ اسد الغابہ کے مقدمہ میں بھی ص۱۲ پر چند حروف کے فرق سے نقل ہوا ہے) ابن حجر کے فرمودات کی اگر کوئی اچھی تاویل پیش کر سکے تو ہمیں خوشی ہوگی۔ فن حدیث کی حد تک ہمیں ان بزرگوں سے اتنی گہری عقیدت ہے کہ شاید ہی کسی اور سے ہو۔ خدا کرے ان کی عبارت کا مطلب ہم نے غلط سمجھا ہو اور وہ کچھ اور کہنا چاہتے ہوں۔ لیکن یہ حقیقت تو ہر حال میں آئینہ ہو گئی کہ عباسی صاحب کا یہ کہہ دینا کہ صحابیت کے لئے بعض علماء نے بلوغ کی شرط لگائی ہے۔ فی الحقیقت کوئی جرم نہیں تھا، بلکہ تابعین اور صحابہ تک اصطلاحی صحابیت میں شرطیں لگاتے آئے ہیں۔ اب اسے کیا کیجئے کہ عشقِ اہلِ بیت کی روایتی ترنگ لوگوں کی ذکاوت حس کو دس سے ضرب دے دے اور دوسروں کی سادہ باتوں سے وہ ایران و توران کے نکات پیدا کرتے چلے جائیں حد ہو گئی سادہ فریبی کی۔ مہتمم صاحب فرماتے ہیں :۔

"اسی طرح جب آیت مباہلہ نازل ہوئی تو پھر آپ اپنے اہل بیت کو لے کر نصاریٰ کے مقابلہ میں مباہلہ کے لئے تشریف لے گئے جن میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اور فرمایا کہ اللھم ھؤلاء اھل بیتی جیسا کہ صحیح مسلم میں روایت موجود ہے"

لہ ملاحظہ ہو عرض مولف طبع سوم کتاب خلافت معاویہ و یزید جس میں مباہلہ کی وضعی روایتوں کی حقیقت بیان کی گئی ہے

تو کیا نبی کے ساتھ رہنا بلکہ نبی کی چادر میں نبی کے بدنِ مبارک سے قریب تر ہو کر رہنا صحبت و مجاورۃ نہیں حتیٰ کہ اس موقع پر نصاریٰ کے اسقف (لاٹ پادری) نے ان آفتاب و ماہتاب چہروں کو دیکھ کر جن میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں کہا تھا کہ اے گروہِ نصاریٰ میں یہ ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ اللہ سے پہاڑوں کو ٹل جانے کا سوال بھی کریں گے تو اللہ پہاڑوں کو ٹلا دے گا اس لئے ان سے مباہلہ کر کے اپنے کو تباہی میں مت ڈالو۔ گویا اس اسقف نے بھی اہل بیت اور حسن رضؓ و حسین رضؓ کے مبارک چہروں پر مقبولیت اور نور فطرۃ کا مشاہدہ کر لیا اور کفار تک بھی نبیؐ کے رفقاء اور ساتھیوں کے آثارِ مقبولیت و محبوبیت کو دور سے دیکھ کر پہچان لیتے تھے جو اسی شرفِ صحبت کے آثار تھے۔ تو کیا یہ شرف صحبت کا ثبوت نہیں ؟ صہ ۱۴۴

عامی بھی سمجھ سکتے ہیں کہ بحث لغوی صحابیت کی نہیں اصطلاحی صحابیت کی ہے۔ اس لئے نبی کی چادر میں رہنے اور جسم سے قریب تر ہونے کو بطور دلیل پیش کرنا افسوسناک حد تک سطحی ہے اور "آفتاب و ماہتاب" کے الفاظ تو صاف بتا رہے ہیں کہ بلبلِ روایت کے ذہن میں تشیع کی زبان بول رہی ہے۔ للہ کوئی بتاؤ اگر حسنؓ و حسینؓ آفتاب و ماہتاب تھے تو بو بکرؓ و عمرؓ بلکہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں کیا آیا؟ مدح کا یہ انداز تو غالی شیعہ بھی مشکل ہی سے اختیار کریں گے۔

پھر لامحدود عقیدت کا دوسرا کرشمہ دیکھئے کہ جو حسینؓ اپنی تمام تر سعی و جہد کے باوجود ابن زیاد کی فوجوں سے اپنا جان و مال نہ بچا سکے جنہوں نے حفظ جان کی خاطر تین راہوں میں سے کسی ایک کا اذن چاہا مگر نہ ملا۔ جنہوں نے تقریر کے ذریعہ پوری کوشش کر دیکھی کہ حریف کو اپنے جان و مال سے باز رکھیں اور رب اکبر کے حضور دعائیں بھی کیں مگر کامیاب نہ ہوئے، انہی کے بارے میں ایک ایسی روایت کو جزم کے ساتھ بیان فرمایا جا رہا ہے جس میں ان کی خواہش پر پہاڑ ٹل جانے کا دعویٰ ہے۔ یہ مقام تو خیر البشر سید الانس والجن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل نہیں ہوا مگر حاصل ہوا تو مہتمم صاحب کے نزدیک ان حسنؓ و حسینؓ کو جن میں سے اول الذکر کا تو یہ حال رہا کہ انہوں نے معاویہؓ کے جبل اقتدار کو خواہش اور عا اور تمنا کے تیشے سے ریزہ ریزہ کر دینے کا خواب دیکھنے کی بجائے حقائق کی چوکھٹ پر گردن خم کی، حقیقت کو حقیقت جانا اور اپنا تاجِ خلافت معاویہؓ کے سپرد کر کے اپنی، اپنے خانوادے کی اور امت مسلمہ کی عافیت و امن کا وہ شاندار دروازہ کھولا جس کی ایمانی بشارت ان کے محترم نانا صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی اور ثانی الذکر کی سرگزشت

یہ ہے کہ وہ وعدہ فراموش کوفیوں کے جھوٹے وعدوں کا شکار ہو کر حالت یاس و بیکسی میں اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جانیں تیغ و سنان کو سونپ گئے۔ دیناان باتوں سے پہنے گی نہیں تو اور کیا کرے گی۔ آنکھیں بند کر کے روایات پر اعتماد کرنے ہی کا نتیجہ ہے کہ نعقل پسند لوگ نفسِ حدیث ہی سے بیزار ہوتے چلے جاتے ہیں۔ دانشورو! اگر روایت کی سندوں کو جانچنے پرکھنے کی فرصت نہیں پاتے تو کم سے کم اسی بنیادی اصول کو ملحوظ رکھ لیا کرو کہ مشاہدات و واقعات اور حقائق ثابتہ کا منہ چڑانے والی روایتیں اعتنار کے لائق نہیں ہوا کرتیں۔

ہمیں نہ حضرت حسینؓ کی مقبولیت سے انکار ہے نہ "نور فطرۃ" سے چاہے یہ الفاظ اپنے اطلاق اور مصداق میں کتنے ہی مجمل و مبہم ہوں لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ کسی نصرانی لاٹ پادری کے سہارے رسول اللہ کے نواسوں کا طرۂ افتخار اونچا کرنا اچھے مذاق و وجدان کی علامت نہیں ہے، پھر یہ بھی ایک بچکانہ ہی استدلال ہوگا کہ مقبولیت اور نور فطرۃ (؟) کو اصطلاحی صحابیت کی دلیل قرار دیا جائے۔ کیا ان اویس قرنی کی مقبولیت اور نور فطرۃ میں کوئی شک ہے جنہوں نے ایک بار بھی رسول اللہؐ کو نہیں دیکھا تھا۔ یا بعد کے بے شمار اولیاء اللہ کی مقبولیت اور نور فطرۃ کے آپ منکر ہیں؟ اگر نہیں تو یہ کیسے دعویٰ کر بیٹھے کہ مقبولیت اور نور فطرۃ شرفِ صحبت ہی کا ثبوت ہو سکتے ہیں!

صحابیت کے لئے نفس صحبت کو کافی نہ سمجھنے کے سلسلہ میں تو شروع ہی سے ائمہ و علماء گفتگو کرتے چلے آئے ہیں۔ اسد الغابہ کا مقدمہ دیکھئے۔ ابن الاثیر لکھتے ہیں:۔

وقال القاضی ابو بکر محمد بن الطیب لاخلاف بین اہل اللغۃ فی ان الصحابی مشتق من الصحبۃ وانہ لیس مشتقا علے قدر مخصوص منہا بل ہو جاء علے کل من صحب قلیلاً کان او کثیراً وکذ لک جمیع الاسماء المشتقۃ من الافعال وکذلک یقال صحبت فلانا حولۃ وشھر او ساعۃ فیوقع اسم الصحبۃ لقلیل مایقع علیہ منہا وکثیرہ قال ومع ھذا فقد تقرر لامۃ عرف انھم لا یستعلون ھذہ التسمیۃ الا	قاضی ابو بکر محمد بن الطیب نے کہا کہ اہل لغت کے یہاں اس باب میں دو رائیں نہیں ہیں کہ صحابی صحبت سے مشتق ہے اور یہ اشتقاق صحبت کی کسی خاص مقدار پر مبنی نہیں ہے، بلکہ ہر صحبت اس کے دائرے میں آجاتی ہے چاہے وہ کم ہو یا زیادہ اور ایسا ہی حال ہے ان تمام دیگر اسماء کا جو افعال سے مشتق ہوتے ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ میں فلاں کا صاحب رہا سال بھر یا مہینے بھر یا چند لمحے۔ پس اسم صحبت کا اطلاق ہر قلیل و کثیر صحبت پر ہوتا ہے۔ کہا کہ باوجود اس کے لفظ صحبت امت

فیمن کثرت صحبتہ ولا یجیزون ذالک
الا فیمن کثرت صحبتہ لا علیٰ من لقیہ
ساعۃً او مشٰی معہ خطاً او سمع
منہ حدیثاً فوجب لذلک ان لا
یجری ھذا الاعلی من ھذہ حالہ
(مقدمہ ص۱۲)

کے لئے ایک اصطلاحی لفظ بن گیا ہے اور لوگ اسے
صرف کثیر صحبت ہی کے لئے استعمال کرتے ہیں اور
کثیر صحبت ہی کے لئے صحابیت کا خطاب جائز
رکھتے ہیں۔ نہ کہ ہر اس شخص کو صحابی کہتے ہیں جس
نے رسول اللہ ؐ نے پل بھر کے لئے ملاقات کی ہو یا
آپ کے ساتھ چند قدم چلا ہو یا آپ سے ایک آدھ حدیث
سنی ہو۔ پس واجب ہوا کہ یہ لفظ صحابی انہی لوگوں
کے لئے استعمال کیا جائے جنہیں کثیر صحبت حاصل
رہی ہو۔

اب کیا ان لوگوں[۱] کو جو یہ خیال کرتے ہیں کہ حالت ایمان میں رسول اللہ ؐ کو صرف ایک نظر دیکھ لینا ہی آدمی کو صحابی بنا دیتا ہے چیخ پڑنا چاہیئے کہ ابن الاثیر اور سعید بن المسیب اور حضرت انس رضؓ نے جرم عظیم کر ڈالا۔ اگر نہیں تو پھر آخر شرطِ بلوغ ہی کا تذکرہ عباسی صاحب کا اتنا بھیانک جرم کیوں ہو گیا کہ مہتمم صاحب نے اس پر طوفان اٹھا کے رکھ دیا۔

(عامر عثمانی)

(۱)

مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کی تازہ ترین تصنیف "شہید کربلا اور یزید" ابھی حال ہی میں سامنے آئی اس کو پڑھنے کے بعد جو تاثرات پیدا ہوئے سطور ذیل میں پیش ہیں اور حضرات علمائے کرام اور ارباب دانش و بینش سے درخواست ہے کہ وہ ضرور اپنی توجہ اس جانب بھی مبذول فرمائیں اور مسئلہ کی اہمیت و نزاکت محسوس فرماتے ہوئے عامۃ المسلمین کی صحیح رہنمائی کا حق ادا فرمائیں۔

یہ حقیقت تو ناقابل انکار ہے کہ زمانہ حال کی "بدنام" مگر قابل غور اور "رسوائے زمانہ" لیکن معرکۃ الآراء کتاب "خلافت معاویہ و یزید" نے ہند و پاک کی خاموش فضا میں ایک تلاطم برپا کر دیا جس کی وجہ یہ ہوئی کہ مصنف کتاب عباسی صاحب نے واقعۂ کربلا اور کردار یزید کو ایسے

---

[۱] مثلاً امام بخاری وغیرہ۔

انداز سے پیش کیا جس کے لئے عام مسلمانوں کے حاشیہ خیال میں گنجائش نہ تھی، پھر غضب یہ کیا کہ اپنی کتاب کو اس قدر تاریخی اور عقلی دلائل و قرائن سے مدلل و مکمل کر کے پیش کیا کہ "ناواقف" اور "بے بصیرت" لوگوں نے تو حیرت و تعجب سے دیکھا لیکن شاید مجھ جیسے بہت سے لوگوں کے لئے اس کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی دوسرا چارہ کار ہی نہ رہ گیا۔ اس طرح لوگوں کی خاصی تعداد اس "رسوائے زمانہ کتاب" سے متاثر ہونے لگی۔ ایسی صورت میں اگر مولانا محمد طیب صاحب یا دوسرے حضرات کو اس کتاب کا "فتنہ" ہونا محقق ہو گیا تھا تو بیشک یہ ان کا دینی فرض تھا کہ وہ "ناواقف" اور بے بصیرت لوگوں کی رہنمائی فرمائیں، چنانچہ مولانا موصوف نے اب سے بہت پہلے "الجمعیۃ" سنڈے ایڈیشن مورخہ یکم نومبر ۵۹ء میں اس کتاب سے بیزاری کا اعلان شائع فرمایا، نیز محمد میاں صاحب مراد آبادی نے بھی اسی شمارے میں ایک طویل بیان شائع فرمایا جس میں نہایت زوردار الفاظ میں کتاب پر تنقید فرمائی گئی تھی، لیکن بحیثیت مجموعی اس کو ایک سطحی تنقید سے زیادہ کچھ نہیں کہا سکتے۔ اس کے ثبوت میں مولوی محمد میاں صاحب کے یہ جملے ملاحظہ فرمائیے۔ الجمعیۃ یکم نومبر ۱۹۵۹ء ص۳ پر فرماتے ہیں:۔

"باقی یہ بات کہ احیاء خلافتِ راشدہ کا ایک مقدس اور پاکیزہ نقطہ نظر جو نور دیدہ چشم رسالت کا نصب العین بنا رہا جس کے لئے حضرت موصوف نے اپنا سب کچھ قربانی کے لئے پیش کر دیا، جس کی بنا پر آپ کے اس ایثار کو وہ مرتبہ دیا گیا کہ پوری امت نے آپ کی موت کو مظلومانہ موت اور آپ کی شہادت کو شہادت عظمیٰ قرار دیا۔ محمود احمد صاحب عباسی کی اس کتاب میں یہ نظریہ قطعاً سامنے نہیں آیا ہے۔

اس کے بعد اس کے بالکل برعکس مولانا محمد طیب صاحب کے یہ چند جملے بھی پیش نظر رکھئے فرماتے ہیں:۔

"حضرت حسین رضی اللہ بہر حال ان امور سے ناواقف نہ تھے"

چند جملوں کے بعد:۔

"اس لئے نہ انہوں نے اس کی طلب فرمائی اور نہ وہ ایک ختم شدہ شے کی طلب فرما سکتے تھے جو نبوت کی طرح ان کے گھرانے ہی سے نہیں دنیا سے رخصت ہو چکی تھی۔ اس لئے ان کے کربلائی اقدام کو طلب خلافت پر محمول کرنا خلافت کی

حقیقت اور اس کی تاریخ سے ناواقفی یا بے ذوقی" کی دلیل ہے"۔ (شہید کربلا اور یزید صفحہ)
مولانا محمد طیب صاحب کی یہ کتاب پڑھنے کے بعد آپ کو اختیار ہے کہ محمد میاں صاحب کے جملوں کو خلافت کی حقیقت سے ناواقفیت پر محمول کریں یا اسے ان کی بے ذوقی تصور فرمائیں ؎

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

اور اگر محمد میاں صاحب کو اس کتاب یا اس کے فاضل مصنف مولانا طیب صاحب سے کچھ اختلاف ہو تو ان کے لئے مناسب ہوگا کہ وہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ جملے ملاحظہ فرمائیں:۔

خروج امام حسین علیہ السلام بنا بر دعوئے خلافت راشدۃ پیغامبر کہ بمرور سی سال منقضی گشت نبود بلکہ بنا بر تخلیص رعایا از دست ظالم بود و اعانۃ المظلوم علی الظالم من المواجبات۔

(فتاویٰ عزیزی صفحہ ۲۱۲ بحوالہ شہید کربلا اور یزید صفحہ ۵)

امام حسین علیہ السلام کا خروج پیغمبر (علیہ السلام) کی خلافت راشدہ کے دعوے کی بنا پر نہ تھا جو تیس سال گزرنے پر ختم ہو چکی تھی بلکہ ایک ظالم کے ہاتھ سے رعایا کو چھڑانے کی بنا پر تھا اور ظالم کے مقابلہ میں مظلوم کی اعانت واجبات دین میں سے ہے۔

اس عبارت کو ملاحظہ فرمانے کے بعد ممکن ہے کہ محمد میاں صاحب تو مطمئن ہو جائیں، لیکن مجھ جیسے وابستہ "جماعت دار العلوم دیوبند" کی بے اطمینانی دور نہ ہو سکے گی اور یہ حیرانی باقی رہے گی کہ جماعت دار العلوم دیوبند کا مسلک کیا سمجھا جائے (درحالے کہ جس طرح محمد میاں صاحب کے بیان کی ذیلی سرخی میں ان کے بیان کو "علماء دار العلوم دیوبند و جمعیۃ علمائے ہند کا مسلک" قرار دیا گیا ہے اسی طرح مولانا محمد طیب صاحب کی کتاب "شہید کربلا اور یزید" میں یوں دعویٰ فرمایا گیا ہے کہ "یہ کتاب جماعت دار العلوم دیوبند کے متفقہ مسلک حق کی ترجمان ہے" کیونکہ ان دونوں تحریروں میں جو بنیادی اختلاف ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ اس لئے مناسب تو یہ تھا کہ ان حضرات نے ایسے بلند بانگ دعوؤں سے پہلے آپس میں کم از کم مشورہ تو کر لیا ہوتا کہ ان کا مسلک اس طرح آپس کی تضاد بیانی کی نذر تو نہ ہوتا۔

اس اعلان اور بیان کے بعد عزیز احمد صاحب قاسمی نے الجمعیۃ سنڈے ایڈیشن میں عباسی صاحب کی کتاب پر "ایک طائرانہ نظر" ڈالی جو ۲۲ اور ۲۹ نومبر کی دو قسطوں میں شائع ہوئی۔

اس مضمون میں ضروری حوالے کی بعض غلطیوں کی نشان دہی کی گئی تھی اور یہ مشتے نمونہ از خروارے" کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے پوری کتاب کو مجروح اور ناقابل اعتبار ٹھیرانے کے لئے اس مضمون کو کافی سمجھ لیا گیا تھا، حالانکہ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے قاسمی صاحب کی ان گرفتوں سے کتاب کے ایک جزو پر کچھ معمولی سا اثر ضرور[1] پڑ سکتا تھا بشرطیکہ اس سلسلہ میں عباسی صاحب کی بنیاد متعدد حوالوں پر ہے اس لئے تاوقتیکہ ان سب کو مجروح اور غلط ثابت کیا جائے، ایسے اعلانات و مضامین کو نہ صرف طائرانہ ہی سمجھا جا سکتا ہے بلکہ طفل تسلی سے زیادہ ان کی کوئی حیثیت نہیں ہو سکتی۔

ان اخباری اعلانات و بیانات کے بعد حضرت مولانا محمد طیب صاحب کی تازہ تصنیف "شہید کربلا اور یزید" بھی مطالعہ میں آئی مگر اس طرح کہ جس وقت یہ کتاب مطالعہ کے لئے میں نے اٹھائی تھی میں سراپا شوق تھا اور مطالعہ کے بعد جس دم یہ کتاب رکھی ہے تو گویا میں مجسمۂ یاس بن چکا تھا اور اسی عالم مایوسی میں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ کاش مولانا "الجمعیۃ" کے اس مختصر اعلان بیزاری پر ہی اکتفا فرماتے تو کیا اچھا ہوتا کم از کم بھرم تو باقی رہتا اور ہم جیسے پرانے نیاز مندوں کے قدیم حسن ظن کو ٹھیس تو نہ لگتی۔ ہم اپنے دلوں کو سمجھا لیتے کہ حضرت مولانا نے عباسی صاحب کی کتاب کو در خور اعتنا نہیں خیال فرمایا اور تقاضائے مصلحت یہی جانا کہ اس کا کوئی جواب نہ دیا جائے ورنہ اس کی طرف ذرا بھی توجہ کرنا اس کو قعر مذلت سے نکال کر بام شہرت تک پہنچا دینے کے مرادف ہوگا۔ لیکن یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ ایسا نہ ہوا اور مصنف کے صاحبزادے کی طرف سے "عظیم دعوت فکر" بن کر "شہید کربلا اور یزید" نامی یہ کتاب ہمارے سامنے آگئی۔ آئندہ سطور میں اس کا خلاصہ نمبروار پیش ہے اس کے ساتھ ہی اپنی معروضات بھی حاضر ہیں اور فیصلہ ارباب دانش و بینش کے ہاتھ ہے۔

حضرت مولانا کے ارشادات اور اپنی معروضات پیش کرنے سے پہلے دو ایک باتیں اور بھی عرض کر دی جائیں تو آئندہ گزارشات کو سمجھنا زیادہ آسان ہوگا۔

(الف) عباسی صاحب کی تعبیرات اور ان کے مطالب و الفاظ کو خدا جانے کس ضرورت شرعی اور مصلحت دینی کی بنا پر مولانا کی اس تصنیف میں اس حد تک تبدیل فرما کر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جسے روایت بالمعنی بھی کہنا مشکل ہے۔ البتہ اسے "تفسیر القول بما لا یرضیٰ بہ القائل"[2]

---

[1] ذرا سا بھی اثر نہیں پڑا جیسا کہ عباسی صاحب نے اپنے اس شمارے میں شامل جواب میں واضح فرمایا ہے۔ (تجلی)

[2] قول کے ایسے معنی نکالنا جو قائل کا منشا نہ ہوں۔

کہنا غالباً حقیقت سے بعید نہ ہوگا، لیکن مشکل یہ ہے کہ ایسی تغیر اور تعبیر کی اس درجہ تغییر حضرت مولانا کی ذات والاصفات اور ان کے منصب جلیل کے شایانِ شان کسی طرح نہیں ہو سکتی، اس لئے اس کا قطعی فیصلہ خود حضرت مولانا پر یا ان حضرات پر رکھنا مناسب ہوگا جنہوں نے عباسی صاحب کی کتاب کا واقعی مطالعہ کیا ہو مثال کے لئے مولانا کی کتاب کے صفحات ۱۷ اور ۱۹ اور ۲۳ اور ۲۴ ۲۵ اور ۸۵ و ۱۰۷ و ۱۰۸ و ۱۱۱ ملاحظہ فرمائیے اور ان میں جو کچھ عباسی صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہو اسے عباسی صاحب کی کتاب میں تلاش کیجئے آپ کو تضییع اوقات کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا اور میری طرح آپ بھی اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ بغیر اس قدر تغیر و تحریف کے عباسی کے "خلاف لوگوں کو مشتعل کرنا کچھ آسان نہیں تھا۔

(ب) حضرت مولانا کی عظمت شان اور منصب جلیل کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے ساتھ اس قسم کی بدگمانی تو شاید جائز نہ ہو کہ دانستہ طور پر انہوں نے عباسی صاحب کی طرف غلط باتیں بھی منسوب کردی ہیں، بلکہ ان کے ساتھ جو "حسن ظن" ہونا چاہئے اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایسے بیجا تصرفات اور غلط انتسابات کو دیکھ کر یہ رائے قائم کی جائے کہ شاید حضرت مولانا کے کسی شاگرد و مرید نے عباسی صاحب کی کتاب کا خلاصہ اپنے طور پر پیش کردیا ہے اور مولانا نے اپنے شایانِ شان حسن ظن کی وجہ سے اسے لائق اعتماد خیال فرمایا اور اپنے اس "مزعومہ فکری فتنہ" کی تردید ضروری جان کر یہ کتاب تصنیف فرمادی بلکہ کوئی تعجب نہیں کہ ان کو اپنے گوناگوں مشاغل اور طول طویل اسفار کی بنا پر فرصت جواب بھی نہ رہی ہو اور "آنچہ پدر نتواند پسر تمام کند" کے مطابق مولوی سالم صاحب نے یہ تصنیف لطیف فرمائی ہو اور حضرت مولانا کے زیر ملاحظہ یا زیر سماعت لاکر اسے مولانا کے "حقیقت نگار قلم کا شاہکار دیانت" قرار دیا[1] ہو جس کی نظیر "فیصلہ ہفت مسئلہ"

[1] جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے یہ بات شبہ سے بالاتر ہے کہ یہ حضرت مہتمم صاحب ہی کے دست نگارین کا شاہکار ہے لیکن جیسا کہ ہم نے ماہ گزشتہ کی تنقید کے خاتمہ پر اشارہ کیا تھا اس کا مواد بعض اور حضرات کی کدوکاوش کا رہین منت ہے۔ کوئی کہہ سکتا ہے یہ الزام سخت ہے، ایک علمی کتاب کی ساری قدر و قیمت مواد ہی پر منحصر ہوا کرتی ہے اگر مواد ہی اوروں کا مہیا کردہ ہو تو حضرت کے حصہ میں کیا آیا؟ ہم جواب عرض کریں گے کہ اول تو فی زمانہ اس طرح کے عمل کو ریسرچ کے معزز نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور اکیڈمک قسم کے کاموں میں اس کا چلن عام ہے اس لئے یہ کوئی الزام نہیں ہے لیکن ناشدہ مصنف کی عدم وضاحت کے باعث اسے الزام ہی مان لیا جائے تو بہر حال اس کی قباحت اس سے کم ہے کہ کتاب کو حقیقتاً حضرت ہی کی تصنیف مانا جائے۔ اس تصنیف کا مواد اپنے جمع کرنے والے کے علم و تبحر اور ذہانت و دیانت کے بارے

کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے جو تصنیف ہے حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ کی مگر منسوب ہے حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی طرف)

اگر کسی صاحب کو ہماری یہ گزارش محض تخمین و اندازہ پر مبنی نظر آتے تو وہ ذرا سی محنت سے کام لیں اور عباسی صاحب کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" اور "شہید کربلا اور یزید" کا باہمی مقابلہ کے ساتھ مطالعہ فرمائیں مجھے پورا یقین ہے کہ میری طرح وہ بھی اپنے کو اسی دوراہے پر پائیں گے کہ یا تو حضرت مولانا نے عباسی صاحب کی کتاب کا پوری طرح مطالعہ کئے بغیر یہ جواب تحریر فرمایا ہے یا دانستہ ان کے مطالب کو الفاظ کی تحریف و تبدیل کے بعد پیش کیا ہے مگر چونکہ یہ دوسری صورت حضرت مولانا کی شان سے بعید بعید ہے اس لئے اگر حضرت مولانا کے منصب جلیل اور ان کی شان علم کا لحاظ ضروری امر ہے تو اس توجیہہ کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ مولانا کا یہ جواب عباسی صاحب کی تصنیف کا مطالعہ کئے بغیر ہی تحریر فرمایا گیا ہے، بلکہ مولانا کی شان علمی کی قدیم روایات کا تقاضا تو یہ ہے کہ اسے ان کی مستقل تصنیف ہی نہ مانا جائے اور "فیصلہ ہفت مسئلہ" کے قسم کی کوئی چیز سمجھا جائے۔

اس تمہید کے بعد مولانا کے فرمودات اور اپنی معروضات نمبروار عرض ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) مولانا اپنی کتاب "شہید کربلا اور یزید" صہ ۱۲ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"اندازہ یہ ہوتا ہے کہ مصنف کتاب کے ذہن میں کچھ تاریخی نظریات پہلے سے قائم شدہ موجود تھے جن کے لئے مویدات کی ضرورت تھی تو مفید مطلب تاریخی ٹکڑوں کا مل جانا کوئی عجیب بات نہ تھی، کیونکہ دنیا میں ہر فن کی طرح "تاریخ" میں بھی مختلف اقوال موجود ہیں اس لئے جو حضرات ذہن کو خالی کر کے تاریخ اخذ کرنے کے عادی ہیں انہیں موافق مطلب اقوال کا مل جانا تعجب انگیز نہیں۔ لیکن اس کا نام تاریخی ریسرچ نہیں اسے نظریاتی ریسرچ کہنا چاہئے"

مولانا کی اس عبارت میں "تاریخ سے نظریات" یا "نظریات سے تاریخ" اخذ کرنے کی جو فلسفیانہ بات پیدا کی گئی ہے وہ دلچسپ ہونے کے باوجود تسامح سے خالی نہیں اور اس تسامح سے قطع نظر اس موقع پر ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی تحقیقی اور واقعی جواب اور تردید کی بنیاد محض تخمین و اندازہ یا وہم و گمان پر رکھی جا سکتی ہے، اگر نہیں رکھی جا سکتی بلکہ حقیقت بھی یہی ہے کہ نہیں رکھی جا سکتی۔ تو مجھے نہایت ادب کے ساتھ یہ عرض کرنے کی اجازت دی جائے کہ حضرت

مولانا کی ساری کتاب اسی قسم کے اندازوں اور تخمینوں کی بنیاد پر قائم ہے پھر یہ کہ اگر کسی درجہ میں ایسی کمزور بنیاد پر جواب کی تعمیر جائز بھی ہو تو کم از کم حضرت مولانا جیسے بلند پایہ محقق و مفکر اور "حکیم الاسلام" کے شایان شان تو کسی طرح نہیں کہا جا سکتا۔ مگر تعجب تو یہ ہے کہ حضرت مولانا کو اپنے اس اندازہ پر اس قدر وثوق و اعتماد ہے کہ اپنے سارے جواب کی بنیاد ہی اس پر قائم فرما رہے ہیں اور تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ ایک طرف تو مولانا عباسی صاحب کی تحقیق اور ریسرچ کا مذاق اڑا رہے ہیں اور دوسری طرف خود بھی اسی قسم کے نظریاتی اور وجدانی جوابوں سے ان کی تردید بھی فرمانا چاہتے ہیں[1] جس کی مثالیں آئندہ اپنے اپنے موقع پر پیش کی جائیں گی۔

(۲) ص۱۳ پر مولانا فرماتے ہیں کہ:۔

"اس ریسرچ کا اثر چونکہ عقائد ملت پر پڑتا ہے اور اس سے مذہب کے کتنے ہی اہم اجزاء مشتبہ ٹھیرتے ہیں، اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ تاریخی پہلو سے زیادہ اسے مذہبی اور دینی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے اور مذہب و عقیدہ واضح کر کے اسی معیار سے اس تاریخ کو رد یا قبول کیا جائے۔"

حضرت مولانا نے یہ بات بظاہر تو نہایت اہم اور بنیادی تحریر فرمائی ہے، لیکن اس سلسلہ میں ذیلی گزارشیں بھی ملاحظہ فرمائی جائیں تو اندازہ ہوگا کہ بعض باتیں نہایت ہی خوش آئند ہوتے ہوئے بھی حقیقت سے کس قدر دور ہو سکتی ہیں۔ مولانا (اپنے اس دعوے کے باوجود کہ عباسی صاحب کی کتاب میں تاریخ کی واضح اور کھلی تصریحات تک سے اغماض کیا گیا ہے) غالباً تاریخی روایات کو اپنے لئے زیادہ مفید مطلب نہیں پاتے اس لئے مصلحت اور پیش بندی کا تقاضا انہیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسے تاریخی پہلو سے زیادہ مذہبی اور دینی نقطۂ نظر سے دیکھیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس موقع پر اپنا زور قلم کافی صرف فرمایا ہے اور اس کے بعد بھی جا بجا لوگوں کے ذہن کو اسی طرف متوجہ رکھنے کی کوشش فرمائی ہے، لیکن آیئے ذرا اس عقیدہ کی بھی حقیقت معلوم کی جائے جس کی تائید کے لئے مولانا نے اس رسوائے

---

[1] سچی بات یہ ہے کہ عباسی صاحب نے تو ذوقی و وجدانی دلائل سے بہت کم کام لیا ہے، ہمارے مہتمم صاحب کا سارا دارومدار ہی ذوق و وجدان پر معلوم ہوتا ہے۔ ساری کتاب دیکھ جایئے ایک لگے بندھے موروثی تصور کو تاریخی شواہد سے چپکانے کی سعی انہوں نے ذوق و وجدان ہی کے گوند سے کی ہے۔

(تجلّی)

زمانہ کتاب" کی تنقید کو اپنا دینی فریضہ تصور فرمایا مگر آپ کو سخت ناکامی کا سامنا ہوگا جب آپ عباسی صاحب کی کتاب میں اس "باطل و غلط عقیدہ" کو تلاش کریں گے جس کی اصلاح کے لئے "مہتمم دارالعلوم دیوبند" کے تمام افراد قلم برداشتہ بلا کسی ادنیٰ تیاری کے میدان صحافت میں کود پڑے کیونکہ جہاں تک عباسی صاحب کی کتاب کا تعلق ہے اس میں سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو پوری جلالت شان اور کمال احترام کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور ان کے بارے میں کسی قسم کی بدگوئی، بدگمانی اور بدعقیدگی کو قطعاً راہ نہیں دی گئی ہے۔ مثال کے لئے چند جملے حاضر ہیں۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

"بہرحال حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طہارت طینت کی برکت تھی کہ بالآخر آپ نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا۔"

چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت حسین سبط الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سعادت کبریٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خروج عن الجماعۃ کے شر سے محفوظ رکھا اور بالآخر اس کی توفیق ارزانی فرمائی کہ جماعت کے فیصلہ کی حرمت برقرار رکھنے کا اعلان کر دیں۔" (خلافت معاویہ و یزید ص۱۷۸ و ص۱۷۹)

ان عبارات کو دیکھنے کے بعد اس وہم کی بھی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ عباسی صاحب کی کتاب میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے متعلق کسی بدعقیدگی کا کوئی نشان بھی پایا جا سکے گا۔

اور اگر حضرت مولانا نے عباسی صاحب کے لئے مفروضہ و مزعومہ بدعقیدگی کا استخراج خروج، خطا، سیاسی غلطی، دنیوی غلطی وغیرہ جیسے الفاظ سے فرمایا ہے تو بڑی بے انصافی فرمائی کیونکہ یہ الفاظ خود مولانا نے بھی اپنی کتاب کے صفحات ۷۹، ۸۵، ۹۸، ۱۰۱ پر حضرت شاہ عبد العزیز صاحب علیہ الرحمہ اور ابن خلدون کے اقتباسات میں نقل فرمائے ہیں۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ اس طرح زبردستی اور بلا وجہ کسی عقیدہ اور مذہب کی حمایت و نصرت کا اعلان واقعی کسی عقیدہ کے تحفظ کی کوشش فرمائی گئی ہے یا مذہب و عقیدہ کی آڑ لیکر دانستہ ایک حق بات کو باطل باور کرانے کی سعی فرمائی گئی ہے۔ خدا نہ کرے کہ واقعہ یہ ہو، ورنہ جماعت دارالعلوم دیوبند کی طرف سے اگر اس قسم کی خدمات انجام پانے لگیں گی تو پھر دین کا تو اللہ ہی مالک ہے۔

(۳) ص۱۷ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"لیکن چونکہ یہ ساری محنت ایک خاص نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے اس لئے اس میں تاریخی ریسرچ کے ساتھ ساتھ نظریاتی ریسرچ بھی شامل ہو گئی ہے۔"

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں کہ:۔

"یزید کی تبری اس حد تک صحیح ہوتی کہ جو اس نے نہ کیا ہو اسے نہ کیا ہوا ظاہر کیا جائے، لیکن اس حد تک کہ جو اس نے کیا ہے اس کا بھی انکار کر دیا جائے تاریخی تعدی ہے یزید سے اگر فسق اٹھایا جاتا بشرطیکہ اٹھ سکتا ہو تو کوئی حرج نہ تھا اسے خلفائے راشدین میں شمار کرا دیا جانا تاریخی ریسرچ نہیں بلکہ تاریخ کے علی الرغم وہی نظریاتی ریسرچ ہے۔"

اور آگے چل کر فرماتے ہیں کہ:۔

"لیکن ان کی (سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی) ذات اقدس کو حب جاہ و ہوس اقتدار سے متہم ٹھیرانا تاریخ نہیں بلکہ وہی ذہنی منصوبہ بندی ہے۔"

(شہید کربلا اور یزید ص۱۵)

اس موقع پر بھی مولانا کو عباسی صاحب کے لئے یہ "خاص نقطۂ نظر" اور یہ "ذہنی منصوبہ بندی" کے اپنے وہی پرانے مفروضہ حربے ہی یاد آئے اور ناظرین کو دوبارہ "تاریخی ریسرچ" اور "نظریاتی ریسرچ" کی بھول بھلیوں میں حیران و سرگرداں رکھنا ہی انہیں اچھا معلوم ہوا پھر اسی پر بس نہیں فرمایا بلکہ عباسی صاحب کے کثیر تاریخی حوالوں کے جواب میں ایک مختصر سا لفظ یوں ارشاد فرما دیا کہ "یہ تاریخی تعدی" ہے۔ اگر ہمارے مولانا کے نزدیک عباسی صاحب تاریخی تعدی کے مرتکب اس لئے ٹھیرتے ہیں کہ انہوں نے (بقول مولانا) یزید کے کئے ہوئے کو نہ کیا ہوا ظاہر کیا ہے (درحالیکہ حقیقت یہ ہرگز نہیں ہے) تو براہ کرم مولانا کوئی شائستہ اور مہذب سا ڈھلا ہوا فقرہ مجھے بھی بتائیں جسے میں ان لوگوں کے لئے استعمال کر سکوں جو بہت سی "ناگفتہ" باتیں عباسی صاحب کی طرف منسوب کر کے اپنا کوئی ذہنی منصوبہ مکمل کرنا چاہتے ہیں۔

کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ کس موقع پر عباسی صاحب نے حضرت امام ہمام کی ذات اقدس کو حب جاہ و ہوس اقتدار سے متہم ٹھیرایا ہے؟ عباسی صاحب کی نظر میں حضرت امام ہمام کی جو عظمت ہے وہ کسی حد تک ان جملوں سے مترشح ہوتی ہے جو پچھلے صفحات میں نقل بھی ہو چکے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ بات تو نہایت وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ عباسی صاحب نے اگر حضرت امام کی ذات والاصفات کی طرف کچھ منسوب بھی کیا ہے تو وہ وہی اجتہادی خطا اور لغزش ہے جس کا امام ہمام کے منافی شان نہ ہونا خود مولانا کو بھی تسلیم ہے جیسا اسی صفحہ، اسے مستفاد ہوتا ہے (فرماتے ہیں "اگر کسی پہلو کی کوئی خطا

اجتہادی ان کی طرف منسوب کر دی جاتی تو ان کے شان عالی کے منافی نہ ہوتی")، نیز اس کے علاوہ ص۸۹ و ص۱۰۱ پر مقدمہ ابن خلدون کے اقتباسات تو اس سلسلہ میں بالکل صریح ہیں اس لئے عباسی صاحب جس جرم کے واقعی مجرم ٹھیرتے ہیں وہ مولانا کا اور ان کا مشترک ہے (بشرطیکہ وہ جرم ہو) سہے وہ اور الزامات جو عباسی صاحب کے ذمہ مولانا عائد فرمانا چاہتے ہیں تو عباسی صاحب اس سے بالکل بری ہیں۔

اس موقع پر مولانا ہی کے ارشاد کے مطابق کہنا پڑتا ہے کہ کیا اچھا ہوتا کہ ہمارے مولانا بھی صرف رد ہی فرمانے پر اکتفا فرماتے (بشرطیکہ وہ ممکن ہوتا) لیکن یہ ردعمل جو مولانا کی تحریر سے ظاہر ہے دار العلوم کے لئے کوئی نیک فال نہیں ہے ویسے دعا تو اپنی یہی ہے کہ خدا کرے یہ وہم سراسر غلط ہی ہو اور مولانا کی یہ تحریر واقعی تردید نہ ہو بلکہ کسی ہنگامی مصلحت کی خاطر یہ تردید و تنقید عمل میں لائی گئی ہو۔

(۴) ص۱۹ پر "مباحث" کی سرخی قائم فرما کر اس کے تحت فرماتے ہیں کہ:۔

"عباسی صاحب کا مطمح نظر چونکہ یزید کو خلیفہ برحق بلکہ عمر ثانی دکھلا کر اس کا ذاتی اور سیاسی کردار بے عیب ظاہر کرنا تھا۔"

کیا مولانا سے دریافت کیا جا سکتا ہے کہ براہ کرم اس مقام کی نشان دہی فرمائیے جہاں عباسی صاحب نے یزید کو عمر ثانی دکھلایا ہے، جہاں تک اپنی کوتاہ نظر پہنچ سکی ہے عباسی صاحب کی کتاب میں کوئی ایسی عبارت نہیں نظر آ سکی جس کی بنا پر اس خلاف حقیقت بات کی تصدیق ہو سکے اور اگر مولانا کا اشارہ البدایہ والنہایہ کے اقتباس کی طرف ہے:۔

قال (یزید) کنت واللہ یا ابتہ عاملا فیھم عمل عمر بن الخطاب فقال سبحان اللہ یا بنی واللہ لقد جھدت علی سیرۃ عثمان فما اطقتھا فکیف بک وسیرۃ عمر۔ (البدایہ والنہایہ ص۲۲۹ ج۸)	(یزید نے) کہا واللہ اے ابا جان حضرت عمرؓ بن الخطاب نے جو عمل امت کے ساتھ کیا میں بھی ان کے ساتھ وہی عمل کروں گا تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا سبحان اللہ اے بیٹے! میں نے تو واللہ سیرت عثمان کی کوشش کی مگر وہ بھی نہ کر سکا پھر کہاں تم اور سیرت عمر کی پیروی؟ (خلافت معاویہ و یزید ص۵)

تو سخت تعجب ہے کہ یہ الزام عباسی صاحب کے سر کس جرم میں لگایا جا رہا ہے۔ کیونکہ اس کا اصل ملزم تو یزید ہے جس نے ایسی بات منہ سے نکالی یا دوسرے نمبر پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ملزم ٹھیرتے

ہیں جنہوں نے ایسی بات سن کر کوئی تعزیر نہ کی صرف معمولی تنبیہہ کو کافی سمجھا اور بس کے بعد اگر یہ الزام متعدی ہو تو علامہ ابن کثیر ملزم ٹھیرتے ہیں جنہوں نے یہ مکالمہ البدایہ و النہایہ میں نقل کیا بلکہ اگر گستاخی نہ ہو تو عرض کیا جائے کہ ہمارے مولانا کا دامن بھی اس الزام سے نہیں بچتا، جنہوں نے اس حوالہ کو غلط ثابت کرنے کی مطلق کوشش نہیں فرمائی۔ ویسے تو عباسی صاحب کی تحقیق و تفحص کو "تاریخی تعدی"، "دو نظریاتی ریسرچ"، وغیرہ کے عنوان سے اکثر یاد فرماتے رہے، لیکن حوالہ کی غلطی نکالنے کی مطلق زحمت نہیں فرمائی۔ ساری کتاب میں حوالہ کی صرف ایک غلطی پیش فرمائی مگر وہ بھی ایسی نہیں کہ اس کی وجہ سے بقیہ تمام حوالے بیکار ہو جائیں[۱]۔

(۵) ص۱۹ پر منقولہ بالا عبارت کے ساتھ فرماتے ہیں:۔

"تو اس کا لازمی نتیجہ یہی تھا کہ اس کے مدمقابل سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ذاتی اور سیاسی کردار کے لحاظ سے پست اور اخلاق و اوصاف کے لحاظ سے معاذ اللہ داغدار ثابت کیا جاتا اس لئے انہوں نے اس میزان کے دو پلوں میں ان دو کو تُلا کر یزید کا پلہ تو اخلاقی و عملی خوبیوں سے وزن دار بنا کر جھکا دیا اور حسین رض کا پلہ فضائل و مناقب اور عام اخلاقی و عملی خوبیوں سے خالی اور بے وزن دکھلا کر اوپر اٹھا دیا تاکہ امت کا وہ ذہن بدل جائے جو اب تک اس کے برعکس قائم شدہ تھا"

سوال یہ ہے کہ اگر عباسی صاحب نے یزید کو خلیفہ برحق ثابت کرنے کے لئے اس کا ذاتی و سیاسی کردار بے عیب دکھایا تھا تو حضرت مولانا نے اس سے یہ نتیجہ کس طرح نکالا؟ اگر مولانا ان مقدمات کو باقاعدہ ترتیب دیکر نتیجہ کا استخراج فرماتے اور مدح یزید و قدح حسین کے درمیان لزوم واقعی کو بھی ثابت فرماتے تو شاید ہم جیسے طالب علموں کی معلومات میں اضافہ کا باعث ہوتا ورنہ مولانا کی دلیل تو کچھ اس قسم کی ہے کہ "چونکہ مدح یزید مستلزم ہے قدح حسین کو اور عباسی نے مدح یزید کی ہے" لہٰذا نتیجہ یہ نکلا

---

[۱] ہم کہتے ہیں مہتمم صاحب کی نکالی ہوئی حوالے کی یہ ایک غلطی بھی فیصلہ کن نہیں ہے۔ (تجلی)

[۲] یہ منطق کا ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح "دن" کہنے کا لازمی مطلب یہ ہوتا ہے کہ سورج نکلا ہوا ہے اسی طرح اگر یزید کی تعریف کا لازمی مطلب یہ ہوتا کہ حضرت حسین رض برے قرار پاجائیں جب تو مہتمم صاحب کا الزام درست ہو سکتا تھا لیکن ظاہر ہے کہ یزید کی تعریف اور حضرت حسین رض کی مذمت میں دن اور سورج والا ربط نہیں ہے اس لئے الزام میں کوئی جان باقی نہیں رہتی۔

(تجلی)

کہ عباسی نے قدح حسین کی ہے، لیکن مولانا غالباً دوسروں کا یہ حق تو سلب نہ فرمالیں گے کہ کوئی طالب علم عرض کرے کہ مولانا آپ کے اس قضیہ میں مقدم بالکل فرضی و نظری ہے اس لئے براہ کرم اس استلزام لزوم کو ثابت فرمائیے ورنہ اس کی حقیقت ایک مغالطہ سے زیادہ کچھ نہیں ہے جو آپ جیسے جلیل القدر حقیقت نگار، حکیم الاسلام کی شان کے منافی ہے۔

مندرجہ بالا عبارت میں مولانا نے عباسی صاحب کی ترازو اور اس کے پلوں کو جھکا دینے اور اٹھا دینے کی جو تصویر کھینچی ہے اس سے بظاہر ان کی تحریر ودنی تو ضرور نظر آنے لگی، لیکن اس وقت کیا ہوگا جب کوئی اللہ کا بندہ ان اعتراضات کو عباسی صاحب کی کتاب میں تلاش کرنا چاہے گا اور اپنی ناکامی پر وہ یہ خیال کرے گا کہ مولانا نے جس ترازو سے عباسی صاحب کی کتاب کو تولا ہے اس میں کچھ پاسنگ پہلے ہی سے موجود تھا اور ان کی یہ تنقیدی میزان ہی غلط تھی ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ نہ تو عباسی صاحب نے کوئی پلہ جھکایا ہے نہ اٹھایا ہے، پھر یہ کہ یزید کے مقابلہ میں حضرت حسین رض کی شخصیت جب اس قدر ممتاز ہے تو ان کی شان عالی کسی کے پلہ جھکانے سے کیا کم ہو جائے گی؟ ہاں یزید کی پوزیشن ضرور کچھ خفا میں تھی جس کے پردے عباسی صاحب نے اٹھانے چاہے تھے اگر یہ نہیں تو "بغض معاویہ" کی یہ کونسی قسم ہے جس کا شکار حضرت مولانا جیسے مقدس حضرات بھی ہو گئے اور یزید کی بریت ان کو ایک آنکھ نہ بھائی۔

(۶) ص۲۰ پر مولانا فرماتے ہیں کہ:۔

"سو معروضات ذیل پر نظر ڈالئے جس سے اولاً صحابیت حسین کے مسئلہ پر روشنی پڑے گی جن کی نفی عباسی صاحب کا پہلا منصوبہ ہے"

ہمارے مولانا کو اپنے منصوبہ کے مطابق عباسی صاحب کے لئے "منصوبہ بندی" وغیرہ الفاظ کی تکرار خدا جانے کیوں ضروری معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ بحث بھی "پہلا منصوبہ" کے عنوان سے شروع فرمائی ہے جو ص۲۱ سے ص۴۴ تک ۲۴ صفحات میں پھیلی ہوئی ہے۔ جس میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی صحابیت کو نہایت محدثانہ و مفسرانہ انداز سے ثابت فرمایا ہے لیکن بنیادی کمزوری سے یہ مبحث بھی خالی نہیں۔ یعنی ایک تو زبردستی عباسی صاحب کے ذمہ الزام عائد کرنا ضروری خیال فرمایا کہ عباسی صاحب حضرت حسین رض کی صحابیت کے قائل نہیں، حالانکہ عباسی صاحب نے جس موقع پر صالح بن احمد بن حنبل کی روایت پیش کی اس کا مقصود صرف اسی قدر ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ زمانہ حیات نبوی میں ایسے صغیر السن تھے کہ بعض حضرات نے ان کے بڑے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بھی صحابی کے بجائے تابعی کہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ انداز

کلام ہرگز یہ ظاہر نہیں کرتا کہ عباسی صاحب بذات خود بھی ان کی صحابیت کے منکر ہیں یا ان کی صحابیت کا انکار ان کا کوئی خاص ذہنی منصوبہ ہے۔

دوسری کمزوری یہ ہے کہ عباسی صاحب نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تابعیت کے لئے جو حوالہ نقل کیا ہے، مولانا نے اس کا مذاق اڑانے کی تو کافی کوشش فرمائی لیکن اس کی تغلیط آخر تک نہیں فرمائی جس کا نتیجہ یہی تو سمجھا جائے گا کہ حضرت حسینؓ یا ان جیسے صغیر السن حضرات کے بارے میں حضرات محدثین مختلف ہیں بعض انہیں صحابی مانتے ہیں اور بعض تابعی کہتے ہیں۔ ایک قول مولانا نے اختیار فرمایا اور دلائل سے اسی کو راجح قرار دیا (جس کا انکار عباسی صاحب کو بھی نہیں ہے) دوسرا قول وہ ہے جسے ضمناً عباسی صاحب نے ایک مقام پر نقل کر دیا ہے (اگرچہ وہ بھی اسے قابل ترجیح نہیں قرار دیتے) اگر عباسی صاحب کی یہ حرکت اس قدر گمراہ کن تھی جیسا کہ مولانا کے ۴۸ صفحات کی تفصیل کا تقاضا ہے تو ضرورت تھی کہ مولانا یا تو عباسی صاحب کے حوالہ کو غلط ثابت فرماتے یا حافظ ابن کثیر اور امام احمد کے صاحبزادے "صالح" کی بھی طرح خبر لیتے کہ آخر کس منصوبہ کے تحت انہوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی "ام الفضائل" یعنی صحابیت کو ان سے مسلوب کرنے کی غیر صالح کوشش کی۔

اس موقع پر یہ لطیفہ بھی لطف سے خالی نہ ہوگا کہ مولانا نے عباسی صاحب کے اس اقتباس کی تنقید وتردید میں کافی زور قلم صرف فرمایا ہے، جس میں بقول مولانا عباسی صاحب نے حضرت حسینؓ کی عمر کا بیان کرتے ہوئے البدایہ کے ترجمہ میں پانچ کے ساتھ "صرف" کا لفظ بھی بڑھا دیا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ جذبۂ تنقید مولانا پر کچھ اس طرح مستولی ہوا کہ مولانا نے دانستہ یا نادانستہ یہ اعتراض تو بالکل زبردستی عباسی صاحب کے ذمہ عائد فرما دیا ورنہ عباسی صاحب کی کتاب میں بدایہ کا جو اقتباس ہے وہ بھی صحیح ہے اور اس کا ترجمہ بھی صحیح ہے۔ اس لئے عباسی صاحب کی کتاب میں کسی موقع پر پانچ کے ساتھ "صرف" کا اضافہ تحریف کسی طرح نہیں کہا جا سکتا جبکہ اسی کتاب میں حضرت حسینؓ کی عمر کے لئے یہ الفاظ بھی ملتے ہیں: "اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کی عمر وفات نبوی کے وقت پانچ برس کے قریب تھی" (خلافت معاویہ و یزید ص۱۷۱)

(۷) صفحہ ۲۹ پر فرماتے ہیں کہ:

"سو ان (عباسی) کا خلجان رفع ہو سکتا تھا اگر وہ تاریخی ریسرچ کے سلسلہ میں کفایۃ الخطیب کی حسب ذیل عبارت بھی پڑھ لیتے جس میں خطیب بغدادی "صحابیت" کے لئے بیس سال کی عمر کی شرط کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"

اس تمہید کے بعد خطیب کی وہ عبارت نقل کی گئی ہے جسے مولانا عباسی صاحب کی "تاریخی ریسرچ" کے پیوند کے لئے تجویز فرما رہے ہیں مگر لطف یہ ہے کہ خطیب کی وہ ساری عبارت ہی دوسرے موضوع سے تعلق رکھتی ہے، یعنی علامہ خطیب کا کلام "صحابیت" کے سلسلہ میں نہیں ہے بلکہ "حدیث کی روایت وسماع" سے متعلق ہے ان کا کہنا صرف یہ ہے کہ حدیث کی روایت وسماع کے لئے جن لوگوں نے بیس سال عمر ہونے کی قید لگائی ہے وہ غلط ہے۔ لیکن ہمارے مولانا بڑی فراخ حوصلگی سے اس عبارت کو روایت حدیث کے سلسلۂ موضوع سے علیحدہ کاٹ کر بہ نفس صحابیت کے سلسلہ میں سمجھ کر انتہائی طمانیت وانشراح کے ساتھ اس کے یہ جملے بھی نقل فرما گئے۔

ولو كان السماع لا يصح الا بعد العشرين سقطت رواية كثير من اهل العلم سوى من هو في عداد الصحابة ممن حفظ عن النبي صلى الله عليه وسلم في الصغر فقد روى الحسن بن علي بن ابي طالب عن النبي صلى الله عليه وسلم ومولده سنة اثنتين من الهجرة۔ (الكفاية ص۵۵)

اور اگر حدیث کی روایت کے لئے سماعت حدیث بیس ہی برس کی عمر کے بعد معتبر مانی جائے تو بہت سے ان اہل علم کی روایت ساقط الاعتبار ہو جاتی ہے جو حضرات صحابہ کی تعداد کے علاوہ ہیں یعنی جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صغر سنی میں روایتیں محفوظ کی ہیں مثلاً حضرت حسن بن علی بن ابی طالب جن کی پیدائش[1] سنہ ۲ھ کی ہے (شہید کربلا اور یزید ص۲۹)

اس عبارت کو اس کے صحیح ترجمہ کے ساتھ (جیسا کہ احقر نے پیش کیا ہے) جو کوئی بھی دیکھے گا وہ لامحالہ مندرجہ ذیل نتائج پر پہنچے گا۔

(الف) یہ عبارت روایت حدیث کے لئے سن وسال کی تحدید وتعیین سے متعلق ہے۔

(ب) اس میں نفس صحابیت کے لئے کسی عمر کی شرط کرنے یا نہ کرنے کا مطلق ذکر نہیں ہے

(ج) بیس سال کی عمر کو شرط نہ قرار دینے کا بھی یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خطیب اس سلسلہ میں بالکل آزادی اور چھوٹ دے رہے ہیں۔

(د) اس عبارت میں یہ توضیح کہ "اگر بیس سال کی عمر کی قید رکھی جائے گی تو ان اہل علم کی روایت ساقط الاعتبار ہو جائے گی جو حضرات صحابہ کے علاوہ ہیں۔ مثلاً حضرت حسن بن علیؓ نے نبی کریم صلی اللہ

---

[1] حضرت حسنؓ کی ولادت عام طور سے سنہ ۳ھ کی بیان کی گئی ہے نہ کہ سنہ ۲ھ کی۔

علیہ وسلم سے روایت کی ہے درانحالیکہ ان کی پیدائش سنہ ھ کی ہے" حضرت حسنؓ کے صحابی نہ ہونے کی ایسی تصریح ہے جس کے بعد اس عبارت کو ان کی صحابیت کے لئے پیش کرنا اور نہ صرف پیش کرنا بلکہ طنز کے ساتھ اس کو عباسی صاحب کی "تاریخی ریسرچ" کے لئے پیوند بنانے کا مشورہ دینا ہر ایک کا کام نہیں ہے۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے مقولہ مشہور "نقل را چہ عقل" کے بالکل خلاف نقل میں بھی عقل سے کام لیتے ہوئے اس عبارت کو اپنے موافق بنا کر نقل فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ ان کی کتاب میں اس کا ترجمہ ملاحظہ فرما کر احقر کے ترجمہ سے مقابلہ کیجئے تو یہ گتھی سلجھ جائے گی اور آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ مولانا نے مندرجہ بالا عبارت کے ترجمہ میں "(یعنی وہ حضرات)" کے بعد خطیب کے منشاء کے خلاف "صحابہ" کا لفظ قصداً بڑھا دیا۔ کیونکہ بغیر اس کے وہ حضرت حسنؓ کی صحابیت خطیب کی اس عبارت سے نہیں ثابت فرما سکتے تھے، لیکن تعجب تو یہ ہے کہ مولانا کے خیال میں جب حقیقت یہ ہے کہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی صحابیت ثابت کرنے کے لئے قرآن و احادیث کے دلائل کے علاوہ محدثین کی تصریحات اس قدر موجود ہیں جن کے انکار کی گنجائش نہیں ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ قرآن و حدیث کی صاف و صریح دلیلوں کو چھوڑ کر دور از کار مفسرانہ و خطیبانہ موشگافیوں کے لئے اپنا زور قلم صرف فرما لیا اور کس لئے اس مبحث کو اس قدر طول دیا اور عباسی صاحب کی کتاب میں "صرف" کا اضافہ (درحالیکہ وہ کسی عبارت کے ترجمہ میں نہ تھا) خود ان کو تو اس قدر ناگوار ہوا کہ محض "صرف" کے سلسلہ میں سات آٹھ صفحات تحریر فرمائے، مگر جب اپنا موقع آیا تو خطیب کی عبارت کے ترجمہ میں "صحابہ" کا لفظ بڑھا دیا۔ آخر اس تبدیل و تحریف کی کیا ضرورت تھی؟

عباسی صاحب کے لئے پہلا منصوبہ فرض کر کے مولانا نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سلسلہ میں اس سے زائد کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ واقعہ یہی ہے کہ محدثین کے نزدیک صغیر السن افراد کی صحابیت کا مسئلہ اختلافی ہے۔ علاوہ ازیں عباسی صاحب نے نہ تو صحابیت حسین کا انکار کیا ہے اور نہ ان کی نفی صحابیت کا ذکر قصداً کیا ہے۔ ملاحظہ ہو عباسی صاحب فرماتے ہیں:۔

"اس طرح گو طبقہ کے لحاظ سے بعض نے ان کا شمار صغار صحابہ میں کر لیا ہے مگر ان کبار صحابہ کے مقابلہ میں ان حضرات کو نہیں رکھا جا سکتا"

(خلافت معاویہ و یزید ص۳)

اس لئے نفی صحابیت کی منصوبہ بندی کا الزام بھی منصوبہ بندی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ عباسی صاحب ان کو بہر حال (بفرض محال غیر صحابی مانتے ہوئے بھی) جزو رسول اور پاک باطن، پاک نیت مانتے ہیں۔

اس لئے عباسی صاحب کی تحریر کو خدا و رسول کا معارضہ قرار دینا، اسے "کالائے بد" کا مصداق قرار دینا، اس کی تنقید کے لئے "تخمینی و نظریاتی ریسرچ" کے طنز کا سہارا لینا اگر باطل کوشی نہیں ہے تو حق پوشی کے مرادف ضرور ہے جس کے لئے "جماعت دار العلوم دیوبند" کی یہ پیش قدمی اور ان کی تحقیقات کا یہ گنج گرانمایہ ہم جیسے عقیدت مندوں کے لئے باعث حیرت و تعجب ضرور ہوگا ع

چوں رفض از دیوبند خیزد کجا ماند مسلمانی

(۸) صفحہ ۱۱ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"بطور عقیدہ کے اس پر ایمان لانا پڑے گا کہ سیدنا امام حسینؓ بوجہ صحابی ہونے کے متقی و عادل، پاک باطن، صاف ظاہر محبت جاہ و مال سے بری، ہوس اقتدار سے بالاتر اور تمام رذائل نفس سے پاک تھے جو ان مقدسین سے بنص کتاب و سنت دھو دیے گئے تھے اور اس کی بناء پر ان کی قلبی تطہیر اور رجس و نجس باطن سے پاکی اور بھی زیادہ مؤکد ہو جاتی ہے کیونکہ خدائے برتر نے اہل بیت کی تطہیر کا خصوصی ارادہ ظاہر فرمایا:۔

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔	اے (نبی کے) گھر والو اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ تم سے آلودگی کو دور رکھیں اور تم کو پاک صاف رکھیں

(سورۂ احزاب رکوع ۴)

اور احادیث صحیحہ [1] اس پر شاہد ہیں جیسا کہ گذرا کہ حضرت حسینؓ اہل بیت میں شامل ہیں اور اس آیت

---

[1] مہتمم صاحب کے اس ارشاد پر جس پہلو سے رومی صاحب نے گرفت فرمائی ہے، وہ بھی اپنی جگہ اہم ہے، لیکن ہم سے پوچھئے تو اس آیت کے مصداق میں حضرات حسنین اور علی و فاطمہ رضوان اللہ علیہم کو شامل کرنا جن روایات کے ذریعہ مسلم اور اٹل سمجھ لیا گیا ہے وہ بلا استثناء سب کی سب لائق نظر ہیں۔ کسی کے محض دعویٰ کر دینے سے کوئی حدیث "حدیث صحیحہ" ثابت نہیں ہو جاتی۔ ہماری تحقیق یہ ہے کہ سورۂ احزاب کی اس آیت تطہیر کے ذیل میں بطور تفسیر جتنی بھی روایتیں غیر ازواج کو شامل کرنے کے لئے پیش کی جاتی ہیں ان کے سلسلۂ اسناد میں کوئی نہ کوئی کوفی یا شیعی راوی ایسا ضرور موجود ہے جس کے بارے میں حافظ ابن حجر اور امام ذہبی جیسے ائمہ فن نے عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ ان ائمہ کے نقد و احتساب سے تو ہمارے دار العلوم کے اساتذہ بھی انکار نہیں کر سکتے، انہیں قابل اعتماد قرار دیں تو فن رجال اور علم حدیث میں رہ کیا جاتا ہے۔ تب بتایئے مہتمم صاحب نے جن روایات کو "احادیث صحیحہ" کا نام دیا ہے وہ اگر ابن حجر اور ذہبی جیسے ناقدین ہی کی نظر میں بھروسے کے قابل نہ ہوں تو دعوۂ صحت کی
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے مصداق میں داخل اور اللّٰھم ھؤلاء اھل بیتی فطھرھم تطھیراً میں شامل ہیں؟

مولانا نے خدا جانے کیوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو آیۂ تطہیر کا مصداق ثابت کرنے اور ان کا اہل بیت ہونا قرآن سے بھی منصوص ہونے پر بڑا زور قلم صرف فرمایا۔ اسی بنا پر اس بحث کو ص۴۲ ص۴۳ میں لکھ چکنے کے بعد یہاں پھر دہرایا ہے، لیکن افسوس ہوتا ہے کہ عباسی صاحب کے خلاف مولانا کی یہ غیرت دینی کس قسم کی تھی جس کی بناء پر وہ اپنی تصنیف میں تحریف و تبدیل مغالطہ و مبالغہ، تخلیط و تلبیس سب ہی کچھ کرنے پر آمادہ ہیں، چنانچہ اس مبحث میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ خاصی تخلیط و تلبیس پر مشتمل ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو شاید مولانا خود ہی کچھ غلط فہمی میں مبتلا

(حاشیہ بسلسلہ گزشتہ) کیا قیمت رہ جاتی ہے۔ ہم اس وقت صرف نوٹ لکھ رہے ہیں اس لئے ایک ایک روایت پر تفصیلاً نقد نہیں کر سکتے پھر ہمیں چونکہ حضرات حسنین کے اہل بیت ہونے نہ ہونے سے بحث نہیں ہے نہ اس سے اصل بحث پر کوئی اثر پڑتا ہے اس لئے رد و قدح سے صَرفِ نظر کرتے ہیں۔ بس اتنا ضرور کہیں گے کہ ناظرین ذرا کسی مترجم قرآن میں یہی نقل شدہ آیت تطہیر آگے پیچھے سے پڑھ لیں پھر سوچیں کہ اس کے مصداق میں غیر ازواج کو شامل کرنا کس حد تک بعید ترین قیاس ہے۔ رہا مہتمم صاحب کا یہ دعویٰ (جسے انہوں نے متعدد بار دہرایا ہے) کہ صحابی ہونا ہی اس بات کو مستلزم ہے۔ آدمی کا سینہ حبِ جاہ و مال، حبِ اقتدار اور تمام رذائل نفس سے پاک ہو گیا تو یہ ہمارے خیال میں مبالغہ سے خالی نہیں۔ اسلام کے پورے چودہ سو برسوں میں چند عالم بھی ایسے نہیں جنہوں نے اس قدر توسع اور تعمیم کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو۔ جن روایات پر خود مہتمم صاحب کو اعتماد ہے انہی میں بے شمار روایات ایسی ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابیت آدمی کو نفس امارہ کی زد سے بالکل ہی باہر نہیں لیجاتی۔ بہت سے صحاب ایسے گزرے ہیں جن کے اندر حب جاہ۔ حب مال، نسلی عصبیت اور اسی طرح کے غیر صالح رجحانات میں سے کوئی نہ کوئی رجحان کسی نہ کسی درجہ میں باقی رہ گیا ہے اور ان کی مجموعی زندگی میں اس رجحان کی چھاپ کہیں نہ کہیں ضرور ملتی ہے۔ یہ بیشک بجا ہے کہ عدم عصمت کے ان داغ دھبوں پر ہم اخلاف کو ادب و احتیاط سے گفتگو کرنی چاہئے اور یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ ان کی برائیوں کو ان کی اچھائیاں بہالے گئیں۔ لیکن سرے سے واقعات ہی کا انکار کر گزرنا مبنی بات نہیں ہے۔ آخر ان صحابیوں کے بارے میں کیا کہا جائے گا جنہیں رسول اللہؐ کے زمانے میں بھی اور بعد میں بھی مختلف معاصی پر آئینی سزائیں ملی ہیں۔ یہ بہت کہہ سکتے ہیں کہ ان سے معصیت محض فوری جذبے میں صادر ہوئی پھر وہ اس سے اس طرح تائب ہوتے کہ ارشاد رسولؐ کے مطابق نوزائیدہ بچے کی طرح معصوم ہو گئے۔ ٹھیک ہے لیکن اس سے یہ تو پتہ چلتا ہے کہ معصیت کرنے کی صلاحیت ان میں باقی تھی اور کسی بھی حالت میں سہی وہ بہرحال گناہ کر گزرے ۱۲ (تجلی)

ہیں یا کم سے کم ناظرین ہی کو غلط فہمی میں مبتلا رکھنا چاہتے ہیں، اس لئے اس مقام پر ایسی شکل پیدا ہو گئی جس کو تلبیس سے ممتاز کرنا دشوار ہے۔ اس اجمال کی تفصیل سمجھنے کے لئے حضرت عمر بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا ترجمہ پہلے ملاحظہ فرما لیجئے۔ فرماتے ہیں:۔

" انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت الآیہ، ام سلمہ کے گھر میں نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بلایا اور ان کو اپنی کملی میں ڈھانپ لیا حضرت علیؓ آپ کے پیچھے کھڑے تھے پھر آپؐ نے فرمایا اللّٰھم ھؤلاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیراً (اے اللہ یہ لوگ بھی تو میرے اہل بیت ہیں ان سے بھی رجس دور فرما دیجئے اور ان کو بھی خوب پاک و صاف فرما دیجئے) حضرت ام سلمہ بولیں " اے اللہ کے نبی میں بھی ان کے ساتھ شامل ہوں؟" تو آپ نے فرمایا کہ " تم اپنی جگہ پر ہی رہو تم تو بھلائی پر ہو ہی"! (یعنی تم کو تو یہ دولت بغیر مانگے مل چکی ہے اور اس آیت کا اصل مصداق تو تم ازواج ہی ہو) اب سنئے! آیت قرآنی میں اھل البیت کا مصداق صرف امہات المومنین یعنی ازواج مطہرات ہیں کیونکہ قرآن شریف میں اس موقع پر کئی آیات اوپر سے ازواج مطہرات ہی کا ذکر چلا آرہا ہے۔ ہاں چونکہ نزول آیت کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ و حضرات حسنین و علی رضی اللہ عنہما کو اپنی چادر مبارک میں جمع فرما کر ان حضرات کو بھی " اہل بیت " فرمایا اور ان کے لئے بھی اسی تطہیر کی دعا فرمائی جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے ازواج مطہرات کو بغیر مانگے مل رہی تھی۔ اس لئے اس حدیث کی بناء پر حضرات حسنین کو بھی یقیناً اہل بیت کہا جا سکتا ہے، لیکن یہ اطلاق بمصداق حدیث ہوگا بمصداق قرآن نہیں ان کو آیت قرآنی کا مصداق قرار دینا مولانا کی جسارت یا تغلیط ہے جسے ان کی شان کو مد نظر رکھتے ہوئے بڑی جسارت کہنا بھی بے جا نہ ہوگا۔

---

(۲)

ص۸۵ پر مہتمم صاحب "دوسرا منصوبہ" کے زیر عنوان فرماتے ہیں کہ:۔

"سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی عزیمت وجرأت اور ہمت وشجاعت قلب کا سب سے بڑا ظہور اسی واقعۂ کربلا سے ہوا ہے کہ جس چیز کو وہ حق سمجھ چکے تھے اس پر جان دینی گوارا کی، مگر باطل کے آگے سر جھکانا گوارا نہیں کیا اور باوجود بے یاری ومددگاری یکہ وتنہا باطل کے مقابلے میں آگئے اور شہادت عظمیٰ کے مقام پر جا پہنچے"

مولانا کی یہ عبارت پڑھ کر خدا جانے کیوں اس جگہ اس مشہور شعر کی کمی محسوس ہونے لگتی ہے جو ایسے موقع کے لئے نہایت موزوں خیال کیا جاتا ہے۔ یعنی ؎

سر داد ونداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسین

اگر مولانا نے اس شعر کو محض اس لئے نظر انداز فرمایا کہ اس میں کوئی جدت نہ تھی تو مولانا کو اپنا یہ پیرا سارا کا سارا قلم زد فرما دینا چاہئے تھا۔ کیونکہ اس میں حضرات "ذاکرین" و "واعظین" کے سڑے بُسے جملوں کی تکرار محض کے سوا اور کچھ نہیں ہے، لطف یہ کہ یہ بحث ایسی ہے جس میں مولانا کو اپنے دعوے کے ثبوت میں قرآن وحدیث سے کوئی مبہم سا اشارہ بھی نہیں مل سکتا۔ اس کے لئے مولانا کو بہرحال صرف تاریخ کی طرف رجوع فرمانا ہوگا، جہاں ان کو حضرت "امام ہمام" رضی اللہ عنہ کی وہ سہ گانہ شرائط بھی ملیں گی جن کو پیش کر دینے کے بعد حضرت کے لئے باطل کے آگے (اگرچہ وہ واقعۃً باطل ہی نہ تھا اور نہ حضرت وہ شرائط پیش ہی نہ فرماتے) سر نہ جھکانے یا حق کے لئے جان دیدینے کا کوئی سوال ہی نہیں رہ جاتا۔ باقی رہی "شہادت عظمیٰ" تو اس کا سوال اس کے بعد کی چیز ہے۔

اگر راقم الحروف کی گمنامی کے باعث مولانا اس کی معروضات پر توجہ فرمانے کے لئے تیار نہ ہوں تو کوئی مضائقہ بھی نہیں، احقر کے لئے یہ بات کچھ کم ابتہاج ومسرت کا باعث نہیں ہے کہ مولانا کے جد بزرگوار حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کو تسلیم فرمانے کے لئے بالکل تیار ہیں جیسا

کہ ہمارے مولانا اپنی کتاب "شہید کربلا اور یزید" کے ص۹۹ وص۱۰۰ پر ان سے نقل فرما رہے ہیں، بلکہ ان کے حکیمانہ جملوں کو قرآن وحدیث کے اصول اور ائمہ ہدایت کے کلام کا نچوڑ قرار دے رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو حضرت نانوتوی فرماتے ہیں:۔

وازیں در گذشتیم اگر موجبات جہاد نبودند او شان نیز از قصد جہاد باز آمدہ می خواستند کہ براہ خود روند لشکریان یزید پلید نگذاشتند و محاصرہ کردہ ظلماً شہید ساختند من قتل دون عرضہ ومالہ فہو شہید۔

شہید کربلا اور یزید صفحہ ۹۹ و ۱۰۰

.. ..

.. ..

.. ..

(ہم اسے بھی چھوڑتے ہیں اگر موجبات جہاد بھی موجود نہ تھے تو حضرت امام بھی تو جہاد سے رُک کر یہ چاہتے تھے کہ ان کا راستہ نہ روکا جائے وہ یہاں سے کہیں بھی نکل جائیں انہیں نکل جانے دیا جائے مگر یزید "پلید" کے فوجیوں نے انہیں نہ چھوڑا سارے راستے روک لئے گھیرے میں لے کر شہید کر دیا تو (نص حدیث) جو اپنی آبرو اور مال بچاتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے) تو اس شہادت میں حرف زنی کی گنجائش کیا ہے)

اب مولانا خود فیصلہ فرمائیں کہ اس طرح "شہادت عامہ" ثابت کرنے کے بعد اس بلند بانگ "شہادت عظمیٰ" کے دعوے کا کیا حشر ہوا اور ایسی صورت میں واقعۂ کربلا کو سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عزیمت وجرأت اور ہمت وشجاعت قلب کا مظہر آپ کس طرح قرار دیں گے۔ کیونکہ حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ تو حضرت "امام" کے لئے "قصد جہاد" (قصد جہاد) سے رجوع فرمانے کا اقرار فرما رہے ہیں۔ آخر یہ تضاد بیانی کیوں ہے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ اتفاقاً ایک جگہ ہو گئی ہو، بلکہ اس کی مثالیں اور بھی موجود ہیں جیسا کہ آئندہ اپنے اپنے موقع پر آتی رہیں گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے بھی اپنے "نظریہ ومنصوبہ" کی تائید میں جس کتاب کا جو بھی ٹکڑا پا لیا ہے اسے اس کے موقع پر فٹ کر دیا ہے۔ اب یہ بات دوسری ہے کہ ان کو آپس میں ملانے سے کسی قسم کا تضاد پیدا ہو جاتا ہے۔

(۱۰) اسی ص۸۵ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"لیکن اسی کو عباسی صاحب نے "بغاوت" کا عنوان دے کر ان کا سب سے بڑا عیب شمار کرانے اور اس اونچی حسنہ کو قرآن وحدیث اور اجماع صحابہ کے خلاف ایک نیچی قسم کی سیئہ دکھلا کر داغدار بنانے کی سعی کی ہے"

چند سطروں کے بعد:۔

لیکن اس سلسلہ میں جہاں تک الزام بغاوت یا نفی شہادت کا تعلق ہے اس کے بارے میں سلف اور متقدمین کا جو کچھ نقطۂ نظر ہے اس کے لئے ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ شریف کی یہ ایک ہی عبارت کافی ہو سکتی ہے جو علاوہ مؤثق نقل ہونے کے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بھی ہے۔ شرح فقہ اکبر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

واما ما تفوہ بعض الجھلۃ من ان الحسین کان باغیا فباطل عند اھل السنۃ والجماعۃ ولعل ھذا من ھذیانات الخوارج عن الجادۃ (شرح فقہ اکبر صـ۸۷)	اور یہ جو بعض جاہلوں نے افواہ اڑا رکھی ہے کہ حسینؓ باغی تھے تو وہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک باطل ہے۔ شاید یہ خوارج کے ہذیانات ہیں جو راہ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں۔" (شہید کربلا اور یزید صـ۷۶)

سمجھ میں نہیں آتا کہ مولانا کی اس جواب دہی کو "سوال از ریسماں جواب از آسماں" سے کس طرح ممتاز کیا جائے؟ ملا علی قاری نے حضرت حسینؓ کے باغی ہونے کو خوارج کے ہذیانات کا نتیجہ بتایا ہے۔ مگر مولانا اس سے عباسی صاحب پر بھی الزام قائم کرتے ہوئے ان کو بھی اس جرم میں خارجی گردانا چاہتے ہیں کہ انہوں نے بعض اقوال صحابہ اور عبارات مورخین سے نقل کرتے ہوئے حضرت امام کے لئے لفظ "خروج" استعمال کیا تھا، حالانکہ یہ لفظ خود ہمارے مولانا نے بھی ابن خلدون اور شاہ عبدالعزیزؒ کے کلام میں نقل فرمایا ہے، لیکن بہ تقاضائے انصاف غالباً یہ فرق مولانا نے ملحوظ رکھا ہے کہ خود مولانا کی کتاب میں جہاں جہاں "خروج" کا لفظ آئے تو وہ اچھی قسم کی حسنہ ہے جہاں جہاں عباسی صاحب نے نقل کیا ہے، وہاں ایک نیچی قسم کی سیئہ اور بغاوت کا مرادف ہے۔ حالانکہ عربی کا ایک معمولی طالب علم بھی "خروج و بغاوت" کے درمیانی فرق سے اچھی طرح واقف ہے وہ جانتا ہے کہ "خروج" ایک ایسا لفظ ہے جو محل حسن اور محل قبیح دونوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے جس کسی نے بھی یہ لفظ استعمال کیا ہے محل حسن میں استعمال کیا ہے بخلاف لفظ بغاوت کے کہ اس کا محل عام طور پر قبیح ہی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن شریف کے غیر باغ ولا عاد کی تفسیر میں کہا گیا ہے۔ لہٰذا ملا علی قاری کی عبارت کا مطلب صرف اس قدر ہوا کہ "حضرت حسینؓ کو باغی (خواہش نفس کا پیرو) کہنا خوارج کے ہذیانات سے ہے۔ ظاہر ہے کہ اس عبارت کی معمولی سی زد بھی عباسی صاحب پر نہیں پڑتی کیونکہ انہوں نے بغاوت کا الزام حضرت حسینؓ کے سر لگایا ہی نہیں۔ ہاں خروج کا لفظ ضرور استعمال کیا ہے سو اگر اس کے استعمال کی ممانعت میں بھی کوئی دلیل ہو تو اسے پیش فرمانا چاہئے مگر وہ کس طرح ممکن ہے

جبکہ واقعہ یہ ہو کہ ع

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

الغرض یہ حشر ہوا ملا علی قاری کی اس عبارت کا جس کو مؤثق نقل اور عقیدۂ اہل سنت فرما کر ناظرین کو زبردستی مرعوب فرمانے کی "غیر طیب" کوشش کی گئی تھی۔

(۱۱) صـ۷۶ پر فرماتے ہیں کہ:۔

عباسی صاحب نے حضرت حسینؓ پر "بغاوت" کا جرم عائد کرنے کے لئے تاریخی نقل اور وہ بھی دوزی کی پیش کی تھی حالانکہ یہ نقل اگر مسلم مورخین کی بھی ہوتی تب بھی عقیدہ اور متکلمانہ نقل کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی جس پر عقائد کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔"

جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے۔ آخر مولانا کے قلم سے بھی (جو تغیر الفاظ اور تبدیل معانی کا بری طرح خوگر تھا) یہ حقیقت ٹپک ہی پڑی کہ عباسی صاحب نے بذات خود بغاوت کا لفظ اپنی تحریر میں استعمال نہیں کیا، بلکہ ایک غیر مسلم دوزی کے اقتباس میں یہ لفظ مستعمل ہو گیا ہے جسے پڑھ کر مولانا کی غیرت دینی اس درجہ مشتعل ہو گئی کہ اس ایک لفظ کی تردید کے لئے تقریباً ۳۰ صفحات تصنیف فرما دئے ورنہ خروج کا استعمال تو ان کے لئے قابل برداشت تھا۔

اس موقع پر مولانا نے اپنی عبارت میں "عقیدہ" کے ساتھ "متکلمانہ نقل" کا بھی ایک "ذنابہ" (دم چھلا) استعمال فرمایا ہے، ناظرین نے شاید اس طرف توجہ فرمائی ہو گی کہ اس کی کیا وجہ ہے سنئیے! اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا لفظ "عقیدہ" کے مفہوم اور اس کے وزن سے ناواقف نہیں ہیں ان کو اس کا صحیح اندازہ ہے کہ وہ اپنی تحریر میں ایسی غیر بنیادی باتوں کو عقیدہ کہہ کر لوگوں کو مرعوب و خائف تو کر سکتے ہیں مگر واقعتاً اس کو عقیدہ ثابت نہیں کر سکتے اس لئے انہوں نے پیش بندی کے طور پر عقیدہ کے ساتھ متکلمانہ نقل کا ذنابہ بھی چھوڑ دیا تاکہ ثبوت کے وقت اگر وہ عقیدہ ہونے کا ثبوت فراہم نہ فرما سکیں (اور ظاہر ہے وہ ایسا نہ فرما سکیں گے) تو کم از کم کوئی متکلمانہ نقل تو پیش ہی کر دیں گے، جس کے لئے "تفتازانی" جیسے متکلمین ان کو مل جائیں گے جن کے کلام میں ملا علی قاری کو "رفض" کی بو محسوس ہوئی اور انہوں نے فرما دیا فیہ رائحۃ من الرفض (اس میں تو رفض کی بو بری طرح محسوس ہوتی ہے)

(۱۲) چند سطروں کے بعد اسی صـ۷۶ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو "باغی" کہنے کا منصوبہ اس خیال پر مبنی ہے کہ یزید خلیفہ

برحق تھا اور اس کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ظاہر کی گئی ہے کہ صحابہؓ کی اکثریت نے اس کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی جو خلیفہ کے حسن کردار کی دلیل ہے۔

درحالیکہ یہ مقدمات بھی جہالت[1] پر مبنی ہیں"!

اس عبارت میں باغی کا لفظ دہرا کر ناظرین کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کی غیر طیب کوشش کا اعادہ فرمایا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ یزید کے خلیفہ برحق ہونے پر اکثریت صحابہ کی بیعت کے دلیل بنانے کو جہالت پر مبنی گردانا گیا ہے، لیکن ہم کو سخت صدمہ ہوتا ہے اور دیوبند کی سابق روایات کی مٹی پلید ہوتے دیکھ کر خون کے آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے کہ افسوس اس قلیل مدت میں یہ ادارہ کس قدر سخت انقلاب سے دوچار ہوگیا ؎

صد سالہ دور چرخ تھا ساغر کا ایک دور
ہم میکدے سے نکلے کہ دنیا بدل گئی

مقام حیرت ہے کہ جس وقت مولانا عباسی صاحب پر تنقید کی نیت فرمائیں اس وقت تو ایک "مقدمہ دلیل" جہالت پر مبنی نظر آئے اور جب اپنی تائید کا قصد فرمائیں تو وہی مقدمہ دلیل استشہاد کا سب سے زیادہ موثر، کامیاب اور محققانہ طریق کار ہو جاتے۔ مثال کے لئے یہی مندرجہ بالا اقتباس ملاحظہ ہو، اس میں عباسی صاحب کی دلیل کے مقدمات کو ہمارے مولانا جہالت پر مبنی قرار دے رہے ہیں، لیکن اسی قسم کے ایک دوسرے موقع کے لئے فرماتے ہیں:۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ "اپنی فضیلت اور یہ حق کو ثابت کرنے کے لئے معرکہ کربلا میں مذکورہ عبارت بالا جلیل القدر صحابہ کے نام بطور شاہد پیش کر رہے ہیں ظاہر ہے

[1] ان مقدمات کو مبنی بر جہالت ثابت کرنے کے لئے حضرت مہتمم صاحب نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ بجائے خود لائق ہے کہ اہل نظر اس کے مبنی بر علم ہونے کا ثبوت طلب کریں، کسی کو جاہل قرار دیدینا آسان ہے لیکن اپنے عالم ہونے کا اطمینان بخش ثبوت پیش کرنا بہت مشکل ہے۔ تحمل سے کام نہ لیا جائے تو مہتمم صاحب کی یہ کتاب اپنے تقریباً تمام ہی مطالب و مفاہیم کے اعتبار سے ایسی ہے کہ جیسا چاہے خطاب سے دے لیجئے۔ ہمارا ایماندارانہ تاثر یہ ہے کہ کتاب لکھتے وقت حضرت کے ذہن میں نہ تو تاریخ تھی نہ نقد و تحقیق کا جذبہ نہ ہی مبحوث عنہ زمانے کے حالات و کوائف کا کوئی واضح تصور بس تردید عباسی اور تنقیص یزید کا جوش فراواں تھا جس کے تحت انہوں نے بے بنیاد دلائل کا انبار لگا دیا۔ متعدد دلیلیں تو ایسی ہیں جنہیں دلیل کہنا ہی مذاق سے زیادہ کچھ نہیں اور متعدد ایسی ہیں جو صدیاں گزریں تشیع کے آسمان سے اذہان ملت پر

کہ اس دور میں دلائل کا طرز منطقیانہ نہیں تھا، بلکہ استشہاد کا سب سے زیادہ موثر، کامیاب اور محققانہ طریقہ یہی تھا کہ کسی دعوے کے لئے صحابہؓ کو شہادت میں پیش کر دیا جائے، یہی طریقہ حدیث کی روایت تک کو قابل قبول سمجھنے کے لئے رائج تھا، جس پر پورے دین کا مدار ہے" (ص۱۸)

آخر اپنی اس دورخی حکمت عملی کے لئے مولانا کیا لفظ پسند فرمائیں گے؟ کیا بقول آپ کے "یہ نظریاتی ریسرچ" نہیں ہے؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو اس کے لئے مولانا کے پاس وجہ جواز اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ ؎

ہے مسلّم میرا فرمایا ہوا

یا بقول سموئل ؎

وننکران شئنا علی الناس قولھم
ولا ینکرون القول حین نقول

ہم اگر چاہیں تو لوگوں کی بات کا انکار کر دیں (لیکن) لوگوں کی مجال نہیں کہ وہ انکار کر سکیں ہماری بات کا

غالباً اسی قسم کا جذبہ ہے جو مدعیان جماعت دارالعلوم دیوبند کے دماغوں میں بھی پیدا ہو گیا ہے جس کی بنا پر وہ اپنے آپ کو ہر قسم کی آزادی اور "دروغ" کا مستحق خیال کرتے ہیں[1]

دوسری ایک بات اور ہے جو مولانا کے ص۱۸ کے اقتباس میں محل غور اور وجہ تامل ہے وہ یہ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اپنی فضیلت پر صحابہ کرامؓ سے استشہاد کیا امر واقعی ہے۔ درحالیکہ ان حضرات کے نفوس قدسیہ ہر طرح مصفّیٰ و مجلّیٰ اور مطہر و مزکیٰ تھے۔ تو کیا ان سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ حضرات بھی آج کل کے "الیکشنی امیدواروں" کی طرح اپنے اوصاف و فضائل شمار کراتے ہوں گے اور گویا اپنے مفاخر و مفاضل پر مشتمل اپنا ذاتی قصیدہ پڑھتے ہوں گے، نہیں ہرگز نہیں ان حضرات سے ہرگز ایسی توقع نہیں ہے، بس یہ تو ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؓ و حضرت حسنؓ کی سلسلہ وار موروثی قسم کی خلافت کو دیکھ کر ان کو کچھ ایسا خیال پیدا ہوا ہو کہ یہ خلافت میرا حق ہے، جبکہ کوفیوں کے بے شمار خطوط نے ان کے اس

[1] مطلب یہ ہوا کہ ایک طرف تو مہتمم صاحب کے نزدیک اکثر صحابہ کی بیعت یزید کوڑی بھر وقعت و اہمیت نہیں رکھتی، دوسری طرف حضرت حسینؓ کا ان اصحاب کے نام بطور شاہد پیش کر دینا سب سے بڑھ کر اہم اور وقیع ہے، گویا ہمارا ساتھ دیں تو صحابہ سر آنکھوں پر۔ نہ ساتھ دیں تو ہم انہیں کسی شمار میں نہیں رکھیں گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (تجلّی)

خیال کو پختہ کرنے میں کوئی کسر بھی باقی نہیں رکھی مگر یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ صحابہؓ کو گواہ بنا کر اپنے مفاخر و مفاضل شمار کرانے لگے ہوں گے۔ باقی رہی یہ بات کہ اگر ایسا نہیں ہوا تو ابن خلدون نے کس طرح نقل کر دیا۔ اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ مصنوعی روایات کے کاریگروں نے جب پچھلی تاریخ پر نظر ڈالی تو ان کو شہادت عثمانؓ مظلوم کے موقع پر اسی کی ایک چیز یہ ملی کہ انہوں نے بھی اس وقت کے موجودین کو گواہ بنا کر "بیر رومہ" سے اپنا خصوصی تعلق و استحقاق ظاہر فرمایا تھا۔ یا حضرت محمد بن ابی بکر کی دست درازی پر اپنی مسنون داڑھی کی فضیلت کا اظہار فرمایا تھا بس پھر کیا تھا یار لوگ اسے لے اڑے اور سیدھے میدان کربلا میں آکر دم لیا اور آخر کار اسی قسم کے جملے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی زبان سے بھی ادا کرا دیئے تاکہ اس "خزینۂ کربلا" میں بھی اس "خزینۂ دیار رسول" کا سماں پیدا ہو جائے۔

(۱۳) صـ۲۷ پر فرماتے ہیں کہ:-

"جہاں تک ارباب تحقیق مورخین کی تحقیق و روایت کا تعلق ہے انہوں نے اکثریت صحابہ کی بیعت اور بیعت کے بعد یزید کے خلاف خروج نہ کرنے کو قطعاً یزید کے مستحق خلافت ہونے کی دلیل نہیں سمجھا اور نہ ہی اس سے یزید کے فسق و فجور کو ہلکا یا غیر واقعی باور کرانے کی کوشش کی، بلکہ ان کے نزدیک صحابہ کرامؓ کی اکثریت کی یہ بیعت اور یزید کے خلاف نہ اٹھنا خوف فتنہ مابین نزاع، جدال اور آپس کے خون سے بچنے کے لئے تھا جو اس صورت میں یقینی تھا"

مولانا نے اپنے مذکورہ بالا دعوے کے ثبوت میں متعدد عبارات بھی نقل فرمائی ہیں جن میں سے کچھ حوالے ابن خلدون کے بھی ہیں اور یزید کا فسق ثابت کرنے کے لئے اس مبحث کو ۱۰۲ صفحات تک پہنچا دیا ہے۔ یعنی اس مبحث کے حصہ میں ۲۵ صفحات آئے ہیں، لیکن اس تطویل و تفصیل کے باوجود یہ مبحث مندرجہ ذیل امور کے ادنیٰ ذکر سے بھی خالی ہے اور مولانا کی یہ خاموشی غمازی کر رہی ہے کہ ؎

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

(الف) فسق یزید کی تفصیل (باوجودیکہ یہ لفظ ان ۲۵ صفحات میں کم از کم سو مرتبہ تو استعمال ہوا ہوگا) مطلق نہیں پیش فرمائی کہ یزید کا فسق کس قسم کا تھا۔

(۱) کیا یزید شراب پیتا تھا؟ (۲) یا یزید مرتکب زنا ہوا کرتا تھا؟ یا نماز روزہ کا تارک تھا، وغیرہ وغیرہ۔

حالانکہ مولانا اگر تلاش فرماتے تو غالباً ان کو بھی یہ تفصیل شاید ابن خلدون ہی میں مل جاتی کہ یزید کا فسق کوئی شرعی و اصطلاحی اور اعتقادی فسق نہ تھا بلکہ ایک طرح کا عرفی و معاشرتی غیر شرعی فسق تھا جو اس "دور صلاح اور خیر القرون" کے صالحین کے لئے نامناسب اور خلاف اولیٰ ہونے کے باعث بعض حضرات کے نزدیک قابل انکار تھا (جیسا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے نزدیک مطلقاً "جمع مال" قابل انکار تھا) ورنہ سب حضرات یزید کو فاسق نہیں سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ بعض جلیل القدر حضرات صحابہ تک سے یزید کی نیکو کاری کی شہادتیں بھی منقول ہیں چنانچہ حبر الامۃ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد انساب الاشراف بلاذری میں منقول ہے:-

ان ابنہ یزید لمن صالحی اھلہ فالزموا مجالسکم واعطوا طاعتکم وبیعتکم۔

بیشک معاویہ کا فرزند یزید اپنے خاندان کے نیکوکاروں میں ہے تم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہنا اطاعت کرنا۔ بیعت کر لینا۔

(خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۴۱ و ۴۲)

اسی کے قریب قریب "الامامۃ والسیاسۃ" سے بھی عباسی صاحب نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ "واللہ معاویہؓ کا فرزند (یزید) اپنے گھرانے کا "بہترین فرد ہے"

(خلافت معاویہ و یزید صـ۴۲)

اسی طرح سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت محمد بن الحنفیہ نے بھی یزید کی صلاح کاری، تقویٰ شعاری، صوم و صلوٰۃ کی پابندی اور سنت نبوی کی پیروی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:-

وقد حضرتہ (یزید) واقمت عندہ فرأیتہ مواظبا علی الصلوٰۃ متحریا للخیر یسأل عن الفقہ ملازما للسنۃ۔

(البدایہ صـ۲۳۳ ج ۸)

بحوالہ خلافت معاویہ و یزید صـ۴۳)

اور میں یزید کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں ان کے پاس میں نے قیام کیا ہے تو ان کو میں نے نماز کا پابند نیک کاموں کی فکر رکھنے والا مسائل فقہ دریافت کرنے والا، سنت کا التزام کرنے والا پایا ہے۔

(ب) یزید کے فسق پر حضرات صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شہادت مطلق نہیں پیش کی گئی غالباً اس سلسلہ میں بخاری شریف وغیرہ میں اقوال صحابہ مولانا کو میسر نہ آسکے ورنہ اگر یزید کے خلاف بعض تاریخی حوالوں کے سوا احادیث سے بھی کوئی سند و شہادت دستیاب

ہوتی تو اسے ہرگز نظر انداز نہ فرماتے، کیونکہ مولانا ان مباحث کو تاریخی پہلو کے مقابلہ میں دینی پہلو سے زیادہ دیکھنا چاہتے ہیں اور روایات کے ہوتے ہوئے قیاسات تاریخی کو اہمیت نہیں دے سکتے (اور جو چند عبارتیں مولانا نے "یزید اور اس کا کردار" کے زیر عنوان نقل فرمائی ہیں ان کے بارے میں اسی موقع پر آئندہ صفحات میں عرض کیا جائے گا)۔

(ج) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوزیشن سے قطعاً بحث مولانا نے نہیں فرمائی کہ آخر انہوں نے کس بناء پر یزید کو ولی عہد تجویز کیا اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حالتِ ایمانی کیا ہوگئی تھی۔ جنہوں نے یزید کو ولی عہد بنانے کا مشورہ دیا۔ شاید مولانا نے اس سلسلے میں خاموشی ہی مفید سمجھی حالانکہ اس سلسلے میں عباسی صاحب کا بنیادی نقطۂ نظر حضرت امیر معاویہؓ اور دوسرے تمام صحابہ کی پوزیشن ہی کو صاف کرنا تھا اور یہ صفائی یزید کی صفائی کے بغیر کچھ دشوار تھی جسے انہوں نے کافی حد تک تاریخی حوالوں اور عقلی قیاسوں سے ثابت بھی کردیا۔

(د) آخری چیز جس سے مولانا کا یہ مبحث خالی ہے وہ عباسی صاحب کے ان حوالوں کی تردید ہے جن سے عباسی صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ عام طور پر صحابۂ کرامؓ بیعت یزید پر متفق تھے، بلکہ بعض حضرات تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ان کے اسی اقدام سے سخت الفاظ میں باز رکھنے کی کوشش بھی کر رہے تھے (ملاحظہ ہو خلافت معاویہ و یزید صفحات ۶۸ تا ۷۴) اور جس قدر جواب مولانا نے مرحمت فرمایا ہے وہ قطعی اطمینان بخش نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں سے کچھ حوالے یا تو ابن خلدون کی نا تمام عبارتیں ہیں جن سے یہی پتہ نہیں چلتا کہ یزید کا یہ فسق کس قسم کا تھا اور یہ کب حادث و ظاہر ہوا۔ شاید ان کا مفہوم یہ ہے کہ یہ دعویٰ کردہ فسق اس کی ولیعہدی کے وقت تک نہ تھا بعد کو حادث و ظاہر ہوا۔ اور یا کچھ وہ عبارتیں ہیں جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ اور مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کی تحریرات سے ماخوذ ہیں جن کی بناء پر مولانا نے اپنی کتاب کو جماعت دارالعلوم دیوبند کے متفقہ مسلک کا ترجمان گردانا ہے۔ مگر افسوس کہ ان عبارتوں کی حیثیت بھی ایک توجیہہ سے قطعاً زائد نہیں ہے جس کا بنیادی نقطہ بھی وہی جذبۂ تبریہ و تزکیۂ صحابہ ہے جس نے عباسی صاحب کو ان حوالہ جات اور ان کے ایسے واضح نتائج تک راہ دکھائی۔ فرق صرف یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ یا حضرت نانوتویؒ کے سامنے نہ تو آسانی سے یہ کتب فراہم ہوسکیں اور نہ ان کو اس میں ایسی کاوش کی ضرورت ہی محسوس ہوئی اس لئے بالکل سرسری اور سطحی طور پر غور فرما کر ان حضرات نے صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس آلودگی سے پاک دامن رکھنے

کی کوشش کی (کیونکہ صحابی رسول ہونے کی بناء پر ان کی صفائی ضروری تھی) یزید کے بارے میں تامل کی کوئی ضرورت نہ تھی اس لئے یہ توجیہہ بالکل سامنے کی بات تھی کہ اس کا فسق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حادث و ظاہر ہوا چلئے بات ختم ہوگئی۔ اب عباسی صاحب کا قصور صرف یہ ہے کہ انہوں نے اس توجیہہ کو عقیدہ و نص کا درجہ کیوں نہیں دیا اور اپنی تحقیق و کاوش کو اس خط سے آگے کیوں بڑھا دیا۔ جو اکابر دارالعلوم نے کھینچ دیا تھا، حالانکہ جن حضرات نے ان اکابر کی تمام تحریرات کا غائر مطالعہ کیا ہوگا، ان پر یہ حقیقت اچھی طرح روشن ہوچکی ہوگی کہ یہ حضرات اہل حق، حق پسند، حق پرست، حق کوش ہونے کے باوجود) سبائی پروپگنڈہ اور شہرت کے عام چلتے ہوئے جادو سے کسی نہ کسی درجہ میں متاثر بھی ہو جاتے تھے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

(۱) حضرت شاہ صاحب محدث دہلوی کی جو عبارت مولانا نے اپنی کتاب کے صہ۹۶ پر نقل فرمائی ہے ملاحظہ فرمائیے تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

خروج امام حسین علیہ السلام بنا بر دعوائے خلافت راشدہ پیغامبر کہ بر ورسی سال منقضی گشت نبود بلکہ بناء بر تخلیص رعایا از دست ظالم بود و اعانۃ المظلوم علی الظالم من الواجبات

امام حسین علیہ السلام کا یزید کے خلاف کھڑا ہونا دعوائے خلافت راشدہ پیغمبر کی بناء پر نہ تھا جو تیس سال گزرنے پر ختم ہوچکی تھی بلکہ رعایا کو ایک ظالم (یزید) کے ہاتھ سے چھڑانے کی بناء پر تھا اور ظالم کے مقابلہ میں مظلوم کی اعانت واجبات دین میں سے ہے (شہید کربلا و یزید صہ۹۶)

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحبؒ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لئے "امام" اور "علیہ السلام" کا استعمال فرمایا ہے جو خالص سبائی و رافضیانہ ذہنیت پر مبنی ہے۔ نیز اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کو بھی واجبات دین سے قرار دے کر در پردہ دوسرے حضرات کو جو حضرت حسینؓ کے خیال و قتال میں شریک نہ تھے دین کے واجب کا تارک مانا ہے (کیا رفض کا تبرا کچھ اس سے زائد مختلف ہوتا ہے) دوسری بات اس اقتباس کے متعلق یہ بھی عرض کرنی ہے کہ شاہ صاحب کا یہ کلام مولانا نانوتوی علیہ الرحمۃ کے اس کلام سے متعارض ہے جو گزشتہ صفحات میں نقل بھی ہوچکا ہے جس میں حضرت نانوتوی نے قتال حسینی کو جہاد نہیں مانا ہے، بلکہ "تنگ آمد بجنگ آمد" کے مصداق شہادتِ اضطراری نقل کیا ہے۔

(۲) حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ کی جو عبارت مولانا کی کتاب کے صہ۹۹ پر نقل ہے اس میں بھی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لئے "امام" اور "علیہ السلام" کا استعمال موجود ہے۔ اسی طرح یزید کے

نام کے ساتھ "پلید" کا قافیہ بھی باندھا گیا ہے۔ حالانکہ بقول مولانا "نہ ہی ان لعنت ثابت کرنے والوں کا منشا یزید کی لعنت کو بطور وظیفہ کے پیش کرنا ہے" تو اب ایسی صورت میں حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ کی اس جراحت قلم کو پروپگنڈے کی تاثیر ہی پر محمول کرنا پڑے گا۔

(۳) اسی طرح خود ہمارے حکیم الاسلام کی تحریر میں بھی جابجا "امام" یا "امام ہمام" کا استعمال ہوا ہے جن کو احقر نے بھی دادین کے ساتھ "عطائے تو بہ لقائے تو" کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اگر مولانا اپنے لئے یا ان اکابر کے لئے ایسے الفاظ کا استعمال اس لئے جائز تصور فرمائیں کہ ان کی نیت ان کے استعمال کے وقت وہ نہیں ہوتی جو سبائی و روافض کی ہوتی ہے تو ایہام ناجائز سے تو کسی طرح مفر نہ ہوگا جس کے لئے آیۂ ولا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا صاف موجود ہے۔

(۴) اسی شہرت عام اور طریقۂ رائجہ سے متاثر ہونے کی مثال وہ مشہور واقعہ بھی ہے کہ دہلی کے اس مشہور علمی خاندان میں سلام مسنون کا رواج نہ تھا بلکہ طریقہ سلام یہ تھا کہ عبدالعزیز تسلیمات عرض کرتا ہے یا عبدالقادر تسلیمات عرض کرتا ہے۔ بعد میں حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمہ کی بدولت اس مردہ سنت کا احیاء ہوا اور طریق مسنون پر سلام کا رواج ہوا ؎

شورشِ عندلیب نے روحِ چمن میں پھونک دی
ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خواب ناز میں

(۵) اسی قبیل سے حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ کی وہ دو متعارض عبارتیں ہیں جن میں پہلے تو محمد بن عبدالوہاب نجدی کے بارے میں لاعلمی کا اظہار فرمایا اور پھر اس کے حنبلی ہونے کی شہرت عام کی بناء پر اس کے عقیدے کا عمدہ ہونا بھی بیان فرما دیا چنانچہ بعد کی تحقیقات نے یہ حقیقت اچھی طرح واضح بھی کر دی۔

(فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۲۴)

(۶) ذخیرۂ کتب موجود نہ ہونے کی وجہ سے تو اکابر نے بعض اوقات بعض سنتوں تک پر بھی عمل نہیں فرمایا۔ ملاحظہ ہو مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فارسی میں تحریر فرماتے ہیں جس کا ترجمہ پیش ہے :۔

"اور حضرت مجدد صاحب کا (نماز میں) یہ انگلی نہ اٹھانے کا قول ان کے اجتہاد کی وجہ سے ہے (لیکن) غیر منسوخ سنت مجتہد کے اجتہاد پر مقدم ہوتی ہے انگلی نہ اٹھانے کو محض اس دلیل سے سنت (سمجھنا اور) ثابت کرنا کہ حضرت مجدد صاحب نے اسے نہیں کیا ہے کوئی عقل کی بات نہیں"

پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں :۔

"پس امید ہے کہ اس اجتہادی مسئلہ کے نہ کرنے پر اور صحیح احادیث کو اختیار کر کے اس کے مطابق عمل کرنے پر حضرت مجدد صاحب (عالم برزخ میں) ناخوش نہ ہوں گے۔ اگر آپ کہیں کہ حضرت مجدد صاحب اس قدر علم وسیع رکھنے کے باوجود کیونکر ممکن ہے کہ (نماز میں) انگلی اٹھانے کی حدیثوں سے ناواقف رہے ہوں تو میں جواب میں کہوں گا کہ حضرت مجدد صاحب کے زمانہ تک اس قدر کتابیں اور رسالے اس ملک ہند میں مشہور نہیں ہونے پائی تھیں اور آپ کی نظر مبارک سے ثبوت کی احادیث نہیں گزریں۔ اسی وجہ سے انہوں نے انگلی اٹھانا چھوڑ دیا"

(رسالہ الاحسان جلد نمبر۱ نمبر۱ بحوالہ ثمرات الاوراق مصنفہ مفتی محمد شفیع صاحب)

ان نصف درجن مثالوں سے یہ امر اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ اکابر کی تحقیقات و تحریرات نظر ثانی سے بے نیاز نہیں ہوتیں اور حضرت شاہ صاحب دہلویؒ ہوں یا حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کسی کی تحریر کو "حرفِ آخر" نہیں کہا جا سکتا۔ علاوہ ازیں یہ حرف آخر کی تعبیر تو ایک طرح کی بدفالی اور بددعا پر مشتمل معلوم ہوتی ہے، یا بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ یہ بھی نعوذ باللہ کوئی نبوت کے قسم کی چیز ہے جو ختم ہو گئی اب آئندہ کوئی امکان باقی نہیں رہا۔ اگر مولوی سالم صاحب یہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں کہ انہوں نے بھی کتاب "شہید کربلا اور یزید" کو حرفِ آخر فرما دیا ہے۔

(۴) صفحہ ۱۳۲ پر فرماتے ہیں کہ :۔

"تاریخ ہی سے یہ بھی سن لیجئے کہ محمد ابن الحنفیہ نے بھی نہ صرف یہ کہ حضرت امامؓ کے اس اقدام کو برا یا ناجائز ہی نہیں سمجھا بلکہ حضرت حسینؓ کو اس سے روکا بھی نہیں، حتیٰ کہ اس کی تدبیر بھی بتلائی"

مولانائے محترم! سننے کو تو یہ بھی سن لیا، مگر صرف سننے سے کہیں کام چلتا ہے۔ اس کے لئے تو سمجھنے کی ضرورت ہے اور آپ سمجھنے سمجھانے کے لئے بالکل تیار نہیں ہیں ورنہ عباسی صاحب نے اس موقع پر جو دلیل پیش کی تھی اس کا کچھ جواب بھی مرحمت فرماتے، اس طرح کوئی کب تک سمجھے گا کہ آپ نے ایک حوالہ پیش کیا جس سے یہ ظاہر فرمایا کہ حضرت محمد بن حنفیہ کی زبانی ان کی عینی شہادت سے یزید کو نیکوکار ثابت کیا۔ انساب الاشراف بلاذری کے حوالہ سے وہ مکالمہ نقل کیا جس میں حضرت محمد بن حنفیہ نے ان الزامات کی نہایت سختی اور صفائی کے ساتھ تردید فرمائی جو یزید کے ذمہ لگائے گئے ہوں

کی طرف سے عائد کئے جاتے تھے اور صرف بلاذری نہیں، بلکہ بقول عباسی صاحب ابن کثیر نے بھی بدایہ ص۲۳۳ ج۸ پر نقل کیا ہے جن کی نقل محض بھی بہتوں کی عقلوں کو معطل کر دیتی ہے، لہٰذا ضرورت تھی کہ عباسی صاحب کے ان حوالوں کی بھی تردید و تغلیط فرمائی جاتی ورنہ جس طرح عباسی صاحب پر یہ الزام ہے کہ انہوں نے سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے یہ تصنیف پیش کی اسی طرح جماعت دارالعلوم دیوبند بھی مظنۂ بدگمانی سے خالی نہیں۔ کہنے والے کہہ دیں گے کہ دیوبند کی شہرت اور مرکزیت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے[1]۔

(۱۵) صفحہ ۱۰۰ سے ۱۱۲ تک: "تیسرا منصوبہ" قائم فرما کر جو کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے اس میں صرف وہ حصہ پر لطف اور وجد آفرین ہے جہاں مولانا نے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے قلبی مقامات کی تشریح فرمائی ہے۔ مگر یہ زیادتی اس موقع پر بھی فرمائی کہ ایک صوفی صافی اور مصلح و شیخ (جو قلبی مقامات کی تشریح پر پوری قدرت رکھتا ہے) کی تعبیر کا موازنہ و مقابلہ عباسی صاحب کی سیدھی سادی تعبیر سے کرنا شروع کر دیا۔ ظاہر ہے کہ تعبیر شیخ زیادہ عمدہ ہوگی، یہی وجہ ہے کہ کتاب کا یہی حصہ ایسا ہے، جہاں مولانا اپنے خاص انداز بیان کے ساتھ جلوہ گر معلوم ہوتے ہیں ورنہ عباسی صاحب کے سر الزام بیجا عائد کرنے کی جو نیت آغاز کتاب میں باندھی گئی وہ یہاں بھی بدستور قائم ہے۔ ملاحظہ ہو ص۱۱۱ پر فرماتے ہیں کہ:-

"بہر حال حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے نفی صحابیت ان پر الزام بغاوت اور خرابی جبلت کے جو تین منصوبے عباسی صاحب نے تیار کئے تھے بلاشبہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مقدس ذات ان تینوں الزاموں سے بری اور بالاتر ثابت ہو گئی"!

چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں:-

اگر ان فضائل کے ثبوت سے یزید کا فسق نہیں اٹھ سکتا تو نہ اٹھے وہ بہر صورت صاحب

[1] حضرت حسینؓ کے بھائی محمد بن الحنفیہ کا نقطۂ نظر اس مفصل مکالمے سے بھی واضح ہو چکا ہے جو ماہ جون میں ایک استفتاء اور اس کا جواب: کے ذیل میں نقل ہوا تو یزید کے خلاف خروج کو صریح طور پر "خدا کی نافرمانی" کہتے ہیں۔ یہ مکالمہ بلاذری نے بھی دیا ہے اور ابن کثیر نے بھی۔ اب مہتمم صاحب ابن کثیر ہی کی ایک روایت سے اس کے برعکس ثابت کرنا چاہتے ہیں تو ان پر لازم تھا کہ مذکورہ مکالمے کو بھی جھوٹا قرار دیتے یا پھر وجہ تطبیق بیان فرماتے یہ کیا کہ اس کی تردید بھی نہیں اور اس کے متضاد مفہوم کا دعویٰ بھی حاضر۔ ہم کہتے ہیں انہوں نے ابن کثیر کی جو عبارت نقل فرمائی ہے وہ اس دعوے کا ثبوت ہرگز نہیں ہے جو وہ فرما رہے ہیں۔ اس میں ابن الحنفیہ کی زبان سے ایجابی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فضائل رہیں گے"

پچھلے صفحات میں مولانا کے فرمودات پر جو معروضات پیش کی گئی ہیں ان سے یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہو گئی کہ مولانا نے عباسی صاحب کی سستی شہرت چھیننے کے لئے ان کے ذمہ منصوبہ بندیوں کے جو الزامات لگائے تھے وہ سراسر بے بنیاد ہیں ان کی حقیقت بھی "فرضی منصوبہ بندی" سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اب رہا مولانا کا یہ ارشاد کہ حضرت حسینؓ کے لئے فضائل کے ثبوت سے یزید کا فسق نہیں اٹھ سکتا۔ تو کیا مولانا اس کا ذمہ لینے کو تیار ہیں کہ حضرت حسینؓ کے صاحب فضائل ہونے سے وہ فسق یزید پر زبردستی خود بخود عائد بھی ہو جاتا ہے۔ اگر مولانا کا خیال یہی ہے تو یہ طرز استدلال اپنی نوعیت کے لحاظ سے نہایت انوکھا اور اچھوتا ہے ع

زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے

(مباحث ثلاثہ پر بحث ختم ہوئی اور اب یزید اور اس کا کردار زیر بحث آئے گا۔)

تجلّی | فاضل دوست رومی صاحب نے اگرچہ نقد کا حق خوب خوب ادا کیا ہے لیکن بعض گوشوں میں ایسا ایجاز و ابہام باقی رہ گیا ہے کہ معمولی علم و عقل والے شائد اس پر عبور نہ پا سکیں۔

(صفحہ گزشتہ کا حاشیہ)

طور پر کوئی بھی اعتراف فسق یزید یا اس کے خلاف خروج کے جواز و استحسان کا ہرگز نہیں ہے بلکہ ابن الحنفیہ اس مجبور بھائی کی پوزیشن میں نظر آتے ہیں جو یہ دیکھ رہا ہو کہ اس کا بھائی ایک خطرناک اقدام پر بضد ہے اور خیر خواہوں کے سمجھانے بجھانے کے باوجود عزم خروج کو ترک نہیں کر رہا ہے تو ایسی حالت میں محبت کرنے والا بھائی اس سے زیادہ کیا کر سکتا ہے کہ احتیاط اور فہم و تدبر کا مشورہ دے۔ اس برادرانہ جذبے کو یہ معنی دینا کہ ابن الحنفیہ کے نزدیک خروج درست و بجا تھا زبردستی ہے۔ پھر جب مقابلہ پر ایک ایسی روایت موجود ہو جس میں ابن الحنفیہ صریح ایجابی اور قطعی طور پر اس خروج کو "خدا کی نافرمانی" کہہ رہے ہوں تو کیا وقعت رہ جاتی ہے اس نکتہ سنجی کی جو مہتمم صاحب نے فرمائی ہے، کھلی بات ہے کہ جو صریح اعتراف خود ابن الحنفیہ نے اپنی زبان سے کیا ہے وہ زیادہ معتبر ہوگا، اس اجتہادی مفہوم سے جو مہتمم صاحب ابن کثیر کی عبارت سے اخذ کر رہے ہیں۔

عباسی صاحب نے متضاد روایات میں سے ایک کو لے کر دوسری کی تردید کی تھی اور دلائل کے ساتھ اس کا من گھڑت ہونا ثابت فرمایا تھا، یہی ایک محقق کا کام ہے قطع نظر اس کے کہ یہ قابل قبول ہے یا لائق رد لیکن ہمارے مہتمم صاحب کمال کر گئے ہیں کہ ابن کثیر کی ایک روایت سے کچھ مطالب اخذ فرماتے ہیں لیکن ابن کثیر ہی کی اس دوسری روایت کا غلط ہونا ثابت نہیں فرماتے جو صراحت و قطعیت کے ساتھ ان کے مطالب کی نفی کرتی ہے۔ حالانکہ اجتماع ضدین تیرہ سو برس پہلے بھی ایسا ہی محال تھا جیسا آج ہے۔ (تجلی)

لہذا کچھ توضیحات ہم ان کے دئے ہوئے بعض نمبروں کے ذیل میں پیش کرتے ہیں:۔

(۹) مہتمم صاحب عام حالات میں یقیناً ذہین و متین ہیں لیکن جب جذبات کا سورج چڑھتا ہے تو علم و فراست کی چاندنی پھیکی پڑجاتی ہے۔ ذرا اندازہ تو کیجئے وہ کیا فرما گئے ہیں۔

"جس چیز کو وہ (حضرت حسینؓ) حق سمجھ چکے تھے اس پر جان دیدینی گوارا کی مگر باطل کے آگے سر جھکانا گوارا نہیں کیا"

اسے چھوڑتے کہ "امارت یزید" کو "باطل" قرار دینا ان رفیع المرتبہ صحابیوں کے حق میں کتنی بڑی گالی ہے، جنہوں نے نہ صرف یزید کی بیعت کی بلکہ حضرت حسین کو تا بحدِ امکان خروج سے روکا۔ مہتمم صاحب کہہ سکتے ہیں کہ میرا مطلب اپنی رائے کا اظہار نہ تھا بلکہ حضرت حسینؓ کا خیال ظاہر کرنا تھا کہ وہ امارت یزید کو باطل خیال کرتے تھے۔

لیکن یہ راہِ فرار بھی مسدود ہے کیونکہ مہتمم صاحب چاہے کچھ بھی فرمائیں لیکن ساری دنیا تو دیکھ رہی ہے کہ حضرت حسین نے کوفیوں کی غداری کا حال جاننے کے بعد صاف طور پر "باطل" کے سامنے سر جھکا دیا تھا۔ طبری۔ ابن اثیر۔ بلاذری۔ البدایۃ والنہایہ اور تاریخ الخلفاء سے لے کر مولانا آزاد کی شہید اعظم تک کوئی سی کتاب اٹھا لیجئے یہی ملے گا کہ حضرت حسینؓ نے محصور ہو جانے پر طلب خلافت کا خیال ترک فرما دیا تھا اور تین باتوں میں سے کسی ایک کا اذن چاہا تھا۔ یہ کہ یا تو مجھے اپنے شہر لوٹ جانے دو یا مسلمانوں کی کسی سرحدی چوکی پر بھیج دو یا یزید کے پاس جانے دو کہ اس کی بیعت کر لوں۔

(ملاحظہ ہو (۱) طبری جلد ۶ ص۲۳۵ (۲) تاریخ ابن اثیر جلد ۴ ص۲۴ (۳) البدایۃ والنہایۃ ج۸ ص۱۷۰ (۴) الاصابہ فی تمیز الصحابہ لابن حجر جز ۲ ص۱۷ (۵) تاریخ الخلفاء للسیوطی ص۱۴۰ (۶) راس الحسینؓ لابن تیمیہ ص۲۰۔

یہ ترک طلب اور بیعت پر تیار ہو جانا ہی وہ چیز ہے جو بڑے بڑے علماء و عقلاء کے نزدیک حضرت حسینؓ کو ان حدیثوں کی زد سے بچالے گئی جنہیں امارت قائمہ سے خروج کرنے والے کو واجب القتل قرار دیا گیا ہے ذرا دیکھئے ابن تیمیہ جیسا عبقری محقق کیا کہتا ہے۔

رسول اللہ کا فرمودہ صحیح مسلم میں روایت ہوا ہے کہ: "تمہارا نظم مملکت کسی ایک شخص کی سربراہی میں قائم ہو جائے تو اس وقت جو بھی جماعت میں تفریق ڈالنے کی کوشش کرے اس کی گردن تلوار سے اڑا دو چاہے وہ کوئی بھی ہو" لیکن حسینؓ اس روایت کی زد میں اس لئے نہیں آتے کہ انہیں تو اس وقت قتل کیا گیا ہے جب انہوں نے اپنے

موقف سے دستبرداری دے کر یہ چاہا تھا کہ یا تو مجھے اپنے شہر لوٹ جانے دو یا کسی سرحدی چوکی پر چلے جانے دو یا یزید کے پاس بھیج دو تاکہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دوں۔ اس کا مطلب صاف یہ ہوا کہ وہ خروج اور طلب خلافت کا خیال چھوڑ کر داخل فی الجماعت ہو گئے تھے اور تفریق سے رجوع فرما لیا تھا، لہذا حریف پر لازم تھا کہ ان میں سے کوئی بات ماننا اور ان کو قتل نہ کرنا، یہ باتیں تو ایسی تھیں کہ اگر ایک معمولی آدمی بھی ان کا مطالبہ کرتا تو منظور کر لینا چاہئے تھا تو حسینؓ جیسے معظم انسان کا مطالبہ کیوں نہ منظور کیا گیا اور حضرت حسین سے کمتر آدمی بھی ایسے مطالبہ کے بعد اس کا مستحق نہ تھا اس کی راہ روکی جاتی چہ جائے کہ اسے قید یا قتل کیا جائے۔ تب ماننا پڑے گا کہ حضرت حسین مظلوم قتل کئے گئے اور وہ یقیناً شہید ہوئے"

(منہاج السنۃ جلد دوم ص۲۵۶)

یہی بات امام ابن تیمیہ نے آس پاس کے صفحات میں متعدد بار کہی ہے۔ ہم نے ارادہ کیا ہے کہ اس بحث سے متعلق "منہاج السنۃ" کے چند صفحات مع متن و ترجمہ تجلی میں پیش کر دیں۔

دور حاضر کے مشہور ذی فہم عالم مولانا ابو الکلام آزاد تک بھی حضرت حسین کو ان احادیث کی زد سے نکال لیجانے کے لئے جن میں مسلمان حاکم وقت کے خلاف خروج کو منع کیا گیا ہے اس کے سوا کوئی راہ نہ پا سکے کہ وہی استدلال کریں جو ابن تیمیہ نے کیا ہے چنانچہ "مسئلہ خلافت" اٹھا کر دیکھ لیجئے، حضرت حسینؓ کے ترک طلب اور دخول فی الجماعت پر رضا مندی اور بیعت یزید کے لئے اظہارِ رضا ہی وہ چیز تھی جس کی بنیاد پر وہ حضرت حسین کو شہید مظلوم قرار دیتے ہیں اور بجا دیتے ہیں۔

اب مہتمم صاحب کا موقف دیکھئے کہ ایک مسلّمہ شدہ تاریخی حقیقت کو جھٹلاتے ہوئے وہ بنیاد ہی ڈھائے دے رہے ہیں، جس پر حضرت حسین کی شہادتِ مظلومہ کا مدار تھا جس کے سہارے یہ دعویٰ کیا جا سکتا تھا کہ حضرت ممدوح حالت خروج میں قتل نہیں ہوئے بلکہ اس حالت میں ہوئے ہیں جب خروج سے دستبرداری دیکر خلیفۂ وقت کی بیعت پر آمادہ ہو چکے ہیں اور سمجھ یہ رہے ہیں کہ ہم نے منقبت حسین کا حق ادا کر دیا "سر جھکانا گوارا نہیں کیا" سے مراد اگر انہوں نے یہ لے لی ہے کہ "امام" نے حریف کے سامنے "رکوع" کرنا گوارا نہیں کیا تو خیر لیکن اگر "سر جھکانے" کا وہی مفہوم ہے جو اصطلاحاً معلوم ہے تو بتایا جائے کہ مہتمم صاحب کا دعوےٰ سوائے حسن بیان کے اور کیا معنی رکھتا ہے؟

وہ شاید کہیں کہ "امام" اگر ابن زیاد کے آگے سر جھکا گئے ہوتے تو شہادت ہی کیوں پیش آتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو برتری اور عظمت کا وہ احساس جو استحقاق خلافت کے سلسلہ میں عموماً بنو ہاشم اور خصوصاً حضرت علی و حسین رضی اللہ عنہما کے اندر پایا جاتا تھا اس کے ملنے آیا کہ حسین جیسا اونچے مرتبہ والا بجائے خلیفہ وقت کے اس کے ایک افسر کے آگے دست بستہ ہو جائے۔ کیا شک ہے کہ حضرت حسینؓ ابن زیاد اور دیگر فوجی افسروں کے مقابلہ میں بمدارج رفیع المرتبہ تھے، ان کی خودداری و غیرت ان کمتروں کے آگے سرافگندہ ہونے میں رکاوٹ بنی چاہیے تھی۔

دوسرے آپ کو یقین تھا کہ اگر اپنا فیصلہ ابن زیاد کے ہاتھ میں دیدیا تو یہ شخص بغیر جان لئے نہ ملنے گا جیسا کہ ابن اثیر کی تاریخ الکامل جلد ۴ کے صہ۲۸ پر خود حضرت حسین ہی کی زبان سے اس خیال کا اظہار دیکھا جا سکتا ہے۔ ابن زیاد کے برخلاف یزید سے آپ کو توقع تھی کہ وہ بیعت لینے کو کافی سمجھے گا اور خروج کی سزا میں جان نہیں لے گا۔ یہ توقع بجا تھی کیونکہ ان کے معاملہ میں یزید نے شروع ہی سے نرمی برتی تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ سفر کوفہ سے قبل یزید نے حضرت کو سختی اور جبر سے اپنی بیعت پر مجبور کرنے کی بجائے فہمائش و ترغیب کا وہ نرم رویّہ اختیار کیا تھا جو ایک حلیم و نرم خو خلیفہ ہی سے متوقع ہو سکتا ہے سخت گیری اور تشدد سے مطلق پرہیز کیا تھا لوگ کہتے ہیں اس نرمی کی وجہ حضرت معاویہؓ کی نصیحت تھی۔ ہم کہتے ہیں بے شک ایک وجہ یہ بھی تھی لیکن حقیقی سبب خود یزید کی فطرت و طینت میں پایا جاتا تھا۔ اس کی زندگی میں شجاعت و بسالت تو ملتی ہے ظلم و شقاوت کا نشان نظر نہیں آتا، نرمی اور مرتبہ شناسی تو نظر آتی ہے گستاخی و سنگدلی کا پتہ نہیں چلتا۔ یوم الحرہ کے سلسلہ میں افسانہ نگاروں نے بہت کچھ افسانے اس کے ظلم و طغیان کے تراشے ہیں لیکن غیر جانبدارانہ تحقیق کیجئے تو ذاتی و انفرادی حیثیت میں وہ کہیں بھی ظالم و جابر کے روپ میں نہیں دکھائی دے گا۔ اسی لئے حضرت حسین کو صحیح امید تھی کہ اس تک پہنچ جاؤں تو بدسلوکی سے بچ جاؤں گا۔ ابن زیاد کے ہاتھ میں خود کو قیدی بنا دینے کا مطلب اپنی موت کے محضر پر خود دستخط کر دینے تھے۔ کم سے کم حضرت حسین ایسا ہی سمجھتے تھے۔

(۱۰) اس نمبر کے ذیل میں رومی صاحب اس استدلال کو تو نظر انداز ہی کر گئے جو دنیا کے عجائبات میں سے ایک ہے، یعنی مہتمم صاحب نے متعدد صفحات میں پھیلا کر یہ عجیب و غریب منطق پیش کی ہے کہ چونکہ خلافت راشدہ کی عمر از روئے حدیث تیس سال تھی۔ یہ تیس سال گزر چکے تھے اس لئے اب جو بھی خلافت و حکومت آنی تھی وہ راشدہ نہیں ہو سکتی تھی لہٰذا یہ کیسے ممکن تھا کہ "امام حسین" جیسا رفیع المرتبہ صحابی خلافت و حکومت کی طلب کرتا انہیں ہرگز خلافت کی طلب نہیں تھی اور اہل اللہ

کو سوائے خلافت راشدہ کے کسی حکومت و خلافت کی طلب نہیں ہو سکتی۔ پس یہ کہنا کہ حضرت حسین خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے اور کربلائی اقدام طلب خلافت کے لئے تھا "دین اور اہل دین کے ساتھ تلعب ہے" کیونکہ وہ چیز ہی موجود نہیں جس کی طلب کا الزام لگایا جا رہا ہے۔

یا للعجب! ساری دنیا جانتی ہے کہ حضرت حسینؓ کا سفر کوفہ بیعت ہی لینے کی خاطر ہوا تھا اور بیعت لینے والے کو خلیفہ کہا جاتا ہے یہ تو کہا جا سکتا ہے اور کہنا چاہئے کہ حضرت حسین کا خلافت طلب کرنا حب جاہ اور دنیا پرستی کے تحت نہیں تھا بلکہ اس لئے تھا کہ نظام اسلامی کو وہ اپنی دانست میں یزید سے زیادہ بہتر شکل دے سکتے تھے یا اس لئے تھا کہ ان کے نزدیک یزید کا ولیعہدی کے ذریعہ خلیفہ بن جانا ظلم تھا اور اس ظلم کو وہ دفع کرنا چاہتے تھے، یا کوئی اور اچھی سے اچھی توجیہہ کر لیجئے لیکن یہ کہنا تو روز روشن میں سورج کے انکار کا ہم معنی ہے کہ حضرت نے خلافت کی طلب ہی نہیں کی۔ اس سے آپ کو کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی وغیرہ۔ مہتمم صاحب نے بطور دلیل شاہ عبدالعزیز کی یہ عبارت پیش کی ہے۔

> امام حسین رضی اللہ عنہ کا یزید کے خلاف کھڑا ہونا دعوائے خلافت راشدہ کی بنا پر نہ تھا جو تیس سال گزر جانے پر ختم ہو چکی تھی بلکہ رعایا کو ایک ظالم (یزید) کے ہاتھ سے چھڑانے کی بنا پر تھا اور ظالم کے مقابلہ میں مظلوم کی اعانت واجبات (دین) میں سے ہے" صہ۸۶

تو کس نے کہا ہے کہ حضرت حسین خلافت راشدہ کا دعویٰ لے کر کھڑے ہوئے تھے؟ بحث نفس خلافت سے ہے نہ کہ راشدہ سے اگر خلافت راشدہ تیس سال پر ختم ہو چکی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب قیامت تک کوئی بھی اللہ کا بندہ اللہ کے دین کو پوری طرح قائم کرنے کے لئے قیام خلافت کی سعی نہ کرے گا، اور اگر کرے گا تو اہل اللہ کے دائرے سے خارج ہو جائے گا۔ حضرت حسین کی طرف جس خلافت کی طلب کو واقعات کی اٹل شہادت پر منسوب کیا جاتا ہے اس کے "راشدہ" ہونے پر کسی کو بھی اصرار نہیں۔ جو چیز ختم ہوئی وہ خلافت راشدہ تھی نہ کہ نفس خلافت و حکومت۔ پس یہ کہنا کہ حضرت حسینؓ پر اس چیز کی طلب کا الزام لگایا جا رہا ہے جو سرے سے موجود ہی نہیں تھی سطحیت کی انتہا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یزید اگر ظالم تھا تو اس کے ہاتھ سے مظلوم رعایا کو چھڑانا بغیر اس کے ممکن ہی کب تھا کہ یزید کو ہٹا کر حضرت حسین خود تخت حکومت پر بیٹھیں اور رعایا سے ظلم کو دفع کر کے انصاف دیں۔ مہتمم صاحب بالکل غلط کہتے ہیں کہ عباسی صاحب نے حضرت حسین پر مطلب اقتدار اور غیر معقول حب جاہ کا الزام لگایا ہے یا عنوان چسپاں کیا ہے ان کی کتاب میں انگلی رکھ کر بتایا جائے کہ یہ الزام کہاں ہے۔ رہا اس منطق کے ذریعہ دوسروں کو مجرم بنانا

کہ مجرد طلب خلافت ہی "نا معقول حب جاہ" ہے تو پھر عبداللہ ابن زبیرؓ کے بارے میں بھی کہہ دینا چاہئے کہ طالب خلافت نہیں تھے، افسوس منقبت حسین میں مہتمم صاحب دیگر اصحاب کے ناموس کی پرواہ نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ "اہل اللہ کے لئے مطلق حکمرانی میں کوئی ذاتی دلچسپی نہیں ہوسکتی" تو عبداللہ ابن زبیرؓ تو لازماً اہل اللہ کے دائرے سے خارج ہو گئے کہ حکمرانی سے ان کی ذاتی دلچسپی کسے معلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ مہتمم صاحب کو معاف فرمائے انہوں نے فرط جوش میں بڑے بڑے ائمہ و علماء کو شرعی گالی دی ہے جس کا ثبوت حسب ذیل ہے :-

صفحہ ۱۴۴ پر لکھتے ہیں :-

اس سلسلہ میں ایک مفصل روایت تو ابی مخنف کی ہے جس کی روایتوں کو سبائی روایت کہہ کر عموماً ناصبی لوگ رد کر دیتے ہیں"

ناظرین کو معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمانوں میں جو بہت سے باطل فرقے پائے گئے ہیں انہی میں سے ایک فرقہ ناصبیہ ہے۔ آپ کسی اچھے خاصے مسلمان کو خارجی یا معتزلی یا ناصبی کہدیں تو یہ "شرعی گالی" کہلائے گی۔ اب سنئے کہ یہ ابی مخنف کون صاحب ہیں اور ان کی روایات رد کر کے کون کون حضرات مہتمم صاحب کے عطا فرمودہ خطاب "ناصبی" کا ہدف بنے ہیں۔

لوط بن یحیٰ ابو مخنف دوسری صدی ہجری میں ایک شیعہ صاحب گزرے ہیں، جنہیں داستان سرائی اور قصہ گوئی میں کمال حاصل تھا، یہ سب سے پہلے آدمی ہیں جنہوں نے داستان کربلا کو ایک مربوط کہانی بلکہ ایک ناول کی حیثیت سے دنیا کو سنایا۔ ان کی مبالغہ آرائیوں اور داستان سرائیوں سے اگرچہ اکثر لوگ واقف تھے لیکن مشکل یہ تھی کہ ان کے علاوہ اور کوئی تاریخی روایات بیان کرنے والا اس وقت نہیں ملتا تھا لہٰذا جو کچھ بھی انہوں نے رطب ویابس پیش کیا مقبول ہوا اور بعد میں جب طبری اپنی تاریخ لکھنے بیٹھے تو ان صاحب کی روایات خوب خوب لیں۔ جن کا جی چاہے طبری جلد ثانی میں واقعات کربلا اور اس کے متعلقات کا تذکرہ دیکھ لے قدم قدم پر قال ابو مخنف کی تکرار نظر آئے گی۔ طبری ہی نہیں بلاذری کی انساب الاشراف اور ابن اثیر کی الکامل وغیرہ کا بڑا مبنیٰ بھی یہی صاحب اور ایک دوسرے نام نہاد صاحب ہشام بن محمد الکلبی ہیں۔ پھر ذہبی اور سیوطی اور دیگر مورخین نے اپنا ماخذ زیادہ تر انہی تاریخوں کو بنایا تو اس کے سوا کیا کہا جائے گا کہ بنیاد اس پورے محل کی ریت ہی پر ہے۔

اب دیکھئے کہ ائمہ رجال اور بڑے بڑے ناقدین، جن پر علم الحدیث کا مدار ہے، ابو مخنف کے بارے میں کیا فیصلہ فرماتے ہیں۔ پہلے تو خود شیعہ حضرات کی مستند کتاب تنقیح المقال دیکھ لی جائے۔

اس میں بتایا گیا ہے کہ وہ ابو مخنف امامیہ شیعہ تھے۔ پھر ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ کی آٹھویں جلد ملاحظہ فرما لیجئے، جس میں ابن کثیر نے ان کو شیعہ بھی لکھا ہے اور ائمہ کے نزدیک ضعیف الحدیث بھی بتایا ہے (ان کے الفاظ آگے ہم دیں گے)

اب حافظ ابن حجر کی لسان المیزان جلد ۴ اٹھائیے۔ اس میں یہ الفاظ ملیں گے :-

لا یوثق بہ	بالکل اعتبار کے لائق نہیں

پھر یہ ملے گا :-

ترکہ ابو حاتم وغیرہ	ابو حاتم وغیرہ نے (جو ائمہ جرح و تعدیل میں شمار ہوتے ہیں) اسے متروک قرار دیا ہے۔

پھر یہ ملے گا کہ :-

قال الدار قطنی ضعیف	دار قطنی نے کہا کہ وہ ضعیف ہے۔

پھر یہ ملے گا کہ :-

قال یحییٰ بن معین لیس بثقۃ	یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ وہ اعتماد کے لائق نہیں ہے۔

یہی یحییٰ بن معین اسے لیس بشئ کے انتہائی تحقیر آمیز الفاظ سے بھی یاد کرتے ہیں یعنی وہ تو کوئی چیز ہی نہیں

پھر یہ ملے گا کہ :-

قال مرۃ لیس بشئ	مرہ نے کہا کہ وہ تو کوئی چیز نہیں۔

پھر یہ ملے گا کہ :-

قال ابن عدی شیعیٌ محترق صاحب اخبارھم	ابن عدی فرماتے ہیں کہ وہ تو کٹر شیعہ ہے اور انہی کی خبریں روایت کرتا ہے۔

یہ ہے جغرافیہ اس ابو مخنف کا جن کی روایتوں کو رد کرنے پر مہتمم صاحب "ناصبیت" کی پھبتی چست کر گئے ہیں۔ یہی وہ شخص ہے جو حضرت حسین جیسے عزیمت و شجاعت والے عظیم انسان کو شیعوں کی سطح پر لانے کے لئے یہ روایت بنا کر گزرا ہے کہ جب تیر لگنے کے نتیجہ میں حضرت حسین بیہوش ہو گئے اور پھر ہوش آیا تو شدت ضعف سے اٹھا نہ گیا۔ اس وقت آپ دھاڑیں مار کر روئے اور فریاد و بین کے انداز میں یہ الفاظ فرمائے۔

واجداہ وامحمداہ وا آباہ واعلیاہ واخاہ واحسناہ واغوبتاہ واعطشاہ واغوثاہ واقلۃ ناصراہ۔

ہائے دادا، وائے محمدؐ، ہائے بابا وائے علی، ہائے بھائی، وائے حسن، ہائے غریب الوطنی، وائے پیاس کی شدت، ہائے مددوالے مدد گاروں کی کمی!

مقتل الحسین صد ۸۹

معاذ اللہ! جو شخص اس طرح کی یادہ گوئی کرے وہ منہ لگانے کے قابل ہو سکتا ہے۔ مزا یہ ہے کہ حر بن یزید سے بھی بوقت شہادت اس شخص نے اسی طرح کا زنانہ بین روایت کیا ہے۔ حالانکہ ان دونوں ہی حضرات کی عظمت دینی اور صفائے قلب سے اس کے سوا کوئی توقع نہیں کی جا سکتی کہ اپنے آخری وقت میں ان کی زبانوں پر کلمۂ توحید ہوگا اور دلوں میں باری تعالٰے کی یاد۔ یہ اللہ کے نیک بندوں کی طرح موت کو آغوش مادر محسوس کرتے ہوں گے اور جیسا کہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے ان کے اندر آخرت کا اشتیاق پیدا ہو چکا ہوگا۔ بقول ابو مخنف اگر حضرت حسین بھی ھل من مجیر یجیرنا (ہے کوئی جو ہمیں پناہ دے) کا نعرہ لگا سکتے تھے۔ تو پھر شجاعت و مردانگی کی ان تمام داستانوں کا کیا بنے گا جنھیں اسی جیسے لوگ گردن اکڑا کے بیان کرتے ہیں۔

مستزاد تماشہ یہ کہ یہی شخص یہ بھی روایت کرتا ہے کہ جب حضرت زینب کو ”امام حسینؓ“ کی باتیں سنکر یقین ہو گیا کہ آپ شہید ہونے والے ہیں تو بے قابو ہو کر چیخ اٹھیں اپنے منہ پر دو ہتھڑ مارے گریبان چاک کیا اور غش کر گئیں۔ اس پر حضرت حسینؓ نے پانی کے چھینٹوں سے ہوش دلایا اور نصیحت کی کہ اللہ سے ڈرو! توکل علی اللہ سے دل کو مطمئن کرو وغیرہ وغیرہ۔

(طبری جلد ۴ صد ۲۳۹ و مقتل حسین صد ۵۰)

جو حسینؓ دوسروں کو ضبط و تحمل کی تلقین کر رہے ہیں انہی کی زبان سے ابو مخنف شیعی الرز کا بین و ماتم نکلوا رہے ہیں اور مہتمم صاحب فرماتے ہیں کہ اس کی روایتیں رد کرنے والے ”ناصبی“ ہیں! تو یہ گالی حافظ ابن حجر، ابو حاتم، یحییٰ بن معین، مرہ دار قطنی اور ابن عدی وغیرہ سب کو پڑی۔ بلکہ صحاح ستہ کے جامعین پر تو بدرجہ اولیٰ پڑی کہ انہوں نے ایک بھی روایت اس شخص کی نہیں لی یہ بخاری و مسلم و ترمذی و ابو داؤد یہ ابن ماجہ و نسائی سب کے سب ناصبی تھے کہ انہوں نے کبھی میزان الاعتدال میں ابو مخنف کو ساقط الاعتبار ہی ٹھیرایا ہے۔ امام ابن تیمیہ بھی ناصبی تھے جنہوں نے صاف کہا:

ابو مخنف وھشام بن محمد بن سائب وامثالھما من المعروفین بالکذب عند اھل العلم۔

ابو مخنف اور ہشام بن محمد بن سائب اور ان جیسے لوگوں کا جھوٹا ہونا تو اہل علم کے یہاں معلوم و معروف بات ہے۔

منہاج السنۃ جلد اول صد ۱۳

تو بہ ہے یہ عقیدتِ حسینؓ کہ چاہے ساری امت کی آبرو لٹ جائے مگر حسینؓ کی مفروضہ عقیدتوں کا علم بلند ہی رہے! ”مفروضہ“ سے مراد یہ نہیں کہ ان کی تمام ہی عظمتیں قابل انکار ہیں۔ پاگل ہے وہ شخص جو عظمت حسینؓ کا منکر ہو۔ وہ بہت بڑے تھے اتنے بڑے کہ ان کے قدموں کی خاک ہم جیسوں کی پیشانی کو نور سعادت سے جگمگا سکتی ہے، لیکن جو خیالی عظمتیں روافض اور شیعہ حضرات بیان فرماتے ہیں وہ چاہے مہتمم صاحب کے قلم سے پروانۂ تصدیق حاصل کریں یا کسی اور بڑے سے بڑے اہل سنت کی زبان سے ہر حال نقد و جرح کے کانٹے پر تلیں گی اور کم وزن نکلیں گی تو رد کر دی جائیں گی۔ سو بار ناصبیت کا قبول مگر جھوٹی کہانیاں قبول نہیں ہیں۔

ابو مخنف کی آڑ میں محتاط اہل علم کو ناصبی بنانے کے بعد مہتمم صاحب نے ابن ابی الدنیا کی ایک روایت پیش فرمائی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ جب حسینؓ کا سر یزید کے سامنے لایا گیا تو اس نے دانتوں پر چھڑی ماری اس پر صحابی رسول اللہ ابو برزہ اسلمیؓ بولے کہ اپنی چھڑی ہٹا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو اس جگہ کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے اس روایت کے راوی عمار الدہنی شیعہ ہیں۔ گو ابن حجر اور علامہ مامقانی نے ان کو معتمد مانا ہے مگر ان کے تشیع پر بھی متفق ہیں۔ تقریب التہذیب صد ۲۵۱ و تنقیح المقال جلد ۲ صد ۳۱۶ تجربہ اور مشاہدہ گواہ ہے کہ سچے سے سچا آدمی بھی غلوئے عقیدت میں ذہنی جانبداری کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ جان بوجھ کر تو جھوٹ نہیں بولتا مگر اس کو کیا کیجئے کہ غیر معقول عقیدت کی عینک اس کے زاویہ نظر ہی کو فاسد کر دیتی ہے اور نہایت معصومی و دیانت کے ساتھ وہ غلط کو صحیح سمجھ بیٹھتا ہے۔[۱]

دوسری بات یہ ہے کہ یہ روایت بعض راویوں کے اعتبار سے مجہول بھی ہے اور منقطع بھی، تیسری بات یہ کہ امام ابن تیمیہ پوری تحقیق کے بعد فرماتے ہیں:۔

والذین نقلوا مصرع الحسین زادوا اشیاء من الکذب کما زادوا فی قتل عثمان و کما زادوا فیما یراد تعظیمہ من الحوادث و کما زادوا فی المغازی والفتوحات وغیر

اور جن لوگوں نے حسینؓ کا حزنیہ نقل کیا ہے انہوں نے بہت سی جھوٹی باتیں بڑھا دی ہیں جیسے کہ قتل عثمان کے بیان میں اور جیسے کہ ان حوادث کے بیان میں جن سے حسینؓ کی تعظیم مقصود ہے اور جیسے کہ مغازی اور فتوحات وغیرہ کے بیان میں جھوٹے

[۱] ابن خلدون نے تاریخ میں غلط روایتوں کے جگہ پا جانے کی جو وجوہ ”مقدمہ“ میں بیان کی ہیں ان میں اس وجہ کو پہلے

ذلك والمصنفون فی اخبار قتل الحسین منهم من هو من اهل العلم کالبغوی وابن ابی الدنیا وغیرهما ومع ذلك فیما یروونه آثار منقطعة وامور باطلة۔

(منہاج السنۃ جلد ۲)

اضافے کئے گئے ہیں اور قتل حسین کی خبریں بیان کرنے والے مصنفوں میں جو اہل علم ہیں مثلاً بغوی اور ابن ابی الدنیا انہوں نے بھی باوجود اپنے علم و فضل کے جو کچھ اس سلسلہ میں روایت کیا ہے اس میں منقطع روایات اور باطل امور ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے عام ناظرین دو باتیں سمجھ لیں ایک یہ کہ فیما یراد تعظیمه من الحوادث سے مراد اس قسم کی کہانیاں ہیں کہ قتل حسین کے روز آسمان سیاہ ہوگیا اور تارے نظر آنے لگے یا آسمان سرخ ہوگیا، گویا خون رویا، یا بیت المقدس کے ہر پتھر کے نیچے تازہ خون پایا گیا، وغیر ذلك من الهفوات، ہم مناسب موقع پر بتائیں گے کہ حافظ ابن حجر جیسا غواص فن بھی فرط عقیدت میں ان بے سروپا روایات کو زیب قرطاس کرنے سے نہیں رکا ہے۔

دوسری یہ کہ آثار منقطعہ ان روایات کو کہتے ہیں جن کے درمیان سے ایک یا ایک سے زیادہ راوی غائب ہوں ایسی روایات اہل علم میں کبھی اجتہاد و استدلال کے قابل نہیں ٹھیری ہیں۔

آگے ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ حدیث صحیح سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حسینؓ کا سر ابن زیاد کے آگے لایا گیا[1] (عراق میں) ابن زیاد نے دانتوں پر چھڑی ماری تو اس وقت انسؓ بن مالک اور ابو برزہ اسلمیؓ موجود تھے پھر کچھ آگے کہتے ہیں:۔

وقد روی باسناد مجهول ان هذا كان قدام یزید وان الراس حمل الیه وانه هو الذی نکت علی ثنایاه وهذا مع انه لم یثبت ففی الحدیث ما یدل علی انه کذب فان الذین حضروا نکته بالقضیب من الصحابة لم یکونوا بالشام وانما کانوا بالعراق (۰)

اور مجہول سندوں کے ساتھ روایت کیا گیا ہے کہ یہ سر والا یزید کے آگے تھا اور یہی وہ ہے جس نے دانتوں پر چھڑی ماری تو اول تو یہ بات قطعاً ثابت نہیں ہے دوسرے روایت ہی میں وہ بات موجود ہے جو اس کے جھوٹ ہونے پر دلالت کرتی ہے، یہ کہ جن صحابہ کی موجودگی کا دعویٰ برزہ کے اس فعل قبیح کے وقت کیا جا رہا ہے وہ تو اس وقت شام میں تھے ہی نہیں بلکہ عراق میں تھے۔

[1] حضرت حسینؓ کا سر کاٹنے کی روایت محض وضعی ہے، ابن تیمیہ نے بریدن سر کی روایت کو بلا تنقید قبول کرلیا ہے مزید تحقیق کے لئے ملاحظہ ہو خلافت معاویہ ویزید کا تیسرا ایڈیشن۔

اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ مہتمم صاحب کی نقل فرمودہ ابن ابی الدنیا کی روایت کی سند بعض رواۃ کے تعلق سے مجہول ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ ابو برزہ اسلمیؓ جن کی موجودگی کا ذکر اس روایت میں ہے ثابت شدہ روایات کی رو سے اس وقت عراق میں تھے نہ کہ بارگاہ یزید میں۔ اس دعوے کا مزید ثبوت مسند احمد کی اس روایت میں ملتا ہے جس میں ابن زیاد کی گستاخی کے وقت ابو برزہ اسلمیؓ کی موجودگی بیان کی گئی ہے۔ رہا یہ کہ ابن کثیر نے ابو مخنف اور ابن ابی الدنیا کی روایتیں بلا جرح قبول کرلی ہیں تو یہ بات مہتمم صاحب کے نزدیک اہم ہو لیکن ان لوگوں کی نگاہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی جن کے سامنے خود ابن کثیر ہی کا یہ فرمودہ موجود ہے۔

وفی بعض ما اوردناه نظر ولولا ان ابن جریر وغیره من الحفاظ والائمة ذکروه ما سقته واکثره من روایة ابی مخنف لوط بن یحیی وقد کان شیعیا وهو ضعیف الحدیث عند الائمة ولکنه اخباری حافظ عنده من هذه الاشیاء ما لیس عند غیره ولهذا یترامی علیه کثیر من المصنفین

البدایہ والنہایہ جلد ۸ صـ ۲۰۲

اور جتنا کچھ ہم نے سپرد قلم کیا ہے اس کا بعض حصہ محل نظر ہے، اگر ابن جریر اور دیگر ائمہ و حفاظ نے وہ روایتیں نہ لی ہوتیں تو ہم بھی نہ لیتے ان میں کی زیادہ تر ابو مخنف لوط بن یحییٰ سے مروی ہیں اور وہ شیعہ تھا اور ائمہ فن کے نزدیک ضعیف راوی ہے لیکن تاریخی احوال اسے بہت یاد تھے اس سے ایسی ایسی باتیں مروی ہیں کہ کسی اور کے یہاں نہیں ملتیں اسی لئے اکثر مصنفین اس کی طرف لپکتے ہیں۔

ثابت ہوا کہ ابن کثیر نے روایات لینے میں جرح و تعدیل سے کام نہیں لیا ہے بلکہ چونکہ کربلا کی داستان کا کوئی ثقہ راوی سینۂ گیتی پر موجود نہیں تھا، اس لئے ابو مخنف اور ہشام جیسے معلوم الکذب اور ضعیف و مجروح راویوں ہی کو غنیمت جانا گیا اور ان کی بعض روایتوں کو محل نظر سمجھتے ہوئے بھی اس لئے درج کتاب کر دیا گیا کہ ابن جریر وغیرہ نے انہیں اپنے یہاں درج کرلیا ہے۔ العظمۃ للہ کوئی بتائے کیا ابن جریر وغیرہ کی "فراخدلی" افسانہ طرازوں کو ثقہ اور داستان گویوں کو معتمد علیہ بنا سکتی ہے؟ بات اگر صرف تاریخ کی حد تک ہوتی اور مہتمم صاحب نے اسے اپنی ذاتی رائے کے طور پر پیش کیا ہوتا تو ہمیں کوئی سروکار نہ ہوتا لیکن سخت مشکل ہے کہ فسق یزید اور غیر ثابت فضائل حسینؓ کو انہوں نے عین عقیدہ ثابت کرنے کے لئے بہت سارے صفحات صرف کئے ہیں اور اصرار یہ ہے کہ یہ مسلک دار العلوم کی ترجمانی ہے۔

(۱۶) مہتم صاحب ص۱۱۳ پر عنوان قائم کرتے ہیں "یزید اور اس کا کردار" یہ بحث ص۱۱۳ سے ص۱۱۷ تک کل ۵، صفحات میں پھیلا ہوا ہے. حالانکہ بقول مولانا دیزید کا ذکر بذاتہ مقصود نہ تھا ص۱۷۹! یہ ذکر ضمنی و استطرادی تھا جسے عام قاعدے کے لحاظ سے مختصر بھی ہونا چاہئے تھا، مگر چونکہ مولانا کے منصوبوں کی تکمیل اور جذبات کی تسکین یزید پر لعن طعن کئے بغیر نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے مولانا کو یہاں کافی قلم کاری کرنی پڑی۔

(۱۷) ص۱۱۳ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"یزید کا ذاتی فسق و فجور بھی کم نہ تھا ___ لیکن جس فسق نے اسے مبغوض خلائق بنایا وہ اس کا اجتماعی رنگ کا فسق تھا ___ پھر اس میں قبیح ترین فسق ___ قتل حسین رضی اللہ عنہ ہے جو اس کی امارت کا شاہکار ہے"

اس کے بعد بدایہ ابن کثیر کے حوالہ سے یزید کا قاتل حسین رضی اللہ عنہ ہونا ثابت فرما کر فرماتے ہیں کہ:۔

"کوئی وجہ نہیں کہ "قاتل حسین" کو اس قتل پر خوشی نہ ہو۔ قسطلانی شارح بخاری نے علامہ سعد الدین تفتازانی سے نقل کیا ہے کہ:۔

اور حق بات یہ ہے کہ یزید کا قتل حسین رضی اللہ عنہ سے راضی ہونا اور اس سے خوش ہونا اور اہانت اہل بیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں میں سے ہیں جو معنوی طور پر تواتر کے ساتھ ثابت شدہ ہیں اگرچہ ان کی تفصیلات اخبار آحاد ہیں"

یہاں تک پہنچنے کے بعد کچھ ایسا گمان ہوتا ہے کہ مولانا کو تفتازانی کے بارے میں ملا علی قاری کا وہ جملہ یاد آ جاتا ہے " فیہ رائحۃ من الرفض " (تفتازانی میں تو رفض کی بو بری طرح محسوس ہوتی ہے) اس لئے مولانا بڑی ہوشیاری سے اس جگہ عہدہ برآ ہونے کی کوشش فرماتے ہیں۔

(۱۸) ص۱۱۴ پر کہتے ہیں کہ:۔

"قسطلانی کا بلا نکیر تفتازانی سے یہ عقیدہ اور واقعہ نقل کرنا اس عقیدہ اور واقعہ سے

خود ان کی موافقت کی کھلی دلیل ہے ___ اس لئے ایک محدث اور ایک متکلم کے اتفاق سے یزید کی رضا بقتل الحسین اور اس کا فسق ثابت ہوتا ہے ___ ان دونوں ائمہ حدیث و کلام کے نزدیک یہ بطور متواتر عقیدۂ خبر کے واجب التسلیم ثابت ہوتا ہے جو دو کا مسئلہ نہ رہا بلکہ اجماعی بات ہو گئی"

آپ نے ملاحظہ فرمایا کس چابک دستی سے مولانا نے انگشت لگانے کی کوشش فرمائی ہے اور کیسے غیر محسوس طور پر یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر حضرات ناظرین تفتازانی سے مطمئن نہ ہوں اور قسطلانی کی کلامی حیثیت میں کچھ کلام ہو تو اس کا لحاظ کریں کہ یہ دونوں حضرات اپنے اپنے فن کے امام ہیں اور ان دونوں نے اس مسئلہ میں اتفاق کر لیا ہے اور اگر اس "مراقبہ" کے باوجود آپ کے حلق سے یہ بات نہ اترے تو اس طرح اپنے دل کو سمجھا لیں کہ ان بزرگواروں نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ایسے "نرالے انداز" سے فرمایا ہے کہ یہ دو کا مسئلہ نہ رہا بلکہ اجماعی بات ہو گئی۔ مولانا کے اس "فرضی اجماع" کے استدلال کو دیکھ کر ان منطقی صاحبزادے کی حکایت یاد آ گئی جو منطق سے فارغ ہو کر جب اپنے مکان آئے تو ایک روز کھانے پر باپ بیٹوں کے لئے دو انڈے پیش کئے گئے صاحبزادہ صاحب "جوش منطق" سے خاموش نہ رہ سکے بولے میں اپنی منطق کے زور سے ان انڈوں کی تعداد بڑھا سکتا ہوں۔ مثلاً یوں سمجھئے کہ ایک انڈا وہ اور ایک انڈا یہ دو انڈے تو یہ ہوئے اور ایک ان دونوں کا مجموعہ کل تین انڈے ہوئے وھلم جراً۔ باپ نے بڑی صفائی سے ان کی منطق پر داد دی اور کہا اچھا بیٹا یہ انڈے جو پلیٹ میں موجود ہیں میں کھائے لیتا ہوں باقی رہے وہ انڈے جو ان کے ذریعہ تم نے اپنی منطق سے تیار کئے ہیں انہیں تم کھا لو"

بالکل اسی طرح مولانا کا یہ استدلال ہے جس میں دو کی بات کو منطق کے زور سے اجماعی بات فرما دیا گیا ہے، شاید مولانا کو بھی اپنے اس "منطقی اجماع" کی کمزوری کا احساس ہوا تو انہوں نے مزید دلائل کی جستجو میں ابن کثیر کے "ذخیرۂ احادیث" کی کچھ روایتیں ملاحظہ فرمائیں (جو ابن کثیر نے بھی شاید اپنی ذاتی تلاش کے بعد

سلہ تواتر اور اجماع جیسی مقدس اصطلاحوں پر یوں تو اور بھی بہت سے اسلاف و اخلاف نے مشق کرم کی ہے۔ لیکن ہمارے مہتم صاحب نے ان یتیم و یسیر اصطلاحوں کے سر پر جس انداز سے دست شفقت پھیرا ہے وہ تاریخ علم و فن میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ ہجری سن کی ابتدائی تین صدیوں کا کوئی آدمی "تواتر و اجماع" کا یہ حلیہ دیکھ پاتے تو امید نہیں کہ غش کئے بغیر رہ جاتے۔

(تجلی)

کتاب میں نقل فرمائی ہوں گی) اس سلسلے میں مولانا کو ابو مخنف کی ایک مفصل روایت بھی نظر آئی جسے بقول مولانا "سبائی روایت کہہ کر عموماً ناصبی لوگ رد کر دیتے ہیں" لیکن ازراہِ احتیاط مولانا نے وہ روایت نہیں لی کہ سبائی ہونے کے الزام سے تو محفوظ رہیں۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ اس بناء پر وہ بقول خود "ناصبی" ہو جائیں خیر مولانا نے وہ سبائی روایت تو نہیں لی۔ البتہ اس کا مضمون بدایہ کے حوالہ سے ضرور نقل فرمایا جس کی تمہید اس مرعوب کن انداز سے ارشاد ہوئی ہے

(۱۹) صفحہ ۱۱۴ پر فرماتے ہیں :۔

"یہ اسی مضمون کو قدرے اجمال کے ساتھ محدث ابن ابی الدنیا نے محدثانہ طریق سے روایت فرمایا ہے"

اس تمہید کو پڑھ کر خیال تھا کہ مولانا یہ متنِ حدیث براہ راست ابن ابی الدنیا سے نقل فرمائیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ ہر راوی پر پورا کلام بھی فرمائیں گے۔ شاید یہ بھی ارشاد ہوگا کہ یہ روایت بخاری و مسلم کے شرائط پر پوری اترتی ہے، مگر افسوس مولانا نے یہ سب کچھ نہ کیا۔ بلکہ بدایہ کے حوالے سے ایک ایسی روایت نقل فرما دی جیسی عام "شہادت ناموں" میں بھی آسانی سے دستیاب ہو سکتی ہے۔

"قسطلانی کی روایت اور تفتازانی کا قول جو اوپر نقل کیا گیا ہے، اس روایت سے کافی مضبوط ہو جاتا ہے کہ یزید قتل حسین سے راضی اور خوش تھا"

اس عبارت میں قسطلانی کی روایت اور تفتازانی کے قول کو دو چیزیں شمار کرنے سے مقصد ناظرین کو مغالطہ میں رکھ کر مرعوب کرنے کے سوا اور کیا ہے۔ جبکہ حقیقت صرف یہ ہے کہ قسطلانی نے جو کچھ روایت کیا ہے وہ تفتازانی کا قول ہی ہے۔ یعنی دونوں دراصل ایک ہی چیز ہیں، مگر مولانا نے منطق کے زور سے انہیں دو کر دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تفتازانی کی بات مولانا کے دل کو بھی نہیں لگتی اور وہ اس کو چاروں طرف سے مضبوط بنانے کی فکر میں ہیں۔ اسی چکر میں نادانستہ ان کے قلم سے ایسے دلائل ٹپک پڑتے ہیں۔

(۲۱) ص ۱۱۶ پر فرماتے ہیں کہ :۔

"ہم ان تاریخی قیاسات کو صحیح بخاری کے مقابلہ پر کوئی اہمیت نہیں دے سکتے۔[1] بخاری کی واضح

---

[1] یہ بھی مہتمم صاحب نے بس چلتی ہوئی سی بات کہی ورنہ اسی کتاب میں وہ بخاری کی دھجیاں بکھیر گئے ہیں بخاری کی روایت تو نام لے کر بتاتی ہے کہ حضرت حسینؓ کے دندانِ مبارک پر ابن زیاد نے چھڑی ماری مگر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

روایت ہے کہ ــــ ابن زیاد کے پاس حضرت حسینؓ کا سر لایا گیا" ــــ مختصراً

مولانا کا ارشاد سر آنکھوں پر بخاری کی روایت کے مقابلہ میں تاریخی قیاسات کو اہمیت نہ دینی چاہئے مگر کیا کیا جائے کہ بخاری کی روایت بیحد مختصر ہے، جس کی تفصیل و تکمیل نے مولانا کو پہلے تو علامہ عینی کے ذریعہ مسند بزاز تک پہنچایا پھر ابن حجر کے ذریعہ طبرانی کی معجم صغیر و کبیر تک مولانا کی رسائی ہوئی لیکن وہ تفصیل بھی جب باعث تسکین نہ ہوئی اور "مومنین" کے گریہ و بکا کی کوئی صورت نہ نکل سکی تو مولانا نے علامہ عینی سے مزید تفصیلات سانحہ و موجبات گریہ حاصل فرمائیں اور اس طرح ان سب روایات کو بخاری کی "صحیح اور واضح" روایت کے ساتھ تول کر وزن بڑھانے کی ایسی کوشش کی جس کے لئے "مغالطہ" کا لفظ بھی کچھ ہلکا ہوگا، ہاں اسے مولانا کی نظریاتی ریسرچ کہا جائے تو بات دوسری ہے۔

(۲۲) ص ۱۲۱ پر فرماتے ہیں کہ :۔

"اب جبکہ حضرت حسینؓ کے پاک اور مقبول عند اللہ سر کو جسم سے جدا کئے جانے کا ثبوت معنًا متواتر ثابت ہوتا ہے تو پھر یہ کیوں ممکن نہیں کہ یہ سر یزید کے دربار میں پہنچایا گیا ہو آخر اس واقعہ کی روایت سے کیا وجہ انکار ہو سکتی ہے"

سمجھ میں نہیں آتا کہ مولانا اس قدر پریشان کیوں ہیں کہ پہلے تو تفتازانی کے کلام سے قتل حسینؓ سے صرف یزید کی خوشی ظاہر و ثابت فرمائی پھر ابن ابی الدنیا کی محدثانہ روایت سے یزید کا قاتلِ حسین ہونا اور یزید ہی کے سامنے سر حسین کا پیش ہونا اور یزید ہی کا اپنی چھڑی سے دے چوکے دیکر خوشی ظاہر کرنا ثابت

(حاشیہ لسلسلہ صفحہ گزشتہ)

مہتمم صاحب کو چونکہ جہلائے امت سے خراج تحسین حاصل کرنے کے لئے اس قبیح فعل کو یزید کی طرف منسوب کرنے کی ضد ہے اس لئے بلا تکلف اپنے اجتہاد و قیاس اور بعض دیگر نا محکم روایات کی بنیاد پر یزید ہی کو چھڑی مارنے والا منوانا چاہتے ہیں۔ عظمت بخاری اگر واقعی ان کے قلب میں ہوتی تو کبھی یہ لغلی چال نہ چلتے۔ اس چال کا مطلب صاف ہے کہ ابن زیاد کا نام بخاری نے غلط لیا۔ چھڑی باز تو دراصل یزید تھا کیا اسی کا نام اہمیت بخاری ہے؟ امام بخاری بیچارے مغفرت یزید کی روایت بیان کرتے ہیں تو اسے بھی من مانی تاویلوں کی خراد پر چڑھا کر نسیاً منسیا کرنے کی سعی ناشکور کیجاتی ہے، اب بتاؤ کیا کہیں اور کس سے کہیں؟

(تجلی)

فرمانا چاہا؛ لیکن کچھ سوچ کر بخاری شریف کی اہمیت کا خیال آگیا اور بخاری کی ایک مختصر و مجمل روایت کا نام اور سہارا لیکر اس کے طفیل میں مسند بزار و طبرانی اور عینی و فتح الباری سب ہی کے تو اقتباسات پیش فرمادتے مگر لطف یہ کہ ان سب حوالوں سے نہ تو یزید کا قاتل حسین ہونا ثابت کرسکے اور نہ ہی قتل حسینؓ سے یزید کی رضا و خوشی پر استدلال کی کوئی سبیل نکال سکے تو آخر عباسی صاحب کی تقلید میں مولانا کو بھی قیاس کے "شجر ممنوعہ" کو ہاتھ لگانا پڑا اور بخاری کی واضح و صحیح روایت کے مقابلہ میں (جس میں ابن زیاد کے پاس سر لے جانا بیان کیا گیا ہے) تاریخی قیاس کو اہمیت دینی پڑی۔ اس موقع پر سوال یہ ہوتا ہے اگر ابن ابی الدنیا کی محدثانہ روایت اور بخاری شریف کی طفیلی روایت نقلی و روایتی معیار پر پوری اترتی تھیں تو مولانا کو اپنی یہ عقلی و درایتی دلیل پیش کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی اور اگر ان روایات ہی میں کوئی ضعف وسقم تھا جس کی بناء پر ان روایات کو بھی عقلی و درایتی دلیل سے موئید و موکد کرنے کی ضرورت تھی تو پھر مولانا نے یہ "محدثانہ" انداز کیا صرف مرعوب کرنے کے لئے اختیار فرمایا؟

(۲۳) ص۱۲۱ پر بدایہ ابن کثیر سے ناقل ہیں:۔

"جب ابن زیاد نے حسینؓ کو مع ان کے ساتھیوں کے قتل کردیا اور ان کے سر یزید کے پاس بھیجے تو وہ اس قتل سے خوش ہوا اور اس کی وجہ سے ابن زیاد کا رتبہ اس کے یہاں بلند ہوگیا مگر (اس خوشی پر) تھوڑی دیر بھی نہ گزری کہ نادم ہوا"۔

اگر مولانا یہ بھی ظاہر فرمادیتے کہ یزید نے ابن زیاد کا رتبہ کس طرح بلند کیا تو اس روایت کا درایتی پہلو بھی قابل قبول اور معقول ہوجاتا اور اس کی نقلی و روایتی حیثیت بھی غیر مشکوک ہوجاتی ورنہ اس عبارت سے تو صرف اسی قدر اندازہ ہوتا ہے کہ قتل حسین سے خوش ہوکر یزید نے پہلے تو "واہ واہ، شاباش و شادباش، مردان چنین کنند، جزاک اللہ، سبحان اللہ وغیرہ" قسم کے الفاظ کہے جسے ابن کثیر وغیرہ جیسے حضرات نے ابن زیاد کی ترقی و بلندی پر محمول کرلیا، لیکن جب عملی طور پر بعد میں کوئی رتبہ کی ترقی ان کو نظر نہ آئی تو ان بزرگوں نے اسے یزید کی ندامت سے تعبیر فرمادیا اور ظاہر ہے کہ یہ تشریح کس قدر مضحکہ خیز ہے۔ اس کے علاوہ ابن کثیر کی مندرجہ بالا عبارت میں ایک یہ بات بھی کھٹکتی ہے کہ اصل عربی عبارت میں "بعث برؤسہم" کہا گیا ہے جس کا ظاہری مطلب تو یہی ہے کہ ابن زیاد نے حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھی تمام مقتولین (شہداء) کے سروں کو یزید کے پاس بھیجا حالانکہ یہ بات غالباً ایسی ہے جو اب تک کسی کرایہ کے نوحہ خواں نے بھی نہ کہی ہوگی۔ مگر افسوس کہ نہ تو مولانا نے "برؤسہم" کے جمع ہونے کی کوئی توجیہہ فرمائی اور نہ یہی ظاہر فرمایا کہ یزید نے ابن زیاد کا رتبہ کس طرح بلند کیا۔

(۲۴) ص۱۲۳ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"پھر اگر قتل حسین پر یہ غم واقعی تھا ـــــ تو اس ظالم قاتل کو کوئی سزا دیتا، معزول کردیتا یا کم سے کم اس سے بازپرس ہی کرتا، لیکن بقول حافظ ابن کثیر کے:۔

وقد لعن ابن زیاد علیٰ فعلہ وشتمہ فی مایظھر ویبدو ولکن لم یعزلہ علیٰ ذالک ولا اعقبہ ولا ارسل احدًا یعیب علیہ ذالک واللہ اعلم۔

البدایہ والنہایہ ج۸ ص۲۰۳

یزید نے ابن زیاد پر لعنت تو کی اور اسے برا بھلا بھی کہا اس پر کہ آخر کیا ہوگا اور کیا بات کہلیگی (اور میرا کیا بنے گا) لیکن نہ تو اس ناپاک حرکت پر اسے معزول کیا نہ بعد میں اسے کچھ کیا اور نہ ہی کسی کو بھیج ہی دیا کہ وہی اس کی طرف سے جاکر اس کا یہ شرمناک عیب اسے جتلائے اور قائل کرے۔

(شہید کربلا اور یزید ص۱۲۳)

مولانا نے ابن کثیر کی یہ عبارت اپنے قیاسی مقصد کی تائید کے لئے نقل تو فرمادی مگر اس عبارت کا آخری فقرہ جو کام کا تھا اسے بالکل نظر انداز فرماگئے حتیٰ کہ ترجمہ میں بھی اس کی طرف توجہ نہیں فرمائی یعنی حافظ ابن کثیر کو بھی سبائی روایتوں کے پیش نظر جب یہی الجھن پیش آئی جو ہمارے مولانا کو پریشان کئے ہوئے ہے۔ تو انہوں نے اپنے دل کو مطمئن کرنے کے لئے آخر میں "واللہ اعلم" بھی کہہ دیا جس کا مطلب یہی ہے کہ یہ سب ایسی متضاد اور غیر معقول باتیں ہیں جو سمجھ میں نہیں آتیں۔ ان کا حقیقی علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہوسکتا ہے۔

(۲۵) ص۱۲۴ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"ان احوال کے ہوتے ہوئے جبکہ سادات مسلمین اور اجلہ صحابہ کے ساتھ یہ توہین و قتل اور ان کی ایذاؤں پر خوشنودیوں کے یہ معاملات ایک سربراہ کی سرکردگی میں اور خود اس سربراہ کے ہاتھوں نمایاں ہورہے ہیں تو اسے عمر ثانی کہیں گے یا فاسق و فاجر"؟

مولانا کے سوالیہ جملہ کا جواب یہ ہے کہ عباسی صاحب نے یزید کو عمر ثانی کہا ہی نہیں اس لئے مولانا کا یہ الزام بالکل بیجا ہے اب رہا اس کا فاسق ہونا سو یہ مولانا ثابت نہ فرماسکے اس لئے یہ دعویٰ بلا دلیل رہا اور دلیل کے سلسلہ میں جو کچھ مولانا نے فرمایا ہے اس کے متعلق آئندہ معروضات ان شاء اللہ بہت کافی حد تک تشفی بخش ثابت ہوں گی۔

(۲۶) صفحہ ۱۲۵ پر فرماتے ہیں کہ:-

"میں تو سمجھتا ہوں کہ خود عباسی صاحب کے اپنے اعتراف سے بھی یزید کا فسق واضح ہے خواہ وہ ان کی مرضی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو کیونکہ انہیں یزید کی نکتہ چینیوں کا اعتراف ہے جو امام حسینؓ پر اس کی طرف سے کی جاتی تھیں۔

عباسی صاحب فرماتے ہیں:-

"امیر یزید کو حضرت حسینؓ کے حادثہ کا صدمہ وقلق تھا، ابو مخنف وغیرہ شیعہ راویوں تک نے لکھا ہے کہ اس حادثہ کی خبر سنتے ہی رنج سے بیتاب ہو گئے اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے مگر ذاتی تعلقات کے علاوہ حکومت اور پبلک امور کا جہاں تک تعلق ان کے خروج کا تھا اس پر نکتہ چینی کی جاتی تھی۔"

(خلافت معاویہ ویزید صفحات ۱۸۰-۱۸۱)

عباسی صاحب کی مندرجہ بالا عبارت سے فسق یزید ثابت کرنے میں مولانا نے تو کمال ہی کر دیا، اس کی تشریح جو کچھ فرماتی ہے اسے دیکھ کر شبہ ہوتا ہے کہ مولانا کسی معمولی اردو عبارت کا مطلب نہیں تحریر فرما رہے ہیں، بلکہ شاید بخاری شریف کے کسی مشکل ترجمۃ الباب کی توجیہ و انطباق کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عباسی صاحب کی عبارت کا مطلب تو خبط ہوا ہی مگر خود مولانا کی مراد بھی واضح نہ ہو سکی، حالانکہ عباسی صاحب کی عبارت کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ رشتہ داری وغیرہ کی بنا پر یزید کے تعلقات ذاتی طور پر تھے مگر چونکہ حضرت حسینؓ کا "خروج" ایک ایسا اقدام تھا جو نظام حکومت اور پبلک امور پر اثر انداز ہوتا تھا جس کی وجہ سے یہ انفرادی چیز نہ رہ گئی تھی، بلکہ اجتماعی رنگ اختیار کر چکی تھی۔ اس لئے ان کے اقدام "خروج" کو تعلقات کی بنا پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا، بلکہ اس پر نکتہ چینی کی جاتی تھی۔

(۲۷) صفحہ ۱۲۶ پر فرماتے ہیں کہ:-

"تو حاصل یہ نکلا کہ عباسی صاحب کے دعویٰ و اعتراف کے مطابق یزید حضرت حسینؓ پر پبلک امور میں الزام بغاوت اور جرم بدعہدی و عہد شکنی عاید کیا کرتا تھا جو بلاشبہ الزام خیانت کے مرادف ہے اور وہ ذاتی و شخصی خیانت سے کہیں زیادہ شنیع و ناپاک تر خیانت ہے۔"

یزید کا فسق ثابت کرنے کے لئے مولانا کی یہ منطقیانہ دلیل بالکل اسی انداز کی ہے جیسی بریلوی حضرات (حفظ الایمان و تقویۃ الایمان سے اہانت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ثابت کرنے کے لئے) استعمال کرتے ہیں۔ یعنی عباسی صاحب نے تو حضرت حسینؓ کو بدعہد یا عہد شکن نہیں ٹھیرایا بلکہ ان کے خروج کو غلط فہمی پر مبنی قرار دے کر اجتہادی خطا سمجھا جو مولانا کے خیال میں بھی "امام" کی شان عالی کے منافی نہ تھی مگر مولانا زبردستی اس کا مطلب یہ قرار دے رہے ہیں کہ عباسی صاحب نے نعوذ باللہ حضرت حسینؓ کو بدعہد و عہد شکن ٹھیرایا۔ اگر یہ زبردستی جائز ہے تو جنگ جمل و صفین کے فریقین پر بھی اسی معقول دلیل کو جاری کیجئے اور کہئے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کو قتل عثمانؓ میں شریک مانا اور ان کو ایسی زبردست معصیت کا مرتکب گردانا (درحالیکہ وہ اس سے بری تھے) تو گویا ایک جلیل القدر صاحب روایت۔ اور اہل بیت صحابی پر ایسے ناپاک الزام لگانا حضرت معاویہؓ کی صفائی ہے، یا نعوذ باللہ منہ ان کے فسق پر مہر لگانا ہے۔

ہم کو مولانا سے امید تو یہی ہے کہ وہ اس دلیل کو تسلیم فرما کر اس پر خاموشی ہی اختیار فرمائیں گے اور ان کی رگ حمیت قطعاً جوش میں نہ آئے گی جیسا کہ اب تک مشاہدہ ہوتا رہا کہ حضرت امیر معاویہؓ کی شان میں کیسی کیسی گستاخیاں کی گئیں اور نہ صرف شیعوں نے، بلکہ بہت سے "رفض زدہ" سنیوں نے بھی ان کے خلاف دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ ندوۃ المصنفین، دار المصنفین جیسے سو فیصدی یا ۹۹ دیوبندی ادارے سے "سیرۃ الصحابہ" وغیرہ ناموں سے جو کتابیں شائع ہوئی ہیں مولانا نے شاید ان کا ملاحظہ ہی نہ فرمایا ہوگا ورنہ ان کو حضرت امیر معاویہؓ کی شان میں بھی گستاخیاں ان کتابوں میں مل جاتیں اور شاید ان کی غیرت دینی ان کو ان کتابوں کی تردید پر بھی اسی طرح آمادہ کر دیتی۔

(۲۸) صفحہ ۱۳۶ پر فرماتے ہیں کہ:-

"فسق تو فسق، بعض ائمہ کے یہاں تو یزید کی تکفیر تک کا مسئلہ بھی زیر بحث آ گیا — گو یہ جمہور کا مسلک نہیں لیکن اس سے کم از کم اس کے فسق کی تصدیق اور تاکید تو ضرور ہو جاتی ہے۔"

مولانا کی یہ دلیل جس قدر زوردار ہے اس کا اندازہ کرنے کے لئے اگر آپ یزید کا نام ہٹا کر "جماعت دار العلوم دیوبند" کو رکھ کر یوں فرمائیں کہ "فسق تو فسق علمائے حرمین کے یہاں تو "جماعت دار العلوم دیوبند" کی تکفیر تک کا مسئلہ بھی زیر بحث آ گیا ہے گو کہ یہ جمہور کا مسلک نہیں، لیکن اس سے کم از کم اس کے فسق کی تصدیق اور تاکید ضرور ہو جاتی ہے۔"

تو اس دلیل کی حقیقت آپ پر اچھی طرح روشن ہو جائے گی اور معلوم ہو جائے گا کہ "بناء الفاسد علی الفاسد" کسے کہتے ہیں۔ ہمارے مولانا نے اس بحث میں جس قدر عبارات نقل فرمائی ہیں وہ سب اسی "بناء الفاسد علی الفاسد" ہی کے قبیل سے ہیں، کیونکہ جس طرح علمائے حرمین کی طرف سے "علمائے دیوبند" کی تکفیر غلط بنیاد پر ہونے کی وجہ سے ان کے فسق کی بھی دلیل نہیں بن سکتی، اسی طرح ان اکابر و مشائخ کے فرمودات سارے کے سارے ابو مخنف، طبری جیسے[1] سبائی راویوں کی روایت پر مبنی ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں جن کی قلعی عباسی صاحب نے اچھی طرح کھول دی ہے۔ اگر مولانا کو عباسی صاحب کی تردید فرمانی تھی تو اس کا صحیح طریقہ یہ تھا کہ پہلے عباسی صاحب کے پیش کردہ دلائل کی غلطیاں واضح فرماتے ان کے حوالہ جات کی تغلیط فرماتے اس کے بعد اپنا عقیدہ یا نظریہ پیش فرما کر اس کے دلائل بیان فرماتے، مگر مولانا نے یہ سب کچھ نہ کیا، یعنی ساری کتاب میں اپنے "نظریات" کے لئے کچھ حوالہ جات تو فراہم فرمائے لیکن عباسی صاحب کے کلام پر مطلق کلام نہیں فرمایا جس کی کچھ مثالیں تو پچھلے صفحات میں بھی پیش کی جا چکی ہیں۔ چند مثالیں یہاں بھی ملاحظہ ہوں مثلاً:۔

(۱) یزید کا فسق ثابت کرنے کے لئے مولانا کو "شرح فقہ اکبر" اور "حیوٰۃ الحیوان" کی وہ عبارتیں تو مل سکیں جن میں یزید پر شراب نوشی، نرد بازی اور چیتوں کے شکار وغیرہ کا الزام لگایا گیا ہے۔ مگر عباسی صاحب نے شراب کے بارے میں لفظ شراب کی تحقیق فرما کر غلط فہمی کا جو ازالہ فرمایا تھا مولانا نے شاید اس کو ایسا لاجواب سمجھا کہ خود بھی لاجواب ہو گئے۔ اسی طرح عباسی صاحب کے اس حوالہ کا جواب بھی نہ بن پڑا (اس لئے نظر انداز فرما گئے) جو انہوں نے حجۃ الاسلام، امام غزالیؒ کے شاگرد قاضی ابی بکر بن عربی کی کتاب "العواصم من القواصم" صـ۲۳۲ سے نقل کیا تھا فرماتے ہیں[2]:۔

وھذا یدل علیٰ عظیم منزلتہ (ای یزید) عندہ حتیٰ یدخلہ فی جملۃ زھاد

اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان (امام احمدؒ) کے نزدیک ان (امیر یزید) کی اس درجہ عظیم منزلت (شان) تھی

---

[1] طبری کو سبائی کہنا تو جرأت رندانہ ہے ہاں اس میں شک نہیں کہ انہوں نے لغو ترین روایات جمع کرنے میں کسر نہیں چھوڑی ہے۔ (تجلی)

[2] العواصم من القواصم کو اول تا آخر ہم بھی دیکھ چکے ہیں۔ ۱۲ (تجلی)

من الصحابۃ والتابعین یقتدی بقولھم ویرعوی من وعظھم ونعم وما ادخلہ الا فی جملۃ الصحابۃ قبل ان یخرج الی ذکر التابعین فاین ھذا من ذکر المورخین لہ فی الخمر وانواع الفجور الا تستحیون؟ (العواصم من القواصم صـ۲۳۲)

کہ ان کو زہاد صحابہ و تابعین کے زمرہ میں شامل کیا جن کے اقوال کی پیروی کی جاتی ہے اور جن کے وعظ سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے اور وہاں انہوں نے تابعین کے ذکر سے قبل ہی صحابہ کے زمرہ کے ساتھ ہی ان کو شامل کیا پس کہاں ہیں ان کے ساتھ خمر اور طرح طرح کے فسق و فجور کے اتہامات جن کا ذکر مورخین کرتے ہیں کیا ان لوگوں کو اس پر شرم نہیں آتی؟

(خلافت معاویہ ویزید صـ۵۲)

.. ..

(۲) یزید پر لعنت بھیجنے کے بارے میں علامہ دمیری کے حوالے سے الہراسی کا کلام تو مولانا نے بڑے زور شور سے نقل فرما دیا جس میں یزید پر لعنت بھیجنے کی اجازت بھی دی گئی اور یزید کو شراب نوش و نرد باز وغیرہ بھی ظاہر کیا گیا، مگر مولانا نے نہ تو العواصم کی مندرجہ بالا حوالہ کا کوئی جواب دیا اور نہ امام غزالیؒ کے اس فتویٰ پر کوئی تنقید فرمائی (جو انہیں کیا الہراسی کے استفتار کے جواب میں امام غزالی نے صادر فرمایا تھا) حالانکہ ضرورت تھی کہ جہاں مولانا نے قتل حسین سے یزید کی رضا و مسرت ثابت کی تھی وہاں امام غزالیؒ کے ان جملوں کی زد سے محفوظ رہنے کی بھی فکر فرماتے۔

امام غزالی فرماتے ہیں:۔

ومن زعم ان یزید امر بقتل الحسین اور رضی بہ فینبغی ان یعلم بہ غایۃ الحماقۃ الخ (وفیات الاعیان لابن خلکان صـ۴۶۵)

جو شخص یہ گمان رکھتا ہو کہ یزید نے قتل حسین کا حکم دیا، اس پر رضامندی کا اظہار کیا تو جاننا چاہئے کہ وہ شخص پرلے درجہ کا احمق ہے۔

(خلافت معاویہ ویزید صـ۵۳)

(۳) یزید پر لعنت بھیجنے کی چھوٹ تو مولانا نے دیدی مگر امام غزالیؒ کے ان جملوں پر کچھ روشنی نہ ڈالی (جو عباسی صاحب نے حافظ ابن کثیر کی بدایہ کے حوالے سے نقل کئے تھے) فرماتے ہیں:۔

ومنع من شتمہ ولعنہ لانہ مسلم ولم یثبت رضی بقتل الحسین۔ واما الترحم علیہ فجائز بل مستحب بل نحن

اور امام غزالی نے امیر یزید پر سب و شتم کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ وہ مسلمان تھے اور یہ ثابت نہیں کہ وہ قتل حسین سے راضی تھے اور بہر حال ان پر رحم

فترحم علیه فی جملة المسلمین والمومنین موملاً فی الصلوات۔	پر رحمۃ اللہ علیہ کہنا سو یہ تو جائز بلکہ مستحب ہے بلکہ ہم تو ان پر رحمت کی دعا تمام مسلمین ومومنین کے شمول میں اپنی نمازوں میں مانگتے ہیں۔
(بدایہ ج ۱۲ صفحہ ۱۷۳)	(خلافت معاویہ ویزید صفحہ ۵۵)

ان مندرجہ بالا مثالوں کو دیکھکر اندازہ ہوتا ہے کہ شاید عباسی صاحب کی پیروی بغیر مولانا کے لئے بھی کوئی دوسرا چارۂ کار نہیں۔اسی بناء پر وہ بھی اپنی نظریاتی ریسرچ کو عظیم دعوت ِفکر اور تحقیقات کا گنج گرانمایہ قرار دینے میں کسی قسم کا تکلف نہیں محسوس فرمارہے ہیں بلکہ اس نظریاتی ریسرچ کی دھن میں وہ اس بری طرح مبتلا ہیں اور اپنی بات کی بیجا پچ کا جذبہ ان پر اس قدر مستولی ہے کہ ان کو اپنی دلیلوں کے صحیح وزن کا بھی اندازہ نہیں ہو پاتا اور وہ ایک دلیل پیش کرنے کے بعد خود ہی اس دلیل سے کچھ غیر مطمئن ہو جاتے ہیں تو دوسری دلیل پیش فرماتے ہیں اور جب اس کو بھی غیر شافی خیال فرماتے ہیں تو تیسری دلیل بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ اسی فسق یزید کی طول طویل بحث میں مولانا جن پریشان خیالی اور تضاد بیانی میں مبتلا ہیں اس کی نظیر شاید مشکل ہی سے مل سکے۔ مثال کے لئے ملاحظہ ہو مولانا کی یہ عبارت جو ذیل کے نمبر میں پیش ہیں۔

(۱۹) صفحہ ۱۲۷ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"اس سے واضح ہے کہ اختلاف اگر ہے تو یزید کی تکفیر میں ہے تفسیق میں نہیں"

پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں:۔

"تاہم یہ ضرور ہے کہ مستحق لعنت اشد قسم کا فاسق ہی ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ استحقاق لعنت کا مسئلہ درحقیقت یزید کے فسق کی ایک مستقل دلیل ہے"

اور آگے چل کر صفحہ ۱۲۸ پر فرماتے ہیں:۔

"اس عبارت سے یزید کا فسق متفق علیہ ہو جاتا ہے۔ البتہ نام لے کر لعنت کرنے میں علماء مختلف الرائے ہیں بعض جواز کے قائل ہیں اور بعض نہیں"

کچھ اور آگے چل کر دمیری کے حوالے سے الہراسی کا قول صفحہ ۱۲۹ پر نقل فرماتے ہیں کہ:۔

اب رہا سلف صالحین کا قول اس کی لعنت کے بارے میں تو اس میں امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل کے دو قسم کے قول ہیں ایک تصریح کے ساتھ ایک تلویح کے ساتھ اور ہمارے (الہراسی روئی شافعی کے) نزدیک ایک ہی قول ہے یعنی تصریح کے

ساتھ یعنی صراحۃً لعنت کا جواز"

ظاہر ہے کہ اس عبارت کا مطلب تو یہی ہوا کہ ایک قول کے مطابق ائمہ اربعہ کے نزدیک نام لے کر یزید پر لعنت بھیجنا جائز ہے تو پھر مولانا کے اس ارشاد کا مطلب کیا ہوا کہ "لعنت کرنے میں علماء مختلف الرائے ہیں بعض جواز کے قائل ہیں اور بعض نہیں" سمجھ میں نہیں آتا کہ مولانا یزید پر فسق بلکہ کفر تک کا فتویٰ صادر فرمانے میں تو کوئی باک نہیں محسوس فرماتے لیکن جواز لعنت کے فتوے سے کیوں گریز فرماتے ہیں (بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ مولانا کی نقل کے مطابق امام احمد یہ ارشاد فرماتے ہوں کہ یزید پر براہ راست اللہ تعالےٰ نے لعنت بھیجی ہے (شہید کربلا اور یزید صفحہ ۱۳۱) آخر جب لعنت یزید پر ائمہ اربعہ متفق ہیں تو مولانا بھی تو ان میں سے کسی ایک کے مقلد ہی ہوں گے، ان کو اس مسئلہ میں تقلید سے کیوں گریز ہے؟

(۳۰) صفحہ ۱۳۰ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"اس عبارت سے ائمہ مجتہدین کا مسلک واضح ہو جاتا ہے کہ یہ سب حضرات یزید کے فسق کے قائل تھے اس لئے لعنت کا مسئلہ زیر غور آیا حتیٰ کہ امام احمد بن حنبل نے تو قرآن پیش کر کے کہا کہ اللہ نے اپنی کتاب مبین ہی میں یزید پر لعنت بھیجی ہے"

اس کے بعد ابن جوزی کی روایت نقل فرمائی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:۔

"صالح بن امام احمد بن حنبل نے اپنے والد احمد بن حنبل سے کہا کہ بعض لوگ ہم پر الزام لگاتے ہیں کہ ہم یزید کے حمایتی ہیں تو امام احمد نے فرمایا کہ بیٹا کیا کوئی اللہ پر ایمان لانے والا ایسا ہوگا جو یزید سے دوستی کا دم بھرے؟ اور میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر اللہ نے لعنت کی ہے الخ"

(صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۲)

مولانا نے شاید طے کر لیا ہے کہ ان کو اپنے مطلب کے موافق جو روایت بھی مل جائے گی اس کو آنکھ بند کر کے اپنی کتاب میں لے لیں گے۔ چنانچہ مندرجہ بالا روایت مولانا نے کس آسانی سے بغیر جرح و قدح نقل فرمادی، حالانکہ اگر وہ ذرا بھی غور و تامل سے کام لیتے تو اس روایت کے تار و پود ان کو الگ الگ دکھائی دیتے اور ان کی سمجھ میں آسانی سے یہ بات آجاتی کہ یہ روایت مصنوعی اور وضعی ہے کیونکہ اس میں امام احمد کے صاحبزادے کا یہ کہنا کہ (بعض لوگ ہم پر یزید کے حمایتی ہونے کا الزام لگاتے ہیں) کوئی معنی رکھتا ہے اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ کتاب الزہد میں امام احمد نے یزید کو منجملہ زہاد صحابہ و

تابعین جو شمار کیا تھا وہ بالکل واقعی تھا۔ اسی قسم کی باتوں کی وجہ سے لوگ امام احمد کو یزید کا حمایتی سمجھتے رہے ہوں گے اس لئے انہوں نے امام احمد کی حمایت کو ختم کرنے کے لئے ان کے صاحبزادے کی زبانی ایک گھڑی ہوئی روایت ادا کردی۔

(۳۱) صـ۱۳۱ پر صواعق کی مذکورہ بالا عبارت نقل فرمانے کے بعد فرماتے ہیں کہ:۔

"اس عبارت سے اوّل تو یہ واضح ہوا کہ امام احمد کے نزدیک قتل حسینؓ میں یزید کا ہاتھ بلاشبہ کارفرما تھا کیونکہ امام احمد نے فساد عظیم فرما کر یزید کو اس پر مستحق لعنت فرمایا ہے جس کے معنی یزید کے قاتل ہونے کے صاف نکلتے ہیں"

سمجھ میں نہیں آتا کہ جب بقول مولانا، یزید کے قاتل حسین ہونے کے صریح روایات موجود تھیں اور یزید کے فاسق و مستحق لعنت ہونے پر اللہ تعالیٰ سے لے کر ائمہ اربعہ تک متفق تھے تو بار بار خود مولانا کو اجتہاد و استنباط کی حاجت کیوں پیش آئی اور ایسے صاف و صریح الفاظ سے یہ معنی نکالنے کی ضرورت کیوں ہوئی۔

(۳۲) صـ۱۳۲ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"گو عباسی صاحب نے یزید تک پہنچ کر امام کو چھوڑ دیا صرف اسی حد تک ان کا دامن سنبھالے رہے جس حد تک ان کے ایک غریب قول سے "امام" حسینؓ کے تابعی ثابت ہو جانے کی کچھ توقع تھی"

عباسی صاحب کی طرف سے اس کا ترکی بہ ترکی جواب یوں دیا جا سکتا ہے کہ مولانا نے بھی صالح بن احمد کی روایت کو حضرت حسینؓ کے تابعی ہونے کے سلسلے میں تو غریب فرما کر رد فرما دیا، اور انہیں صالح کی روایت جب ابن جوزی کی معرفت مولانا کو ملی تو یزید کو "خدائی ملعون" تک فرمانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اسی طرح ابن جوزی کی روایت کے مطابق امام احمد کے جو اقوال مفید مطلب ملے ان میں تو مولانا امام احمد کا دامن سنبھالے رہے اور خود امام احمد کی ذاتی تصنیف کتاب الزہد تک پہنچتے پہنچتے امام احمد کا دامن مولانا کے ہاتھ سے بے ساختہ چھوٹ گیا، جہاں حضرت امام احمد نے یزید کو منجملہ زہاد صحابہ و تابعین شمار کیا تھا جس کا حوالہ عباسی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحات ۵۲ و ۳۰۳ میں دیا ہے اور خود آپ نے بھی اس کی تردید نہ فرما کر اسے صحیح تسلیم فرما لیا ہے ؎

زیر گردوں بد نہ بولے گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

(۳۳) صـ۱۳۲ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"یہ سب شہادتیں ہم نے اس لئے نہیں پیش کیں کہ ہمیں یزید پر لعنت کرنے سے کوئی خاص دلچسپی ہے اور نہ ہی ان لعنت ثابت کرنے والے علماء و ائمہ کا منشا یزید کی لعنت کو بطور وظیفہ کے پیش کرنا ہے۔ ان کا منشاء زیادہ سے زیادہ لعنت کا جواز ثابت کرنا ہے لعنت کو واجب بتلانا نہیں۔ ادھر بعض دوسرے ائمہ علم یزید پر لعنت کرنے کو پسند نہیں فرماتے جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لوگوں پر لعنت کرنے میں خطرہ ہی خطرہ ہے اور لعنت سے بچ جانے اور زبان روک لینے میں حتیٰ کہ لعنت ابلیس سے بھی رک جانے میں کوئی خطرہ نہیں چہ جائیکہ اس کے کسی پر لعنت بھیجنے عـہ میں خطرہ ہو"

ہمارے مولانا بھی مفید مطلب عبارات جمع کرنے پر اس طرح تلے ہوتے ہیں کہ ابھی تک تو بڑے بڑے محدثین و مفسرین اور فقہاء و متکلمین کی عبارات[1] سے یزید کا فاسق و مستحق لعنت ہونا ثابت فرماتے رہے۔ لیکن جب لعنت سے خاموشی اختیار کرنے کا خیال آیا اور اس میں ان کو کسی متکلم و فقیہ یا محدث و مفسر کا دامن نہ ملا تو بدرجہ مجبوری ایک صوفی صافی یعنی امام غزالی کا دامن پکڑنا مناسب جانا اور ان کے کلام سے ان فقہاء و محدثین کا منشاء متعین فرمایا حالانکہ اگر ان فقہاء و علماء کا منشا یہی تھا تو یہ بھی ان ہی کے کلام سے ثابت فرمانا چاہئے تھا ورنہ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ یزید کو فاسق و مستحق ملامت قرار دینے کے لئے تو عبارتیں پیش ہوں، ائمہ مجتہدین اور فقہاء و محدثین کی اور لعنت سے خاموش رہنے کا منشاء متعین کرنے کے لئے صرف امام غزالیؒ بیچارے رہ جاتیں۔ اگر امام غزالی کا کلام بھی قابل استناد ہو سکتا تھا تو مولانا کی نظر سے ان کا وہ کلام بھی تو گزرا ہوگا جسے عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے اور اس کا کچھ حصہ مضمون زیر نظر کے گزشتہ صفحات میں بھی پیش کیا جا چکا ہے۔

(۳۴) صـ۱۳۳ پر فرماتے ہیں کہ:۔

عـہ غالباً ترجمہ میں مولانا سے تسامح ہوا یا کاتب کی غلطی سے "نہ" چھوٹ گیا ورنہ ترجمہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ "لعنت نہ بھیجنے میں خطرہ ہو"

۱۲ رومی۔

"ائمہ ہدایت کے یہاں کسی کے بارے میں لعنت کا جواز بلکہ لعنت کا سوال اٹھ جانا اس کے اچھے کردار کی دلیل نہیں ہو سکتا بلکہ بدکرداری اور فسق ہی کی دلیل ہو سکتا ہے اس لئے یہ لعنت کے اقوال ان ائمہ کی طرف سے بلاشبہ یزید کے فسق کی ایک مستقل دلیل اور وزنی شہادت ہیں"

پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں:۔

بہرحال یزید کا فسق و فجور اور بری شہرت شروع ہی سے اس درجہ پر تھی کہ اگر کسی واقعہ سے کوئی اس کی مدح کا پہلو تلاش کر کے نکال بھی لیتا تو مبصر علماء فوراً اس کی تردید کے لئے کمربستہ ہو جاتے"

اس کی مثال دیتے ہوئے چند سطروں کے بعد ص۱۳۵ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے یزید کو امیر المومنین کہہ دیا تو انہوں نے اسے بیس کوڑوں کی سزا دی"

ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب صفحہ ۳۶۱ ج ۱۱۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام غزالی کا صوفیانہ مشورہ تو مولانا نے نقل فرما دیا مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ اندیشہ بھی پیدا ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو لوگ واقعی امام غزالیؒ کے تصوف کا شکار ہو جائیں اور وہ سرے سے فسق یزید ہی کا انکار کر دیں اور اس طرح یزید کو فاسق و لعنتی ثابت کرنے کے سارے منصوبے خاک میں مل جائیں، تو فوراً مولانا نے استدراک فرمانا شروع کر دیا اور اس سلسلہ میں ان کو عمر بن عبد العزیزؒ کی مثال بھی مل گئی، لیکن اگر اس مثال کے ساتھ ساتھ مولانا عباسی صاحب کے ان اقتباسات کا جواب بھی مرحمت فرما دیتے تو شاید دیانت سے بعید نہ ہوتا۔ مگر خدا جانے کیوں مولانا عباسی صاحب کے حوالجات سے تعرض فرمانا اپنی شان علم کے خلاف سمجھتے ہیں، ورنہ عباسی صاحب نے تو اپنی کتاب میں ص۳۳ پر العواصم من القواصم کے حاشیہ سے نقل کیا تھا جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"آپ حضرات ہمارے ان موجودہ سلطان کو خلیفہ کہتے ہیں اور میں آپ کا شیعہ بھائی ہوتے ہوئے بھی باعلان کہتا ہوں کہ یزید بن معاویہ اپنی پاک سیرت کے اعتبار سے بہ نسبت ہمارے موجودہ خلیفہ کے خلافت کے زیادہ مستحق تھے اور شرع محمدی پر عمل پیرا ہونے میں ان سے زیادہ صادق تھے۔ پھر کہاں ان کے والد معاویہؓ کا درجہ اور منزلت؟"

اسی طرح عباسی صاحب نے علامہ ابن تیمیہ کی منہاج السنہ سے اپنی کتاب کے صفحات ۲۳۱ و ۲۳۲ پر

جو نقل کیا ہے اس کا ترجمہ و خلاصہ یہ ہے:۔

"پس ان میں سے ہر ایک اسی معنی و اعتبار سے امام تھا کہ اس کو اقتدار حاصل تھا۔ اور قوت عسکریہ اس کے پاس تھی ـــ وہی حدود شرعیہ قائم کرتا تھا اور کفار سے جہاد کرتا تھا ـــ اسی معنی و اعتبار سے وہ (امیر یزید) امام اور خلیفہ و سلطان تھے ـــ پس اہل سنت جو یزید، عبد الملک یا المنصور وغیرہ کی امامت کے معتقد ہیں وہ اسی اعتبار سے ہے اور جو کوئی اس میں نزاع کرے وہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی حکمرانی کے بارے میں نزاع کرے یا بادشاہوں سے کسریٰ و قیصر و نجاشی وغیرہ کے بارے میں کہے کہ وہ حکمران نہ تھے"

شاید مولانا بھی "نظریاتی ریسرچ" کا جواب "نظریاتی ریسرچ" ہی سے دینا چاہتے ہیں اس لئے ان کو بس اپنے مفید مطلب حوالے فراہم کرنے کی فکر ہے۔ عباسی صاحب کے دلائل کا جواب تلاش کرنے کا موقع کہاں ہے۔

(۳۵) ص۱۳۶ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"عباسی صاحب تو ابن کثیر کی ناتمام عبارت سے یزید کے حسن کردار کا ثبوت پیش کریں اور خود حافظ ابن کثیر حدیث رسول سے استشہاد کر کے اس کی دیانت، بدکرداری ثابت کریں، یہ نہ صرف عبارت ہی میں ایک گونہ خیانت کے ہم معنی ہے، بلکہ منشاء مورخ کے خلاف اس کی تاریخ کا ناجائز استعمال بھی ہے"

مولانا کی ساری کتاب میں یہ ایک مثال ہے جس میں مولانا نے عباسی صاحب کے ایک حوالہ پر ناتمام ہونے کا اعتراض فرمایا ہے مگر اس اعتراض کا وزن اس لئے کچھ زیادہ نہ رہ گیا کہ عباسی صاحب نے اپنی کتاب کی منقولہ عبارت کے لئے بدایہ ابن کثیر اور تاریخ اسلام ذہبی دو کتابوں کا حوالہ دیا تھا، لہذا تاوقتیکہ دونوں حوالوں کی تغلیط و تردید نہ ہو عبارت کے ناتمام ہونے کا اعتراض بھی ناتمام ہی رہیگا علاوہ ازیں عباسی صاحب جب حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت محمد بن الحنفیہ جیسے حضرات کی عینی شہادات اور بیانات سے یزید کی صلاح کاری اور نیک اطواری ثابت کر چکے تھے تو کوئی ضرورت نہ تھی کہ ابن کثیر کے وہ جملے بھی نقل کرتے جو سبائی ذہنیت کی پیداوار تھے اور جن کے ناقلین کے لئے قاضی ابی بکر بن عربی نے تو یہاں تک فرما دیا کہ ایسے لوگوں کو شرم کیوں نہیں آتی، اس لئے ماننا پڑیگا کہ عباسی صاحب کی پیش کی ہوئی حضرات صحابہؓ کی عینی شہادات ابن کثیر کی اس عبارت کے مقابلہ

میں زیادہ وزنی ہیں، بالخصوص جب کہ حضرت محمد بن حنفیہؒ کی شہادت (جو پچھلے صفحات میں نقل ہو چکی) اور صفائی کے سلسلہ ہی حافظ ابن کثیرؒ ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں:۔

وقد سئل محمد ابن الحنفیۃ فی ذالک فامتنع من ذالک اشد الامتناع ونا ظرھم فی یزید ورد علیھم ما اتھموہ من شرب الخمر وترکہ بعض الصلوٰۃ

البدایہ والنہایہ صـ۲۱۸ ج ۸

اور جب محمد بن حنفیہ سے اس (فسخ بیعت کے) بارے میں کہا گیا تو انہوں نے بہت سختی سے انکار کیا اور ان لوگوں سے بحث و مباحثہ کیا اور یزید کے بارے میں ان سے لڑے اور شراب نوشی اور ترک نماز کے جو اتہامات لوگ لگاتے تھے اس کی تردید کی۔

خلافت معاویہ ویزید صـ۸۸

(۳۶) صـ۱۳۸ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"ابن کثیر کی یہ روایت تو سبائی روایت نہیں یہ خود اس کا تاریخی دعویٰ اور تاریخی آنکھ کا مشاہدہ ہے۔ اگر یہ بھی سبائی روایت ہے تو اس کے جزو اول سے عباسی صاحب نے کیوں استدلال فرمایا ہے اور اگر سبائی روایت نہیں بلکہ ابن کثیر کی معتبر اور مستند روایت ہے تو ان کی عبارت کے جزو ثانی سے استدلال کیوں نظر انداز کر دیا؟"

مولانا کی یہ جرح کچھ اس قسم کی ہے جس سے خود ان کی شانِ علم و تحقیق مجروح بلکہ مذبوح ہو گئی اور اندازہ یہ ہوا کہ سبائی اور غیر سبائی روایتوں میں فرق کرنے کا شعور مولانا کو بالکل نہیں ہے اور وہ اسی قسم کی منطقی دلیلوں سے کسی روایت کے سبائی یا غیر سبائی ہونے کا فیصلہ فرماتے ہوں گے حالانکہ مولانا کو اس میدان میں آنے اور "مشاجرات صحابہ" کے نازک و پیچیدہ موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے سبائیوں کی دسیسہ کاریوں کا غائر مطالعہ فرما کر ان کی عیاریوں اور مکاریوں سے پوری واقفیت حاصل فرما لینی چاہئے تھی سبائیوں کا تو خاص فن یہی ہے کہ وہ بظاہر دوست بن کر حق دشمنی ادا کرتے ہیں اس لئے ایسے مواقع میں ان کا خاص کمال یہی ہوگا کہ وہ یزید کی طرف سے مسلمانوں کو ایسی روایتوں کے ذریعہ بدگمان کریں کہ یہ ظاہر ہی نہ ہو سکے کہ یہ روایت کسی سبائی اور دشمن یزید کی ہے یا کسی غیر جانب دار منصف مزاج کی؟ جیسا کہ ابن کثیر کی زیر بحث روایت کا انداز ہے جس میں نام کے لئے یزید کی کچھ ایسی خوبیاں بھی گنا دیں جو یزید کے دینی کردار پر قطعاً اثر انداز نہ ہوئیں پھر ان کے ساتھ ہی ساتھ اسے پرلے درجہ کا عیاش اور اوباش سب ہی کچھ تو کہہ دیا جسے "ماہرانِ فنِ سبائی" تو سمجھ گئے (اور انہوں نے

ایسی روایت سے کام کی بات لے لی اور "پُر فن" حصہ "کالائے بد" کے طور پر راوی ہی کو واپس کر دیا) مگر ہمارے مولانا جیسے سیدھے سادے حضرات ابھی اسی اشکال میں مبتلا ہیں کہ اگر یہ روایت سبائی ہے تو اس کے جزو اول میں یزید کی مدح کیوں ہے اور اگر سبائی نہیں ہے تو اس کے جزو ثانی میں یزید پر قدح و تبرا کیوں ہے؟

لہٰذا ایسی صورت میں جب کہ مولانا کی نظر (ان کی جلالتِ شانِ علم و منصب حکیم الاسلامی کے باوجود) سبائی و غیر سبائی روایتوں کے مابہ الامتیاز پر نہیں ہے، کس طرح یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس سلسلے میں مولانا نے جو مساعی فرمائی ہیں وہ مشکور ہو کر "حقیقت واقعیہ" سے ہمکنار بھی ہوتی ہوں گی۔

(۳۷) صفحہ ۱۳۹ و ۱۴۰ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"بہر حال یزید کے فسق و فجور پر جبکہ صحابہ کرام سب کے سب ہی متفق ہیں خواہ مبایعین ہوں یا مخالفین پھر ائمہ مجتہدین بھی متفق ہیں اور ان کے بعد علماءِ راسخین، محدثین، فقہاء۔ تو اس سے زیادہ یزید کے فسق کے متفق علیہ ہونے کی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے؟ اس سے یہ بھی واضح ہے کہ یہ تاریخی نظریہ نہیں۔ بلکہ ایک فقہی اور کلامی مسئلہ ہے، مذہبی پر لیسر یا کو ذرا اور آگے بڑھا دیا جائے تو واضح ہو گا کہ فسق یزید کا مسئلہ کوئی اجتہادی مسئلہ بھی نہیں بلکہ ایک منصوص مسئلہ ہے جس کی بنیادیں کتاب و سنت میں موجود ہیں"

مولانا کے یہ بلند بانگ دعوے حقیقت نفس الامری سے کس قدر دور ہیں، اس کا اندازہ تو ناظرین کو گزشتہ صفحات سے اچھی طرح ہو گیا ہو گا اس لئے دوبارہ یہاں کچھ عرض کرنا باعث تطویل ہی ہو گا۔ البتہ اس موقع پر مولانا سے صرف ایک فتویٰ دریافت کرنا ہے امید کہ جماعت دار العلوم کے تمام افراد خصوصاً مہتمم صاحب اور صدر مفتی صاحب پورے غور و خوض کے بعد فتویٰ صادر فرما کر عامۃ المسلمین کی رہنمائی اور "دینی ٹھیکہ داری" کا حق ادا فرمائیں گے۔ استفتاء یہ ہے:۔

کیا فرماتے ہیں علمائے جماعت دار العلوم دیو بند اس مسئلہ میں کہ جو حضرات "فسق یزید" کے قائل نہ ہوں اور (بقول آپ کے) "فسق یزید" کے متفقہ بلکہ منصوص عقیدہ کا انکار فرماتے ہوں ان کے بارے میں ہم لوگوں کو کیا عقیدہ رکھنا چاہئے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہم (جن کے حالات نقل کئے جا چکے ہیں) یا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (جنہوں نے اس "فاسق" سے مختار ثقفی کی رہائی کے لئے سفارش کی، خلافت معاویہ صـ۳۲۲) یا ان کے صاحبزادے حضرت عاصم (جنہوں نے اپنی دختر حضرت ام مسکین کو اس "فاسق" کے نکاح میں دیا۔ خلافت معاویہ صـ۵۸) یا

حضرت ابو زرعہ دمشقی (جنہوں نے یزید کو طبقۂ علیا میں شامل اور ان کی مروی احادیث کا بھی اقرار کیا (خلافت معاویہ ص۴۵) اسی طرح حضرت احمد بن حنبل (جنہوں نے یزید کو منجملہ زاہدین صحابہ و تابعین شمار کیا ہے — خلافت معاویہ ص۵۲) یا قاضی ابی بکر بن عربی (جن کی عبارتیں نقل ہو چکیں) یا شیخ عبد المغیث بن زہیر الحربی (جنہوں نے یزید کی فضیلت میں مستقل ایک کتاب ہی تصنیف فرما دی خلافت معاویہ ص۵۵ و ۵۶)

ارشاد فرمائیے! یہ حضرات مذکورہ بالا اور دیگر حضرات جنہوں نے یزید کو فاسق نہ سمجھا ہو مسلمان تھے یا آپ کے مزعومہ "منصوص عقیدہ" کے انکار کی بناء پر نعوذ باللہ منہ کافر تھے؟

معلوم ہوتا ہے کہ "بغض ابن معاویہ" کے جذبے سے مغلوب ہو کر مولانا نے یزید کو فاسق و بد دین ٹھہرانے کے لئے اپنی ساری فکری صلاحیتیں صرف فرما دیں اور یہ غور نہ فرمایا کہ اس مذہبی ریسرچ کو ذرا اور آگے بڑھانے کے دور رس نتائج اس حد تک غلط بھی ہو سکتے ہیں اور سبائی روایتوں پر یقین کر کے گمنام و بے نام "عام صحابہ" کو فسق یزید کا قائل دکھلانے کا مطلب یہ بھی ہو سکے گا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس حضرت عبد اللہ بن عمر حضرت محمد بن حنفیہ حضرت عاصم جیسے جلیل القدر حضرات کے ایمان کی نعوذ باللہ منہ خیر منانی پڑ جائے گی۔

(۴۸) ص۱۴۶ پر فرماتے ہیں کہ:-

"اس سے متعین ہو گیا کہ جس امارت صبیان سے ابوہریرہؓ پناہ مانگتے تھے اور ۶۰ھ کے جن صبیان کی بد عملی اور شہوت رانی حدیث ابو سعید خدری میں مذکور تھی وہ یہی امارت تھی جس کا اولین سربراہ یزید تھا عمر بلوغ کی تھی مگر عقل و تدبیر اور دین کے لحاظ سے نابالغ اور صبی تھے۔"

مولانا کو اس "متعین" فیصلے و نتیجہ تک پہنچنے کے لئے کئی زینے طے کرنے پڑے ہیں تاوقتیکہ ان زینوں کو ہم بھی نہ طے کریں اس نتیجے کی صحت و درستی کے بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہے اس لئے پہلے ان زینوں کو ہی طے کرنا مناسب ہے، مولانا کا پہلا زینہ بخاری کتاب الفتن کی یہ حدیث ہے۔

"یہ فرمایا ابوہریرہ نے میں صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ میری امت کی ہلاکی چند قریشی لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی۔"

(بخاری شریف کتاب الفتن ص۱۴۶ شہید کربلا اور یزید ص۱۴۱)

جہاں تک اس حدیث شریف کے الفاظ کا تعلق ہے وہ بالکل غیر واضح اور مبہم تھے جس کی بناء پر مولانا کو اس نتیجہ تک پہنچنے کے لئے دوسرے زینے طے کرنے ضروری تھے لیکن اپنی بات کو وزن دار

اور ناظرین کو مرعوب کرنے کے لئے بخاری کا نام لینا بھی ضروری تھا اس لئے یہ روایت ذکر فرما دی لیکن تعجب تو یہ ہے کہ مولانا کو بخاری کتاب الفتن کی یہ حدیث تو نظر پڑی (جو یزید کے بارے میں واضح بھی نہ تھی) مگر اسی کتاب الفتن بخاری کی یہ حدیث نظر نہ پڑی جسے عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں نقل کیا تھا (جو یزید کے بارے میں مخصوص بھی تھی) کہ:-

"حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے متعلقین کو جمع کیا اور فرمایا کہ ہم نے اس شخص (یزید) سے اللہ و رسول کی بیعت کر لی ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوا کہ تم میں سے کسی نے اس کی بیعت توڑ دی یا اس شورش میں شریک ہوا تو پھر میرا اور اس کا تعلق ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جائے گا۔" (خلافت معاویہ و یزید ص۲۳۲)

دوسرا زینہ مولانا کا ابن بطال کی نقل کے مطابق ابن ابی شیبہ کی وہ روایت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ:-

"رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکوں کی حکومت سے پناہ مانگی اور اس کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو دین کے لحاظ سے ہلاک ہو جاؤ گے اور ان کی نافرمانی کرو گے تو تمہاری دنیا (جان و مال) تباہ ہوگی۔" (مختصراً)

(شہید کربلا اور یزید ص۱۴۳)

اگر بقول مولانا اس حدیث کے امیر کا مصداق یزید ہے اور غیر مطیع حضرت حسین ہیں (جن کو اپنی نافرمانی کی بناء پر جان سے ہاتھ دھونا پڑا) تو لامحالہ اس کے مطیعین وہ کثیر التعداد حضرات صحابہؓ بھی ہوں گے (جنہوں نے یزید کی اطاعت کر لی تھی) اس صورت میں مولانا کو اپنا کلیجہ تھام کر اس کے لئے بھی تیار رہنا ہو گا کہ وہ ان مطیعین صحابہ کے لئے "دینی ہلاکت" کا فتویٰ صادر فرمائیں پھر اسی پر بس نہیں بلکہ مولانا کو اپنے اور سبائیوں کے درمیان فرق بھی ظاہر کرنا ہو گا جو اسی طرح بڑی آسانی سے عام صحابہ کرامؓ کو نعوذ باللہ منہ کافر و مرتد اور بے دین قرار دیتے ہیں۔

تیسرا زینہ مولانا کا اسی ابن ابی شیبہ کی یہ روایت ہے کہ:-

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بازاروں میں چلتے پھرتے کہتے تھے کہ اے اللہ ۶۰ھ کا زمانہ مجھے نہ پائے اور لڑکوں کی حکومت کا زمانہ بھی مجھے نہ پائے۔"

(شہید کربلا اور یزید ص۱۴۴)

اس حدیث میں ۶۰ھ سے اور لڑکوں کی حکومت سے پہلے ہی موت کی خواہش کی گئی ہے مگر وجہ

کچھ بھی نہیں ظاہر کی گئی اگر اس کی وجہ بھی وہی "دینی ہلاکت" ہے تو پھر اشکال بھی وہی ہوگا جو اوپر مذکور ہوا ورنہ میرے خیال میں اگر یہ روایت صحیح ہو تو مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس بنا پر پناہ مانگی ہو کہ وہ آزمائش وفتنہ کا وقت ہوگا، مسلمانوں کی خانہ جنگی وخونریزی ہوگی، جس سے دور ہی رہنا بہتر اور اسلم ہے اس لئے اس حدیث سے فسق یزید پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

چوتھا زینہ مولانا کا ابن کثیر کی نقل کردہ حضرت ابو سعید خدری کی یہ روایت ہے کہ:۔

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ۶۰ھ کے بعد ایسے خلف ہوں گے جو نمازوں کو ضائع کریں گے اور شہوات نفس کی پیروی کریں گے وہ عنقریب غی (وادی جہنم) میں ڈال دئے جائیں گے۔"

اس حدیث کے سلسلے میں اول تو کہنا یہ ہے کہ یہ حدیث مذکورہ بالا حدیث سے متعارض ہے۔ اوپر کی حدیث میں ۶۰ھ کا زمانہ وارد ہوا اور اس میں ۶۰ھ کے بعد کا زمانہ بتایا گیا جس کا مصداق ۶۰ھ کے بعد سے لیکر ۶۰ھ تک کا کوئی سال بھی ہو سکتا ہے۔ دوسری بات یہ کہنی ہے کہ اس حدیث میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ کسی امیر کی نشان دہی کرتی ہے اس میں تو "خلف" کا لفظ آیا ہے اور یہ لفظ ہر بعد کو آنے والے کے لئے بولا جا سکتا ہے، اس سے صرف حاکم مراد لینا اچھی خاصی زبردستی ہے، علاوہ ازیں اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس سے مراد ۶۰ھ ہی ہے تو پھر حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہما کی شہادت موجود ہوتے ہوئے یزید کو تارک صلوٰۃ اور عیاش وبد معاش قرار دے کر اس حدیث کا مصداق بتانا کتمان شہادت اور حق پوشی کے ساتھ ساتھ زبردست بہتان طرازی اور صریح ظلم ہے۔

غرض کہ حدیث بخاری میں آئے ہوئے مصداق یزید کو قرار دینے کے لئے مولانا نے تین زینے جو اور تعمیر فرمائے اس قدر کمزور ثابت ہوئے کہ صحیح طور پر ان کو "اخبار آحاد" کا درجہ بھی نہیں دیا جا سکتا، چہ جائے کہ ان کے ذریعے سے کسی عقیدہ کو وضع کرنے کی ہمت کی جائے اس موقع پر بے ساختہ وہ مصرعہ لکھنے کو جی چاہتا ہے جو حضرت مولانا گنگوہی علیہ الرحمہ نے حضرت مولانا شیخ محمد صاحب محدث تھانوی علیہ الرحمہ کے ایک فتوے پر تبصرہ فرماتے ہوئے تحریر فرمایا تھا مشہور مصرعہ ہے:۔

گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں

(۳۹) صـ۱۴۵ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"کون نہیں جانتا کہ آج کی حکومت ہند کلیدی عہدوں پر سوائے ہندوؤں کے

دوسری قوموں کے افراد بالخصوص مسلمانوں کو رکھنے کی روادار نہیں لیکن بین الاقوامی اور بالخصوص اسلامی دنیا کا منہ بند کرنے کے لئے چند گنے چنے نام مسلمانوں کے بھی رکھ چھوڑے ہیں ـــ دنیا ان کی عدد شماری دیکھ کر سمجھتی ہے کہ شاید ساری حکومت ہند پر مسلمانوں کا قبضہ ہے ـــ اسی پر عباسی صاحب کی اس صنعت گری کو قیاس کر لیا جائے کہ انہوں نے بھی مجموعی طور پر اکابر کے کچھ ناموں کی فہرست پیش کر کے حکومت یزید کی صفائی پیش کر دی۔"

مولانا نے حکومت ہند کی مثال کچھ زیادہ موزوں نہیں دی، کیونکہ اس میں مختلف مذاہب کی نمائندگی کی بنا پر کچھ واقعی پیچیدگی بھی ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس مثال سے عباسی صاحب کی صنعت گری واضح نہیں ہوتی اچھا ہوتا کہ مولانا "آپ بیتی" ہی بیان فرماتے یعنی اپنے دار العلوم کی مجلس شوریٰ کی مثال کو سامنے رکھتے جس میں عرصہ تک حضرت تھانویؒ، حضرت رائے پوریؒ، حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلویؒ وغیرہم من الاکابر کے نام لوگوں کو متاثر ومرعوب کرنے کے لئے محض برائے نام سرفہرست شائع کر دئے جاتے تھے اور خفیہ ترکیبیں اس کے لئے ہوتی رہتی تھیں کہ کسی طرح یہ اکابر دار العلوم کا پیچھا چھوڑ دیں تو مدرسہ کو من مانے طور پر چلایا جائے۔

جہاں تک میری عقل کام کرتی ہے یہ مثال زیادہ موزوں ومنطبق ثابت ہوتی کہ سب ایک ہی مسلک ومذہب کے افراد تھے اور محض صغر سنی وکبر سنی یا بجنوری وغیر بجنوری قسم کا فرق تھا اور مولانا کے ارشاد کے مطابق اسی قسم کی صنعت گری یزیدی حکومت میں ہوتی تھی اس لئے یہ مثال زیادہ مناسب ہے۔ ویسے مولانا کو اختیار ہے وہ چاہیں تو قریب ہی کی مثال دیں یا دہلی کی مثال دینے اتنی دور جائیں

(۴۰) صـ۱۴۹ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"لیکن یہ عنوان جہاں واقعہ کے خلاف ہے وہیں قول رسول کا معارضہ بھی ہے جس میں اس حکومت کو "امارۃ الصبیان" کہا گیا ہے اور ذاتی اور اجتماعی تباہ کاریوں کی فہرست پیش کر دی ہے۔"

اگر "قول رسول کا معارضہ" ہونا پایۂ ثبوت کو نہ پہنچ سکا تو کیا ہوگا۔ مولانا اگر اس صورت کے لئے کوئی مفر رکھتے ہوں تو خیر ورنہ مناسب یہی ہے کہ وہ اپنا کوئی مفر تلاش فرمائیں اور حدیث من کذب علی متعمدًا الحدیث (جو شخص دانستہ میری طرف کوئی غلط بات منسوب کرے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے) کو کسی حال میں فراموش نہ فرمائیں۔

(۴۱) صفحہ ۱۵۱ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"جیسے ابو عبیدہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ "میری امت کا امر و حکم عدل کے ساتھ قایم رہے گا۔ یہاں تک کہ پہلا وہ شخص جو اسے تباہ کرے گا بنی امیہ میں سے ہوگا جسے یزید کہا جائے گا" لیکن ہم نے اس قسم کی روایتوں کو اس لئے پیش نہیں کیا کہ ان کی سندوں میں کلام کیا گیا ہے"

نماز میں بولنے کے باوجود "من نہ بولیدم" کہنا بیوقوفوں کی حکایت میں تو مشہور تھا مگر انداز ہوشیاری وعقل مندی کسی روایت کو ذکر کرکے یہ فرمانا کہ "ہم نے اس قسم کی روایتوں کو اس لئے پیش نہیں کیا کہ ان کی سندوں میں کلام کیا گیا ہے" ہر ایک سے شاید بن نہ پڑے۔

مولانا نے شاید غور نہیں فرمایا کہ جن احادیث کو اس وضعی حدیث سے علیحدہ سمجھ کر مولانا نے اوپر ذکر فرمایا اور نتیجہ تک رسائی کے لئے زینہ بنایا ہے، ممکن ہے وہ بھی اسی وضعی حدیث کی ابتدائی کڑیاں ہوں اور اس صاف وصریح اور نام ونسب پر مشتمل حدیث کو صحیح باور کرانے کے لئے زمین ہموار کرنے کی خاطر مشہور کی گئی ہوں تاکہ اس تدریجی تصریح وتشریح کی وجہ سے کسی کو وضع حدیث کا شبہ بھی نہ ہو۔

(۴۲) صفحہ ۱۵۵ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"اس سے نہیں انکار کیا جا سکتا کہ جیسے اس حدیث کا عموم اسے مقبولین میں داخل کر رہا ہے ویسے ہی بخاری وغیرہ کی دوسری احادیث کا عموم اسے اس مقبولیت سے خارج بھی کر رہا ہے"

سمجھ میں نہیں آتا کہ یزید کی مغفرت سے مولانا کو اپنے کس نقصان کا اندیشہ ہے کہ ان کو حدیث مغفرت میں یزید کا شمول بھی پسند نہیں اور وہ محض بخاری کا نام لے کر ہی مغفرت یزید کی نفی فرما دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ مغفرت کا ظہور تو حشر میں ہونا ہے اور کفر وشرک کے سوا جملہ معاصی مغفرت کا محل ہو سکتے ہیں۔ اس لئے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ بقول مولانا "امارت صبیان" والی حدیث کا مصداق یزید ہی ہے تو بھی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے باوجود یزید کی مغفرت ممکن ہے یا نہیں اگر کہا جائے کہ مغفرت یزید ممکن نہیں تو یہ بات تو بالکل صریح البطلان ہے۔ لہٰذا یہ متعین ہو گیا کہ مغفرت یزید ممکن ہے اور جب مغفرت ممکن ہوئی تو پھر کیا مضائقہ ہے کہ اس کو حدیث مغفرت میں شامل مان کر مغفور لھم کا ایک فرد مان جائے۔

(۴۳) صفحہ ۱۵۶ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"اسی طرح یہاں بھی جہاد قسطنطنیہ کے سب شرکاء کے لئے وعدۂ مغفرت عام ہے مگر اسی طبعی شرط کے ساتھ کہ یہ لوگ اپنی قلبی کیفیات واحوال اور باطنی نیات و جذبات پر باقی ہیں ــــ لیکن اگر کسی کے قلبی احوال بگڑ جائیں اور تقویٰ کے وہ مقامات باقی نہ رہیں جو بوقت جہاد تھے تو طبعًا وہ حکم المغفرت بھی کسی خاص فرد کے حق میں باقی نہ رہے گا"

مولانا کی اس عبارت کو پڑھ کر یزید کی وکالت کا خیال تو دل سے نکل گیا، البتہ خود اپنی فکر پڑ گئی کہ خدانہ کردہ اگر اللہ تعالیٰ نے مولانا جیسے کسی شخص کے سپرد خفیہ انکوائری کردی۔ اور اس اللہ کے بندے نے بھی اسی طرح قلبی کیفیات واحوال اور باطنی نیات وجذبات اور تقویٰ کے مقامات دیکھ دیکھ کر مغفرت کا سرٹیفکٹ دینا شروع کیا تو پھر شاید جہنم کو بھی "ہل من مزید" کہنے کی نوبت نہ آئیگی نعوذ باللہ منہا۔

(۴۴) صفحہ ۱۵۷ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"ٹھیک اسی طرح جہاد قسطنطنیہ والی حدیث بشارت مغفرت عموم میں یزید بھی شامل تھا جس کے معنی یہ تھے کہ اس کے اس وقت کے احوال واعمال مقبول یا مغفور تھے جب وہ بدلے تو طبعًا وہ بشارت بھی اس کے حق میں باقی نہ رہی ــــ پس جب یزید کا حال اچھا تھا بشارت قائم تھی جب بدل گیا تو بشارت بھی اٹھ گئی۔ اب سوال اگر رہ جاتا ہے تو یہ کہ آیا یزید کے احوال بدلے یا وہی سابقہ باقی رہے؟ تو اس کا فیصلہ تاریخ نے کر دیا ہے کہ بدل گئے"

مولانا کے ارشاد کی تردید میری طرف سے نہ تو زیادہ مفید ہی ہو سکتی ہے اور نہ مناسب ہی ہوگی اس لئے بہتر یہی ہے کہ ہمارے ناظرین مولانا ہی کے قلم سے اس کی تردید بھی ملاحظہ فرمائیں اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵۹ پر خود مولانا فرماتے ہیں کہ (اس وقت یزید کے وہ حالات ظاہر نہ تھے جو بعد میں ظاہر ہوئے ــــ جن جن حضرات نے اس وقت اس کی ولیعہدی کو تسلیم کیا وہ بھی یزید کے "سر مکنون" کے ظاہر نہ ہونے کے سبب حق بجانب تھے) اور صفحہ ۱۰۲ پر مولانا حضرت مدنیؒ کی یہ عبارت نقل فرماتے ہیں کہ (اس کے فسق وفجور کا علانیہ ظہور ان (حضرت معاویہؓ) کے سامنے نہ ہوا تھا اور خفیہ بد اعمالیاں وہ جو کرتا تھا اس کی ان کو اطلاع نہ تھی)

ظاہر ہے کہ ان عبارات کا صاف مطلب یہی ہے کہ یزید فاسق فاجر تو روز اول ہی سے تھا،

لیکن خفیہ طور پر فسق و فجور کیا کرتا تھا جو تمام حضرات سے پوشیدہ تھا مگر خلیفہ ہونے کے بعد وہ خوب کھل کھیلا۔ تو اب سوال یہ ہے کہ جب وہ پیدائشی اور مادر زاد فاسق تھا تو حدیث بشارت میں شامل ہونے کا مستحق تو وہ کسی وقت بھی نہیں تھا، لہٰذا یہ طول طویل بحثیں آخر کس لئے ہیں کہ وہ پہلے تو حدیث بشارت میں داخل تھا مگر بعد کو خارج ہو گیا۔ ہمارے مولانا نے جب اس کا "سر مکنون" تلاش فرما لیا تو اب یہ فرمانا کہ پہلے اس کے حالات اچھے تھے بعد کو بدل گئے بالکل بے بنیاد بات ہے۔

(۴۵) صفحہ ۱۶۲ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"اس سے بھی زیادہ واقعات سے اقرب اس حدیث کی تشریح یہ ہے کہ جہاد قسطنطنیہ سے یزید کی سابقہ سیئات کی مغفرت کر دی گئی تو وہ مغفور لہم میں حقیقتاً داخل ہو گیا لیکن بعد کی سیئات کی مغفرت کا اس میں کوئی وعدہ نہیں تھا یہ "مغفور لہم" کو ایسا ابدی حکم سمجھنا کہ یزید کے مرتے دم تک کے تمام فسق و فجور کی مغفرت ہو گئی ــــ محض ذہنی اختراع ہے حدیث کا مدلول نہیں"!

مولانا نے اس کو تو ذہنی اختراع فرما دیا مگر اپنی تصنیف فرمودہ توجیہہ کے لئے کچھ نہ فرمایا حالانکہ مولانا کی توجیہہ بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث مغفرت میں تو مغفرت کو مطلق رکھا گیا ہے جس کا ظاہر اور متبادر مطلب یہی ہے کہ یہ مغفرت تمام سیئات کے لئے ہو گی اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مغفرت کو مقید و محدود فرمانا چاہتے تو وہی عنوان اختیار فرماتے جو اس قسم کی بعض دوسری احادیث میں موجود ہے۔ مثلاً فرماتے کہ قسطنطنیہ کے جہاد میں شرکت ماقبل یا مامضیٰ کے لئے مغفرت ہے۔

مولانا اگر ذرا سی تکلیف فرما کر بخاری شریف اور فتح الباری ملاحظہ فرما لیتے یا عباسی صاحب ہی کی کتاب کو غور سے دیکھ لیتے تو ان کو دوسری حدیث بشارت کے یہ الفاظ بھی مل جاتے:۔

اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا۔	میری امت کی پہلی فوج جو بحری جہاد کرے گی اس پر جنت واجب ہو گی۔ (بخاری شریف صفحہ ۴۱۰ بحوالہ خلافت معاویہ ویزید صفحہ ۲۲)

اور عباسی صاحب کی نقل کے مطابق فتح الباری میں اس کی تشریح یہ ہے (ای وجبت لھم بہ الجنۃ) اس تشریح کے مطابق تو تمام شرکاء جہاد کے لئے جنت واجب ہو گئی اور بقول ابن تیمیہ اس فوج کا ہر شخص مغفرت میں شامل تھا اور چونکہ یہ ارشاد نبوی پیش گوئی کے طور پر واقع ہوا ہے اس لئے اس میں تخلف بھی ممکن نہیں، چنانچہ اسی بناء پر حافظ ابن کثیر اس کو معجزہ دلائل نبوت ذکر فرماتے ہیں۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اگر یزید اس فوج میں شامل تھا تو اس حدیث کی رو سے وہ بھی جنتی ہے اس کے لئے بھی مغفرت و جنت واجب ہے۔ اب رہا یزید کی شرکت جہاد کا ثبوت تو یہ شرکت ایسی واقعی اور یقینی ہے جس کا انکار نہیں بن پڑا بلکہ ابن تیمیہ نے تو یہاں تک فرما دیا کہ اسی حدیث بشارت کی خاطر یزید نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔

(منہاج السنۃ بحوالہ خلافت معاویہ ویزید صفحہ ۲۲)

(۴۶) صفحہ ۱۶۲ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"پھر اسی صناعی سے عباسی صاحب نے مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ عبارت تو نقل کر دی جو انہوں نے امیر معاویہ کے انتخاب ولیعہدی پر ان سے ملامت دفع کرنے کے لئے تحریر فرمائی اور اس میں یزید کے بھی اس وقت کے اچھے حالات پر روشنی ڈالی کہ حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں (یزید) کو آزمایا جا چکا تھا تاریخ شاہد ہے کہ معرکۂ عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے الخ"

(خلافت معاویہ ویزید صفحہ ۲۹ و صفحہ ۳۰)

"لیکن حضرت مولانا ہی کی آگے کی عبارت چھوڑ گئے جو یزید کے فسق و فجور سے متعلق تھی کہ:۔ اس کے فسق و فجور کا علانیہ ظہور ان (حضرت معاویہؓ) کے سامنے نہ ہوا اور خفیہ جو بد اعمالیاں وہ کرتا تھا اس کی ان کو اطلاع نہ تھی"

(مکتوبات شیخ الاسلام صفحہ ۲۶۷-۲۶۸)

ہمارے مولانا نے عباسی صاحب کی صناعی دکھانے کے لئے جو کوشش فرمائی وہ کچھ اس قسم کی ہے جس کے لئے فارسی میں "دیگراں را نصیحت و خود را فضیحت" کہا جاتا ہے۔ یعنی ہوا یہ کہ حضرت مدنی کا جو اقتباس عباسی صاحب نے پیش کیا تھا اس کو اپنے نظریہ کے خلاف دیکھ کر مولانا نے فوراً حضرت مدنی کا ایک دوسرا اقتباس پیش فرما دیا، مگر اس صنعت گری کے ساتھ کہ مولانا مدنی کا جو اقتباس عباسی صاحب نے پیش کیا تھا اس کے آخری جملے ہمارے مولانا کو بہت زیادہ خلاف نظر آئے تو انہیں نظر انداز فرما دیا، چنانچہ عباسی صاحب کے اقتباس میں ہم کو مولانا مدنی کے یہ جملے بھی نظر آتے ہیں: "خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغات آپس کے تخالف سے خالی نہیں" جن کو مولانا نے اپنے نظریہ و منصوبہ کے خلاف دیکھ کر اپنی کتاب میں نقل کرنا ہی مصلحت نہ جانا۔

اب حضرت مدنی نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کے متعلق بھی سن لیجئے ــــــــ

حضرت مدنیؒ نے جو کچھ فرمایا ہے اس کی حیثیت ایک توجیہہ سے زائد نہیں ہے جیسا کہ حضرت شاہ صاحب دہلوی اور حضرت نانوتوی و گنگوہی علیہم الرحمہ کے لئے بھی پہلے عرض کیا جا چکا ہے اور اس کے توجیہہ ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ حضرت گنگوہیؒ تو جو کچھ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یزید حضرت امیر معاویہؓ کی حیات میں اچھا تھا بعد کو اس کے حالات بدلے اور حضرت مدنیؒ یہ فرماتے ہیں کہ یزید کے حالات برے تو شروع ہی سے تھے مگر پہلے اس کی بداعمالیاں خفیہ ہوتی رہیں جن کی اطلاع لوگوں کو نہ تھی ان کا ظہور بعد کو ہوا۔ ان حضرات کے ارشادات میں یہ صریح تعارض اس کی کھلی دلیل ہے کہ ان کے فرمودات توجیہہ محض ہیں اور ان توجیہات کو حدیث بشارت سے یزید کو خارج کرنے کے لئے استعمال کرنا بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ حدیث بشارت سے یزید کا اخراج نہ تو علامہ عینیؒ کے بس کا ہے اور نہ قسطلانی و ابن منیر ہی کے اختیار میں ہے اور نہ مولانا کی "جماعت دار العلوم" ہی کو جنت کی گیٹ کیپری سپرد کی گئی ہے کیا خبر جہاد قسطنطنیہ اپنی مخصوص اہمیت کی بنا پر یہ خصوصیت بھی رکھتا ہو کہ اس میں شرکت کرنے والوں کی مغفرت اللہ تعالیٰ نے واجب ہی فرمادی ہو۔ پھر یہ توجیہہ بھی اس وقت ہے جبکہ یزید کے "کردار قبیح" کے سارے افسانے کچھ حقیقت بھی رکھتے ہوں ورنہ "آن را کہ حساب پاک از محاسبہ چہ باک" (یعنی جب کر نہیں تو ڈر کیا)

(۴۷) ص۱۶۳ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"اس عبارت سے واضح ہے کہ مہلب اور دوسرے لوگ جنہوں نے یزید کی فضیلت یا خلافت پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ ابن منیر اور قسطلانی کی نگاہوں میں مشتبہ اور مخدوش ہیں جس کو انہوں نے بنی امیہ کی حمایتِ بیجا پر محمول کیا ہے۔"

تعجب ہوتا ہے کہ آخر مولانا کے قلب مبارک تک سبائی پروپگنڈہ کس طرح پہنچکر ایسا جاگزیں ہوگیا کہ وہ "بغض ابن معاویہؓ" میں اس طرح مبتلا ہو گئے کہ کسی اچھی بری بات کی تمیز تک نہیں فرما سکتے اور جو بات بھی ان کو مفید مطلب مل جاتی ہے اس کو نقل فرمانے میں ادنیٰ تامل سے بھی کام نہیں لیتے، مثلاً ابن منیر و قسطلانی وغیرہ کا یہ فرمانا کہ "مہلب وغیرہ نے اس حدیث سے یزید کی فضیلت پر جو استدلال کیا ہے اس کا منشا بنی امیہ کی بیجا حمایت ہے۔" ظاہر ہے کس درجہ رکیک اور سخیف بات ہے کیونکہ اس کے جواب میں بہت آسان ہے کہ ترکی بہ ترکی کہہ دیا جائے کہ ابن منیر اور قسطلانی نے یزید کو حدیث بشارت سے خارج کرنے کے لئے جو کچھ کہا ہے وہ یزید کی بیجا دشمنی اور بنو عباس کی بیجا حمایت میں کہا ہے یا سبائیوں کے پروپگنڈے سے متاثر ہو کر کہا ہے جس کا مزید ثبوت یہ ہے کہ

ان حضرات نے اپنے کلام میں یزید کو کافر و مرتد تک فرض کر لیا ہے۔ اب اگر بقول مولانا ان کے کلام کو حدیث رسول کا معارضہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ کیونکہ ایک شخص کے لئے (بالفرض وہ بڑا زبردست گنہگار ہی کیوں نہ ہو) رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرمائیں کہ جہادِ قسطنطنیہ کی وجہ سے اس کی مغفرت ہوجائے گی یا اس کے لئے جنت واجب ہوجائے گی۔ اور ابن منیر و قسطلانی اس کی بیجا دشمنی میں یہ فرمائیں کہ یہ شخص مرتد و کافر ہے۔ کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ (بڑی بھاری بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے) گمان یہ ہے کہ ہمارے مولانا کو بھی ابن منیر و قسطلانی کی یہ بات گراں محسوس ہوتی تو انہوں نے یہ توجیہہ فرمائی کہ "پس اگر یزید اسلام سے مرتد نہیں ہوا تو بتصریح مورخین اسلام ان عمدہ کیفیات و احوال سے تو ضرور مرتد ہوگیا جو غزوۂ قسطنطنیہ کے وقت اس میں مان لی جائیں کیونکہ اس لئے ان کیفیات سابقہ کا حکم بھی اس کے حق میں باقی نہ رہا جو عموم بشارت سے قائم ہوا تھا۔"

(ص۱۶۴)

مولانا کی اس توجیہہ کو اگر عذر گناہ بدتر از گناہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا یعنی ابن منیر و قسطلانی نے تو نفس ایمان ہی کی نفی کا دعویٰ فرما کر اس حدیث بشارت سے یزید کو خارج کیا تھا جو اصولی طور پر تو صحیح تھا مگر کلام صرف اس میں تھا کہ یزید کو کافر و مرتد کس طرح کہا جائے گا جبکہ وہ کافر و مرتد ہوا ہی نہیں تھا لیکن ہمارے مولانا نے تو اپنا معیار اور سخت فرما دیا اور کیفیات و احوال کے لحاظ سے بھی ارتداد کی ایک نئی [illegible] نکال کر یزید کے حکم ارتداد پر "جماعت دار العلوم" کی بھی مہر تصدیق ثبت فرما دی۔ ع

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

(۴۸) ص۱۶۴ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"ورنہ ہر نیک اور متقی یا "مغفورٌ لہٗ" کو خلیفۃ المسلمین بھی ہونا چاہئے۔"

من ضحک ضُحِکَ جو دوسروں پر ہنستا ہے اس کی بھی ہنسی اڑائی جاتی ہے۔ مولانا مہلب کو اپنی ہنسی کا نشانہ بنا رہے ہیں مگر کیا مولانا اس کے لئے بھی تیار ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے خلافت کا جو دعویٰ فرمایا تھا اور حضرات صحابہ سے اپنی فضیلت و حق پر جو استشہاد فرمایا تھا اس کا منشا کیا تھا؟ کیا اس کا منشا یہی نہیں تھا کہ میں نیک اور متقی یا مغفور لہٗ ہونے کی وجہ سے خلافت کا زیادہ مستحق ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس انداز سے دعویٰ اور استشہاد کا مطلب یہی تھا تو اب اس کی جواب دہی مولانا ہی کے ذمہ ضروری ہے کیونکہ استشہاد کو بڑے زور و شور کے ساتھ مولانا نے اپنی کتاب کے صفحات ۸۱ و ۸۲ پر نقل فرمایا ورنہ عباسی صاحب تو بقول ابن خلدون افضل کو چھوڑ کر

مفضول کے خلیفہ بنانے کو صحیح مانتے ہیں۔

(۴۹) ص۱۶۵ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"ساتھ ہی یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ صاحب عمدۃ القاری شارح بخاری نے مہلب کی اس مدح سرائی اور حمایت یزید پر نکتہ چینی کرتے ہوئے اسے تسلیم ہی نہیں کیا کہ قسطنطنیہ کے جس غزوہ میں اکابر صحابہؓ شریک ہوئے تھے وہ یزید کی قیادت میں ہوا تھا جبکہ یزید اس کا اہل ہی نہ تھا کہ یہ اکابر صحابہ اس کی خدمت اور قیادت میں دے جائیں"

اس تمہید کے بعد مولانا نے عینی (یعنی عمدۃ القاری) کی عبارت نقل فرمائی جس میں "صاحب مرآۃ" سے نقل کیا گیا ہے کہ "زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یزید بن معاویہ نے قسطنطنیہ کا غزوہ ۵۲ھ میں کیا اور (ضعیف روایت کے طور پر) کہا گیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کے لئے ایک لشکر بھیجا جس کے امیر سفیان بن عوف تھے"

چند سطروں کے بعد اسی عبارت میں کہا گیا ہے کہ:۔

"میں کہتا ہوں کھلی بات یہ ہے کہ ــــ یہ اکابر صحابہؓ اس سفیان بن عوف کے ساتھ تھے یزید کے ساتھ نہ تھے کیونکہ یزید اس کا اہل نہ تھا کہ یہ بڑے بڑے صحابہ اس کی خدمت میں رہیں"

اس موقع پر بھی مولانا نے تھوڑی سی صناعی فرمائی ہے اور اس رویے کو صاحب مرآۃ کی طرف منسوب کرنے کے لئے "میں کہتا ہوں" کے بعد بین القوسین "صاحب المرآۃ" کا اضافہ فرما دیا حالانکہ یہ کھلی ہوئی غلطبات علامہ عینی کی تھی مگر علامہ عینی کی طرف اس کی نسبت ہونے سے اس کا وزن شاید کچھ کم ہو جاتا اس لئے مولانا نے اس توجیہہ کو صاحب مرآۃ کے سر گھڑنا ہی مناسب خیال فرمایا اور یہ نہ سوچا کہ یہ توجیہہ صاحب مرآۃ کی کس طرح ہو سکتی ہے جبکہ اسی عبارت میں صاحب مرآۃ سے اوپر نقل کیا گیا ہو کہ "زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یزید بن معاویہ نے قسطنطنیہ کا غزوہ ۵۲ھ میں کیا"

اور اسی عبارت میں یزید کی جگہ سفیان بن عوف کا جانا صیغہ تمریض کے ساتھ ضعیف روایت کے طور پر نقل کیا گیا ہے بلکہ خود مولانا نے بھی ص۱۶۸ پر اسی کو علامہ عینی کا قول تحریر فرمایا ہے اب جبکہ مولانا خود ہی اپنی تردید فرمانے میں تامل نہیں فرماتے تو دوسرے لوگ کس طرح چوک سکتے ہیں۔

(۵۰) ص۱۶۸ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"پھر یہ شرکت کس نوعیت کی تھی؟ سو اس پر ابن اثیر نے روشنی ڈال دی ہے کہ یزید اس

جہاد میں خود اپنے داعیہ سے شریک نہیں ہوا بلکہ اپنے والد بزرگوار کے حکم سے اور انہوں نے یہ حکم بھی اسے اگر دیا تو تعزیراً دیا تاکہ اس کی عیش پرستی پر کوئی زد پڑے"۔

مولانا کو "بغض ابن معاویہؓ" سے مجبور ہو کر اسے کافر و مرتد اور جہنمی ثابت کرنے کے لئے ساری ہی جتنی تو کرنے پڑ رہے ہیں۔ چنانچہ جب اور باتوں سے کام چلتا نہیں دکھائی دیا اور یزید کی امارت و شرکت جہاد نا قابل انکار ٹھیری تو مولانا کو ضرورت محسوس ہوئی کہ یزید کی شرکت جہاد کی نوعیت پر غور فرمائیں اس سلسلہ میں مولانا کو نہ تو امام المورخین ملے اور نہ حافظ حدیث ابن کثیر، اس لئے ابن اثیر کے حوالے سے یہ نقل فرماتے ہیں کہ:۔

"یزید اس جہاد میں اپنی رغبت اور خوشی سے نہیں شریک ہوا تھا، بلکہ حضرت امیر معاویہؓ نے سزاءً اور تعزیراً زبردستی اس کو جہاد میں بھیج دیا تھا"

مولانا نے ابن اثیر کے اس من گھڑت افسانے سے یزید کی شرکت جہاد کی حقیقت پر روشنی تو ضرور ڈالی مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سے مولانا مدنی کے مندرجہ ذیل کلمات تاریکی میں پڑ گئے۔

فرماتے ہیں:۔

"حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں یزید کو آزمایا جا چکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارکہ عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دئے"

پھر لطف یہ کہ مولانا مدنیؒ کی یہ تاریخی شہادت ہمارے "حکیم الاسلام" کو بھی تسلیم ہے۔ چنانچہ انہوں نے بھی اپنی کتاب میں اسے نقل فرما کر سکوت اختیار فرمایا ہے جیسا کہ نمبر ۴۴ میں بھی اس کا ذکر ہو چکا ہے اور اسی موقع پر اپنے مولانا کی ایک صناعی کا بھی اظہار ہوا ہے۔

(۵۱) ص۱۷۰ پر (اسی سلسلے میں) فرماتے ہیں کہ:۔

"ظاہر ہے کہ جس کے یہ عیش پرستانہ مشاغل ہوں اور مجاہدین ملت سے بے پرواہی کے یہ جذبات ہوں اس میں قلبی داعیہ سے جہاد کی آرزو اور جاں سپاری کی تمنائیں کہاں سے آسکتی ہیں"

مولانا کے اس سوال کا جواب جو کچھ ہم عرض کر سکتے تھے اوپر عرض کر چکے۔ اب تو مولانا کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ اس کا جواب "عالم ارواح" کو اپنا مراسلہ بھیجکر "مجاہد اسلام" اور سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند" سے ہی طلب فرمائیں۔ ہم خوارج جماعت دارالعلوم" کیا عرض کر سکتے ہیں کیونکہ ہم اگر ایسی باتوں کو واقعی طور پر لائق جواب سمجھیں گے تو ہم کو حضرت حسینؓ کے بھائی عمر بن علیؓ "مجاہدین ملت" سے اس

بے پرواہی کا بھی جواب دینا ہوگا، جو ان سے جنگِ کربلا کے موقع پر حضرت حسینؓ کے ساتھ تخلف کرنے کی صورت میں ظاہر ہوئی وہ فرماتے ہیں :۔

"میں ایک عقل مند و محتاط جوان ہوں اگر میں بھی ان (حضرت حسینؓ) کے ساتھ نکلتا تو لڑائی میں مارا جاتا"

(عمدۃ المطالب بحوالہ خلافت معاویہ ص۳۰۸)

اسی طرح اگر یزید کی شاعری کی جواب دہی بھی ہم اپنے لئے ضروری سمجھیں گے تو ہم کو خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ان اشعار کا بھی جواب دینا ہوگا جو انہوں نے (اپنی محبوب ترین زوجہ مطہرہ حضرت سیدہ رباب اور عزیز ترین صاحبزادی حضرت سیدہ سکینہ رحمۃ اللہ علیہما کے لئے) فرمائے تھے وہ اشعار یہ ہیں:۔

لعمرک اننی لاحب دارًا ؎ تضیفها سکینۃ والرباب

احبهما وابذل بعد مالی ؎ ولیس للائمی فیها عتاب

ولست لهم وان عتبوا مطیعًا ؎ حیاتی او یغیبنی التراب

(طبری ص۱۹۹ ج۱۳) خلافت معاویہ ص۲۷۵)

(ترجمہ) "تیری عمر کی قسم میں اس گھر سے بلاشبہ محبت کرتا ہوں جہاں سکینہ اور رباب میزبانی کرتی ہیں میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں پھر اپنا مال (ان پر) خرچ کرتا ہوں اور اس میں کسی ملامت کرنے والے (ناصح مشفق) کی ملامت کا کوئی موقع نہیں ہے — میں ان "ناصحین" کی بات زندگی بھر نہیں سننے کا یہاں تک کہ میں قبر میں چلا جاؤں"

(ترجمہ میں نقل کی پابندی نہیں کی گئی ہے)

اس لئے یزید کی شاعری پر اعتراض کا جواب صرف یہ ہے کہ "شعر ش بمدرسہ کہ برد" آخر اس کے اشعار کو مدرسہ اور دارالافتاء تک کون لے گیا اور کیوں لے گیا۔

(۵۲) ص۱۷۳ پر فرماتے ہیں کہ :۔

"نہ ہی حضرت "امام" ہمام کا یہ اقدام ان میں سے کسی ایک روایت کے خلاف پڑتا ہے کہ ان کے اس فعل پر ناجائز یا نامناسب ہونے کی تہمت لگائی جائے جو ڈونڈی کے منہ میں گھس کر عباسی صاحب نے لگائی ہے"

عباسی صاحب ڈونڈی کے منہ میں گھسے یا نہیں اور گھسے اس کو تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے ہم کو تو صرف اس قدر معلوم ہے کہ ہمارے مولانا بھی حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی زبانی حضرت حسینؓ کو "مجتہد مخطی"

کا مصداق ماننے کے لئے تیار ہیں (ملاحظہ ہو کتاب زیر بحث ص۱۷۲) بلکہ ص۱۷۱ پر خود بھی اقرار فرما چکے ہیں کہ "اگر کسی پہلو کی کوئی خطا اجتہادی ان کی طرف منسوب کردی جاتی تو ان کی شان عالی کے منافی نہ ہوتی" ظاہر ہے کہ مولانا جس بات کو خطا اجتہادی تک تسلیم فرمانے کے لئے تیار ہیں تو اسے نامناسب کہنے میں تو کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اگر عباسی صاحب نے حضرت حسینؓ کے کسی اقدام کو نامناسب کہہ دیا تو آخر "حکیم الاسلام" کو اس قدر طیش کیوں آگیا کہ اس کے لئے ان کو "ڈونڈی کے منہ میں گھسنے" کی تعبیر ہی پسند آئی۔ اس موقع پر مجھے تو آتش کا یہ شعر یاد آتا ہے ؎

لگے منہ بھی چڑانے دیتے دیتے گالیاں صاحب
زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجئے دہن بگڑا

لیکن عباسی صاحب شاید مولانا کی خدمت میں یہ شعر پیش فرمانا پسند کریں :۔

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جوابِ تلخ می زیبد لبِ لعلِ شکر خا را

(۵۳) ص۱۷۹ (جو غلطی سے ص۱۸۹ چھپ گیا ہے) پر فرماتے ہیں کہ :۔

"یزید کا ذکر بذاتہٖ مقصود نہ تھا الخ"

بہت خوب مولانا نے یزید کا ذکر ضمناً فرمایا تو ۵۔۷ صفحات لکھ ڈالے خدانخواستہ اگر یزید کی شامت آتی اور مولانا مستقل طور پر اس کی سوانح عمری لکھتے تو خدا جانے کتنی جلدیں تیار ہوتیں۔

(۵۴) ص۱۸۰ پر فرماتے ہیں کہ :۔

"ایک متقی اور فاجر کے عمل کی صورت یکساں ہوتی ہے مگر منشاء الگ الگ ہوتا ہے اس لئے باوجود صورت کی یکسانی کے حکم الگ الگ ہوتا ہے"

پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں کہ :۔

"ایک ہی خطاء فکری ایک نوآموز طالب علم سے سرزد ہو اور وہی خطا بعینہ ایک پختہ کار عالم سے سرزد ہو تو دونوں پر یکساں حکم عائد نہیں ہوگا۔ فرق کی وجہ وہی ان کے علمی اور فکری احوال کا فرق ہوگا"

مولانا نے فرق کی وجہ تو لکھدی مگر خود فرق نہیں لکھا کہ ان دونوں میں کیا فرق ہوگا کہیں اس قسم کا فرق تو مولانا کی مراد نہیں ہے کہ ؎

گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں ؎ وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

یا مولانا یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ حضرات صحابہؓ سے خطاءِ اجتہادی کا صدور ممکن ضرور ہے مگر جو ان میں سے نوعمر نو آموز رہے ہوں گے ان کی خطاءِ اجتہادی کی نوعیت کچھ اور ہوگی اور جو حضرات پختہ کار اور کبیر السن رہے ہوں گے ان کی خطاءِ اجتہادی کی نوعیت کچھ اور ہوگی۔ مثلاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کبیر السن اور پختہ کار صحابی تھے ان کی خطاءِ اجتہادی کی نوعیت اور رہی ہوگی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نوعمر صحابی تھے ان کی خطاءِ اجتہادی کی نوعیت کچھ اور رہی ہوگی۔

اگر مولانا کا مقصد کچھ اسی قسم کا ہے تو سخت تعجب ہے۔ کیونکہ صحابہؓ کے درمیان صغر سنی وغیرہ کے فرق کو ملحوظ رکھنے کے تو مولانا قائل ہی نہیں ہیں ورنہ عباسی صاحب کا قصور ہی کیا تھا یہی تو تھا کہ انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو صغیر السن کہہ دیا تھا یا دوسرے اکابر صحابہؓ کے اقوال کی روشنی میں حضرت کے "اقدام خروج" کو نامناسب کہہ دیا تھا۔

آخر میں اپنی اس بدگمانی کا ذکر پھر کرنا پڑتا ہے کہ مولانا کی کتاب "شہید کربلا اور یزید" کے صفحات ۱۷۲ تا ۱۷۹ کو دیکھ کر اندازہ یہی ہوتا ہے کہ یہ جوابی "شاہکار دیانت" یا تو عباسی صاحب کی کتاب کو دیکھے بغیر ہی تیار کیا گیا ہے اور یا تمام ناظرین سے یہ بیجا حسن ظن قائم کر لیا گیا ہے کہ وہ "تاج المعارف" اور حکیم الاسلام کا نام دیکھتے ہی سر تسلیم خم کر دیں گے اور اس عظیم دعوتِ فکر کی اجابت ضرور کریں گے اور کوئی بھی اللہ کا بندہ ان "غلط انتسابات طیبہ" کا اصل "تحریراتِ محمودہ" سے مقابلہ کرنے کی جسارت و ہمت نہ کرے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں ہی صورتیں صد درجہ قابل افسوس ہیں جن کے باعث "جماعت دار العلوم" کی "دیانتِ مرحومہ" پر اگر خون کے بھی آنسو بہائے جائیں تو رونے کا حق ادا نہ ہوگا۔ "شہید کربلا اور یزید" پڑھ کر جو تاثرات پیدا ہوتے انہیں سپردِ قلم کیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ کوئی ایسی بات نوکِ قلم پر نہ آنے پائے جس سے کسی کی دل آزاری ہو۔ اس کے باوجود اگر کہیں کوئی بات کسی کی شان میں سخت الفاظ میں ادا ہوئی ہو تو اس کا منشاء بھی غیظ حق ہی ہو سکتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

"خلافتِ معاویہ و یزید" پر
ترجمان القرآن (لاہور) کا تبصرہ

(از قلم مدیر ماہنامہ تجلّی دیوبند)
شمارہ جون و جولائی سنہ ۱۹۶۱ء

(۱)

ابھی اپریل سنہ ۱۹۶۱ء کے ترجمان القرآن میں "خلافتِ معاویہ و یزید" پر جو تبصرہ آیا ہے اسے پڑھ کر ہم خود کو مجبور پاتے ہیں کہ اس پر کچھ گفتگو کریں، دینی و علمی پرچوں میں ماہنامہ ترجمان القرآن کا مقام بہت بلند ہے۔ یہ تبصرہ اگرچہ مولانا مودودی کے قلم سے نہیں ہے، لیکن ان عبد الحمید صدیقی کے قلم سے ہے جو اکثر اس ماہنامے کے شذرات لکھا کرتے ہیں (اپریل سنہ ۱۹۶۱ء کے شذرات بھی انہی کے ہیں) اور دینی و علمی موضوعات پر ان کی سنجیدہ قلمی معروف و مقبول ہے۔ ان کا تبصرہ اور ترجمان القرآن کے صفحات ان دونوں چیزوں نے معاملہ کو اس حد تک اہم بنا دیا ہے کہ اپنا خاموش رہنا ہمیں علمی دیانت اور احساس ذمہ داری کے خلاف محسوس ہوتا ہے۔ یہ بات لڑائی جھگڑے کی نہیں۔ تبادلۂ خیال اور افہام و تفہیم کی ہے ہم نے مولانا مودودی کی بھی اس سلسلہ کی ایک تحریر پر نومبر سنہ ۱۹۶۰ء کے تجلّی میں اپنی معروضات پیش کر دی تھیں، اب محترم عبد الحمید صدیقی صاحب کے حضور بھی کچھ عرض پرداز ہوتے ہیں۔ کیا عجب ہے اس طرح کی گفتگوؤں سے ہمیں بھی اپنے بعض خیالات کی اصلاح کا موقع مل جائے اور یہ بھی عجب نہیں کہ دوسرے ہی لوگ ہماری بعض معروضات سے اثر پذیر ہو سکیں۔

تبصرہ ترجمان القرآن کے بارہ سے زیادہ صفحات پر کیا گیا ہے۔ سیر حاصل جائزے کے لئے کم از کم چار گنے صفحات ضرور چاہئیں۔ تجلّی کی تنگ دامانی سے ہم بے بس ہیں اس لئے کوشش کریں گے کہ گفتگو زلفِ جاناں نہ بن جائے۔ "خلافت معاویہ و یزید" جناب محمود احمد عباسی صاحب کی تصنیف ہے۔ ذمہ تو

اپنی کلاہے کہ اپنے ناقدین سے پنجہ کشی کریں یا نہ کریں لیکن تبصرے میں ہم نے بھی اس کتاب کو سراہا تھا اور پھر مہینوں اس موضوع کی بحثوں میں سر مارتے رہے ہیں اس لئے کوئی مضائقہ نہیں اگر پھر تھوڑا وقت اس موضوع کی نذر کر دیا جائے، قصہ معمولی نہیں ہے۔ رفض و تشیع نے عقائد کی جڑوں سے لے کر ٹہنیوں اور برگ و بار تک جو زہر پھیلایا ہے اس پر بڑے بڑے اساطین مطلق ہو بیٹھے ہیں۔ اچھے اچھے بالغ نظر علماء کا یہ حال ہے اور پہلے بھی رہا ہے کہ بعض ایسی روایات و اخبار کو انہوں نے مسلمہ حقائق کی حیثیت سے تسلیم کر لیا ہے، جنہیں بعض لوگوں نے خاص مقاصد کے تحت صدفی صد گھڑ لیا تھا یا مشکل سے دس فیصدی ان میں حقیقت تھی اور نوے فیصدی افسانہ طرازی۔ اس دائرہ سائر فریب خوردگی کا دبیز پردہ چاک کرنے کے ارادے سے اگر کوئی شخص جرأت رندانہ کا مظاہرہ کرتا ہے تو ضروری نہیں کہ ——— یہ جرأت ہر پہلو سے بے عیب ہی ہو۔ نقص و عیب بشریت کا جزو لاینفک ہے۔ محمود احمد عباسی بشر ہیں فرشتے نہیں۔ ہو سکتا ہے حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں ان کے خیالات کسی پہلو سے قابل اصلاح ہوں، ہو سکتا ہے رفض و شیعیت کی لامتناہی فساد انگیزیوں کے ردعمل میں وہ ذہنی تشدد، فکری بے اعتدالی اور جذباتی تعصب سے بھی ملوث ہو گئے ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کا تحقیقی زاویہ نظر تھوڑا بہت کج ہو لیکن جو معاندانہ سلوک بعض حلقوں میں ان کی جرأت رندانہ سے کیا گیا ہے وہ منصفانہ نہیں ظالمانہ ہے۔ اس میں اعتدال نہیں اشتعال ہے۔ جناب امام الدین رام نگری کو چھوڑیئے کہ ان جیسے اشتعال پذیر آدمی سے اس سے بہتر کی امید نہیں ہو سکتی۔ نیز وہ علمی و فکری اعتبار سے جس سطح کے آدمی ہیں وہاں سے اس نوع کے غیر معمولی موضوعات کی گہرائی ناپی بھی نہیں جا سکتی۔

جناب ماہر القادری صاحب کے طرز و اسلوب پر بھی تعجب نہیں۔ وہ بے حد مخلص ہیں اور ان کا اخلاص جہاں جہاں گہری عقیدت کی سرحد سے جا ملا ہے وہاں وہاں دلیل و شہادت کی کوئی بھی منطق ان پر کارگر نہیں ہو سکتی، وہ قلب کی پوری اخلاص مندی کے ساتھ فیصلہ [illegible] یزید ظالم تھا، بداعمال تھا، لعین و شقی تھا، اب ہزار دفتر بھی اس فیصلے کے خلاف مہیا کر دئے جائیں تو وہ ٹس سے مس نہیں ہوں گے انہیں اپنی عقیدت حسینؓ میں معصوم اور معذور سمجھنا چاہئے۔

مہتمم دار العلوم دیوبند جناب مولانا محمد طیب صاحب کا گلہ بھی بیکار ہے۔ وہ اول تو مدرسہ کی مصالح سے مجبور تھے۔ مہتمم کی حیثیت میں مدرسہ کے مفاد کو ہر شے پر مقدم رکھنا ان کا فرض منصبی ہے اور مدرسہ کا مفاد اسی میں تھا کہ محمود احمد عباسی صاحب کی کتاب کو مردود قرار دیا جائے۔

دوسرے ایک اور بھی طاقت ور داعیہ تھا جس نے ان کے قلم کو ردِ عباسی پر آمادہ کیا۔ اسے دور کے لوگ نہیں سمجھ پائیں گے اور سمجھ بھی گئے تو مشکل سے یقین کریں گے۔ ان کے عالی قدر صاحبزادے نے "تاج المعارف" کے نام سے ایک پبلشنگ ادارہ قائم کر رکھا ہے۔ اس سے وہ ہر دوسرے مہینے اپنے والد کی ایک کتاب چھاپتے ہیں اور ممبروں کو وی پی کے ذریعے فروخت کرتے ہیں۔ عباسی صاحب کی کتاب ہندوستان میں چھپی تو دیوبند ہی سے اس زور شور کے ساتھ فروخت ہوئی کہ یہاں کے تاجران کتب کی آنکھیں پھیل گئیں۔ پیشہ ورانہ رشک و حسد کی کہانی کون نہیں جانتا، پھر موقعہ شناسی بھی تجارت میں بڑی چیز ہے، ہم طنزاً نہیں بلکہ حقیقتاً صاحبِ تاج المعارف کو موقعہ شناسی کی داد دیتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد محترم کو بر وقت ردِ عباسی پر آمادہ کیا اور یہ اندازہ لگانے میں غلطی نہیں کی کہ عباسی صاحب کی کتاب کے ہنگامہ خیز قبول و شہرت کا کاروباری فائدہ اس کے رد میں چھپنے والی کتاب کو بھی ضرور پہنچے گا۔ اگرچہ یہ اندازہ بڑے پیمانہ پر برگ و بار نہیں لایا۔ تاہم مہتمم صاحب کی کتاب عام مطبوعات سے دوگنی تو نکل ہی گئی۔ اگر علم و تحقیق کے اعتبار سے یہ جاندار ہوتی تو شاید تیسرا اور چوتھا ایڈیشن بھی چھپ جاتا۔

تیسری وجہ مہتمم صاحب کا گلہ نہ ہونے کی یہ ہے کہ خطبہ و وعظ کا سرسبز میدان علمی و تاریخی تحقیق کے سنگلاخ میدان سے بہت دور اور بہت مختلف ہے۔ ایک بڑا ادیب و فلسفہ منطق کے میدان میں دو قدم بھی نہیں چل سکتا۔ ایک ریاضی داں شعر و ادب کے میدان میں نکل آئے تو مذاق کا موضوع بن جائے گا۔ وعظ کے پُربہار میدان میں ہر طرح کی جذبات خیز روایتیں خوب چلتی ہیں۔ چٹکلے اور لطیفے بھی بہار دیتے ہیں، چونکا دینے والی تمثیلیں اور رلا دینے والی حکایتیں بھی رنگ جماتی ہیں۔ مگر تاریخی و علمی تحقیق کا میدان ان تمام دلچسپیوں سے خالی اور جذبات کے نخلستانوں سے محروم ہے۔ وہاں بھورے پتھر، گرم ریت اور چٹیل راستے ہیں، صبر آزما گھاٹیاں ہیں۔ بگولے اور ہوائے گرم کے جھونکے ہیں۔ میدان وعظ کا شہسوار وہاں آ نکلے گا تو لب ہائے فطرت کو خندۂ استہزاء کے سوا کچھ نہیں دے گا۔

———(٭)———

حاصل یہ کہ شکوہ ہر اس شخص کا نہیں جس نے عباسی صاحب کی کتاب کو نفرت و حقارت کے ساتھ رد کیا ہے، لیکن شکوہ ایسے لوگوں کا ضرور ہے جن سے بلند و برتر توقعات کی گنجائش تھی جو وسیع النظر کے اہل ادب لاگ فکر و نقد کے علمبردار تھے، انہی میں سے ترجمان القرآن والے جناب عبدالحمید صدیقی

صاحب بھی ہیں۔ انہوں نے تبصرہ کا آغاز ہی "خلافت معاویہ و یزید" کے مصنف کو اندھی اور یک رُخی عقیدت یزید کا شکار قرار دینے سے کیا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں:۔

"یوں نظر آتا ہے کہ فاضل مصنف نے سب سے پہلے اپنے ذہن میں یزید کی نیکی اور پاکبازی کا تصور جما لیا تھا اور اس کے بعد انہوں نے مختلف کتب کی ورق گردانی کی"

یہ ریمارک بجا ہے یا بیجا، یہ الگ بحث ہے، بڑے ادب سے کہنا ہے کہ علمی نقد و نظر کے ترقی یافتہ معیار کو صدیقی صاحب ہم سے زیادہ جانتے ہوں گے، کیا کسی ایسے کارنامے پر جو تحقیق اور ریسرچ کے نام سے پیش کیا گیا ہو اسی فیصلہ کن انداز مخالفت کے ساتھ ساتھ نقد و نظر کا آغاز ہونا چاہئے مان لیا کہ مصنف کے ذہن میں یزید کی نیکی و پاکبازی کا تصور جما ہوا ہے۔ لیکن یہ تصور ماحول یا نسلی و نسبی تصورات کا پیدا کردہ نہیں ہو سکتا۔ ماحول تو ہر مسلمان کو شعور کی آنکھ کھولتے ہی حضرت علی و حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے لئے بے پناہ عقیدتوں کا تحفہ عطا کرتا ہے اور یزید کی نفرت گھٹی میں گھول کر پلائی جاتی ہے۔ اگر اس ماحول میں کسی بندۂ خدا کے ذہن یزید کے لئے حسن ظن نے جڑ پکڑی ہے تو بڑا لگ تبصرہ نگار کو گہری متانت کے ساتھ تجسس کرنا چاہئے کہ اس کے اسباب کیا ہیں اور جو دلائل و شواہد اس حسن ظن کی تصویب میں اس شخص نے پیش کئے ہیں انہیں حسن ظن کے لئے کافی وجہ جواز سمجھا جا سکتا ہے یا نہیں۔ یہ کہنا کہ:۔

"وہ انہیں اپنے اس تصور کی تائید میں جو کمزور سے کمزور دلیل بھی فراہم ہوتی اسے بلا تکلف نقل کرتے چلے گئے اور اپنے اس نظریہ کے خلاف اگر مضبوط سے مضبوط چیزیں بھی ملیں تو انہیں "شیعت نوازی" کہہ کر یکسر نظر انداز کر دیا گیا"

جلد بازی کا مظاہرہ ہے، آپ جن دلائل کو اپنے علم و عقیدے کی رو سے کمزور اور جن چیزوں کو مضبوط سے مضبوط قرار دے رہے ہیں انہی کے متعلق تو یہ شخص ایک پوری کتاب سامنے رکھ کر گزارش کر رہا ہے کہ صدیوں کے فاسد پروپیگنڈے نے آپ کو متعارض دلائل کے ضعف و قوت کا اندازہ بالکل غلط کرا دیا ہے، قدح یزید کی شہادتیں مقدار میں کثیر ہیں، اس لئے آپ نے طے کر لیا ہے کہ ہر کثیر شے قوت میں بھی زیادہ ہی ہوگی۔ حالانکہ بعض ایٹم ننھے ذرے ہزاروں ٹن لوہے کے انبار سے زیادہ قوت کے امین ہوتے ہیں۔ آپ نے قدح یزید کی روایات کا عام پھیلاؤ دیکھ کر فیصلہ کر لیا ہے کہ ان کا وزن بہت زیادہ ہوگا۔ حالانکہ پچاس فٹ کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی روئی اس لوہے اور پتھر سے آدھا وزن بھی نہیں رکھتی جو محض پانچ فٹ کے طول و عرض میں سمایا ہوا ہے۔

یہ گزارش حق تھی یا ناحق اسی کو بارگاہ علم و تحقیق میں پہلے طے کرنا تھا، اس کے بعد کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نکلتی تھی کہ اس شخص نے کمزور دلائل پر تکیہ کیا اور مضبوط شہادتیں نظر انداز کر دیں، آپ اپنے ہی تصورات و خیالات کے پیمانوں کو صحیح و غلط کا آخری معیار قرار دے کر اور جن تصورات و عقائد کا معاملہ فیصلہ طلب ہے، انہی کو بنیادی دلیل بنا کر تبصرے کا آغاز کریں گے تو عدل و تحقیق کا حق کیسے ادا ہوگا۔

آپ نے چند مثالوں اور دلیلوں سے جس سطحی انداز میں عباسی صاحب کو محرّف اور بددیانت ثابت کرنا چاہا ہے وہ عام قسم کی کتابوں کے تبصرے میں تو گوارا کہا جا سکتا ہے لیکن ایک اس طرح کی کتاب کے تبصرے میں جو صدیوں کے جامد و مقبول تصورات کے خلاف ایک سنگین چیلنج بن کر سامنے آئی ہے۔ اس کی کوئی علمی حیثیت نہیں مانی جا سکتی۔ یہاں ذرا گہرائی، تعمق اور جفاکشی کی ضرورت تھی۔ آپ کہتے ہیں اور بعض لوگ بھی کہتے ہیں کہ عباسی صاحب نے "البدایہ والنہایہ" سے مدح یزید کی عبارتیں تو نقل کر دیں، لیکن قدح یزید کے فقرے چھوڑ دئے۔ چلئے ٹھیک ہے۔ کیا ہم کسی امریکن کسی جرمن کسی یورپین کی کتاب سے وہ عبارتیں بصد شوق نقل نہیں کر دیتے ہیں جن میں ہمارے پیغمبرؐ ہمارے اسلام اور ہمارے کسی خلیفۂ راشد کی توصیف ہو۔ اس وقت یہ کوئی نہیں کہتا کہ تم بد دیانت اور محرف ہو۔ اسی کتاب میں تمہارے پیغمبر تمہارے اسلام کے خلاف یہ بھی لکھا ہوا ہے اسے کیوں نہ نقل کیا۔ فقط تعریفی فقرے کیوں لے اڑے۔

"البدایہ والنہایہ" قرآن نہیں ہے کہ اس کا حرف حرف وحی ہو۔ یہ ایک غیر معصوم کی تالیف ہے جس کی کچھ باتیں مانی بھی جا سکتی ہیں اور رد بھی کی جا سکتی ہیں۔ ایک شخص تاریخ کے گوناگوں دفتر کی چھان بین کرتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ یزید کی شخصیت کو ایک گروہ نے ابتداء ہی میں تاک لیا ہے اور اپنی آئیڈیالوجی کے فروغ کی خاطر اس سے ہر برائی منسوب کر دینا فرض منصبی قرار دیا ہے۔ یزید اس باپ کا بیٹا ہے جس نے حضرت علیؓ کی مطلق العنانی قبول نہیں کی تھی اور میدان کارزار میں ثابت کر دکھایا تھا کہ امور مملکت کے حسن انصرام کا تاج اسی کے سر کو زیادہ زیب دیتا ہے۔ حضرت علیؓ کے غالی شیدائیوں کو یہ تلخ حقیقت کیونکر ہضم ہوتی۔ انہوں نے دروغ و افترا کی فیکٹری کھول دی اور جب مشیت ایزدی نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یزید پر غالب آنے کا موقع نہیں دیا تو یہ چوٹ ان عاشقان اہل بیت کے زخموں پر اور بھی نمک کا کام کر گئی۔ واقعہ سخت تھا۔ تمام ہی مسلمان

سبطِ رسول سے محبت رکھتے تھے۔ کذب واتہام کی کھیتی کو کھاد مل گئی جس نے جو چاہا یزید کے خلاف اڑایا اور سبطِ رسول کی بیکسانہ شہادت کے تاثر میں جھوٹے افسانے واقعہ مان لئے گئے۔

یہ ماضی کے دبیز پردوں میں چھپی ہوئی حقیقت اگر ایک شخص کو روایات واخبار کی بے محابانہ تنقیدانہ کڑے جائزے پر آمادہ کر دیتی ہے تو وہ یہ پوزیشن کیسے اختیار کرلے گا کہ البدایہ والنہایہ یا کسی بھی کتاب سے ان عبارتوں کے ساتھ ساتھ جنہیں وہ مبنی بر حقائق سمجھتا ہے وہ عبارتیں بھی نقل کردے جو اس کی نظر میں کذب وافترا پر مبنی ہیں۔ ابن کثیر اگر یزید کی مدح کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ شہوات کی طرف مائل تھا اور نماز کے معاملہ میں متساہل تھا تو مذکورہ شخص کیوں نہ یہ باور کرلے کہ جھوٹے پروپگنڈے کا کچھ حصہ ابن کثیر کو بھی تھپکی دے گیا ہے۔ ابن کثیر کوئی عینی شاہد تو نہیں ہیں سیکڑوں سال بعد وہ ماضی کی داستان سپردِ قلم کر رہے ہیں۔ ابتدا ہی میں تاریخ کے سرچشمے کو کذب وافترا کی غلاظت سے بھر دیا گیا ہو تو ضروری نہیں ہے کہ محتاط سے محتاط چھاننے والا بھی ایسا پانی نتھار لائے جس میں غلاظت کا کوئی میل ہی نہ ہو۔ پھر ابن کثیر تو زیادہ احتیاط کے مدعی بھی نہیں۔ وہ خود کہہ گئے ہیں کہ کتنی ہی روایتیں میں نے اس لئے نقل کردی ہیں کہ انہیں فلاں فلاں صاحب نے درجِ کتاب کیا ہے۔ اور یہ فلاں فلاں صاحب تمام علمائے محققین کے نزدیک اس درجہ کے ہیں کہ ان کی کتابوں میں رطب ویابس اور صحیح وغلط سب کچھ درج ہو گیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر کسی تاریخ میں سو روایتیں یزید کی قدح میں ملیں اور دو روایتیں مدح میں تو عین قرینِ قیاس ہے کہ یہ دو روایتیں قابلِ قبول ہوں اور سو کی سو قابلِ رد۔ کیونکہ ایک ہمہ گیر اور طوفانی پروپگنڈے کی موجودگی میں بھی مدحِ یزید کی کوئی روایت بچی رہ گئی ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ یزید کے بعض اوصاف بہت ہی نمایاں اور مسلم الثبوت تھے کہ ان کی روایت کو قہرمانی پروپگنڈے کا سیلاب بھی نہ ڈبو سکا اور جو لوگ یزید کی قدح کو عین حق سمجھتے ہیں وہ بھی ان روایتوں کے ذکر پر مجبور ہو گئے۔ سخت افسوس ہے ان اہلِ علم پر جو کربلائی روایات کے سلسلہ میں تواتر اور اجماع وغیرہ کی اصطلاحیں بلاتکلف استعمال کرتے ہیں۔ انہیں نفرت وعقیدت کی کشاکش میں اس بنیادی نکتے کو نہیں بھولنا چاہئے کہ منبع اور سرچشمہ غیر مشکوک ہو تبھی تواتر و اجماع وغیرہ کی مقدس اصطلاحیں قابلِ استعمال ہوتی ہیں، اگر تاریخ کربلا کا منبع ہی مشکوک اور مشتبہ ہے تو سارا عالم مل کر بھی فسقِ یزید کو تواتر و اجماع کی اصطلاحی تقدیس سے مربوط نہیں کرسکتا۔

البدایہ والنہایہ کے تعلق سے جو بھی اعتراض صدیقی صاحب نے کئے ہیں ان پر تفصیلی گفتگو

تو لمبے چوڑے نقل واقتباس کی متقاضی ہے۔ ہم صرف اتنا ہی کہیں گے کہ عباسی صاحب اگر البدایہ والنہایہ کی بس انہی عبارتوں کو لائقِ نقل سمجھتے ہیں جن سے مدحِ یزید کا پہلو نکلتا ہے تو یہ اس حسنِ ظن کی روشنی میں بددیانتی نہیں کہلائے گا جو انہیں اپنی تحقیق کے نتیجے میں یزید سے پیدا ہوا ہے اور اس تحقیق کو انہوں نے اپنی کتاب میں شرح وبسط سے پیش کر دیا ہے۔ ابوبکرؓ وعمرؓ کی منقبت میں اگر ہمیں شیعی لٹریچر سے بھی کوئی پیراگراف ملے تو ضرور اسے ہم نقل کریں گے، لیکن ان تمام موشگافیوں کو قطعاً نظر انداز کر دیں گے جن سے ابوبکرؓ وعمرؓ کی مذمت نکلتی ہو۔ یہ بددیانتی نہیں بلکہ تحقیق اور اثباتِ مدعا ہی کا ایک اسلوب ہے جو اجنبی ہے نہ حرام۔

یہ بھی ایک سفسطہ ہے کہ اگر عباسی صاحب اپنے اثباتِ مدعا میں کسی کتاب سے جگہ جگہ عبارتیں نقل کرتے ہیں یوں کہہ دیا جائے کہ وہ اس کتاب کو اصلی ماخذ تسلیم کرتے ہیں اور پھر اس کتاب سے ان کے خلافِ مدعا کوئی بات نقل کر کے یہ فیصلہ دیا جائے کہ اسے بھی صحیح مانو ورنہ تمہارا باقی استشہاد بے معنی ہوا۔ ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ کے تمام مندرجات نہ صحیح ہیں نہ غلط دونوں ہی نوع کی چیزیں اس میں پائی جاتی ہیں۔ جو شخص تحقیق کے بعد فیصلہ کر چکا کہ یزید کی قدح سرتاسر کذب وافترا پر مبنی ہے اور یزید میں از راہِ بشریت کچھ خامیاں تھیں بھی تو انہیں سو اور ہزار سے ضرب دے کر پھیلایا گیا ہے تو وہ کیسے ابن کثیر یا کسی بھی مورخ کی ان روایتوں یا راویوں کو وقیع مان لے گا جن کے تار و پود فریب خوردگی اور زود اعتباری سے بنے ہیں اور جن کے ڈانڈے اسی فاسد سرچشمے سے ملے ہوتے ہیں جسے ابو مخنف اور ہشام کلبی جیسے نام نہاد قصہ طرازوں نے اپنے کپڑے دھونے کا تالاب بنا چھوڑا تھا۔

——— (٭) ———

آپ فرماتے ہیں:۔

"عباسی صاحب یزید کی منقبت میں صحیح البخاری کی یہ حدیث تو نقل فرماتے ہیں کہ:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر جہاد کرے گی ان کے لئے مغفرت ہے"

مگر کیا وہ دوسری حدیث ان کی نظر سے نہیں گزری جسے صاحبِ روح المعانی نے طبرانی کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے:۔

"اے اللہ جنہوں نے اہلِ مدینہ پر ظلم کیا اور انہیں خوف زدہ کیا اس پر اللہ اس کے فرشتوں اور

پوری نوع بشری کی لعنت ہو۔ ان کی نہ توبہ قبول کی جائے گی اور نہ ہی ان سے فدیہ قبول کیا جائیگا۔"

یہ انداز بقصو کئی اعتبار سے ناخوشگوار ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بخاری حدیث کی معتبر ترین کتاب ہے۔ اس سے اگر کوئی روایت راویوں کی تصریح کے بغیر بھی نقل کر دی جائے تو اسے عموماً قابل اعتماد مانا جاتا ہے۔ لیکن طبرانی کا یہ پایہ نہیں، طبرانی سے اگر کوئی مفسر ایک روایت نقل کر دیتا ہے تو وہ اتنی وزن دار نہیں ہو جاتی کہ اس کی فنی حیثیت معین کئے بغیر ہی اسے بخاری کے مقابلہ پر پیش کر دیا جائے۔ یہ سیدھی سی بات ہے جسے فن کے مبتدی بھی جانتے ہیں۔ آپ کے خیال میں اگر طبرانی کی یہ روایت ایسے ہی مفہوم کی حامل ہے کہ اس کے بعد بخاری کی مذکورہ حدیث کو نقل کرنا اور اس سے دلیل پکڑنا جرم بن جاتا ہے تو اس مفہوم کی توضیح سے پہلے ہی آپ کو یہ بھی واضح کرنا چاہتے تھا کہ فن کے اعتبار سے یہ روایت بخاری کی ٹکر کی ہے۔ اس کے بعد مفہوم کی توضیح کر کے یا تو بخاری کی روایت کو ناقابل اعتماد قرار دیتے یا پھر تطبیق کی راہ دکھاتے۔ لیکن جو انداز آپ نے اختیار کیا ہے وہ تو انکار حدیث کے اس دور پرفتن میں بڑے خراب تاثرات پیدا کرنے والا ہے۔ جو لوگ انکار حدیث کی آفت میں مبتلا ہیں یا ابھی پوری طرح تو مبتلا نہیں ہوئے ہیں مگر مذبذب ضرور ہیں وہ آپ کا تبصرہ پڑھ کر اس کے سوا کیا سوچیں گے کہ یہ حدیث کا قصہ تو عجیب ہے۔ ایک صاحب حدیث کی صحیح ترین کتاب سے کوئی حدیث پیش کرتے ہیں تو دوسرے صاحب حدیث کی ایک نسبتاً کم رتبہ کتاب سے دوسری حدیث پیش کر کے یہ ثابت کرنے کے درپے ہیں کہ یہ دوسری حدیث پہلی کی ضد ہے اور پہلی حدیث سے استدلال کرنا جرم ہے۔ یہ بات معقول ہو سکتی تھی اگر دوسری حدیث کو دلائل سے معتبر اور پہلی کو غیر معتبر ٹھیرا دیا جاتا، لیکن مشکل تو یہ ہے کہ پہلی کو بھی معتبر ہی مانا جا رہا ہے اور دوسری کی صحت پر بھی اصرار ہے اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے رسول متضاد باتیں کرتے رہے ہیں اور امت کا فرض ہے کہ اس تضاد کو عین دین مانے اور تاویل و تطبیق کی کوئی ضرورت نہ سمجھے۔

—— (×) ——

دوسری بات یہ ہے کہ طبرانی والی روایت کو پیش کرنے کا مطلب اگر یہی ہے کہ آپ کے نزدیک یزید اہل مدینہ پر ظلم کرنے والوں میں تھا تو ایسی کوئی مثال پیش فرمائیں کہ افرادِ معین کے لئے کی ہوئی اللہ کے رسول کی پیشین گوئی خود حضور ہی کے کسی ایسے ارشاد سے معطل اور بے اثر ہو گئی ہو جس میں معیّن افراد و اشخاص کا ذکر نہ ہو، بلکہ حکم عام بیان کیا گیا ہو۔ شیعہ حضرات کے یہاں تو بے شک یہ منطق ملتی ہے کہ بلا سے خلفائے ثلاثہ کے لئے جنت کی بشارت زبان پیغمبر سے صادر ہو چکی ہوا لیکن ان لوگوں نے چونکہ

وہ بُرے افعال کئے جن پر سزا کا لزوم دیگر احادیث اور آیاتِ قرآنیہ سے ہوتا ہے لہذا بشارت معطل ہوئی اور یہ سزاوارِ عذاب ٹھیرے۔

مگر ہم اہل سنت تو ایسا نہیں سمجھتے۔ ہمارا طرز فکر تو یہ ہے کہ اللہ اور رسولؐ کا قول اصل ہے باقی ہر چیز اس کے تابع۔ اللہ کا رسولؐ اگر کہتا ہے کہ فلاں جماعت کی مغفرت طے ہو گئی تو ہم تاریخی لن ترانیوں کے ذریعہ اس مغفرت کو ڈائنا میٹ نہیں کر سکتے، بلکہ تاریخ کو قولِ رسول کا تابع بنائیں گے اور طے کر لیں گے کہ ہر وہ تاریخی کہانی جھوٹی ہے جو اس جماعت کے کسی فرد کے ساتھ ایسے فعل و عمل کو منسوب کر رہی ہو جس کے ارتکاب سے مغفرت محال ہو جائے۔

اسی جہاد قسطنطنیہ والی جماعت کو لیجئے، تاریخ نہیں بتاتی کہ اس میں کوئی فرد مرتد ہو گیا ہو لیکن اگر وہ بتاتی تو ہم اس کی طرف سے منہ پھیر لیتے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ کے رسول کی پیشین گوئی غلط ہو جائے۔ اس جماعت کا ایک فرد بھی مغفرت سے محروم رہا تو پوری پیشین گوئی کا انکار اسی طرح لازم آتا ہے جس طرح قرآن کی ایک سورۃ کا انکار پورے قرآن کے انکار کو مستلزم ہے۔ ہاں یہ کہہ دیجئے کہ بخاری والی روایت کو ہم قولِ رسولؐ نہیں سمجھتے یا اس کی حیثیت پیشین گوئی کی نہیں ہے تب بحث کا رخ بدل جاتا ہے۔ مگر جب تک آپ یہ نہ کہیں گے اس رخ سے ہم گفتگو نہیں کریں گے۔

—— (×) ——

تیسری بات یہ ہے —— اور خاصی افسوسناک ہے کہ طبرانی والی روایت آپ نے اس مفروضے کی بنیاد پر پیش کر دی ہے کہ یزید کے بارے میں اہل مدینہ کے ساتھ ظلم و سفاکی اور سیاہ کاری و بربریت کی جو کہانیاں شائع ذائع ہو گئی ہیں وہ سب سچی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اگر اہل البیت کے اس حلقے سے بھی جو اپنے فکری تنور، معقولیت پسندی اور تحقیقی مزاج کے لئے مشہور ہے۔ ایسی سادگی کا مظاہرہ ہو تو بڑے تعجب کا مقام ہے۔ آپ نے البدایہ والنہایہ سے ایک عبارت نقل فرما دی اور اپنا یہ یقین و تاثر بھی سپرد قلم کر دیا۔

"مدینے کو مباح قرار دینے کے بعد جو ظلم و ستم ڈھائے گئے عورتوں کی جس طرح عصمت دری کی گئی اور معصوم بچوں کو جس طرح قتل کیا گیا اس کی تفصیل البدایہ والنہایہ میں ہی موجود ہے۔ یہ ساری داستان اتنی دل فگار ہے کہ آج بھی اس کے پڑھنے کے بعد جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ معلوم نہیں عباسی صاحب نے اس طرف کیوں توجہ نہیں

دی گ

لیکن کیا آنجناب نے کبھی خود بھی اس تحقیق کی زحمت فرمائی کہ قرون مشہود لہا بالخیر میں سے ایک قرن کے مسلمانوں کو بدترین قسم کے ذلیل و متعفن جرائم کا مرتکب قرار دینے والی یہ ظلم و درندگی کی گندی کہانی آپ تک پہنچی کس طرح اور اس کی صداقت کا اثبات تو کجا محض امکان ہی کس حد تک قابل تسلیم ہے۔

حکومت قائمہ کی اطاعت سے انکار کرنے والے قلیل سے گروہ کی سرکوبی کو اگر جنگ کہا جاسکتا ہے تو چلئے عبداللہ ابن زبیر کے خلاف یزید کا عسکری اقدام جنگ ہی سہی مگر یہ کوئی نئی جنگ نہیں تھی۔ جسے مسلمانوں نے پہلی بار لڑا ہو۔ اس سے پیچھے اور آگے مسلمانوں نے بے شمار جنگیں لڑی تھیں امصار و دیار فتح کئے تھے۔ تخت الٹے تھے۔ بغاوتیں دبائیں تھیں۔ آپس میں بھی دست و گریبان ہوئے تھے۔ لیکن تاریخ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ عورتوں کی عصمت دری کا سیاہ کارنامہ انہوں نے کبھی انجام نہیں دیا: بچوں کے خون سے ہرگز ہاتھ نہیں رنگے۔ یہ وہی زمانہ تو تھا جب کچھ ہی دن ہوئے اسلام کے لشکر کافروں کی مملکتوں میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے، لیکن مفتوح قوم کی حسیناؤں اور پری جمالوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ کیسے قرین قیاس ہو سکتا ہے کہ اسی زمانہ میں صحابہ اور تابعین کی سرکردگی میں متخلفین کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے والے مسلمان سپاہی اچانک ایسے بے حیا، بدکار سفاک اور درندے بن گئے ہوں کہ عین مدینۃ الرسول میں رسول اللہ کے پڑوسیوں کے حرم پر ہاتھ صاف کریں پاک بیبیوں کی عصمتیں لوٹیں۔ بچوں کو ذبح کریں اور غلافِ کعبہ میں آگ لگا دیں۔

خدا مسخ یا فوں کو سمجھے۔ بڑی ہی ناپاک اور گھناؤنی داستان ہے جو انہوں نے اہل بیت کی غالی عقیدت میں بنوامیہ کو ذلیل و رسوا کرنے کی خاطر گھڑی ہے۔ بنوامیہ کی ناک کاٹنے کے لئے انہوں نے اس کی بھی پروا نہ کی کہ اسلام کی بے مثال عسکری تاریخ کا دامن اس افسانہ طرازی کے ہاتھوں کیسا داغدار ہوا جاتا ہے۔

محترم صدیقی صاحب! ایک عباسی صاحب ہی اس سراپا کذب داستان کی طرف توجہ نہ کرنے کے مجرم نہیں ہیں وہ ابن تیمیہ بھی جن کی آپ عظمت تسلیم کرتے ہیں اس داستان کو من گھڑت ہی قرار دیتے ہیں، آپ تفحص فرما کر ایک روایت بھی تو اس کہانی کی ایسی نکال دیجئے جو فن کی کسوٹی پر خالص اترتی ہو، اور کذاب یا مجہول یا غیر ثقہ راویوں کے شمول سے خالی ہو۔ تاریخ میں بے شک فن حدیث کا معیار قائم رکھنا مشکل ہے لیکن جو تاریخی کہانی صحابہ و تابعین کے منہ پر کالک ملتی ہو، جس سے اسلام کی شہرۂ

آفاق عسکری تقدیس مجروح ہوتی ہو اور جس کی تفصیلات جسم پر کپکپی طاری کر دینے والی ہوں، کیا انہیں یوں ہی سہل انکاری کے ساتھ تسلیم کر لیا جائے گا۔

آپ چالو کتابوں اور پیش پا افتادہ داستانوں پر مت جائیں۔ اصل مآخذ میں عرق ریزی کر کے دیکھیں تو شاید یہ حقیقت مخفی نہ رہے گی کہ مدینہ پر یزید کی جس لشکر کشی کو ہرزہ سراؤں نے کوسے کذب و افتراء کے ذریعہ جرم عظیم باور کرا دیا ہے وہ ایک ایسا جائز نہیں ثابت کیا جا سکتا، آخر دنیا کی کونسی حکومت ہے جو ایسے شہریوں کو معافی کا پروانہ دے سکتی ہو، جو حکومت وقت کی اطاعت سے انحراف کرتے ہوئے اپنی حکومت قائم کرنے کی تگ و دو میں مصروف ہوں یزید نے تو پھر بڑا تحمل دکھایا پُرامن بات چیت سے معاملات طے کرنے کی سعی کی۔ ممکنہ حد تک ڈھیل دی، پہلی جماعت جو جناب عبداللہ ابن زبیرؓ کی سمت بھیجی اس کا امیر ان کے بھائی ہی کو بنایا اور صاف صاف ہدایات دیں کہ گرفتاری حکم عدولی ہی کی صورت میں ہو۔ نہ یہ کہ جاؤ اور پکڑ لو۔ مگر عبداللہ ابن زبیرؓ نے اپنے بھائی کو پکڑ لیا اور مار مار کے ہلاک کر ڈالا۔ ہلاک ہی کرنے پر بس نہیں ہوتی لاشے کو سولی پر لٹکایا گیا۔

یزید نے اس پر بھی کوئی طوفانی دھاوا نہیں بولا بلکہ نرمی کے ساتھ اصلاح حال کی کوشش کرتا رہا، لیکن ابن زبیرؓ نے پھر ایک موقع پر سرکاری مفاد کا تحفظ کرنے والے پچاس آدمیوں کو ٹھیک حرم میں ذبح کر دیا۔ اس المناک صورتِ حال میں بتاؤ تو دنیا یا دین کا کونسا قانون ہے جو یہ حکم دیتا ہو کہ حاکم وقت ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور باغیوں کی اس لئے سرکوبی نہ کرے کہ وہ حرم میں تشریف فرما ہیں۔

مگر سن لیجئے کہ اندھا دھند چڑھائی پھر بھی یزید نے نہیں کی۔ متعدد سیاسی و انتظامی نوع کی کوششیں اس وقت بھی جاری رکھیں اور جب باغیوں نے کسی طرح بھی اطاعت قبول نہ کی تو اس وقت بھی جو فوج بھیجی اسے یہ آرڈر نہیں دیا کہ بڑھو اور کچل دو، بلکہ اتمام حجت کی تعلیم دی، یعنی باغیوں کو تین دن کی مہلت دو، باز آجائیں تو لڑائی بھڑائی کچھ نہیں، نہ مانیں تو بے شک غلبہ پانے کی کوشش کرو۔

ان حالات میں اگر آپ طبرانی والی روایت سامنے لاتے ہیں تو انصاف فرمائیے اس کی زد یزید پر پڑتی ہے یا ان لوگوں پر جنہوں نے اقتدار وقت سے کھلی سرکشی کی اور اپنی غیر آئینی سرگرمیوں کے لئے مکہ اور مدینہ کو پناہ گاہ بنایا۔[1]

[1] شاہ ولی اللہؒ "ازالۃ الخلفاء" مقصد اول فصل پنجم میں فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن زبیرؓ کے خروج کی وجہ سے استحلال مکہ کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔

ایک گروہ کا شروع ہی سے یہ وطیرہ ہے کہ وہ خانوادۂ رسول کی خدائی کا ڈنکا بجانے کی ہوس میں تمام کے تمام صحابہؓ کو بد نہاد، دنیا پرست اور ظالم و بے مہر مشہور کرنے کی سعی کرتا ہے، وہ بہت خوش ہے کہ ایک ایسی فوج کے متعلق جو یزید نے بجا طور پر باغیوں کی تادیب کے لئے بھیجی تھی، یہ تاثر دینے میں کامیاب ہو گیا ہے کہ وہ سر بسر غنڈوں اور لفنگوں کی ٹولی تھی، جسے اسلام چھو کے بھی نہیں گیا تھا اور جس پر اس قرنِ مبارک کے مسلمانوں کے اخلاق و عادات کا سایہ تک نہیں پڑا تھا۔

حالانکہ اے جناب محترم! اس فوج کے کمانڈر رسول اللہؐ کے عمر رسیدہ صحابی مسلم بن عقبہ تھے اور متعدد اور اصحاب بھی ہمرکاب تھے۔ تابعین کی تو کوئی گنتی ہی نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ سپاہی جو کچھ بھی کرتے پھریں نیک نامی یا رسوائی کا سہرا کمانڈر ہی کے سر بندھتا ہے۔ بربریت کی شہرت یافتہ کہانی کا تو حاصل یہ ہوا کہ بچوں کے قتل اور وحشیانہ شہوت رانی کا کریڈٹ ایک صحابی ہی کے سر آیا۔ ایک صحابی ہی کی سرکردگی میں وہ ناپاک کھیل کھیلا گیا جس پر آپ نے یقین کر لیا ہے۔ ایک تیر دو شکار اسی کا نام ہے۔ یزید کی بدنامی بھی ضرب در ضرب بڑھ گئی اور صحابہ کی مطلوبہ رسوائی اور تذلیل میں بھی چار چاند لگ گئے۔ آپ کا یا جس کسی کا جی چاہے مدحتِ حسینؓ کی خاطر یہ سب کچھ دل و جان سے قبول کر لے ہم تو جب تک قوی روایات سے اثبات نہ کر دیا جائے کبھی ان لرزہ خیز ہفوات کو قبول نہ کریں گے۔ ہم کمزور اور بد بینے راویوں کی زبان سے ہرگز یہ نہیں سننا چاہتے کہ قرونِ مبارک میں بھی مسلمانوں نے حیوانی شہوت رانی اور گھناؤنی عصمت دری کا وہ ذلیل کھیل کھیلا ہے جو بعد ہی کے لوگوں کو زیب دیتا ہے۔

اگر ہم جاہل اور کندۂ ناتراش ہیں تو آنجناب کو شرح و بسط کے ساتھ بتانا چاہئے کہ یزید کیوں مدینہ پر فوج کشی کرنے میں خطا وار تھا اور حدیث طبرانی کی زد اس کی بجائے ان اطاعت سے گریز کرنے والوں پر کیوں نہیں پڑتی جنہوں نے اس کی فوج کشی سے قبل ہی حرم میں لوگوں کی گردنیں ماری تھیں، اور سرکاری افسر کو ہلاک کر ڈالا تھا اور کیسے ثابت ہو گیا کہ یزید کی فوج نے وہ تمام شیطنت پھیلائی تھی جسے امر واقعہ باور کیا اور کرایا جا رہا ہے۔ خدا کی قسم ہم تو ان مردودوں کے تصور تک سے نفرت کریں گے جن پر خواتین مدینہ کی ظالمانہ عصمت دری کا جرم ثابت ہو جائے۔ ہم ان پاجیوں کے نام تک سے بیزار ہو جائیں گے جنہوں نے معصوم بچوں کو تہہ تیغ کیا ہو، ہم ہی نہیں، عباسی صاحب بھی اور کوئی بھی مسلمان ایسا بد باطن اور سیاہ قلب نہیں ہو سکتا کہ مدینۃ الرسول میں غنڈہ گردی پھیلانے والے بدبختوں سے شمہ برابر بھی ہمدردی رکھے، لیکن گفتگو تو ساری اسی میں ہے کہ شائع و ذائع کہانیاں سچ بھی ہیں یا نہیں؟ ایک روایت کے

مطابق ہوا کسی چولھے سے چنگاری اڑا لے جائے اور غلاف کعبہ آگ پکڑ لے۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت ابن زبیرؓ ہی کے کسی ساتھی کی بے احتیاطی سے غلاف کعبہ جل اٹھے مگر مجرم بہرحال یزید ہی کے لشکری قرار دئے جائیں۔ یہ ہے راویان خوش بیان کا کمال فن، باغیانہ سرگرمیوں کا مرکز متخلفین مدینہ و کعبہ کو بنائیں اور کسی پر امن تفہیم و تذکیر کو قبول نہ کریں، لیکن یزید جھک مار کے پولیس ایکشن کا اقدام کرے تو وعید کا متوجب وہی ٹھہرے۔ پھر ہر زہ سرا قصہ گو تصنیفی قوت سے دو ہزار محترم خواتین مدینہ کو حاملہ بنائیں اور تخیل کی تلوار سے بچوں کو ذبح کریں تو گردن ناپی جائے۔ یزید کی اور بدنام ہوں وہ معاویہ جنہوں نے یزید کو خلافت سونپی تھی۔ یہ تکنیک دلچسپ ضرور ہے مگر اس لائق نہیں کہ اس پر ایمان ہی لے آیا جائے۔

——— (×) ———

(۲)

آنجناب نے فرمایا ہے :۔

"فاضل مصنف (عباسی صاحب) اپنے جذبات کا توازن برقرار رکھنے میں کامیاب ہوتے اگروہ ان احادیث پر بھی ایک نگاہ ڈال لیتے جو حدیث کی متداول کتب میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے متعلق مذکور ہیں "

یہ ایراد مبہم بھی ہے اور غیر منطقی بھی۔ احادیث میں یہ ضرور ملتا ہے کہ حضرت حسنؓ و حسینؓ کے محترم نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نواسوں سے بہت محبت فرماتے تھے اور اللہ تعالےٰ سے ان کے حق میں دعا بھی کرتے تھے، لیکن اس بات کا تعلق اس بحث سے کیا ہے جو "خلافت معاویہ ویزید" میں کی گئی ہے اس کتاب کا موضوع منقبتِ حسینؓ نہیں ہے بلکہ منقصت یزید کو خلاف عدل ثابت کرنا اور اس کے مقابلہ پر خروجِ حسینؓ کو اجتہادی غلطی باور کرانا ہے۔ اس موضوع کے دائرے سے یہ بات خارج تھی کہ مدحتِ حسینؓ کا مروجہ اسلوب اختیار کیا جاتا، نیز یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ کتب متداولہ میں جتنی روایتیں حضرت حسینؓ کے سلسلہ کی مذکور ہیں وہ سب عباسی صاحب کی نظر میں قابل اعتماد ہی ہوں، لیکن اس سے قطع نظر وہ موقف حسینؓ کی جس ناموزونیت اور غلطی اجتہاد کا اثبات کر رہے ہیں اس کا آخر اس سے کیا واسطہ ہے کہ حضرت حسینؓ کے نانا بچپن میں ان سے محبت کیا کرتے تھے اور آخرت میں ان کے لئے مرتبۂ علیا کی بشارت دی گئی ہے۔ عباسی صاحب نے یہ ثابت نہیں کیا کہ حضرت حسینؓ دانستہ معصیت کے مرتکب ہوتے تھے نہ یہ ثابت کیا کہ یزید کو مشتہرہ الزامات سے بری ماننے کے ساتھ حضرت حسینؓ کو آثم و عاصی ماننا بھی ضروری ہے۔ اس کے برخلاف انہوں نے ان کے موقف کو اجتہادی غلطی ٹھیرایا ہے اور یہ کوئی جرم نہیں۔ آنجناب حضرت علیؓ کے مقابلے میں حضرت معاویہؓ کو اجتہادی غلطی کا مجرم قرار دیتے ہیں تو حضرت حسینؓ کی طرف اجتہادی غلطی کا انتساب کیوں حرام ہوگیا۔ امام ابن تیمیہؒ کا مسلک بھی تو یہی ہے کہ حضرت حسینؓ کا اقدام اجتہاداً غلط تھا اور قتل سے پہلے اگر وہ اپنے موقف سے رجوع نہ کر چکے ہوتے تو ان کے قتل کو فیصلہ کن طور پر "شہادت" قرار دینا بھی مشکل ہی ہوتا۔ یہی مسلک عباسی صاحب کا بھی ہے ــــ

رہا توازن کا معاملہ۔ تو یہ ایک اضافی شے ہے، آپ عباسی صاحب کی تحریر کو غیر متوازن اس لئے قرار دے رہے ہیں کہ حضرت حسینؓ کے بارے میں اپنا ہی زاویۂ نظر آپ کو حرف آخر معلوم ہوتا ہے اور اس کے آئینے میں واقعی عباسی صاحب کی تحریر کسی نہ کسی حد تک غیر متوازن ہے۔ لیکن بحث تو اصل یہی ہے کہ آپ کا زاویۂ نظر درست ہے یا وہ زاویۂ نظر جو عباسی صاحب کے جمع فرمودہ مواد کو وقیع تسلیم کر لینے کے بعد قائم ہوتا ہے؟ اس بحث کا فیصلہ جب تک نہ ہو توازن کا کوئی معیار قائم کرنا ممکن نہیں۔ ثابت کرنے کی چیز یہ ہے کہ عباسی صاحب کی تحقیق وریسرچ فلاں فلاں وجوہ سے غلط ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے تو آپ سے آپ ان کے عدم توازن کا اثبات ہو جائے گا لیکن جب تک یہ ثابت نہ ہو نقطۂ اعتدال کی تعین نقش برآب سے زیادہ کچھ نہیں۔

آپ فیصلہ دیتے ہیں :۔

"یزید کے معاملہ میں ایک قسم کی "نامناسب جانبداری" اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مرتبے کے متعلق ایک عام لاپروائی کتاب کے ہر صفحے پر نمایاں نظر آتی ہے مثال کے طور پر دیکھئے کہ وہ ہر قاری کو اس بات کا تاثر دینا چاہتے ہیں کہ عام مسلمانوں نے یزید کی بیعت بطیب خاطر کی اور ان کی اس بیعت پر پوری امت مجتمع تھی "

سوال یہ ہے کہ اگر ایک شخص اپنی تحقیق کے نتیجے میں اسی بات کو درست سمجھتا ہو کہ بیعت یزید کے معاملہ میں دھونس اور ظلم وجبر کے قصّے یکسر من گھڑت ہیں تو اس نتیجے کے اعلان و اظہار کو "لاپروائی" کیسے کہیں گے اور یزید کی نامناسب جانبداری کا الزام اس پر کیوں کر چسپاں ہوگا۔

عباسی صاحب نے البدایہ والنہایہ سے یہ فقرے نقل کئے تھے :۔

"تمام شہروں میں یزید کی بیعت ہوگئی اور یزید کے پاس ہر سمت سے وفود آئے"

آپ فرماتے ہیں کہ یہ بیعت بطیب خاطر نہیں تھی اور البدایہ ہی کی جس عبارت سے بیعت کا بلا طیب خاطر ہونا ثابت ہوتا ہے، اسے عباسی صاحب نے جان بوجھ کر چھوڑ دیا ہے۔ وہ یہ ہے :ــ

"پھر حضرت امیر معاویہؓ نے خطبہ دیا اور یہ لوگ ان کے ممبر کے نیچے موجود تھے، لوگوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ لوگ بیٹھے تھے نہ موافقت کی اور نہ اختلاف ظاہر کیا کیونکہ انہیں ڈرایا اور دھمکایا جا چکا تھا۔ اس طرح یزید کی بیعت تمام ممالک میں ہوئی "

البدایہ کے یہ فقرے آپ کے نزدیک اس بات کا کافی ثبوت ہوں تو ہوں کہ صحابہ کرام نے ڈر کے مارے زبان بند رکھی، لیکن ذرا ابن خلدون کے ارشاد پر بھی نظر ڈال لیجئے۔ وہ فرما رہے ہیں:۔

"عمومی اتفاق کے ساتھ حضرت معاویہؓ کا یزید کو ولیعہد بنانا اس فعل کے الزام سے بالاتر ہونے کے لئے بجائے خود حجت ہے، نیز انہیں یوں بھی متہم نہیں کیا جاسکتا کہ یزید کو ترجیح دینے میں ان کے پیش نظر اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ امت کے اتحاد و اتفاق کا شیرازہ بندھا رہے۔ اس وقت ارباب حل و عقد یزید ہی کی ولیعہدی پر مطمئن ہو سکتے تھے کیونکہ وہ اکثر و بیشتر بنو امیہ ہی کے افراد تھے اور بنی امیہؓ کا اپنے سے باہر کے کسی شخص کی خلافت پر رضامند ہو جانا اس وقت متصور ہی نہیں ہو سکتا تھا اس وقت قریش میں وہی سب سے قوی گروہ کی حیثیت رکھتے تھے"!

پھر فرماتے ہیں:۔

"اور پھر معاویہؓ کے اقدام ولایت عہد کے وقت سیکڑوں صحابہؓ کا موجود ہونا اور اس پر خاموشی اختیار کرنا ثبوت ہے اس بات کا کہ معاویہؓ کی نیت اس بارے میں قطعاً مشکوک نہیں تھی۔ ورنہ یہ صحابہ کرامؓ حق کے معاملے میں بزدلی، چشم پوشی اور ڈھیل دینے کے ہرگز بھی روادار نہیں ہو سکتے تھے اور نہ معاویہؓ ہی ایسے تھے کہ حق کو قبول کرنے میں حب جاہ ان کا راستہ روک دیتی۔ یہ سب اس سے بہت بلند ہیں اور ان کی عدالت ایسی کمزوریوں سے بالیقین بالاتر ہے"!

(مقدمہ ابن خلدون بحث ولایت عہد)

فرمایئے کیا ابن خلدون نے بھی صحابہ کرامؓ کی خموشی کو اسی دھونس، دھاندلی اور مرعوبیت کا ثمرہ قرار دیا ہے جسے ابن کثیر نے ذکر کیا اور آنجناب نے حرف آخر مانا۔ ابن خلدون کبھی نبی نہیں تھے کہ ان کی ہر بات آپ مان ہی لیں تاہم یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ عباسی صاحب پہلے آدمی نہیں ہیں جنہوں نے صحابہ کرامؓ کے سکوت کو خوف زدگی اور دون ہمتی پر محمول کرنے سے انکار کر دیا ہے بلکہ پہلے بھی کچھ اصحاب الرائے اس انکار کا اعلان کرتے رہے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ حق کی راہ میں جان و مال کو پرِ کاہ کی برابر حقیر سمجھنے والے بارہا کے آزمودہ مردان کار کی سیرت سے یہی حسن ظن زیادہ جوڑ کھاتا ہے کہ ان کی ہمت مردانہ نے معاویہؓ کی تلوار کے سامنے گھٹنے نہ ٹیک دئے ہوں۔ ان کی حمیت حق

معاویہؓ کا نیزہ دیکھ کر تھر تھر نہ کانپ اٹھی ہو، ان کی پہاڑ جیسی حق گوئی و حق کوشی کا شعلہ سوزاں معاویہؓ کے دہنِ اقتدار کی پھونکوں سے نہ بجھ گیا ہو، بلکہ ان کا سکوت یہ معنی رکھتا ہو کہ ولایتِ یزید کے لئے معاویہؓ کا اقدام ان کے نزدیک بھی ایسا ہی لائق پذیرائی ہو کہ ملک و ملت کے مفاد میں اسے پسند کر لیا جائے۔ آنجناب اس حسن ظن پر آمادہ نہ ہوں تو یہ آپ کو اختیار ہے لیکن یہ اختیار آپ کو نہیں ہے کہ عباسی صاحب یا ابن خلدونؒ یا ابن تیمیہؒ یا امام غزالیؒ یا قاضی ابو بکرؒ وغیرہم کو بھی اس حسن ظن پر مطعون کرنے لگیں۔

یہ معروضہ اس پہلو سے تھا کہ صحابہؓ کے سکوت کو خوف زدگی پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے لیکن اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ البدایہ سے آپ کی نقل کی ہوئی عبارت بیعت کے بطیب خاطر ہونے کے لئے دلیل کا درجہ رکھ سکتی ہے تو اس پہلو سے ہم چار باتیں عرض کریں گے:۔

اولاً یہ کہ عباسی صاحب نے بیعت یزید کے بطیب خاطر ہونے پر صرف البدایہ ہی کی منقولہ تصریح کو دلیل نہیں بنایا ہے بلکہ اور بھی مثبت و منفی دلائل دئے ہیں۔ آپ نے جو فقرے البدایہ سے نقل کئے صرف وہی ان کے تمام دلائل کا خاتمہ کرنے کے لئے کافی نہیں۔ جو شخص تاریخی شواہد کے ساتھ یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ امیر معاویہؓ پر دھونس دھاندلی اور جبر و تشدد کے الزامات خلاف واقعہ ہیں، وہ البدایہ سے وہ فقرے نقل کرنے میں تو یقیناً حق بجانب ہے جو عباسی صاحب نے لئے لیکن وہ عبارت اسے چھوڑ ہی دینی چاہئے تھی جسے آنجناب نقل کر کے رد فرما رہے ہیں۔ آخر ابن کثیرؒ اس درجہ میں [illegible] نہیں ہیں کہ ان کی کتاب کے ان مطالب پر بھی وثوق کیا جائے جو متعدد شواہد کی روشنی میں معتبر ہیں۔ ابن کثیرؒ ڈرانے دھمکانے کے ثبوت میں کوئی مضبوط دلیل نہیں دیتے بلکہ سرسری دعوے کرتے چلے جاتے ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ یہ دعویٰ مان ہی لیا جائے۔

ثانیاً یہ کہ جس ڈرانے دھمکانے کا ذکر اس عبارت میں ہے اس کا تعلق صرف ان لوگوں سے ہے جو حضرت معاویہؓ کے ایک خطبہ کے وقت حاضر مجلس تھے۔ ظاہر ہے یہ محدود تعداد میں رہے ہوں گے تمام مملکت کے بیعت کرنے والوں کے مقابلہ میں ان کی عددی حیثیت کچھ بھی نہیں۔ ان میں اگر بیعت کی رغبت و رضامندی بھی پائی جا رہی ہو تو یہ ثابت نہیں ہوتا کہ غالب ترین اکثریت کی بیعت بھی رضا و رغبت سے خالی ہی تھی۔ ہر سمت سے آنے والے وفود نکیل ڈال کر نہیں لائے گئے تھے تب کیا یہ بات غیر معمولی یا حیرت ناک ہے کہ عباسی صاحب نے اکثر پر کل کا حکم لگا دیا۔

ثالثاً یہ کہ اس عبارت میں فعلِ معاویہؓ کا ذکر ہے نہ کہ فعل یزید کا۔ آپ صاف صاف بتائیں

کہ صرف یزید ہی کے ظالم و خاطی ہونے پر آپ کو اصرار ہے یا معاویہؓ کے ظالم و جابر ہونے پر بھی اصرار فرماتے ہیں۔ یہ بات کھل کر ہونی چاہئے۔ البدایہ کی مذکورہ عبارت نقل کرنے سے تو واضح ہوتا ہے کہ آپ کا نشانہ صرف یزید ہی نہیں معاویہؓ بھی ہیں بلکہ اصلاً معاویہ ہی سے ناراضگی ہے ٹھیک بھی ہے کہ جب تک معاویہؓ ہی کے کردار میں کیڑے نہ ڈالے جائیں یزید کی بیعت کو چیلنج کرنا آسان نہیں ہے چلئے کوئی حرج نہیں، معاویہؓ کے بارے میں آپ کی جو بھی رائے ہو آپ مختار ہیں، لیکن ادب کے ساتھ عرض ہے کہ اگر عباسی صاحب صرف اس لئے غیر متوازن اور لاپروا اور حفظ مراتب سے بے بہرہ قرار دئے جارہے ہیں کہ انہوں نے کثیر دلائل کی روشنی میں اقدام حسینؓ کو اجتہاداً غلط اور موقفِ یزید کو مبنی بر صواب قرار دیا ہے تو وہ لوگ آخر کیوں ان الزامات سے بری الذمہ مان لئے جائیں جو معاویہؓ جیسے جلیل القدر صحابی، مایہ ناز مدبر اور بالغ نظر عالم کے اس طرز عمل کو جو انہوں نے امت کے مصالح اور مملکت کے مفاد کی خاطر اختیار کیا تھا دھونس اور دھاندلی اور ظلم و تشدد سے تعبیر کرتے ہیں، حسینؓ بڑے تھے، بہت بڑے تھے لیکن معاویہؓ بھی اتنے چھوٹے تو نہیں تھے کہ ہم ان کی مذمت کو بطیب خاطر قبول کرتے چلے جائیں اور مسرور ہوں کہ مدحت حسینؓ کا حق ادا ہو گیا۔

رابعاً یہ کہ بہ طیب خاطر بیعت ہونے کا دعویٰ اگر مبالغہ پر بھی مبنی ہو تو ہم سوال کریں گے کہ بیعت میں تھوڑی سی گرانیِ خاطر کا شمول اس بیعت سے قائم ہونے والی حکومت پر آپ کے نزدیک کیا اثر ڈالتا ہے؟ اگر یہ مفروضہ گرانیِ خاطر اس حکومت کو مشکوک بناتی ہے تو اس سے قطع نظر کہ یہ بات صریح احادیث اور اصول دین کے خلاف ہے حضرت علیؓ کی خلافت کے بارے میں بڑی الجھنیں پیدا ہو جائیں گی۔ یزید کی بیعت گرانیِ خاطر ہی سے سہی مگر منعقد تو ہوئی اور ملک بھر میں اسے امیر و حاکم مانا گیا لیکن حضرت علیؓ کی بیعت سے تو اتنے کثیر لوگ روگرداں رہے کہ بقول ابن تیمیہؒ ان کا شمار بس اللہ ہی کے علم میں ہے۔ پھر جس پُر آشوب ماحول و فضا میں خلافت علیؓ قائم ہوئی ہے کون اصول پسند اور آئین شناس کہہ سکتا ہے کہ جمہوریت اور آزادانہ انتخاب کے تقاضے ادنیٰ درجہ میں بھی پورے ہوئے قاتلین عثمانؓ کے زیر سایہ ان کی خواہش کے مطابق ان کی نادر شاہی کے تسلط میں حضرت علیؓ کی خلافت منعقد ہوئی اور بڑی بڑی معظم ہستیاں اسے چیلنج کر گزریں۔ اگر یہ خلافت آئینی حیثیت سے منعقد ہے، اس کے احکام سے سرتابی جرم ہے۔ اسے چوتھی خلافت راشدہ ماننا ضروری ہے تو آخر یزید کی حکومت کس قانون اور کس معیار عدل سے

مشکوک و نامعتبر ٹھیرائی جا سکتی ہے جسے سلطنت کے تمام حدود میں لڑے بھڑے بغیر تسلیم کیا گیا جس کی بیعت جوق در جوق ہوئی۔ جسے کتنے ہی عظیم المرتبہ اصحاب رسولؐ نے معتبر مانا، جس کے لئے بہت پہلے سے مشورہ اور استصواب کیا گیا جس کی داغ بیل ایک مسلم الثبوت مدبر صحابی نے ڈالی۔

یہ حکومت معتبر تھی اور یقیناً تھی تو ان لوگوں کا جرم بتایا جائے جو اس حکومت کو ناقابل اعتبار قرار دینے والوں کے موقف کو نادرست خیال کرتے ہیں۔

آنجناب نے آخر میں یہ بھی لکھا ہے:۔

”عباسی صاحب نے کتاب میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام کے لئے خروج کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ بہت بڑی جسارت ہے اور یہ چیز جمہور اہل سنت کے مسلک کے خلاف ہے۔“ (ص ۵۲)

لیکن آپ یہ بات نظر انداز کر رہے ہیں کہ اقدامِ حسینؓ کو خروج کے لفظ سے تعبیر کرنے کا قصور بڑے بڑے لوگ کر گئے ہیں۔ صحابی جلیل ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں:۔

غلبنی الحسین علی الخروج وقلت لہ اتق اللہ فی نفسک والزم بیتک ولا تخرج علی امامک۔

البدایہ جلد ۸ ص ۱۶۳

حسین نے مجھ پر خروج کرنے کے لئے زور دیا تو میں نے کہا کہ حسین! دل میں خدا کا خوف لاؤ اور اپنے گھر میں بیٹھو اور اپنے امام پر خروج مت کرو۔

دوسرے صحابی ابو واقد اللیثیؓ فرماتے ہیں:۔

فناشدتہ اللہ ان لا تخرج فانہ من یخرج غیر وجہ خروج انما خرج یقتل نفسہ (ایضاً)

میں نے حسینؓ کو اللہ کا واسطہ دیا کہ خروج مت کرو کیونکہ جو بلا وجہ خروج کرتا ہے اپنی جان گنواتا ہے۔

امام ابن تیمیہؒ بھی بے دھڑک خروج ہی کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ انہوں نے پہلے تو ابن عمر، ابن عباس اور ابن عبد الرحمٰن رضوان اللہ علیہم کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ وہ اقدام حسینؓ کو خروج ہی سے تعبیر کرتے تھے۔

پھر فرماتے ہیں:۔

فتبین ان الامر علی ما قال لہ اولٰئک اذ لم یکن فی الخروج مصلحۃ

پس واضح ہو گئی یہ بات کہ رائے ان اصحاب ہی کی درست تھی جو حسینؓ کو خروج سے روک

لا فی دین ولا فی دنیا بل تمکن اولئک الظلمة الطغاة من سبط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی قتلوہ مظلوماً شھیداً وکان خروجہ وقتلہ من الفساد ما لم یکن یحصل لو قعد فی بلدہ۔

(منہاج السنۃ جلد ۲ صفحہ ۲۴۲)

رہے تھے کیونکہ خروج میں دین اور دنیا کسی کی بھی کوئی مصلحت نہ تھی بلکہ اس کی وجہ سے سنگ دل ظالموں کو رسول اللہؐ کے نواسے پر قابو پانے کا موقع مل گیا یہاں تک کہ انہوں نے انہیں قتل کر دیا اس حال میں کہ وہ مظلوم تھے اور شہید۔ اور ان کا خروج اور قتل ایسے فساد کا باعث بنا کہ اگر وہ اپنے شہر میں بیٹھے رہتے تو یہ رونما نہ ہوتا۔

. . . . . .

یہ چند مثالیں ہیں۔ اس موضوع پر گفتگو کرنے والے کتنے ہی علماء اقدامِ حسینؓ کو خروج ہی سے تعبیر کرتے آئے ہیں۔ پھر کیوں آپ عباسی صاحب کی اس تعبیر کو "بڑی جسارت" قرار دے رہے ہیں۔

رہا جمہور اہل سنت کے مسلک کا معاملہ۔ تو محترم! "خروج" کے معنی ہیں حکومت وقت کے خلاف اٹھنا۔ اس کے بالمقابل اپنے اقتدار کی سعی کرنا۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ "خروج" کبھی برحق ہو کبھی ناحق لیکن اس واقعہ سے تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ حکومت یزید کے خلاف حضرت حسینؓ کھڑے ہوئے بیعت سے گریز کیا اور اپنی بیعت لینے کوفہ گئے۔ یہ جب اٹل واقعہ ہے تو پھر کسی کے مسلک اور بے مسلک کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے جو دو رائیوں کے متحمل ہوں۔ مسلّم تاریخی واقعہ میں ردّ و قبول کا کیا سوال اور مسلک چہ معنی دارد! آپ کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ خروجِ حسینؓ کو ناحق ماننا جمہور کے مسلک کے خلاف ہے، تب بیشک بات بنتی گو اس کا ثبوت پھر بھی آپ کے ذمہ رہتا، مگر بات تو ذو معنی ہوتی۔ بصورت موجودہ یہ مہمل ہے۔

اور یہ بھی سن لیجئے کہ "جمہور" کی اصطلاح دلچسپ مغالطے سے خالی نہیں۔ محدثین اور شوافع کی کتابیں اٹھا کر دیکھئے جگہ جگہ ملے گا:۔

ھذا مذھب الشافعی والجماھیر وخالف ابو حنیفۃ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ افضل زمانے کے جمہور بھی واجب الاتباع نہ تھے۔ پھر مفضول زمانے کے یہ "جمہور" کیونکر حجت بن سکتے ہیں اور اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ ابو حنیفہؒ کے بالمقابل جمہور بلکہ "جماہیر" کی دہائی پہلے بھی لوگ دیتے رہے ہیں مگر احناف نے اس کی پروا بالکل نہیں کی ہے، اور اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ "جمہور" کی پیمائش کا کوئی متعین فیتہ نہیں، بلکہ مختلف گروہ اپنے اپنے فیتوں سے یہ پیمائش کرتے رہے ہیں

اور دوسرے گروہوں نے اس کی صحت پر آمنا و صدقنا نہیں کہا ہے۔

تاریخی واقعات کی تحقیق و تنقیح میں جمہور اہل سنت کے مسلک کو بیچ میں لانا عجیب سی بات ہے۔ اس کا محل صرف اس وقت تھا جب عباسی صاحب نے یہ کہا ہوتا کہ خروجِ حسینؓ سراسر معصیت تھا۔ اس وقت بے شک یہ مسئلہ نظری بن جاتا اور مسلک کا سوال اٹھ کھڑا ہوتا، لیکن انہوں نے معصیت نہیں کہا۔ صرف لفظ خروج استعمال کیا تو یہ ایک حقیقتِ ثابتہ کا اظہار ہے نہ کہ جسارت و بے ادبی۔ ہم اسے عقیدت کی افراط ہی سمجھتے ہیں کہ جو کچھ بلا ریب و شک پیش آ چکا ہے اسے بھی تسلیم کرنے میں صحابہ کرامؓ سے زیادہ نزاکت و صالحیت کا مظاہرہ کیا جائے اور بلاوجہ اس شخص کو مجرم گردانا جائے جس نے بیان واقعہ میں لاگ لپیٹ نہیں رکھی ہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ عباسی صاحب نے امام غزالیؒ کے الفاظ:۔

"اما الترحم علیہ فجائز" کا جو یہ ترجمہ کیا ہے کہ ان (یزید) پر رحمۃ اللہ علیہ کہنا جائز ہے اسی سے ان کے ذہنی میلان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔" صفحہ ۴۴

ہم عربی پر عبور تو نہیں رکھتے مگر شد بد ضرور ہے۔ ترحّم (باب تفعّل) کے معنی اگر "رحمۃ اللہ علیہ" کہنے کے نہیں آتے تو آپ بتائیں کہ اور کیا آتے ہیں؟ ہمارا حقیر سا علم یہ ہے کہ جس طرح تلبیہ لبیک کہنے کو کہتے ہیں اسی طرح ترحّم رحمۃ اللہ علیہ کہنے کے لئے خاص ہے اور کسی مفہوم میں یہ استعمال ہی نہیں ہوتا۔ عباسی صاحب کا ترجمہ بالکل صحیح ہے۔ اسے ان کے قابل اعتراض ذہنی میلان کا ثبوت بنانا اسی صورت میں ممکن ہے کہ آپ اس ترجمہ کا غلط ہونا ثابت کر کے دوسرا صحیح ترجمہ پیش فرمائیں۔

—— (٭) ——

یہاں تک یزید کے بارے میں گفتگو تھی۔ اب اس گرفت کو لیجیے جو آپ نے حضرت علیؓ کے تعلق سے کی ہے۔

ہمیں اس اعتراف میں کوئی تامل نہیں کہ عباسی صاحب حضرت علیؓ کے ویسے عقیدت مند نہیں معلوم ہوتے جیسے کہ امّت کے اکثر لوگ ہیں، لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے بارے میں جو بھی تاثرات انہوں نے دیئے چاہے ہیں کیا ان کے لئے خود ساختہ واقعات اور بے حقیقت شواہد سے کام لیا ہے یا واقعات و شواہد میں کوئی کذب و افترا نہیں۔ اگر پہلی صورت ہو تو بے شک انہیں سخت مجرم قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن دوسری صورت ہو تو ان پر اس سے زیادہ کوئی الزام عائد نہیں ہوتا کہ انہوں نے اخذ نتائج میں پیرویِ محض پر اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ اپنے طور پر سوچنے سمجھنے کی کوشش کی ہے ان کے

طرزِ فکر اور اخذ کردہ نتائج سے اختلاف بالکل نہیں ہے مگر یہ کہنا درست نہیں کہ اپنے طور پر سوچنے سمجھنے کی کوشش ہی جرم ہے۔

تقریباً ایک صفحہ پر آپ نے ان کے جو اقتباسات دئے ہیں ان کے بارے میں آپ کا دعویٰ ہے کہ وہ بہت غلط تاثرات حضرت علیؓ کے بارے میں دیتے ہیں۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ ان اقتباسات میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ تاریخی اعتبار سے غلط ہے؟ ــــ اگر غلط ہے تب تو اعتراض بجا، لیکن غلط نہیں ہے تو اس کے تاثرات پر خفا ہونا کس قسم کا انصاف ہے۔

آپ کو رنج ہے کہ عباسی صاحب نے شاہ ولی اللہؒ اور ابن تیمیہؒ کے فرمودات کے ساتھ افسوسناک ظلم و زیادتی کی ہے، لیکن شواہد آپ نے بہت کمزور دئے ہیں۔

ایک زیادتی تو بیشک واضح ہے کہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں جو موقف حضرت عائشہؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ وغیرہ کا تھا اسے انہوں نے دو جگہ ازالۃ الخلفاء سے اس طرح نقل کر دیا ہے گویا وہ خود شاہ ولی اللہؒ کا موقف و مسلک ہے، لیکن یہ غلطی ان سے شاید سہواً ہوئی ہے، کیونکہ نئے ایڈیشن میں انہوں نے دونوں مقامات پر اس کی اصلاح کر دی ہے یا سہواً نہیں، بلکہ انہوں نے جان بوجھ کر کی ہو تو آپ کا اعتراض یقیناً بجا ہوگا، لیکن آپ کے اعتراض کے تیور کچھ ایسے ہیں گویا انہوں نے اس سے بہت زیادہ عیاریاں، تحریفیں اور غلطیاں کی ہیں۔

اس غلطی کے علاوہ ہم نہیں سمجھ سکے کہ شاہ صاحبؒ کے فرمودات میں انہوں نے کیا تحریف کی۔ آپ نے اثبات مدعا میں اولاً شاہ صاحب کی وہ عبارت نقل کی ہے جس میں انہوں نے حضرت علیؓ سے خوارج کے اختلاف کو باطل ٹھیرایا ہے۔ لیکن اس کی نقل سے اس وقت فائدہ ہوتا جب عباسی صاحب نے کہیں یہ لکھا ہوتا کہ شاہ صاحب خوارج کے اختلاف کو برحق قرار دیتے ہیں۔ ایسی بات انہوں نے کہیں نہیں لکھی نہ اشارتاً بھی یہ ان کی کسی عبارت سے نکلتی ہے۔ لہٰذا طولِ لاطائل کے سوا آپ کی نقل کو کیا کہیں گے۔

ثانیاً آپ نے شاہ صاحب کی وہ عبارت نقل کی جس میں انہوں نے یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں حضرت عائشہؓ اور طلحہ و زبیرؓ سے اجتہادی غلطی ہوئی تھی۔ اس نقل کا فائدہ اس وقت ہوتا جب عباسی صاحب نے کہیں یہ لکھا ہوتا کہ شاہ صاحبؒ ان حضرات کے اجتہاد کو حضرت علیؓ کے بالمقابل درست قرار دیتے ہیں اور حضرت علیؓ کا موقف غلط سمجھتے ہیں۔ مگر عباسی صاحب نے ایسا بھی کہیں نہیں لکھا رہی یہ بات کہ خود عباسی صاحب ان حضرات کے اجتہاد کو غلط نہ سمجھتے ہوں یہ الگ مسئلہ ہے۔

اس سے شاہ ولی اللہؒ کے فرمودات کی تحریف نہیں ثابت ہوتی، بلکہ صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ عباسی صاحب ہر خیال و رائے میں شاہ صاحب کے متبع نہیں ہیں، تو یہ کوئی جرم نہیں۔ تحریف و بد دیانتی نہیں۔

ثالثاً آپ نے شاہ صاحبؒ کی وہ عبارت نقل کی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے نزدیک حضرت علیؓ کے بالمقابل حضرت معاویہؓ کا اجتہاد مبنی بر خطا تھا۔ اس نقل کا فائدہ اس وقت ہوتا جب عباسی صاحب یہ دعویٰ کر رہے ہوتے کہ شاہ صاحب اجتہادِ معاویہؓ کو برحق اور اجتہادِ علیؓ کو غلط کہتے ہیں، لیکن انہوں نے ایسا دعویٰ بھی کہیں نہیں کیا، وہ بجائے خود اجتہادِ معاویہؓ کے مبنی بر صواب ہونے کا کتنا ہی وثوق رکھتے ہوں، لیکن شاہ صاحب کی طرف تو اس کی نسبت نہیں کی ہے۔ پھر کونسا ظلم ہے جو آپ کی نگاہ میں شاہ صاحبؒ کے فرمودات کے ساتھ کیا گیا۔

رہا آپ کا یہ کہنا:۔

"مصنف کی ہنرمندی اور چابکدستی دیکھئے کہ انہوں نے صرف اس فقرے کو دیکھ کہ "خلافت برائے حضرت علیؓ مرتضیٰ قائم نہ شد" حکم فرما دیا کہ شاہ ولی اللہؒ بھی حضرت علیؓ کی خلافت کے معاملہ میں یہی رائے رکھتے تھے جو خود ان (مصنف صاحب) کی ہے۔ اس قسم کی تحریف علمی دیانت داری کے منافی ہے:"

تو یہ بھی عباسی صاحب کے ساتھ زیادتی ہے۔ یہ تو بالکل کھلی بات ہے کہ تاریخ کی زیر بحث شخصیتوں کے بارے میں جس خیال و رائے کا اظہار و اثبات عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں کیا ہے وہ من حیث المجموع شاہ ولی اللہؒ اور ابن تیمیہؒ دونوں ہی حضرات کی مجموعی رایوں سے جداگانہ ہے، یہ دعویٰ نہ مصنف کا ہے نہ کوئی اور ایسا تصور کر سکتا ہے کہ مذکورہ دونوں شخصیتیں ہر پہلو سے عباسی صاحب ہی کے موقف و مسلک کی قائل رہی ہیں۔ عباسی صاحب اگر ان عبارتوں سے کہیں کہیں استشہاد کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ اپنے تمام ہی مزعومات و تصورات میں ان شخصیتوں کو اپنا ہمنوا قرار دے رہے ہیں، بلکہ ہم نوائی صرف انہی اجزاء تک محدود رہتی ہے جن کے بارے میں استشہاد کیا گیا ہے۔ حضرت علیؓ کی خلافت سے متعلق مسائل بہت سارے ہیں، حضرت معاویہؓ کو یکلخت برطرف کر دینے میں وہ حق بجانب تھے یا نہیں؟ ــــ معاویہؓ کو ان کا حکم قبول کر لینا چاہئے تھا یا قبول نہ کرنا ہی مناسب ہوا؟ ــــ قصاص عثمانؓ کے بارے میں حضرت علیؓ کا طرزِ عمل کیا بے بسی پر مبنی تھا یا ڈھیل دینے کے مرادف تھا ــــ؟ یہ اور اسی نوع کے متعدد پہلو ہیں جو خلافتِ

علیؓ سے مربوط ہیں۔ عباسی صاحب نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ شاہ ولی اللہؒ تمام پہلوؤں میں میرے ہم رائے ہیں۔ وہ صرف ایک بنیادی مسئلہ پر ان کی تائید کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ حضرت علیؓ کی خلافت پہلے تین خلفاء جیسی آئینی مضبوطی نہیں رکھتی تھی۔ وہ پہلی خلافتوں جیسی مکمل و منظم نہیں تھی۔ اس میں مقابلتاً نقص پایا جاتا تھا۔ تو یہ سب کچھ شاہ ولی اللہؒ نے نہ صرف تسلیم کیا بلکہ ثابت فرمایا ہے۔ عباسی صاحب نے شاہ صاحب کے جو اقتباسات دئے ہیں وہ اسی مدعا کا اثبات کرتے ہیں اور شاہ صاحب نے تو ازالۃ الخلفاء کے مقصدِ اول میں مستقل باب باندھا ہے۔

"اس امر کے بیان میں کہ خلافت خاصہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے عہد خلافت میں منتظم نہ ہوئی۔"

اس میں انہوں نے یہ بھی واضح فرمایا ہے کہ جن تین زمانوں کے ازمنہ خیر ہونے کی خبر اللہ کے رسولؐ نے دی تھی وہ حضرت عثمانؓ کی خلافت پر تمام ہو گئے۔ حضرت علیؓ کا زمانہ خلافت خیر القرون سے خارج ہے۔ اس میں وہ عنایات الٰہیہ جو ماضی قریب میں نزول کر رہی تھیں مستتر ہو گئیں اور باوجود کوشش بسیار کے ذرا سا بھی فائدہ حاصل نہ ہوا۔ کفّار کو شکست دینا کم ہو تا گیا۔ اللہ کی مدد و نصرت بھی متحقق نہ ہوئی۔ اصلاح عالم کا مقصد گم ہو گیا۔ اسی لئے شاہ صاحب یہ تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت علیؓ کی اطاعت ایسی ہی ضروری تھی جیسی سابق خلفاء کی، بلکہ وہ کہتے ہیں آپ کی اطاعت ظنّ غالب کی بناء پر لازم ہوتی ہے درانحالیکہ سابق خلفاءؓ کی اطاعت بر بنائے یقین لازم تھی۔

فصل پنجم کے مقصد اوّل میں وہ احادیث سے ثابت فرماتے ہیں کہ خلافت خاصّہ حضرت عثمانؓ پر تمام ہو گئی۔ حضرت علیؓ میں خلافتِ خاصہ کے اوصاف تو کامل طور پر موجود تھے مگر ان کی خلافتِ خاصہ قوت سے فعل میں نہیں آئی۔

عباسی صاحب اسی بنیادی مسئلہ میں شاہ صاحبؒ کے تائیدی اقوال نقل کر گئے ہیں تو یہ بد دیانتی کیسے ہوئی۔ اس خیال کی نسبت شاہ صاحبؒ کی طرف بیشک عباسی صاحب کی خطا ہے کہ "حضرت علیؓ کے لئے کسی طرح کی بھی خلافت منعقد نہیں ہوئی"۔ مگر جیسا کہ عرض کیا نئے ایڈیشن میں انہوں نے واضح کر دیا ہے کہ یہ رائے شاہ صاحبؒ کی نہیں بلکہ حضرت عائشہؓ وغیرہ کی ہے جس نے انہیں مقابلہ پر آمادہ کیا تھا۔

ابن تیمیہؒ کے فرمودات کے ساتھ ظلم کا الزام بھی ناقابلِ فہم رہا۔ یہ عباسی صاحب نے کہاں کہا کہ زیر بحث شخصیتوں کے بارے میں ابن تیمیہؒ کا مسلک بھی بالکل میرے ہی جیسا ہے انہوں نے تو صرف اتنا

کیا ہے کہ جن بنیادی امور میں ابن تیمیہؒ کی رائے ان کے خیال کے مطابق تھی یا جن تاریخی واقعات کو ابن تیمیہؒ نے بھی اسی صفائی سے بیان کیا تھا جس صفائی سے دوسرے لوگ بیان کرتے ہوئے کتراتے ہیں، انہی میں عباسی صاحب نے ان سے استشہاد کیا ہے، آپ ثبوت ظلم میں ابن تیمیہؒ کی صرف وہ عبارت نقل فرماتے ہیں جس میں انہوں نے حضرت علیؓ کو حضرت معاویہؓ سے باعتبار مرتبہ افضل مانا ہے، مگر یہ تو لایعنی سی بات ہوئی۔ آخر عباسی صاحب نے یہ دعویٰ کس جگہ کیا ہے کہ ابن تیمیہؒ حضرت علیؓ کو معاویہؓ سے افضل نہیں مانتے۔ ان کی اپنی رائے کچھ بھی ہو، لیکن ابن تیمیہؒ سے تو تفضیلِ معاویہؓ کا خیال انہوں نے منسوب نہیں کیا۔

رہے وہ تاریخی حقائق جن کے بیان پر آپ نے عباسی صاحب کو قابل اعتراض تاثرات دینے کا مجرم ٹھیرایا ہے تو معاف کیا جائے کہ منہاج السنۃ سے بھی اگر آپ چاہیں تو ایسی چند عبارتیں نکال کر سامنے رکھ سکتے ہیں جن کے بارے میں یہ احتجاج کیا جا سکے کہ ان سے بڑا غلط تاثر قاری کے ذہن پر پڑتا ہے۔ مثلاً منہاج السنۃ میں وہ فرماتے ہیں :۔

"تینوں خلفاء پر امت متفق ہو گئی تھی اور ان کی سرکردگی میں کفّار سے جہاد کیا تھا اور شہر فتح کئے تھے اور علیؓ کی خلافت میں نہ کفار سے جہاد ہوا نہ شہر فتح ہوئے بس اہلِ قبلہ ہی کے درمیان تلوار چلتی رہی۔"

کیا ٹھیک یہی بات عباسی صاحب نے سپرد قلم نہیں کی تھی جس پر آپ نے احتجاج کیا؟ یا مثلاً ابنِ تیمیہؒ فرماتے ہیں :۔

"رائے انہی صحابہؓ کی ٹھیک تھی جو حسینؓ کو خروج سے روک رہے تھے اس وجہ سے کہ خروج میں تو نہ دنیا کی کوئی مصلحت تھی نہ دین کی بلکہ اس کے نتیجہ میں سنگ دل ظالم سبطِ رسولؐ پر قابو پا گئے اور انہیں مظلوم شہید کر ڈالا۔ حسینؓ کا خروج اور قتل ایسے فساد کا باعث بنا کہ اگر وہ گھر میں بیٹھے رہتے تو یہ رونما نہ ہوتا۔ انہوں نے جس تحصیلِ خیر اور دفع شر کا قصد کیا تھا وہ تو لا حاصل ہی رہا البتّہ ان کے خروج اور قتل سے شر میں اضافہ اور خیر میں کمی واقع ہو گئی اور شرِ عظیم کا دروازہ کھل گیا۔"

دیکھ لیجئے عام تصورات کی روشنی میں کس قدر آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ ابن تیمیہ بڑا غلط تاثر پیدا کر رہے ہیں۔ یہاں تو ایمان یہ ہے کہ :۔

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اور ابن تیمیہؒ خروج حسینؓ کو سراپا زیاں ہی زیاں بتلاسبے ہیں۔

—— (✻) ——

اختتام پر جو نصیحت آمیز سطور آپ نے لکھی ہیں ان کی ہم بھی تحسین کرتے ہیں، مگر یہ اس وقت زیادہ کارگر تھیں جب عباسی صاحب نے حضرت علیؓ یا حضرت حسینؓ کے کسی فعل و رائے کو معصیت قرار دیا ہوتا۔ انہیں عذابِ آخرت کا مستوجب گردانا ہوتا، لیکن یہ ان کی کتاب میں نہیں ملتا —

یزید کے بارے میں خود ہم بھی اتنے اونچے خیالات نہیں رکھتے جتنے عباسی صاحب کے ہیں لیکن وہ اگر اپنے دلائل کی بناء پر اس کی وہی پوزیشن صحیح سمجھتے ہیں جسے کتاب میں ظاہر کیا گیا ہے تو اسے خارجیت اور ناصبیت بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ نہ بے اعتدالی اور اندھی جانب داری کا نام دے سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔ (ماہنامہ تجلی)

ترجمان القرآن کے تبصرہ نگار نے صاحب روح المعانی السید محمود الآلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ کی نقل کردہ حدیث سے جس میں ان لوگوں پر اللہ اس کے فرشتوں اور پوری نوع البشر کی لعنت بھیجی گئی ہے جو اہل مدینہ پر ظلم کریں اور انہیں خوف زدہ کریں یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ مستحق لعنت امیر یزیدؒ ہیں کیونکہ باغیانِ مدینہ کے خلاف جو پولیس ایکشن کیا تھا اس میں اہل مدینہ پر اس طرح کے مظالم ہوئے تھے کتاب خلافت معاویہؓ و یزیدؒ کے تیسرے ایڈیشن میں تفصیلی گفتگو آچکی ہے اور مظالم کی مبالغہ آمیز داستان کی قلعی کھولی جا چکی ہے۔ تبصرہ نگار اس کتاب میں خروجوں کے حالات ملاحظہ فرمائیں اس حدیث کا انطباق جن لوگوں پر ہوتا ہے ان کی نشان دہی واضح طور سے ہو گئی ہے خصوصاً قرامطہ کی جنہوں نے اہل مدینہ و اہل مکہ پر جو ظلم کئے خونریزیاں کیں، حجر اسود کو اکھاڑ لے گئے اور بیسیوں برس تک اپنے پاس رکھا اس کتاب کے صفحات پر ان کی تفصیلات موجود ہیں۔

تبصرہ نگار کی ذہنیت کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کئی سال کے بعد بھی جب تیسرا ایڈیشن کتاب کا شائع ہو گیا تھا اور پچھلے ایڈیشن میں جو عبارتیں ترک ہو گئی تھیں انہیں درج کر دیا گیا، شاید زبان طعن دراز کرنے کے لئے انہوں نے پہلے ہی ایڈیشن پر تبصرہ منحصر کیا اور متقدمین کی تضاد بیانی سے فائدہ اٹھا کر امیر یزیدؒ کی منقصت میں جو کچھ ان کے ہاتھ آ گیا اسی سے استدلال کیا ہے یہ باتیں اہل علم کی شان سے بعید ہیں مناقب کی وضعی حدیثوں سے کب تک کام چلے گا جس مقصد سے وضع ہوئی تھیں وہ زمانہ اور وہ حالات اب باقی نہیں بخصوص تاریخی واقعات کی تردید میں یہ ہتھیار بیکار ہو چکے ہیں۔ (م-ا-ع)

تقریظ و تبصرہ

از قلم جناب مولانا عبدالوہاب صاحب آروی

صدر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس

دہلی مورخہ ۱۵ر نومبر سنہ ۱۹۵۹ء

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت امیر معاویہؓ اور ان کے جانشین امیر یزیدؒ کے متعلق تاریخی دلائل و شواہد کیا ہیں ان سے ناآشنائی یا دیدہ دانستہ قطع نظر کر کے ہندو پاک کے مسلمانوں کے خیالات و رجحانات کیا ہیں؟ ان کا اندازہ اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ متحدہ ہندوستان کے ایک مشہور دہلوی پیر اور نامور اہل قلم نے "طمانچہ بر رخسار یزید" نامی کتاب لکھنے میں اپنی سعادت سمجھی۔ ایک طرف اس واقعہ کو رکھئے دوسری طرف۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر نظر ڈالئے جو صحیح بخاری میں موجود ہے۔ اور سوچئے کہ "یزید دشمنی" کی اصلیت اور اس کی وجہ کیا ہے؟ ارشاد ہے کہ اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا[له] یعنی میری امت کی یہ پہلی فوج جو بحری جہاد کرے گی اس کے لئے جنت واجب ہوگی۔ امت کی یہ پہلی فوج جس نے بحری سفر کر کے نصرانیوں کے دار السلطنت قسطنطنیہ پر جہاد کیا اس کے سردار (سپہ سالار) امیر یزید بن امیر معاویہؓ تھے۔ اور امیر یزیدؒ کی اس فوج میں بڑے بڑے صحابہ کرام حضرت ابو ایوب انصاریؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور خود حضرت حسینؓ بھی شامل تھے۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔

یہ حقیقت ہے کہ تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بڑا ہی سنگین ہے۔ حضرت ممدوح کی شہادت مدینۃ النبی میں اور خود ان کے سکونتی مکان میں ایسی حالت میں ہوئی جبکہ وہ مسلمانوں کے بالاتفاق امیر المومنین اور خلیفہ تھے اور ان کی اطاعت اور ان کی جان و مال کا احترام تمام مسلمانوں پر فرض تھا، جن میں قاتلین بھی شامل تھے اور قتل سے پہلے کی

[له] یہ دوسری حدیث ہی امیر یزیدؒ کی مغفرت کے بارے میں جو حدیث ہے اس کے الفاظ میں یغزون مدینۃ قیصر

دنوں تک ان کے مکان کا اسی طرح محاصرہ کرلیا گیا تھا، کہ باہر سے ایک قطرہ پانی کا اور ایک دانہ اناج ان کو اور ان کے بچوں کو نہیں پہنچ۔ حضرت عثمانؓ اور ان کے بچے پیاس اور بھوک سے تڑپتے رہے اسی حالت میں گھر میں زبردستی گھس کر ان کو شہید کر دیا گیا۔

لیکن آج کئی ہزار میں شاید دو ایک ہی مسلمان ایسے نکلیں گے جو اس بات کو جانتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ اپنی طبعی موت سے نہیں مرے بلکہ شہید کئے گئے۔ اور اگر یہ دریافت کیا جائے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کس مہینہ اور کس تاریخ میں ہوئی اور قاتلوں کے نام کیا تھے۔ تو ان سوالوں کا جواب لاکھوں مسلمانوں میں مشکل ہی سے کوئی دے سکے گا۔

اس کے مقابلہ میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا چرچا پوری تفصیل کے ساتھ چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی ہے اور محرم الحرام کے پہلے عشرہ میں ''ہائے حسین، آہ حسین'' کی ماتمی صدا ہر جگہ سنی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کتاب و سنت اور اہل السنت والجماعت کی فقہی کتابوں میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ پھر اس کی وجہ سیاسی منافشات اور مصلحہ کے کچھ اور بھی ہے۔ حضرت حسینؓ کے ساتھ ہمدردی کے نام غیر شرعی مظاہروں اور اس میں بیحد غلو کا لازمی نتیجہ تھا کہ حضرت حسینؓ کی شہادت جن کے ہاتھوں ہوئی ان سے انتہائی نفرت اور بیزاری کا اظہار کیا جائے۔ ان پر سب وشتم کیا جائے لعن وطعن کیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ عبید اللہ بن زیاد اور امیر یزید کو بھی اسی گز سے ناپ دیا جائے اول الذکر اس لئے کہ اس نے حضرت حسینؓ کے مقابلہ میں فوجی دستہ بھیجا تھا۔ اور امیر یزید کو اس لئے کہ انہی کے دور حکومت میں سب کچھ ہوا تھا۔

عام مسلمانوں کو اس غلط فہمی سے نکالنے کی سعی برابر علمی وحسن کرتے آئے۔ ایک طرف تو وہ مکتب خیال تھا۔ جو حضرت علیؓ اور ان کے محترم صاحبزادوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے ہمدردی اور اس میں انتہائی غلو کے پیش نظر جھوٹی جھوٹی حدیثیں اور تاریخی روایات گڑھنے سے بھی باز نہیں آیا۔ دوسری طرف اہل السنت والجماعت کے وہ اکابر علماء تھے جو احقاق حق اور باطل کا ابطال کرتے رہے۔ اب سے تقریباً آٹھ سو سال پہلے شیخ عبد المغیث حنبلیؒ نے امیر یزیدؒ کے حسن سیرت اور اوصاف کے متعلق ایک مستقل کتاب ''فضل یزید'' کے نام سے لکھی۔ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے فتویٰ دیا کہ امیر یزیدؒ صحیح العقیدہ مسلمان تھے۔ اور ان کے لئے ''رحمۃ اللہ علیہ'' کہنا مستحب ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے بھی اپنی مشہور تالیف ''منہاج السنہ'' میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے حضرت امیر معاویہؓ اور امیر یزیدؒ کی منقبت ثابت ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی معرکۃ الآرا کتاب ''ازالۃ الخلفاء'' اس باب میں بہت ہی مفید اور جامع ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ''خلافت معاویہ و یزید'' کے فاضل مولف مولانا محمود احمد صاحب عباسی کو جنہوں نے تاریخ اسلامی کے ان جواہر پاروں کو تحقیق و ریسرچ کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ امید ہے کہ اس نادر علمی اور تاریخی کتاب کے مطالعہ سے حضرت امیر معاویہؓ اور امیر یزیدؒ کا صحیح مقام اور چوتھے خلیفہ راشد حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ اور خاندان بنو ہاشم و بنو امیہ کے نامور افراد کے مستند حالات اور ان کے باہمی خوشگوار تعلقات اور جنگ جمل و صفین اور کربلا کے اسباب و واقعات معلوم ہوں گے، اور سیاسی منافشات و مصالح کے پیش نظر امیر معاویہؓ و امیر یزیدؒ کے خلاف مخالف کیمپ سے جو مذموم اتہامات اور غلط الزامات لگائے جاتے ہیں ان کا تشفی بخش اور مسکت جواب دیا جا سکے گا۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ عباسی صاحب کی ہر تحقیق (ریسرچ) صحیح ہی ہو اور اس کتاب میں شروع سے آخر تک جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب کا سب حرف آخر کا ہی حیثیت رکھتا ہو، بلکہ اس میں بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن کی توقع مولانا عباسی جیسے عالی دماغ اور بلند پایہ اور منصف مزاج مورخ کے معتدل قلم سے نہیں ہو سکتی تھی مثلاً ایک جگہ یہ عنوان قایم کیا گیا ہے کہ ''(حضرت علیؓ کی) خلافت سے معزولی اور شہادت'' اور اس کے تحت لکھا گیا ہے کہ :-

''ثالثوں نے اتفاق رائے سے حضرت علیؓ کو منصب خلافت سے معزول کر کے نئے خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ اہل حل و عقد کے مشورہ پر منحصر کیا اور یہ قرار دیا کہ جب تک انتخاب خلیفہ کی کارروائی مکمل نہ ہو فریقین اپنے اپنے مقبوضہ علاقوں پر قایم رہیں''

اس عنوان اور اس کے ذیل میں خط کشیدہ عبارت کا مطلب تو یہ ہوا کہ صفین ہی کے موقع پر حضرت علیؓ مسند خلافت سے الگ کر دئے گئے اور اس کے بعد ان کی حیثیت خلیفہ کی نہیں بلکہ ایک عارضی گورنر کے ہو گئی۔ اور یہ مسلک اہل السنت والجماعت کے خلاف ہے۔ علمائے اہل سنت کے نزدیک حضرت علیؓ کی خلافت واقعہ صفین کے بعد بھی تا دم شہادت باقی تھی اور اس کا شمار خلافت راشدہ یعنی علی منہاج النبوت میں بالاتفاق ہے۔ اگر یہی بات تھی جو عباسی صاحب نے لکھا ہے تو سوال یہ ہوتا ہے کہ ثالثوں نے اس وقت جدید خلیفہ کا انتخاب ارباب حل و عقد کے مشورے سے کیوں نہیں کر دیا؟ اور امت کو ایک غیر معین مدت کے لئے بے امام اور خلیفہ کے کیوں چھوڑا؟ حالانکہ امت کے نزدیک امام یا خلیفہ کا نصب تمام مہمات سے اہم ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے نصب

امام کے معاملہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین پر مقدم رکھا۔

صفین کے موقع پر ثالثوں کی تجویز کا مطلب کیا اس کے سوا کچھ اور تھا؟ کہ فریقین حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ اپنی اپنی حیثیت پر اس وقت تک باقی رہیں جب تک باتفاق رائے کسی خلیفہ کا انتخاب نہ ہو، ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ کی حیثیت خلیفہ کی تھی، اور حضرت معاویہؓ پہلے سے شام کے گورنر تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ حضرت علیؓ کے مسندِ خلافت پر بیٹھتے ہی حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا اور رفتہ رفتہ اتنا سنگین بن گیا کہ اس کے نتیجہ میں جنگ جمل اور صفین کے ہولناک واقعات رونما ہوئے۔ اور حضرت علیؓ کے پورے شش سالہ دورِ خلافت میں سکون حاصل نہ ہو سکا۔ اس لئے تمام بلاد اسلامیہ پر ان کی خلافت و قیادت کا سکہ رواں دواں نہیں ہوا، لیکن اس پر تو تمام امت سلف سے لے کر خلف تک کا اتفاق ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت راشدہ تھی اور تا دمِ شہادت وہ خلیفہ رہے۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔

اسی طرح حضرت امیر معاویہؓ کی امارت یا خلافت کو خلافت راشدہ یعنی علی منہاج النبوت کہنا علمائے اہل سنت کی تصریحات کے خلاف ہے۔ اور عباسی صاحب کا روایت الخلافۃ ثلثون سنۃ کو موضوع قرار دینا بھی صحیح نہیں تفصیل و بسط کا یہ موقع نہیں، پھر کبھی دیکھا جائے گا۔

اس موقع پر اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ امامت یا خلافت کا مسئلہ کوئی ایسا اصولی مسئلہ نہیں جس کی معرفت ہر مکلف مسلمان پر واجب ہے۔ لیکن چونکہ شیعہ حضرات نے اس کو اصولی بنا کر اس میں چند چیزیں ایسی داخل کر دیا ہے جو جمہور اہل سنت کے مسلک کے خلاف ہیں اس لئے متکلمین نے بھی یہ طریقہ اختیار کیا کہ نبوت سے بحث کے بعد امامت یا خلافت کا ذکر کرتے ہیں ؎

اعلم مسئلۃ الامامۃ لیست من الاصول التی یجب علی کل مکلف معرفتہا عند اہل السنۃ والجماعۃ لکن لما جعلہا الشیعۃ من الاصول وزعموا فیہا امر مخالفۃ لمذہب الجمہور جرت عادۃ المتکلمین الخ۔

(حاشیہ شرح عقائد نسفی ص۱۰۹ مطبوعہ علیمی دہلی)

مولانا محمود احمد صاحب عباسی کے یہ علمی اور تاریخی مضامین جواب کتابی صورت میں خلافت معاویہ و یزید کے نام سے طبع ہو گئے ہیں جس وقت ماہانہ رسالہ "تذکرہ" کراچی میں "الحسین پر تبصرہ" کے عنوان سے یہ مضامین بالاقساط شائع ہو رہے تھے دفتر اخبار "ترجمان" دہلی کی وساطت سے

ان کی متعدد آخری قسطیں میری نظر سے گزریں، جن میں صفین و کربلا کے واقعات کے بعد ہاشمی اور اموی قرابتوں اور خود حضرت حسینؓ کی اولاد کی اموی اور مروانی خاندانوں میں رشتہ داریوں کا تفصیلی ذکر تھا مضمون چونکہ خالص علمی اور تاریخی تھا۔ اس لئے اسی وقت خیال ہوا کہ اگر یہ کتابی صورت میں شائع ہو جاتا تو اس سے زیادہ فائدہ پہنچتا کچھ عرصہ کے بعد دہلی جانا ہوا اور مولانا مفتی سید حفیظ الدین صاحب سے ملاقات ہوئی تو ان سے معلوم ہوا کہ اب ان تمام مضامین کو جو تذکرہ میں قسط وار شائع ہوتے تھے۔ کتابی شکل میں لانے کا اہتمام ہو رہا ہے۔ اس موقع پر مفتی صاحب ممدوح نے فرمایا کہ "اچھا ہوتا آپ بھی ایک تقریظ لکھ کر دیدیتے میں اس کو کراچی بھیجدوں گا" مضمون کی چند قسطیں نظر سے گزر چکی تھیں جو ہر طرح سے قابل تحسین تھیں اور جن سے فاضل مؤلف کے فکر عالی طرز استدلال۔ انداز نگارش اور خصوصاً فن تاریخ و اسماء الرجال اور علم الانساب میں مہارت اور مستند کتابوں سے قیمتی مواد کی فراہمی اور ان کی تحقیق (ریسرچ) کا اندازہ ہو ہی چکا تھا۔ اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود اسی وقت ارتجالاً ایک مختصر سی تقریظ لکھ کر مفتی صاحب کو دیدی جو کتاب کے ساتھ چھپ گئی ہے۔

اب جبکہ "خلافت معاویہ و یزید" کے نام سے کتاب چھپ گئی ہے جن میں وہ مضامین بھی ہیں جو "تذکرہ" کراچی کے چند شماروں میں میری نظر سے گزرے تھے۔ اور وہ بھی ہیں جن کو میں نہیں دیکھ سکا تھا تو اس وقت بھی اس کتاب کی افادیت اور اس کی اہمیت و ضرورت اور اس کے فاضل مؤلف کی فکر بلند۔ بے تعصبی اور تبحر علمی کے متعلق میرے تاثرات وہی ہیں جو اس پر تقریظ لکھتے وقت تھے لیکن اس کے ساتھ ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ کتاب کے اس حصہ میں جس کو طباعت سے پہلے میں نہیں دیکھ سکا تھا۔ کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جو علمائے سنت کی تصریحات کے خلاف ہیں تمثیلاً بعض بعض مقامات کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔ چونکہ فاضل مؤلف کے پیش نظر اصلاح امت ہے اس لئے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اگلے ایڈیشن میں جمہور علمائے سنت کی تصریحات اور ان کے مسلک کی روشنی میں اصلاح کر دی جائے گی۔ اس طرح کتاب کی افادیت بڑھ جائے گی۔

مولانا محترم نے جن امور کے بارے میں خاکسار مولف کو توجہ دلائی ہے عرض ہے کہ صفین کے موقع پر تو صرف ثالثی کا تقرر ہوا تھا معزولی کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا البعدمیں خود حضرت علیؓ ہی کے محترم ثالث نے انکی معزولی کا فیصلہ صادر کر دیا تھا جو حضرت علیؓ نے قبول نہ کیا تھا الخلافۃ ثلثون سنۃ کی وضعی حدیث کی نفی تو آنحضورؐ کے اس ارشاد سے جو مطابق واقعہ ہے ہو جاتی ہے کہ جبتک بارہ خلیفہ رہیں گے اسلام کو قوت شوکت حاصل رہے گی (م۔ ع ا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قطعہ تاریخیۃ عربیۃ

(از حضرت علامہ تمنا عمادی۔ ڈھاکہ)

نَقَّبْتَ یَا مَحْمُوْدُ مِنْ سُنَنِ الْهُدَا ۔۔۔ ةِ وَخَابَ مَسْعٰی کَارِهٍ اَوْ طَائِعٍ

اے محمود تم نے رہنمایانِ دین کی سنتوں کی بڑی تلاش کی ۔۔۔ اور ردّ مخالفین کی) خواستہ اور ناخواستہ سنتوں کی ناخواہ

فَلَنِعْمَ صُنْعُکَ رَابِحًا مُسْتَرْبِحًا ۔۔۔ اَصْنَعْ بِذَاكَ الصُّنْعِ خَیْرُ صَنَائِعٍ

تو کیا ہی اچھی یہ تمہاری صنعت ہے نفع بخش جس سے نفع حاصل کیا جائے ۔۔۔ یہ ایک عجیب و غریب صنعت ہے سب صنعتوں سے بہتر

لَجَنَیْتَ مِنْ رَوْضِ الْحَیٰوةِ جَنِیَّةً ۔۔۔ تُجْنٰی لِحَقٍّ فَهِیَ لَیْسَ کَمَائِعٍ

البتہ تم نے باغِ زندگی سے ایسے ایسے عمدہ پھل چنے ۔۔۔ جو حق کے مطابق چنے گئے اور وہ کسی بہ جانے والی چیز کیطرح

یَدْنُوْ لَهٗ اَعْجَابُ الْکِبَارِ وَاعْــ ۔۔۔ ـتَرَفُوْا بِهٖ، وَاَلَوْا الْقَوْلَ الرَّائِعِ

بڑے بڑے لوگ اس کو رغبت و شوق کی نظروں سے دیکھتے ہیں اور ۔۔۔ سب نے اس کا اعتراف کیا، اور اس کے متعلق اچھے الفاظ پیش کئے

شَابَ الزَّمَانُ وَمَا اَتٰی بِصَحِیْفَةٍ ۔۔۔ تَمْتَازُ مِنْ اَخَوَاتِهَا بِرَوَائِعٍ

زمانہ بوڑھا ہو گیا۔ اور کوئی ایسی کتاب پیش نہ کر سکا ۔۔۔ جو اپنی ہم رتبہ کتابوں سے عمدہ معقول باتوں میں ممتاز ہو

اِلَّا صَحِیْفَةَ عَالِمٍ مُتَحَدِّثٍ ۔۔۔ عَمَّا رَوٰی تَارِیْخُ اَهْلِ وَقَائِعٍ

بجز اس بڑے عالم کی کتاب کے جو خبر بتاتے ہیں ۔۔۔ ان باتوں کی جنکو واقعات والوں کی تاریخ روایت کرتی ہے

هٰذَا لَعَمْرُ اللّٰهِ مِنْ اَعْمَالِهٖ ۔۔۔ عَمَلٌ یُثَابُ عَلَیْهِ لَیْسَ بِضَائِعٍ

قسم ہے اللہ کی۔ ان کے اعمال میں سے یہ ۔۔۔ ایک ایسا عمل ہے جس پر ان کو ثواب ملے گا۔ ضائع نہ ہو گا۔

قَدْ مَازَ مِنْ سُنَنِ الَّذِیْنَ تَسَابَقُوْا ۔۔۔ کَمْ تُرَّهَاتٍ فَضَائِحٍ وَفَظَائِعٍ

اس عالم نے سابقین اولین (صحابہ) کی روشوں کو الگ کر دکھایا ۔۔۔ کتنے رسوا کن اور نہایت برے پروپاگنڈوں سے

عہ وما پچھے الفاظ بعد کے شعروں میں ہیں جن کی حیثیت مفعول کی ہے۔

وَاخَیْبَتَاهُ فَاِنَّ کَمْ مِنْ اَمْرِنَا ۔۔۔ حَقٌّ، وَفِی الْاَمْصَارِ لَیْسَ بِشَائِعٍ

ہائے رے ناکامی! ہمارے کتنے امور ہیں ۔۔۔ جو حق ہیں، مگر ملکوں میں شائع نہیں ہیں

کَمْ مِنْ خَفِیٍّ فِی السَّرَائِرِ صِدْقُهٗ ۔۔۔ وَاشْتُدَّ فِی الْبُطْلَانِ کَمْ مِنْ ذَائِعٍ

اور ایسی کتنی باتیں پوشیدہ ہیں جنکی سچائی دلِ اہلِ علم کے سینوں میں ۔۔۔ اور ایسی کتنی باتیں مشہور ہیں جو بالکل ہی باطل ہیں۔

وَدَفَاتِرٍ مَحْشُوَّةٍ بِاَبَاطِلٍ ۔۔۔ وَجَوَامِعٍ مَمْلُوَّةٍ بِشَنَائِعٍ

کتنے دفاتر ہیں جو باطل باتوں سے لبریز ہیں ۔۔۔ (اور) کتنے مجموعے ہیں جو جھوٹی بری خبروں سے بھرے ہوئے ہیں

اَسْلَافُنَا الْاَخْیَارُ کَانُوْا خِیْرَةً ۔۔۔ وَوَدَائِعُ الْاَخْیَارِ خَیْرُ وَدَائِعٍ

ہمارے اچھے اسلاف بہترین لوگوں میں سے تھے ۔۔۔ اور اچھے لوگ جو کچھ بطور سپردگی سونپ جاتے ہیں وہ اچھی ہی چیزیں ہوتی ہیں

السَّابِقِیْنَ الْاَوَّلِیْنَ الرَّاشِدِیْــ ۔۔۔ ـنَ۔ هُمْ لِجُنْدِ اللّٰهِ مِثْلُ طَلَائِعٍ

کس قدر اچھے وہ اگلے سبقت لیجانے والے ہدایت یافتہ لوگ تھے ۔۔۔ وہی لوگ اللہ کی فوج کے مقدمۃ الجیش تھے

طَلَائِعُ النَّجْدَةِ الْکَرَامَةِ کُلُّهُمْ ۔۔۔ اِحْسَانُهُمْ جَارٍ کَمَاءٍ ثَائِعٍ

ان میں کا ہر ایک بندگی کے مہمات کا سرگرمی والا تھا ۔۔۔ ان کی نیک کرداری بہتے پانی کیطرح (دنیا میں) پھیلی ہوئی ہے

فَاِنْ نَوْا نُهُوْضَ الْقَوْمِ یَا اَهْلَ النُّهٰی ۔۔۔ لَمَّا تَجَلّٰی مِنْ مُعِدٍّ نَازِعٍ

تو اے ہوشمند اقوم کے اٹھ کھڑے ہونے کو غور سے دیکھو ۔۔۔ جب ایک ابھار نیوالا آگے بڑھانیوالا ظاہر ہو گیا

هٰذَا کِتَابٌ اُحْکِمَتْ اَبْحَاثُهٗ ۔۔۔ بِوَسَائِلٍ حُسْنٰی وَخَیْرِ ذَرَائِعٍ

یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی بحثیں بہت مستحکم ہیں ۔۔۔ بہترین وسائل اور اچھے اچھے ذرائع سے

هٰذَا کَمَائِدَةٍ عَلَیْهَا اَطْعُمٌ ۔۔۔ مُدَّتْ اِلٰی سُغْبَانَ اَحْوَجَ جَائِعٍ

یہ ایک ایسا خوانچہ ہے جس پر طرح طرح کے کھانے ہیں ۔۔۔ جو کسی خالی پیٹ والے حاجت مند کے آگے رکھا گیا ہے

هٰذَا طَعَامٌ اَوْ شَرَابٌ طَیِّبٌ ۔۔۔ یَدْعُوْ بِهٖ مِنْ جَائِعٍ اَوْ نَائِعٍ

یہ ایک غذا ہے یا ایک پاکیزہ شربت ۔۔۔ جس کو بھوکا یا پیاسا طلب کر رہا ہے

عہ یہ تینوں کلمے منصوب بالمدح ہیں

إِنَّ الْقُلُوبَ إِلَيْهِ تُجْذَبُ دَائِمًا
بلاشبہ دل اسکی طرف برابر کھنچے ہی چلے جائیں گے

جَذْبَ الْحَدِيدِ بِطَبْعِهِ لِطَبَائِع
اس کھچ جانیسے انکی طرف طبائع کیلئے ایک کشش پیدا ہوگی

طُوبَى لِكُتُبِي الْبِلَادِ فَإِنَّهُ
شہروں کے کتب فروشوں کے لئے مبارکباد ہے کہ

رِبْحٌ بِهِ لِلْمُشْتَرِي وَالْبَائِع
اس میں خریدار اور بیچنے والے دونوں کا نفع ہے۔

إِنِّي بِرَبِّي مُولَعٌ بِمَدِيحِهِ
قسم ہے میرے رب کی کہ میں اس کتاب کی مدح وثنا کا بیحد گرویدہ ہوں

لٰكِنَّ لِي غَمَصٌ لِفَقْدِ بَضَائِع
لیکن دکھ کیا کروں، اپنی بے بضاعتی سے دردمند ہوں

لَا سِيَّمَا لَمَّا أَرَى إِخْوَانَنَا
خصوصاً جب میں اپنے بھائیوں کو دیکھتا ہوں

مُسْتَحْسِنِينَ شُيُوعَ سُوءِ صَنَائِع
بری باتوں کی اشاعت کو پسند کرتے ہوئے

حَسِبُوا اخْتِرَاعَاتِ الْهَوَى حَسَنًا لَهُم
ہوا وہوس کے ایجادات کو لوگوں نے نیکیاں سمجھ لی ہیں

وَتَخَيَّرُوا فِي الدِّينِ شَرَّ بَدَائِع
اور بدترین بدعتوں کو دینی حیثیت سے اختیار کرلیا ہے۔

مُلِئَ الْفُؤَادُ كَآبَةً وَجِرَاحَةً
دل کبیدگی اور زخم سے بھر گیا

مِنْ دَائِهِمْ أَوْ هُمْ لَنَا كَنَزَائِع
ان کی روش سے کیا یہ لوگ دوسرے قبائل کی عورتیں ہیں جو ہمارے

الْمُسْلِمُونَ تَكَلَّفُوا بِشَرِيعَةٍ
سارے مسلمان ایک شریعت پر مکلف کئے گئے تھے

وَالْآنَ هُمْ أَيْدِي سَبَا بِشَرَائِع
اور اب یہ لوگ بہت سی شریعتوں سے الگ الگ وابستہ ہیں

مُتَنَفِّرِينَ عَنِ الْهُدَى أَمَّا الْهَوَى
ہدایت سے بری طرح متنفر ہیں۔ مگر خواہش نفس

فَإِلَيْهِ مَيْلُهُمْ كَغُصْنٍ نَائِع
تو اس کی طرف ان کا میلان اس طرح ہے جیسے درخت کی شاخ جھکی

يَا لَيْتَهُمْ شَعَرُوا إِذَا مَا اسْتَكْبَرُوا
اے کاش جس وقت یہ لوگ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں ہوتے ہیں یہ بھی سمجھتے

لِلْمَوْتِ كُلُّ النَّاسِ مِثْلُ نَقَائِع
کہ سب لوگ موت کے لئے ایسے ہیں جیسے ذبح کئے گئے ہوں

مَهْ يَا لَهْمَنَا إِذْ أَمْشِ فَرْدًا وَاصْطَبِرْ
جب ہو جائے تمنا اور تنہا ہی اپنی راہ لے۔ اور صبر کرلے

لَا تُلْفِيَنَّ هُنَاكَ مِنْ مُتَشَائِع
تو یہاں کسی کو بھی راہ کا ساتھی کبھی نہ پائے گا۔

عہ منصوب بالذم

أَلَّا أَخًا حِبًّا حَبِيبًا مُخْلِصًا
بجز ایک حبیب محبوب مخلص بھائی کے

بَايَعْتَهُ بِالْحُبِّ خَيْرَ مُبَائِع
جس کے ہاتھ پر تو نے ایک اچھے بیعت کرنیوالے کی حیثیت سے محبت کی بیعت کی

أَخَّيْتَ مِنْ مَحْمُودٍ أَحْمَدَ فَاغْتَنِمْ
تو نے جو محمود احمد صاحب سے بھائی چارا قائم کر لیا ہے تو اسکو غنیمت جان

أَرْجُوهُ أَنْ سَيَكُونُ خَيْرَ مُشَائِع
میں امید رکھتا ہوں کہ وہ عنقریب ایک اچھے رفیق راہ ثابت ہونگے

هُوَ مَنْ يُحِبُّكَ مِنْ صَمِيمِ فُؤَادِهِ
وہ (بھی) تجھ سے تہ دل سے محبت کرتے ہیں

وَتُحِبُّهُ حُبًّا كَحُبِّ لَائِع
اور تو بھی ان سے ایسی محبت رکھتا ہے جو بیمار دل والی محبت کی طرح

هٰذِي صَحِيفَتُهُ قَدْ طُبِعَتْ فَخُذْ
یہ ان کی کتاب ہے جو چھپ گئی تو اب اسکو لے لے

ذِكْرَى لِأَصْحَابِ اللَّعَا وَتَتَابُع
یہ نصیحت ہے جھگڑنے والوں اور بیباک ہاتھ پیر مارنے والوں

فَيُخْرِجُونَ مِنَ الْبُطُونِ حُقُودَهُمْ
تو اب یہ لوگ اپنے کینوں کو پیٹ کے اندر سے نکال پھینکیں گے۔

مُتَهَوِّعِينَ إِذًا كَهَيْئَةِ هَائِع
جس طرح قے کرنیوالے پیٹ کی غذا اگل دیتے ہیں۔

وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ الْكَرِيمَ وَعُذْ بِهِ
اور اللہ رب کریم سے مغفرت طلب کر اور پناہ ڈھونڈ

مِنْ كُلِّ أَهْوَالٍ وَكُلِّ فَجَائِع
ہر طرح کے ہولوں سے اور ہر طرح کی مصائب سے

وَبِهِ تَعَوَّذْ فِي سَبِيلِ الدِّينِ مِنْ
اور اسی کی بارگاہ میں پناہ ڈھونڈ دین کی راہ میں

مُتَشَايِعٍ مُتَفَرِّعٍ أَوْ قَائِع
ایسے ساتھی سے جو حرکت کرکے الگ جانیوالا ہو یا پسپا ہونیوالا ہو۔

وَإِذَا سُئِلْتَ فَقُلْ لَهُمْ تَارِيخَهُ
اور جب تجھ سے پوچھا جائے تو لوگوں سے اس (کے چھپنے) کی تاریخ کہہ

"هٰذَا كِتَابٌ سَابِقٌ بِبَدَائِع"
یہ کتاب ہے بہترین نئی باتوں پر سبقت لیجانے والی۔

قطعہ تاریخ فارسیہ

ازقلم:۔ علّامہ تمنّا عمادی مقیم ڈھاکہ مشرقی پاکستان

چہ کتابے نوشت محمود م — نیک تریاقِ زہر تاریخ است
ہست جامِ جہان نما کہ درو — حالِ ہر سرّ دہر تاریخ است
تشنۂ حق ازیں شود سیراب — شاخ شیریں زنہر تاریخ است
طبع چون گشت معدنِ تاریخ — نقرہ خوش زبہر تاریخ است

سالِ طبع مسیحش روشن
ز آفتاب سپہر تاریخ است
۱۹۶۷ء

ایضاً

بول اٹھا جس نے بھی دیکھی یہ کتاب بے مثل — کلمہ صدق کی تصدیق ہی تحقیق مزید
مصرعِ سال طباعت یہ تمنّا لکھ دو — لوح دیباچہ تحقیق ہے تحقیق مزید
۱۳۸۶ھ

نذرِ عقیدت

ازقلم علّامہ تمنّا عمادی ڈھاکہ

(بزبان اردو)

اہل حق بھی کہیں باطل سے دبا کرتے ہیں — راست گوئی میں کبھی شرم و حیا کرتے ہیں؟
خلطِ مبحث نہیں کرتے ہیں پسند اہل صفا — حق سے باطل کو ہمیشہ یہ جدا کرتے ہیں
پرسشِ حشر سے ڈرتے ہیں جو کچھ لکھتے ہیں — دل میں محسوس بہت خوفِ خدا کرتے ہیں
جانتے ہیں، کہ ہے کتمانِ حقیقت کیا چیز — جو سمجھ کر کبھی قرآن پڑھا کرتے ہیں
ان کے مذہب میں تقیہ، نہ تعصّب نہ غلو — حق کے جو بندے ہیں وہ حق ہی کہا کرتے ہیں
حق کو حق، اور جو باطل کو بتائے باطل — اس سے جو لوگ خفا ہیں وہ جفا کرتے ہیں
اہل باطل کی حمایت کو جو اٹھ بیٹھے ہیں — الٹے پوچھے تو کوئی آپ یہ کیا کرتے ہیں
دھمکیاں دے، کہ کوئی آنکھیں دکھائے ان کو — گھڑکیوں سے کبھی حق گو بھی ڈرا کرتے ہیں؟
اُن کو پروا نہ کبھی "لومۃ لائم" کی رہی — دین کا کام جو از بہرِ خدا کرتے ہیں
کوئی مومن نہیں رہتا ہی مداہن ہو کر — صاف ہی بات سدا اہل صفا کرتے ہیں
بارک اللہ لک اے حضرت محمود احمد — آپ کے حق میں بہت لوگ دعا کرتے ہیں
لاتخف اِنَّ ربک یجزیک جزاءً حسنًا — جو بُرا کہتے ہیں تم کو وہ بُرا کرتے ہیں
"آفریں باد بریں ہمتِ مردانہ تو" — آدمی کیا ہیں، ملک تک بخدا کہتے ہیں

آپ کی داد تمنّا ہی نہیں دیتا صرف
اہل انصاف سبھی مدح و ثنا کرتے ہیں

(ایضاً بزبان پارسی)

خامۂ محمود چوں رایتِ املا کشید
پایۂ تاریخ را از ہمہ بالا کشید

از پئے احقاقِ حق و ز پئے تکذیبِ کذب
زحمتِ ہر روزہ برد، محنتِ شبہا کشید

طاقتِ ذہن و قلم، قوتِ صدق و صفا
از چہ فسوں ہر دو را در حدِ احصا کشید

وہ چہ کتابے نوشت، جاذبِ انظارِ خلق
سوئے خود از ہر طرف دامنِ دل را کشید

نسخۂ تاریخ را طبلۂ عطار ساخت
گل ز چمنہا ربود، عطر ز گلہا کشید

ہر سطرش در جہاں معجزۂ ہمچو میل
کحل بصیرت بہر دیدۂ عمیا کشید

طرفہ نہاد است خواں، داد صلائے بر آن
از پئے روشن دلاں سفرۂ یغما کشید

شکرِ خدا، کاندریں، دورِ زماں دستِ حق
بر رخش از نقش چاپ معجرِ زیبا کشید

دجل، کہ بنہادہ بود، رختِ خود اندر جہاں
بر سرِ خود چادرے از پرِ عنقا کشید

فارسِ میدانِ کذب، پیش ازیں ہر کہ بود
در تہ دامانِ یاس پیش جہاں پا کشید

بود بدل ہر کرا رفض ز اہلِ وفا
دل تو لا نہاد، رخ ز تبرا کشید

بست چو محمود من نقشِ خوشے در سیر
نقشِ نوی در ثنا کلکِ تمنا کشید

التہنیات للحضرۃ العلامۃ محمود احمد العبّاسی بالفتح العظیم
فی القضیۃ العظمی بینہ وبین اللاعنین

(جناب اقبال احمد العمری ایم۔اے، ایل ایل بی)

جزی اللّٰہ محمودا عن الحق ما بدا
اللہ محمود (احمد عباسی) کو اچھا بدلہ دے

لہٗ فی الاغاوی ماتنہ المشارق
اور تمام جھگڑوں میں حق ظاہر ہو کر رہا

بحق مبین ماکسبت علی الخنی
لوگوں کی بدگوئی میں جو حق ظاہر ہوا

تبارکت ما ترجوا، یشاء، یصادق
وہ اللہ آپ کو مبارک کرے

حمیت الحمیّ الحامی الحر حمیۃ
تم نے آزاد مرد کی طرح ملامت کے مقابلہ

من اللوم لیس المجد ابدا یصادق
میں حمایت کی اور شرافت کبھی اسکی دوست نہیں ہوتی

یھنیک قلبی التہنیات الاطابیا
میرا دل تمہیں اچھی طرح مبارکباد پیش کرتا ہے

کما ذرّت الافاق ماذرّ شارق
اس وقت تک کے لئے جبتک زمانہ قائم ہے اور ذرات چمکیں

رعی من رعی الانصار للّٰہ حسبۃ
اللہ ان کی حفاظت کرتا ہے جو اس کے دوستوں کی حفاظت

لہ کالغرات الغرّ والبرق صاعق
کرتے ہیں اور انکی روشن جبیں کو غازیوں کا اور چمکنے والی بجلیوں کا رتبہ دیتا ہے۔

حاجیوں کے نام حضرت عثمانؓ کے آخری خط کے فقرے

ابتداء میں کلام اللہ کی چودہ آیتیں درج کرنے کے بعد تحریر کیا تھا کہ :۔

امابعد! جو لوگ میرے متعلق یہ سب باتیں کہتے ہیں وہ بظاہر اللہ کی کتاب کی طرف دعوت دیتے ہیں اور حق کی طرف بلاتے ہیں، وہ کہتے ہیں، دنیا ان کا مقصود نہیں، پھر جب اُن کے سامنے حق پیش کیا گیا تو لوگ مختلف خیال کے ہو گئے، کسی نے تو حق کا دامن پکڑ لیا، کسی نے انکار کیا، کسی نے محض اس شوق میں کہ تجبر اور بلا حق منصب خلافت حاصل کریں حق کو چھوڑ دیا، میری عمر کے ساتھ اقتدار کے لئے ان کی امیدیں بھی طویل ہو چکی ہیں۔ اس لئے وہ عجلت سے کام لے رہے ہیں۔ انہوں نے آپ لوگوں کو لکھا ہے کہ وہ میرے وعدے کے سلسلے میں دوبارہ آتے ہیں، لیکن میں نہیں جانتا کہ میں نے کوئی ایسی بات چھوڑ دی ہے جس کا میں نے ان سے عہد کیا تھا، ان کا خیال ہے کہ وہ مجھ سے حدود جاری کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں، میں نے کہا ایک کے بارے[1] میں تم جاری کرو جس کے متعلق تم جانتے ہو کہ وہ مجرم ہے، جس نے تم پر دُور یا نزدیک سے ظلم کیا ہو اس پر تم حد جاری کرو وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید پڑھا جائے، میں نے کہا پڑھے جسے پڑھنا ہے لیکن جو بات خدا نے نازل نہیں کی ہے، اُس میں غلو اور تشدد سے کام نہ لے، انھوں نے کہا درماندہ اور بیکسوں کی امداد ہونی چاہیئے، مال کے ذریعے اچھی اور مفید راہیں نکالنی چاہئیں خمس اور صدقات کے بارے میں بے عنوانی نہیں ہونی چاہیئے، اچھے قوی ایمان دار اور متقی افراد کو حاکم بنانا چاہیئے۔ مظلوموں کو انصاف ملنا چاہیئے، میں نے یہ تمام باتیں منظور کیں، میں ازدواج مطہرات کے پاس گیا اور ان سے گفتگو کرتے ہوئے سوال کیا مجھے کیا حکم دیتی ہیں انہوں نے کہا عمرو بن العاص کو حاکم بناؤ اور عبداللہ بن قیس کو اور معاویہ کو اپنی جگہ رہنے دو۔ ان کو آپ کے پہلے خلیفہ نے حاکم بنایا ہے، پھر ان سے ان کی حکومت کے لوگ خوش ہیں عمرو بن العاص کو ان کے عہدے پر لوٹا دو، ان کا صوبہ اُن سے راضی ہے۔ یہ سب باتیں میں کر دیں لیکن اُس نے مجھ پر زیادتی کی اور حق کی حدود سے متجاوز ہوا،

میں یہ خط آپ کو لکھ رہا ہوں اور میرے کردہ ساتھی جنھیں خلافت کی طمع ہے جلد بازی سے کام لے رہے ہیں انہوں نے مجھے نماز سے روک دیا ہے میرے اور مسجد کے درمیان حائل ہو گئے اور مدینے میں لوٹ اور غارت گری مچا دی ہے، میں آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں اور یہ لوگ میرے سامنے تین باتیں پیش کر رہے ہیں ایک تو یہ کہ میں ہر اس شخص کو بدلا دوں جس کو مجھ سے بجا یا بیجا نقصان پہنچا ہو، دوسری یہ کہ میں خلافت سے دستبردار ہو جاؤں تاکہ یہ لوگ کسی دوسرے کو خلیفہ بنا لیں۔ تیسری یہ کہ میں اُن کے کسی ہم خیال صوبے یا شہر میں چلا جاؤں، جہاں میری اطاعت سے گلو خلاصی حاصل کر لیں، میں نے ان سے کہا پہلے کے خلفا سے بھی بجا یا بیجا غلطیاں ہوئی ہیں، لیکن ان سے کسی نے بدلے کا مطالبہ نہیں کیا، میں جانتا ہوں کہ یہ لوگ میری جان کے پیچھے پڑے ہیں، اب رہی یہ بات کہ اللہ عزوجل کے کام اور خلافت سے دست بردار ہو جاؤں تو مجھے یہ گوارہ نہیں اس سے زیادہ پسندیدہ میرے لئے یہ ہے کہ مجھ پر کتے چھوڑ دیئے جائیں، اب رہا میرا شہروں میں بھیجا جانا جہاں لوگ میری اطاعت سے انکار کریں تو میں کوئی ان کا مختار نہیں ہوں پہلے بھی میں نے اپنی اطاعت پر ان کو مجبور نہیں کیا تھا انہوں نے تو اپنی اصلاح اور خوشنودی کے لئے خود ہی اطاعت کا اعلان کیا، تم میں سے جو بھی صرف دنیا کا طالب ہو گا اس کو اتنا ہی ملے گا جتنا خدا نے اس کے لئے مقدر کیا ہے، اور جس کا مقصود اللہ اور آخرت ہے امت کا مفاد ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دونوں خلفاء کی سنّت ہے تو اللہ اس کو اس کی جزا دے گا میرے ہاتھ میں اس کی جزا نہیں، اگر میں تم کو ساری دنیا بھی دے دوں تو یہ تمہارے دین کی قیمت نہ ہو گی پس خدا سے ڈرو اور جو کچھ اس کے پاس ہے اُس کا ٹھیک اندازہ کرو تم میں سے جس کو عہد و پیمان توڑ دینا ہو، میں اس کیلئے یہ پسند نہیں کر سکتا اور نہ خدا کو یہ پسند ہے کہ اس کا عہد و پیمان توڑ دیا جائے۔ مجھ کو جو چیز پیش کی جا رہی ہے وہ حقیقت میں موت ہے اور دوسرے کو خلیفہ بنا دینا میں اس کو اللہ سبحانہ کی نعمت کو پھیر دینا تصور کرتا ہوں، اور خونریزی کو، امّت میں نفاق کو اور برے طریقے کو ناپسند کرتا ہوں، میں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر تم سے کہتا ہوں کہ صرف حق اور عدل کا دامن پکڑو جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے حکم دیا ہے اور اس کے معاملے میں عہد کی پابند

---

[1] طبری کے متعدد نسخوں میں اسی طرح ہے کہ اقیموھا علی من علمتم تعدّاھا فی احدٍ

کتابیات

۱۔ اخبار الطوال ابوحنیفہ الدینوری
۲ اخبار القرامطہ بالیمن
۳ ادب الخلفاء الاموی
۴ ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ
۵ الاستیعاب ابن عبدالبر
۶ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ
۷ الاصابہ فی تمیز الصحابہ ابن حجر
۸ الاعلام قاموس التراجم الزرکلی
۹ اعلام الموقعین ابن قیم
۱۰ الامامۃ والسیاسۃ
۱۱ البدایہ والنہایہ ابن کثیر
۱۲ اتمام الوفا فی سیرۃ الخلفا الخضری
۱۳ التنبیہ والاشراف مسعودی
۱۴ تقریب التہذیب ابن حجر
۱۵ الروض الانف شرح سیرۃ النبویہ
۱۶ اسلام یمعتقدات دآئین (لامن)
۱۷ العواصم من القواصم قاضی ابوبکر بن العربی
۱۸ انساب الاشراف بلاذری
۱۹ انسائکلوپیڈیا آف اسلام (انگلش)
۲۰ 〃 〃 برٹانیکا (گیارہواں اڈیشن)
۲۱ تاریخ ادبیات فارسی براؤن (انگلش)
۲۲ تاریخ ادبیات عرب نکلسن (〃)
۲۳ تاریخ ابن خلدون
۲۴ تاریخ ابن عساکر
۲۵ تاریخ الامم والملوک طبری
۲۶ تاریخ خطیب بغدادی
۲۷ تاریخ الخمیس دیار بکری
۲۸ تاریخ عرب امیر علی (انگلش)
۲۹ تاریخ عرب ہِتی (انگلش)
۳۰ تاریخ عروج وزوال امۃ الکبریٰ 〃
۳۱ تاریخ کعبۃ المعظمہ ازراقی
۳۲ الجامع اللطیف
۳۳ جلاء العیون ملا باقر مجلسی
۳۴ جمہرۃ الانساب ابن حزم
۳۵ جمہرۃ الخطب العرب احمد زکی صفوت
۳۶ حملہ حیدری مرزا ربیع باذل
۳۷ حیات الحیوان دمیری
۳۸ خلیفہ معاویہ لامن (ترجمہ)
۳۹ خلیفہ یزید 〃 〃
۴۰ سنن ابی داؤد
۴۱ سنن نسائی
۴۲ سیرۃ ابن ہشام
۴۳ سیرۃ الحلبیہ
۴۴ سیرۃ النبی علامہ شبلی
۴۵ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید
۴۷ شیعیان ہند مسٹر ہولسٹر
۴۸ صحیح البخاری
۴۹ 〃 مسلم
۵۰ طبقات ابن سعد
۵۱ طبقات الشافعیہ
۵۲ عثمان ڈاکٹر طٰہٰ حسین
۵۳ علی وبنوہ 〃
۵۴ عقد الفرید احمد بن عبدربہ
۵۵ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب
۵۶ فاطمیین مصر ڈاکٹر زاہد علی
۵۷ فتح الباری شرح بخاری
۵۸ کتاب اغانی ابوالفرج اصفہانی
۵۹ کتاب الخراج وصنعۃ الکتابت ابوالفرج قدامہ
۶۰ کتاب السلوک الجندی
۶۱ کتاب الصافی الکلینی
۶۲ کتاب المحبر ابوجعفر محمد بن حبیب
۶۳ کتاب المعارف ابن قتیبہ
۶۴ کتاب نسب قریش مصعب الزبیری
۶۵ مجاہد اعظم شاکر حسین نقوی
۶۶ محاضرات تاریخ الخضری
۶۶ مسند احمد بن حنبلؒ

(بقیہ صفحہ ۵۱۴ پر)

کرو ارشاد خداوندی ہے اوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا یہ میری اللہ سے معذرت ہے شاید تم کچھ نصیحت پکڑ و اما بعد۔ میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی ان ربی غفور رحیم میں نے اگر کچھ لوگوں کو سزائیں دی ہیں تو اس سے میرا مقصد بھلائی کے سوا کچھ نہ تھا، میں اپنے ہر کام سے خدا کی طرف رجوع ہوتا ہوں اور اس سے مغفرت چاہتا ہوں اس کے سوا کوئی درگزر کرنے والا نہیں میرے رب کی رحمت ہر چیز کو شامل ہے انہ لا یقنط من رحمۃ اللہ الا القوم الضالون۔ انہ یقبل التوبۃ عن عبادہ و یعفو عن السیئات و یعلم ما یفعلون میں خدا سے تمہاری اور اپنی مغفرت چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس امت کے دل بھلائی پر جمع کر دے اور فسق سے ان کو دور رکھے؛ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ایھا المومنون المسلمون۔

(بقیہ کتابیات)

۶۷ مصباح الظلم امداد امام
۶۸ معجم البلدان یاقوت حموی
۶۹ مقاتل الطالبین ابوالفرج اصفہانی
۷۰ مقتل حسین ابی مخنف ازدی
۷۱ مقدمہ تاریخ ابن خلدون
۷۲ الملل والنحل ابن حزم
۷۳ 〃 〃 شہرستانی
۷۴ منہاج السنہ ابن تیمیہؒ
۷۵ الموطاء امام مالکؒ
۷۶ میزان الاعتدال ذہبی
۷۷ ناسخ التواریخ سپہر کاشانی
۷۸ نزہۃ القلوب حمد اللہ مستوفی
۷۹ وقعۃ الصفین نصر بن مزاحم
۸۰ ہمارے اسمٰعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام ڈاکٹر زاہد علی

٭٭٭٭

از قلم محمد عبد اللہ فائق کرتپوری مقیم کراچی

تھا سراپائے حقیقت د رحجاب ناروا ؛ ہمت محمود احمد پردۂ باطل درید
از پئے تاریخ فائق فکر کی کیا بات ہے ؛ کہدو مقبول جہاں ہے نقش تحقیق مزید

۱۳۸۱ھ

رباعی و قطعہ تاریخ

(از پروفیسر محمد مسلم صاحب مسلم عظیم آبادی)

محمود ہے محمود کی تالیف جدید ؛ الحق کہ یہی باب حقیقت کی کلید
مسلم نے کیا مصرع تاریخ یہ عرض ؛ کیا خوب ہے یہ آپکی تحقیق مزید

۱۳۸۱ھ

قطعہ

محدثوں نے کھنگالی بہت حدیث و خبر ؛ مورخوں نے دکھائی مہارت تنقید
کیا نہ عدل کسی نے بنو امیہ سے ؛ رہے ستم زدہ اب تک معاویہؓ و یزیدؒ
عجم کے اہل قلم تھے وہ شاطر عیار ؛ سفید کو جو سیہ کر دیں اور سیہ کو سفید
تھی یہ سعادت عظمیٰ نصیب عباسی ؛ حجاب باطل اٹھا رونما ہوا خورشید
چمک اٹھے گا اب اک ایک گوشۂ تاریک ؛ کہ پھیلی مشعل تحقیق کی ضیائے مزید
امام کوئی بھی معصوم ہو رسول کے بعد ؛ نہیں ہے ایں سے کوئی بڑھ کے افترائے شدید
حسین ابن علیؓ گفت "می کنم بیعت"[1] ؛ محمد ابن علیؓ[2] ہم گرفت دست یزیدؒ
جناب ابن عمرؓ ہم وفائے بیعت کرد ؛ جمیع ہاشمیاں ہم چنان بلا تردید

[1] طبری والبدایہ ودیگر کتب [2] ابن الحنفیہ۔

قطعہ تاریخ فارسی

(از حکیم محمد ظہیر الدین عباسی جونپوری مقیم کراچی)

چون علیؓ جام شہادت نوش کرد ؛ متحد شد کل گروہِ مومنین
پس معاویہؓ بغیرِ اختلاف ؛ شد امیر اجتماع المسلمین
کاتب سترِ نبوت بود او ؛ ہم صحابی ہم امیر المومنین
بعد اناں ابن معاویہؓ یزیدؒ ؛ بر صحابہ شد امیر المومنین
بود او ابن صحابیؓ رسول ؛ خود امیر ابن امیر المومنین
کرد امامت بر صحابہائے رسول ؛ یوم حج او بود، امام المسلمین
بود دامادِ بنی ہاشم یزیدؒ ؛ از بنی اعمامِ خیر المرسلین
آن یزیدؒ نامور مغفور شد ؛ از حدیثِ رحمۃٌ للعالمین
نہر او شد باقیات الصالحات ؛ کرد جاری او برائے مومنین
عالم و شیرین بیان بوداست او ؛ گفت ابن عمِ خیر المرسلین[1]
کردہ تعریفِ یزیدؒ متقی ؛ عالمانِ اولین و آخرین
معجزہ کرد این کتاب لاجواب ؛ اے مسلمان! این کرامت را ببین
درمیانِ ہر دو سنی فرق شد ؛ غیر لاعن شد جدا از لاعنین
از حوالہ شد مزین این کتاب ؛ کرد تصنیف از بیانِ صادقین
کرد باطل اعتقادِ فاسدہ ؛ ماحی کذب و دغل، بدعاتِ دین
حضرت محمود باشد بے گمان ؛ عالم و فاضل، محقق بالیقین
کاتب حالاتِ اسلافِ نکو ؛ مصلح تاریخ عہدِ اولین
کرد تصحیح روایاتِ قدیم ؛ دور شد اغلاط از تحریر این
کاشفِ رمزِ حقیقت زندہ باد ؛ زندہ باد! اے واقفِ اسرار دین
زندہ باد اے ضیغم علم و عمل ؛ از طفیل رحمۃٌ للعالمین
گفت ہاتف خوب تر شد این کتاب ؛ می شود از تخرجہ تاریخ این

۱۹۹۶ - ۳۵ = ۱۹۶۱ء

سر جدا کرد این کتاب لاجواب ؛ از تمامی ہاجیان و لاعنین

تخرجہ ۵+ل = ۵+۳۰ = ۳۵

[1] حضرت ابن عباسؓ

دلہٗ

قطعہ اُردو

غزالی ثانی ہیں محمود احمد — مورخ، وسیع النظر اور اعلَم
مجدد ہیں تجدید تاریخ میں وہ — کیا جھوٹی باتوں کا شیرازہ برہم
وہ تالیف صادق میں ابن حزم ہیں — درایت میں ہیں خلدونِ معظم
ہیں ابن تیمیہ تنقید میں ہیں — دلائل میں ہیں ابن عربیِ اعظم

جو تاریخ تصنیف کو ڈھونڈتے ہو
تو کہدو۔ وہ ہادی معظم مکرم

۱۳۸۱ھ

(ایضاً)

(از قلم سید خورشید علی صاحب مہر تقوی جے پوری مقیم کراچی)

قطعہ تاریخ از صفائے قلب مہر

۱۹۶۱ء

بمژدۂ انبساط تالیف "تحقیق مزید" — مولفہ صداقت پسند محمود عباسی امروہوی

۱۳۸۱ھ — ۱۳۸۱ھ

حضرتِ محمود عباسی نے لکھی وہ کتاب — عالم تمثیل میں جس کی نہیں دید و شنید
مہر کو تھا اس کی تاریخِ طباعت کا خیال — بولا ہاتف جامع و بے مثل "تحقیق مزید"

۱۳۸۱ھ